برصغیر میں

اُصولِ تفسیر کے

مناہج واثرات

تجزیاتی و تنقیدی مُطالعہ

ڈاکٹر عبیدُالرحمٰن محُسن

Marfat.com

برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج واثرات

تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر عبیدالرحمٰن محسن

نشریات

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0321-4589419

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۶ء

نام کتاب:	....	برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج واثرات
مصنف:	....	ڈاکٹر عبید الرحمٰن محسن
اہتمام:	....	نشریات
مطبع:	....	عثمان، عمیر، شفیق پریس
صفحات:	....	۶۳۱
جلد ساز:	....	بنیامین

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Kitabsarasy@hotmail.com

نئی کتاب
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

Marfat.com

۲۸-۰۷-۲۰۱۴

ترتیب

- مقدمہ ۱۲
  - موضوع تحقیق کا تعارف ۱۲
  - منہج تفسیر بالماثور ۱۲
  - منہج تفسیر بالرای المحمود ۱۳
  - فراہی مکتب فکر ۱۳
  - انحرافی مکتب فکر (تفسیر بالرای المذموم) ۱۳
  - موضوع تحقیق پر ہونے والا سابقہ کام ۱۴
  - ضرورت واہمیت ۱۵
  - اہداف تحقیق ۱۶
- باب اول: علم اصول تفسیر: معنی ومفہوم، آغاز وارتقاء ۱۷
  - تعارف ۱۸
- فصل اول: اصول، تفسیر اور مناہج کا لغوی واصطلاحی مفہوم ۱۹
  - اصول کا لغوی واصطلاحی مفہوم ۲۰
  - تفسیر کا لغوی واصطلاحی مفہوم ۲۴
  - تاویل اور تفسیر ۳۲
  - اصول تفسیر، قواعد تفسیر اور علوم القرآن ۳۶
- فصل ثانی: برصغیر میں علم تفسیر کا تاریخی جائزہ ۴۱
  - برصغیر میں تفسیر قرآن کی ابتدائی مساعی ۴۲
  - لاہور کے سب سے پہلے مفسر قرآن ۴۴

Marfat.com

- آٹھویں صدی تا سولہویں صدی کی اہم تفاسیر ۴۵
- عہد اکبری میں علم تفسیر ۵۰
- سترہویں صدی کے برصغیر میں علم تفسیر ۵۳
- شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بعد علم تفسیر ۵۷

فصل ثالث: برصغیر کے تفسیری رجحانات ۵۹

- حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک تفسیری رجحانات ۶۰
- ڈاکٹر محمد حسین الذہبی کے نزدیک تفسیری رجحانات کی تقسیم ۶۲
- ڈاکٹر محمد لطفی الصباغ کے نزدیک تفسیری رجحانات کی تقسیم ۶۴
- ڈاکٹر فہد الرومی کے نزدیک تفسیری رجحانات ۴۶
- برصغیر کے تفسیری رجحانات ۶۵
- اثری رجحان ۶۵
- کلامی رجحان ۶۷
- مناظراتی رجحان ۶۹
- مسلکی رجحان ۷۱
- فقہی رجحان ۷۶
- تلاش نظم کا ادبی رجحان ۷۷
- تحریکی رجحان ۷۷
- مخصوص علمی واصلاحی رجحان ۷۹
- لغوی رجحان ۸۲
- درسی وفنی رجحان ۸۲
- اشاری رجحان ۸۲
- قراءات کا رجحان ۸۲
- جامع رجحان ۸۳
- ادبی اجتماعی رجحان ۸۳
- صناعت لفظی کا رجحان ۸۳
- نعتی رجحان ۸۳
- انحرافی نیچری رجحان ۸۴

Marfat.com

- انحرافی اشتراکی رجحان ۸۴
- انحرافی قادیانی رجحان ۸۴
- لامنہجی رجحان ۸۴
- انحرافی شیعی رجحان ۸۵
- اعجازی سائنسی رجحان ۸۵

◆ فصل رابع: برصغیر میں علم اصول تفسیر اور اس کے مناہج، عمومی تعارف ۸۶
- برصغیر میں علوم القرآن اور اصول تفسیر ۸۷
- لغات القرآن اور برصغیر ۸۹
- قواعد لغۃ القرآن ۹۰
- برصغیر میں علم اصول تفسیر ۹۰
- مناہج اصول تفسیر کی نمائندہ شخصیات ۹۳
- نتائج تحقیق باب اول ۱۱۰

◆ باب دوم: منہج تفسیر بالماثور، ضرورت واہمیت، اثرات ۱۱۳
- تعارف ۱۱۴

◆ فصل اول: تفسیر بالماثور، معنی ومفہوم وضرورت واہمیت ۱۱۵
- تفسیر بالماثور کا لغوی مفہوم ۱۱۶
- اصطلاحی تعریف ۱۱۶
- منہج تفسیر بالماثور کی ضرورت واہمیت ۱۱۸

◆ فصل ثانی: منہج تفسیر بالماثور میں حدیث کی اہمیت ۱۲۹
- حدیث کے بغیر قرآن مجید پر ایمان لانا ممکن نہیں ۱۳۰
- قرآن مجید کی شرعی تشریحات حدیث کے بغیر ممکن ہی نہیں ۱۳۱
- غزوات ووقائع پر مشتمل آیات کی تفسیر حدیث وسیرت کے بغیر ناممکن ہے ۱۳۲
- تفسیر قرآن نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرض منصبی ہے ۱۳۴
- قرآن مجید کے معانی ومفاہیم بھی نبی اکرم ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوتے ہیں ۱۳۸
- خود رسول عربی ﷺ بھی تفسیر قرآن میں وحی خفی کے محتاج تھے ۱۴۲
- آیات کی طرح مفاہیم قرآن کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے ۱۴۳

Marfat.com

- حدیث عمل بالقرآن کی بہترین تطبیق پیش کرتی ہے ۱۴۴
- احادیث درحقیقت نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے تدبر قرآن کا حاصل ہے ۱۴۶

◆ فصل ثالث: تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ ۱۵۳
- لفظ صحابہ کی لغوی تحقیق ۱۵۴
- صحابی کی اصطلاحی تعریف ۱۵۵
- تفسیر القرآن باقوال الصحابہ کی اہمیت پر بارہ نکات ۱۶۳

◆ فصل رابع: منہج تفسیر بالماثور پر بعض اعتراضات کا جائزہ ۱۸۳
- تفسیر بالماثور تدبر فی القرآن کے منافی ہے ۱۸۴
- منہج تفسیر بالماثور عصری تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا ۱۸۵
- تفسیر القرآن بالحدیث پر بعض اشکالات کا جائزہ ۱۸۷

◆ فصل خامس: منہج تفسیر بالماثور کے اثرات ۱۹۶
- منہج تفسیر بالماثور میں ضعف کے اسباب ۱۹۹
- اسرائیلی روایات کے نقصانات ۲۰۰
- نتائج تحقیق باب دوم ۲۰۶

◆ باب سوم: منہج تفسیر بالماثور کے اصول وقواعد ۲۰۹
- تعارف ۲۱۰

◆ فصل اول: تفسیر القرآن بالقرآن ۲۱۱
- حجیت وعدم حجیت کے لحاظ سے تفسیر القرآن بالقرآن کی اقسام ۲۱۲
- تفسیر القرآن بالقرآن کی چند اہم صورتیں ۲۱۷
- قرآنی استعمالات کے ذریعے مفردات القرآن کی تشریح کرنا ۲۱۷
- قراءات کے ذریعے تفسیر ۲۱۹
- بیانات قرآنیہ کے ذریعے مجملات کی توضیح اور مبہمات کی تعیین ۲۲۰
- خود قرآن مجید کی روشنی میں اطلاقات قرآنیہ کی تفسیر کرنا ۲۲۳
- آیات قرآنیہ کی روشنی میں عمومات قرآنیہ کی تخصیص ۲۲۶
- قرآن مجید کی روشنی میں قرآنی اصطلاحات ومفاہیم کا تعین ۲۲۷
- قرآن مجید اپنے واقعات کی تفصیلات پیش کرتا ہے ۲۳۰

Marfat.com

- قرآن مجید اپنی آیات کا حوالہ دیتا ہے ۲۳۰
- قرآن مجید اپنے اختصارات وایجازات کی تشریح کرتا ہے ۲۳۱

◆ فصل ثانی: تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول وقواعد ۲۳۶
- باعتبار مضمون قرآن وحدیث کا باہمی تعلق ۲۳۷
- پہلی قسم: مترادف احادیث ۲۳۸
- دوسری قسم: شارح قرآن احادیث ۲۴۰
- تیسری قسم: قرآن مجید سے زائد احکام ومضامین پر مشتمل احادیث ۲۴۱
- شارح قرآن احادیث کی انواع واقسام ۲۴۲

◆ فصل ثالث: تفسیر القرآن بأقوال الصحابۃ والتابعین کے اصول وقواعد ۲۵۲
- تفسیر صحابہ کی مختلف انواع اوران کے احکام ۲۵۳
- تفسیر القرآن باقوال التابعین ۲۶۳

◆ فصل رابع: تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ کے اصول وقواعد ۲۶۸
- کثیر الاستعمال افصح معانی مراد لینا ۲۶۹
- لغوی معانی بنیادی طور پر صحابہ اور تابعین سے حاصل کیے جائیں گے ۲۷۰
- تفسیر صحابہ وتابعین کے مخالف لغوی تفسیر مردود ہوگی ۲۷۲
- تفسیر قرآن عرب امیین کے ہاں معروف معانی واسالیب کے مطابق ہوگی ۲۷۲
- تفسیر قرآن میں شرعی معنی کو مقدم رکھا جائے گا ۲۷۵

◆ فصل خامس: دیگر مآخذ سے استفادہ کے اصول وقواعد ۲۷۶
- تفسیر القرآن بالرأی ۲۷۷
- فہم قرآن میں عقل واجتہاد کی ضرورت واہمیت ۲۷۹
- تفسیر بالرائے کے بارے متضاد اقوال اوران کی توجیہ ۲۸۶
- اسباب النزول ۲۹۰
- اسباب النزول کی معرفت کیوں ضروری ہے؟ ۲۹۱
- اسباب النزول کی ترتیبی اہمیت ۲۹۴
- اسرائیلیات ۲۹۸

◆ فصل سادس: برصغیر میں تفسیر بالماثور کے اصولوں کی اتباع ۳۰۱
- شاہ ولی اللہ اور مسلمہ اصول تفسیر ۳۰۲

Marfat.com

◆ نواب صدیق حسن خان اور خیر القرون کے اصول تفسیر ۳۰۶
◆ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور خیر القرون کے اصول تفسیر ۳۰۶
◆ سید امیر علی ملیح آبادی اور خیر القرون کے اصول تفسیر ۳۰۷
◆ مولانا ادریس کاندھلوی اور مولانا محمد کاندھلوی کے نزدیک مسلمہ اصول تفسیر ۳۰۸
◆ حضرت محدث روپڑی اور مسلمہ اصولِ تفسیر ۳۱۲
◆ تفسیر صحابہ کرام ۳۱۶
◆ نتائج تحقیق باب سوم ۳۱۹
◆ باب چہارم: منہج تفسیر بالرائی المحمود ۳۲۳
◆ تعارف ۳۲۴
◆ فصل اول: تعارف ۳۲۶
◆ رائے کا لغوی واصطلاحی مفہوم ۳۲۶
◆ تفسیر بالرای کا حکم شرعی اور اقسام ۳۲۷
◆ تفسیر بالرای المحمود کی ضرورت واہمیت ۳۲۸
◆ فصل ثانی: تعارف ۳۳۳
◆ تفسیر بالرای میں حزم واحتیاط ۳۳۴
◆ تفسیر بالرای کی شروط اور مفسر کی اہلیت ۳۳۶
◆ فصل ثالث: تعارف ۳۴۱
◆ تفسیر بالرای میں اخطاوانحرافات کے اسباب ۳۴۲
◆ نااہلیت ۳۴۲
◆ قرآن مجید کو اپنے نظریات کے تابع کرنا ۳۴۳
◆ معاصر افکار سے مرعوبیت ۳۴۷
◆ فصل رابع: تعارف ۳۵۰
◆ تفسیر بالرای المحمود کی نمائندہ تفاسیر ۳۵۱
◆ تفسیر ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد ۳۵۳
◆ تفسیر تفہیم القرآن، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ۳۶۳
◆ نتائج تحقیق باب چہارم ۳۹۵

Marfat.com

- باب پنجم: فراہی مکتب فکر کے اصول تفسیر ۳۹۷
  - تعارف ۳۹۸
- فصل اول: نظم قرآن، تعارف و تاریخی پس منظر ۳۹۹
  - علم المناسبات، لغوی معنی، اصطلاحی تعریف ۴۰۰
  - ضرورت و اہمیت اور مختلف نقطہ ہائے نظر ۴۰۰
  - مخالفین نظم کے دلائل ۴۰۵
  - قائلین نظم قرآن ۴۰۵
  - ابتدائی تین صدیوں میں نظم قرآن کا تصور ۴۰۷
  - چوتھی صدی ہجری میں تصور نظم ۴۰۹
  - پانچویں صدی ہجری ۴۱۰
  - چھٹی صدی ہجری ۴۱۱
  - ساتویں صدی ہجری ۴۱۲
  - آٹھویں صدی ہجری ۴۱۴
  - نویں صدی ہجری ۴۱۵
  - دسویں صدی ہجری ۴۱۷
  - نظم قرآن کے بارے علماء برصغیر کا نقطۂ نظر ۴۱۹
- فصل ثانی: فراہی مکتب فکر کا تصور نظم اور اصول تفسیر ۴۲۴
  - بنیادی اصول ۴۲۶
  - ترجیح کے اصول ۴۲۷
  - اصول کا ذبہ ۴۲۸
  - علامہ فراہی کے نزدیک تفسیر کے خبری مآخذ ۴۳۱
  - مولانا امین احسن اصلاحی اور فراہی اصولوں کی تنقیح ۴۳۲
  - فراہی مکتب فکر اور نظام القرآن کی اہمیت ۴۳۳
- فصل ثالث: فراہی مکتب فکر کا تجزیاتی مطالعہ ۴۴۰
  - نظم قرآن ظن و تخمین پر مبنی ہے ۴۴۱
  - نظام القرآن تفسیر بالرائی کی ایک قسم ہے ۴۴۳

Marfat.com

- نظام القرآن کشفی نوعیت کا علم ہے ۴۴۳
- قائلین نظم کے اختلافات ۴۴۳
- فراہی واصلاحی کے تفسیری اختلافات ۴۴۴

◆ فصل رابع: فراہی مکتب فکر کے اثرات ۴۵۹
- فراہی مکتب فکر کے تفسیری تفردات رتفسیر پر اثرات ۴۶۰
- فراہی مکتب فکر کے اسلامی علوم وفنون پر اثرات ۴۷۶
- فراہی مکتب فکر کے تحقیقی و تعلیمی اثرات ۴۷۰
- نتائج تحقیق باب پنجم ۴۸۶

◆ باب ششم: عقل پرست انحرافی مکتب فکر کے اصول تفسیر (تفسیر بالرأی المذموم) ۴۸۹
- تعارف ۔ ۴۹۰

◆ فصل اول: تعارف ۴۹۱
- انحرافی مکتب فکر، معنی ومفہوم ۴۹۲
- انحرافی مکتب فکر کا تاریخی پس منظر ۴۹۲
- قدیم فرقۂ معتزلہ ۴۹۴
- معتزلہ کے نزدیک بنیادی اصول تفسیر ۴۹۶
- جدید معتزلہ کا ظہور اور اس کا تاریخ پس منظر ۵۰۳
- انحرافی مکتب فکر کا پہلا دور، سرسید احمد خان ۵۰۴
- انحرافی مکتب فکر کا دوسرا دور، غلام احمد پرویز ۵۰۵

◆ فصل ثانی: تعارف ۵۱۱
- سرسید کا مقصد تفسیر ۵۱۲
- سرسید کے اصول تفسیر اوران کا جائزہ ۵۱۵
- انحرافی مکتب فکر کے بنیادی اصول ۵۳۷
- سائنس اور تفسیر قرآن ۵۳۷
- مؤیدین ۵۳۷
- معارضین ۵۳۸
- معتدل رائے ۵۳۸

Marfat.com

- سائنسی تفسیر کی شروط ۵۳۹
- سرسید کی سائنسی تفسیرات پر مولانا تقی عثمانی کا تبصرہ ۵۴۱
- عقل اور اس کا دائرہ کار ۵۴۴
- وجدان، حواس، عقل، وحی، ابوالکلام آزاد کی رائے ۵۴۶
- عقل اور تفسیر بالمأثور میں تعارض کی اصل حقیقت ۵۴۹
- عقل اور ماورائے عقل ۵۵۱

◆ فصل ثالث: غلام احمد پرویز کے اصول تفسیر ۵۵۲
- پرویزی اصول تفسیر کا پس منظر ۵۵۳
- عقل کا تفوق اور برتری ۵۵۳
- نظریہ ارتقا ۵۵۳
- نظام ربوبیت ۵۵۴
- مرکز ملت کا تصور ۵۵۵
- مغربی تہذیب سے مرعوبیت ۵۵۶
- انکار حدیث ۵۵۶
- پرویز کے اصول تفسیر اور ان کا جائزہ ۵۵۸

◆ فصل رابع: انحرافی مکتب فکر کے اثرات ۵۷۰
- علم تفسیر پر اثرات ۵۷۱
- حدیث وسنت کو تعیین معنی میں نظر انداز کرنا ۵۸۲
- عقائد اسلام پر اثرات ۵۸۷
- ارکان اسلام پر اثرات ۶۰۵
- نتائج تحقیق باب ششم ۶۰۹

◆ خلاصۂ بحث ونتائج تحقیق ۶۱۱

◆ مصادر ومراجع ۶۱۷

***

Marfat.com

مقدمہ

موضوع تحقیق کا تعارف

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں متنوع ذوق رکھنے والے کئی اصحاب علم نے تفسیر قرآن پر اپنے اپنے انداز میں داد تحقیق دی۔ برصغیر کے علما کو بھی فیضان کے اس کرشمہ وسرچشمہ (قرآن مجید) سے خصوصی شغف رہا ہے اور علم تفسیر ان کی خصوصی دلچسپی کا میدان رہا ہے۔ یہاں علما نے عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور دیگر کئی مقامی وعلاقائی زبانوں میں قرآنی نکتہ آفرینیوں کو نکھارا، قرآن کی تفسیر وتشریح میں وسعت وعمق پیدا کیا اور فہم وادراک کے جوہر دکھائے ہیں۔

پھر جس نسبت سے علم وادراک کے گوشوں میں جلا آئی، فکروفن ارتقاء پذیر ہوئے اور حالات وواقعات نے نئے نئے رخ بدلے، اس نسبت سے تفاسیر میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ارتقاء کے اس موڑ پر قدرتاً یہ سوال ابھرا کہ تفسیر کی صحیح حدود کا تعین کیا جائے اور اس کے لیے واضح اصول وضوابط طے کیے جائیں۔

اس سوال کے جواب میں کئی مکاتبِ فکر معرض وجود میں آئے، جنہوں نے اپنے اپنے اسلوب ومنہاج اور رجحان ومیلان کے مطابق اصول تفسیر متعین کیے ہیں۔ برصغیر کے ان مکاتب فکر میں سے چار نقطہ ہائے نظر زیادہ نمایاں اور اہم ہیں۔

① منہج تفسیر بالماثور

یہ مکتب فکر اس بات کا حامی ہے کہ تفسیر وتشریح قرآن مجید میں احادیث، اقوال صحابہ وتابعین اور عربی لغت پر اکتفا کیا جائے اور فکرونظر کی ان بدعات کو اس کے دائرہ میں نہ لایا جائے جن سے اسلام کی بنیادی روح متاثر ہوتی ہے۔

برصغیر میں اس گروہ کی نمائندہ شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں آپ نے اصول ترجمہ وتفسیر پر، ''المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ'' اور ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' کے نام سے دو قیمتی رسالے قلمبند کیے جن میں اصول تفسیر متعین کیے اور ایک حد میں رہتے ہوئے ان اصولوں کی تشکیل نو کے لیے راہ ہموار کی۔

Marfat.com

② منہج بالرای المحمود

ایک فریق اس رائے کا حامی رہا ہے کہ علوم وفنون کے ارتقاء سے جو نئے مطالب، موضوع اور پہلو فکر ونظر کو پسند آئیں ان کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جدید تحقیقات کی روشنی میں قرآن مجید کی ایسی تشریح وتعبیر کرنا جو جدید عقل کے لیے قابل قبول ہو وقت کا تقاضا اور بدلتے حالات کی ضرورت ہے۔ برصغیر کے تفسیری ادب میں اس زاویہ نگار کی نمائندہ شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔

③ فراہی مکتب فکر

قرآن مجید کی تمام آیات اور سورتیں باہم دگر مربوط ومنظم ہیں یا نہیں؟ اس پر شروع ہی سے علماء کی مختلف آراء رہی ہیں اور ایک فریق نظم قرآن کا قائل رہا ہے اور اس بنیاد پر تفسیریں بھی منظر عام پر آتی رہی ہیں۔

برصغیر میں نظم قرآن کو بنیادی اصول تفسیر کے طور پر متعارف کرانے میں علامہ حمید الدین فراہی کا نام سرفہرست ہے۔ اگرچہ مولانا فراہی کا تصور نظم درحقیقت تفسیر بالرای ہی کی ایک قسم ہے، لیکن اس کے علیحدہ منضبط اصول وقواعد کی بنا پر بھی اسے ایک مستقل مکتب فکر کے طور پر زیر بحث لایا گیا ہے۔

انہوں نے اس نظریے کو متعارف کرایا اور نظریہ کے دیگر اصول تفسیر پر بھی قلم اٹھایا لیکن وہ خود اس بنیاد پر مکمل تفسیر قرآن نہ لکھ سکے تاہم ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے استاذ کے طے کردہ اصولوں کی تشریح وتوضیح کی اور ان بنیادوں پر تفسیر "تدبر قرآن" تحریر کی۔

④ انحرافی مکتب فکر (تفسیر بالرای المذموم)

انحرافی مکتب فکر سے مراد ایک ایسا دبستان فکر ہے، جہاں مخصوص نظریات وآراء کو محض اپنی پسند، حالات یا عقل کے مطابق اپنا لیا گیا، اور پھر ان نظریات کی تائید حاصل کرنے کے لیے تفسیر قرآن کو موضوع ٹھہرایا گیا، جہاں آیات مبارکہ من پسند عقلیات کے مطابق نہ ملیں یا ان کے خلاف محسوس ہوئیں وہاں آیات کی معنوی تحریف کردی گئی۔

برصغیر میں اس تصور تفسیر کے حامیوں میں سرسید احمد خان اور غلام احمد پرویز سرفہرست ہیں۔

برصغیر میں اصول تفسیر کے یہ چار بنیادی مناہج اور مکاتب فکر ہیں۔ ان میں سے ہر مکتب فکر کے بنیادی اور ثانوی اصول کیا کیا ہیں؟ ان اصولوں کی اصل روح کیا ہے۔؟ ان میں کہاں اتفاق ہے اور کہاں اختلاف؟ اور پھر یہ دیکھنا کہ ان تینوں مکاتب فکر کے اصول تفسیر میں ہمارے لیے فکر وعمل کی کون سی مثبت راہیں مضمر ہیں؟ کیا منفی پہلو ہیں؟ اصولوں میں اختلاف کے فکری ومعاشرتی اور تاریخی اسباب وعوامل کیا ہیں۔؟ اور ان اصولوں کے

Marfat.com

کتاب و سنت اور تفسیر کے منہج پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟ اور نتیجتاً معاشرہ عملی طور پر ان کی چھوڑی ہوئی اثرات سے کیا ہوتا ہے؟ ان تمام سوالات کے جوابات تلاش کرنا اس مقالہ کا بنیادی موضوع ہے۔

موضوع پر تحقیق پر ہونے والا سابقہ کام

اس موضوع سے متعلق جو مقالہ جات لکھے گئے ہیں اور بنیادی مصادر کے علاوہ جن تحقیقات سے استفادہ حاصل کیا گیا ان میں بالخصوص قابل ذکر درج ذیل ہیں۔

1) اصول تفسیر میں برصغیر کے مصنفین کی خدمات (مقالہ پی ایچ ڈی از حافظ عبد القدوس)
2) اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر (مقالہ پی ایچ ڈی از فہد الرومی)
3) المدرسة العقلية الحديثة في التفسير (از فہد الرومی)
4) أسباب الخطأ في التفسير (مقالہ پی ایچ ڈی از طاہر محمود)

جیسا کہ ان کے عنوانات سے واضح ہے کہ ان مقالہ جات کا بنیادی موضوع ''برصغیر کے مناہج اصول تفسیر'' نہیں تاہم ان میں ضمنی طور پر کہیں کہیں گفتگو کی گئی ہے۔ ان میں سے آخر الذکر کتاب نے عقلی مکتب فکر سے متعلق بالخصوص موضوع تحقیق بنایا ہے جس کے پیش نظر عرب دنیا کی تفسیریں اور عربی مکاتب ہیں، برصغیر کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

نظم قرآن پر مستنصر میر کی کتاب Coherence in the Quraan a study of Islahi's Concept of Nazam in Tadabbur-e-Quraan پیش نظر رہی۔

حافظ محمد شکیل اوج نے ''الشيخ أمين أحسن الإصلاحي ومنهجه في تفسير تدبر قرآن'' پر جامعہ سے بطور مقالہ پی ایچ ڈی کی ہے۔

منہج تفسیر بالماثور کے اصول و قواعد پر جناب خالد عثمان السبت نے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا جو کہ ''قواعد التفسير'' کے نام سے مطبوع ہے۔ مقالہ نگار نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح کلیۃ المعلمین، ریاض، سعودی عرب کے پروفیسر ڈاکٹر مساعد سلیمان الطیار کی تصنیفات بالخصوص ''فصول في أصول التفسير'' بھی اختصار کے باوجود بہت مفید ثابت ہوئی اور منہج تفسیر بالماثور کے بعض اصول و قواعد بیان کرنے میں اس سے خاطر خواہ رہنمائی حاصل کی گئی۔ تفسیری رجحانات کے عمومی جائزہ کے لیے ڈاکٹر عبد المجید عبد السلام المحتسب کی کتاب ''اتجاهات التفسير في العصر الراهن'' سے استفادہ کیا گیا۔ عہد تابعین میں تفسیر و اصول تفسیر پر جناب محمد الخضیری نے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا جو ''تفسير التابعين'' کے نام سے دو جلدوں میں مطبوع ہے۔ بعض مقامات پر اس کتاب سے بھی خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ تفسیر میں غلطی کے اسباب و علل پر فاضل مؤلف جناب طاہر محمود صاحب نے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا جو کہ ''أسباب الخطأ في التفسير'' کے نام سے

Marfat.com

دو جلدوں میں مطبوع ہے۔اس سے بھی کئی مقامات پر فائدہ اٹھایا۔

لیکن مذکورہ اکثر تحقیقی مقالہ جات اور تصنیفات عربی تفاسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھے گئے۔تفسیری رجحانات اور تفسیری ادب کے اصول وقواعد پر اردو زبان میں لٹریچر نہ ہونے کے برابر تھا،اس حوالے سے زیادہ تر انحصار اپنے استاد محترم نگران مقالہ سے مشاورت اور ذاتی مطالعہ وتحقیق پر ہی کرنا پڑا۔اور جو نتائج مقالہ نگار کے نزدیک سامنے آئے ان کو زیب قرطاس کر دیا۔

یہ تمام تصنیفات اپنی علمی حیثیت کے باوجود برصغیر میں مناہج اصول تفسیر پر ترکیز نہیں کرتی،نہ ہی اسکے تحلیل و تجزیہ اور اثرات پر بحث کرتی ہیں۔برصغیر کے تفسیری ادب پر ڈاکٹریٹ لیول کے چند اہم مقالہ جات ہیں،کتب اور رسائل بالخصوص قابل ذکر ہیں جن سے متفرق مقامات پر ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔

① عربی لغت سے استدلال،اردو تفسیری ادب کے رجحانات،مقالہ پی ایچ ڈی از ڈاکٹر حافظ شہباز حسن۔

② تفسیر مطالب الفرقان کا علمی وتحقیقی جائزہ،از ڈاکٹر محمد دین قاسمی۔

③ اردو میں تفسیری ادب،مقالہ پی۔ایچ ڈی،ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی۔

④ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں،ڈاکٹر محمد سالم قدوائی۔

⑤ ششماہی علوم القرآن،علی گڑھ

⑥ سہ ماہی فکر ونظر کا خصوصی شمارہ ''برصغیر میں مطالعہ قرآن''میں اپنے پیشروان تمام اہل علم کا شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی مساعی قبول فرمائے۔آمین۔

ضرورت اہمیت

موضوع کی ضرورت واہمیت کئی حوالوں سے اجاگر ہو رہی ہے۔

① جدت وندرت

موضوع تحقیق میں ایک گونہ جدت ہے کیونکہ سابقہ بیشتر کام کسی ایک مفسر کے اسلوب تفسیر،اس کی تفسیر کے امتیازات وخصائص پر ہوتا رہا ہے یا تفسیری ادب کے رجحانات پر ہوتا آیا ہے۔لیکن ان رجحانات کے پس منظر میں کار فرما اصول تفسیر پر مستقلاً کام نہیں ہوا۔

② تفسیر قرآن کے صحیح اصولوں تک رہنمائی

اس بنا پر موضوع کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے کہ فہم قرآن امت مسلمہ کی بنیادی ضرورت بلکہ فرض ہے۔لیکن تفسیری مناہج میں اختلاف پریشان کن ہیں۔امید ہے تحقیق سے مختلف مناہج کے مثبت ومنفی پہلو اجاگر ہوں گے اور صحیح راہ عمل متعین کرنے میں مدد ملے گی۔

Marfat.com

۳ برصغیر میں اصول تفسیر پر ہونے والے کام کا واضح تصور

تحقیق سے برصغیر میں اصول تفسیر کے مختلف مناہج کا واضح نقشہ سامنے آئے گا۔ نیز ان مناہج کے اثرات کا پتہ چلے گا، اس سے یہ اندازہ ہوگا کہ مسلم معاشرے میں اسلامی روح اور قرآنی مزاج کن اصول تفسیر سے برقرار رکھا جاسکتا ہے اور کون سا منہج ملت اسلامیہ کے بالخصوص اور ساری انسانیت کے لیے دینی حوالے سے زیادہ مفید ثابت رہا ہے اور ثابت رہے گا۔

اہداف تحقیق

1. برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج کا تعارف کروانا۔
2. مناہج کے معین کردہ اصولوں کا تجزیہ کرنا۔
3. تجزیہ کے ساتھ ساتھ تنقیدی مطالعہ کی بنیاد پر مثبت اور منفی پہلو اجاگر کرنا۔
4. تجزیہ وتنقید اور تقابل سے رہنمائی لیتے ہوئے صحیح اصول تفسیر کی نشاندہی کرنا۔
5. غلط اصول تفسیر کو نامزد کرنا۔
6. اصول تفسیر میں اختلاف کے اسباب ومحرکات تلاش کرنا۔
7. اصول تفسیر کے تفسیری ادب اور دیگر دینی ادب پر اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔

اصول تفسیر کے چند پہلو ایسے ہیں، جو اردو زبان میں غالباً پہلی دفعہ مستقلاً بالتفصیل زیر بحث لائے گئے ہیں:

1. تفسیر بالماثور کے تفصیلی اصول وقواعد، ان کی مثالیں اور تجزیہ
2. تفسیر بالماثور کی ضرورت واہمیت پر تفصیلی تحقیق
3. تفسیر صحابہ کی اقسام پر تفصیلی تحقیق اور مثالیں
4. اسباب النزول کی مختلف اقسام پر تحقیق اور امثلہ
5. منہج تفسیر بالماثور کے بارے بعض اشکالات کا تفصیلی جائزہ

***

Marfat.com

باب اول

علم اصول تفسیر
معنی ومفہوم، آغاز وارتقا

فصل اول: اصول، تفسیر اور مناہج کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

فصل ثانی: برصغیر میں علم تفسیر: تاریخی جائزہ

فصل ثالث: برصغیر کے تفسیری رجحانات

فصل رابع: برصغیر میں اصول تفسیر اور اس کے مناہج: عمومی تعارف

***

Marfat.com

تعارف باب اول

قرآن مجید تمام انسانیت کے لیے صحیفہءنور اور منبعِ رشد وہدایت ہے۔ بالخصوص امتِ اسلامیہ کے لیے قانون کا بنیادی مصدر ہے، لہٰذا اس سے اخذ مسائل واستنباط احکام کو انسانی خواہشات اور بشری افکار وآراء کا کھلونا کسی صورت نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کی تشریح و تعبیر اور تفسیر وتاویل کے لیے ایسے اصول وضوابط طے کیے جانا ضروری ہیں، جن کی بنیاد پر صحیح تفسیر تک بآسانی رسائی ہو سکے اور تحریفات معنویہ سے بچا جا سکے۔ علم اصول تفسیر میں بنیادی طور پر یہی روح کارفرما ہے۔

اصول سے کیا مراد ہے؟ تفسیر کا کیا مطلب ہے؟ ایک مخصوص علم کے طور پر علم اصول تفسیر کی کیا تعریف ہے؟ یہ علم کس طرح ارتقائی منازل طے کرتا رہا ہے؟ صحابہ کے حلقات درس میں شفوی مراحل سے قلم وقرطاس تک اور صفحات کتب سے ایک مدوّن علم کے طور پر یہ کیسے نمودار ہوا؟ مزید برآں برصغیر میں تفسیر نویسی کا آغاز کیسے ہوا؟ تفسیر نویسی کے کیا اصول اپنائے گئے؟ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے عہد تک تفسیر نویسی کی نوعیت کیا رہی اور اس کے بعد تفسیر نویسی کے رجحانات میں کیا تبدیلی آئی؟ بالخصوص برصغیر میں اصول تفسیر کے کون سے مناہج منظر عام پر آئے؟ اس باب میں یہ تمام سوالات زیر بحث لائے جائیں گے۔ اس لیے مقالہ کا یہ پہلا باب دیگر ابواب کے لیے اساس وتمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔

❋❋❋

Marfat.com

فصل اول

اصول، تفسیر اور مناہج کا لغوی واصطلاحی مفہوم

تعارف

اس فصل میں زیر نظر مقالہ کی بنیادی اصطلاحات، اصول، تفسیر، تأویل اور مناہج کی لغوی تحقیقات اور اصطلاحی تعریفات پیش کی جائیں گی۔

نیز اس بات پر بھی مختصراً روشنی ڈالی جائے گی کہ اصول تفسیر، علوم القرآن اور قواعد تفسیر میں کس حد تک فرق ہے؟ اور کس حد تک یہ باہم متداخل ہیں؟

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہوگی:

① اصول کا لغوی واصطلاحی مفہوم

② تفسیر کا لغوی واصطلاحی مفہوم

③ تاویل اور تفسیر

④ اصول تفسیر، قواعد تفسیر اور علوم القرآن

❊❊❊

Marfat.com

اصول کا لغوی واصطلاحی مفہوم

① کسی بھی چیز کے سب سے نچلے حصے کو "أَصْلٌ" کہتے ہیں۔علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:
"الأَصْلُ: أَسْفَلُ كُلِّ شَیْءٍ "❶

② اس کی جمع اُصول ہے۔"اُصل" کی جمع مکسر اُصول کے علاوہ اور کوئی نہیں لائی جاتی۔امام ابن منظور لکھتے ہیں:
"الأَصْلُ: أَسْفَلُ كُلِّ شَیْءٍ و جَمْعُهُ أُصُوْلٌ، لَا يُكَسَّرُ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ"❷

③ طے شدہ ضابطے کو "أَصْلٌ مُؤَصَّلٌ" کہتے ہیں۔❸

④ پختہ رائے کے مالک انسان کو "رَجُلٌ أَصِيلُ الرَّأْيِ" کہتے ہیں۔"أَصُلَ أَصَالَةً" پختہ رائے والا ہونا۔ امام جوہری لکھتے ہیں: "رَجُلٌ أَصِيْلُ الرَّأْيِ، أي: مُحْكَمُ الرَّأْيِ، وَقَدْ أَصُلَ أَصَالَةً، مِثْلُ: ضَخُمَ ضَخَامَةً "❹

⑤ خاندانی شرافت اور حسب ونسب کو بھی عربی زبان میں "أصـل" کہتے ہیں۔عرب لوگ کہتے ہیں: "لَا أَصْـلَ لَـهُ وَلَا فَصْلَ؛ الْأَصْلُ الْحَسَبُ، وَالْفَصْلُ اللِّسَانُ" یعنی نہ اسے نسبی شرافت حاصل ہے اور نہ لسانی۔❺

⑥ کسی چیز کے کل اور مجموعے کو "الأصيلة" کہتے ہیں۔اس معنی میں عرب لوگ کہتے ہیں: "أَخَذْتُ الشَّئَ بِأَصِيْلَتِهِ، أی كُلَّه بِأَصْلِهِ "❻ یعنی میں نے وہ چیز بنیاد سمیت کلی طور پر حاصل کر لی۔

---

❶ القاموس المحيط ، فيروز آبادی، ١٢٧٢۔
❷ لسان العرب، ابن منظور الافريقی، ١٨١۔
❸ تاج اللغة و صحاح العربية، الجوهری، ١٦٢٣٤
❹ ايضاً
❺ القاموس المحيط ، الفيروز آبادی، ١٢٧٢۔
❻ تاج اللغة و صحاح العربية، الجوهری، ١٦٢٣٤۔

Marfat.com

⑦ دیوار اور پہاڑ کی بنیاد میں بیٹھنے کو کہتے ہیں: " قَعَدَ فِی أَصْلِ الْجَبَلِ وَأَصْلِ الْحَائِطِ"❶

⑧ بعض دفعہ دوام اور استمرار کے معنی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ کہتے ہیں:" اِنَّ النَّخْلَ بِأَرْضِنَا لأصيلٌ" "اس کا معنی امام زمخشری لکھتے ہیں: "أی، هو لا يزال باقيا لا يفنىٰ" ❷ یعنی: ہماری سرزمین میں کھجوریں بدستور باقی ہیں، ختم نہیں ہوئیں۔

⑨ کسی چیز کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کو "أَصَّلَ الشَّیَ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "أَصَّلَ الشئی، جَعَلَ له أصلا ثابتا يُبْنىٰ عليه"❸

⑩ کسی چیز کو بنیاد سے اکھاڑ دینے کے لیے: "اِسْتَأْصَلَ" استعمال ہوتا ہے۔" استأصَلَ الشئی، أی، نَزَعَهٗ بِأَصْلِهٖ "❹ یعنی اس نے جڑ سمیت اکھاڑ دیا۔

⑪ عصر سے لے کر مغرب تک کے وقت کو بھی "أصيل" کہتے ہیں۔ "أصيل" کی جمع "أُصُلٌ" اور "آصال" ہے، "أَصَائِلُ" اور "أُصْلَانَ" بھی مستعمل ہے۔ جیسے "بعير" کی جمع "بُعْران"۔❺

⑫ عصر سے لے کر مغرب تک کے وقت میں داخل ہونے کو "أَصَّل" کہتے ہیں۔ "أَصَّلْنَا"، "دخلنا فی الأصيل" عرب لوگوں نے اگر کہنا ہو کہ ہم عصر سے مغرب کے دوران پہنچے تو کہتے ہیں: "أَتَيْنَا مُؤَصِّلِيْنَ"❻

⑬ سانپوں کی ایک بدترین اور زہریلی قسم کو "أَصَلَةٌ" کہتے ہیں۔ اس معنی میں اس کی جمع "أَصَلٌ" مستعمل ہے۔ دجال کے بارے حدیث شریف میں آتا ہے: "كَأَنَّ رَأْسَهٗ أَصَلَةٌ" یعنی اس کا سر گندے زہریلے سانپ کی طرح ہوگا۔

قرآن مجید میں استعمالات

① لفظ "اُصول" جمع کے طور پر قرآن مجید میں ایک ہی دفعہ استعمال ہوا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ

---

❶ أساس البلاغة ، الزمخشری، ص، ۷۔

❷ ايضاً

❸ المعجم الوجيز ، مجمع اللغة بالقاهرة، ص، ۳۲۔

❹ المعجم الوجيز ، مجمع اللغة بالقاهرة، ص، ۳۲۔

❺ الصحاح، للجوهری، ۱۶۲۳۴۔

❻ ايضاً

Marfat.com

وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ o﴾ ❶

''تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کو اپنی جڑوں پر باقی رہنے دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا۔ اور اس لیے کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ رُسوا کرے۔''

② ''أصول'' کا واحد ''أصل'' ہے۔ بطور مفرد یہ لفظ قرآن مجید میں دو مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ ایک مقام پر پاکیزہ درخت کی جڑ اور بنیاد کے لیے، جب کہ دوسرے مقام پر جہنمی درخت کی جڑ اور بنیاد کے لیے۔

کلمہ طیبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ o﴾ ❷

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی، مثل ایک پاکیزہ درخت کے، جس کی جڑ مضبوط ہے، اور جس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔''

دوسرے مقام پر جہنم میں اگنے والے درخت ''زقوم'' کے بارے فرمایا:

﴿اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ o﴾ ❸

''تحقیق وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی جڑ میں نکلتا ہے۔''

③ اس مادہ سے قرآن مجید میں ''أصيل'' اور ''آصال'' ❹ بھی مستعمل ہے، بمعنی: عصر سے مغرب تک کا وقت۔

تجزیہ

① وہ بنیاد اور سب سے نچلا حصہ جس پر کوئی دوسری چیز قائم ہو اسے ''أصـــــل'' کہتے ہیں، اور اس کی جمع ''أصول'' ہے۔

② اس میں پختگی اور استحکام کا معنی پایا جاتا ہے۔

③ اس میں دوام واستمرار کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔

---

❶ الحشر: ۵:۵۹۔

❷ ابراهيم، ۲٤:۱٤۔

❸ الصافات، ٦٤:۳۷۔

❹ دیکھیے، الفرقان، ۱۵:۲۵، الاحزاب، ٤۲:۳۳، الفتح، ۹:٤۹، الاعراف، ۲۰۵:۷۔

۱۴۲۲۷

Marfat.com

④ اس کے بعض لغوی استعمالات سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں توارث کا عنصر بھی شامل ہے۔

⑤ اس لفظ میں ''کلیت'' کا مفہوم بھی ہے۔

درج بالا چند استعمالات سے لفظ ''أصول'' کے لغوی پس منظر پر بڑی واضح روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے: کہ لغوی لحاظ سے بھی اصول تفسیر سے مراد وہ بنیادیں ہیں جن پر تفسیر کی عمارت قائم ہے۔ ان بنیادوں میں کلیت، دوام واستمرار، توارث اور پختگی واستحکام کے اجزاء ترکیبی شامل ہونے چاہئیں۔

علماء کے عرف واستعمالات کے مطابق اصول کے معانی:

علماء کے استعمالات کے مطابق "أَصْلٌ "واصول درج ذیل معانی میں مستعمل ہیں۔ ❶

① بمعنی دلیل: کہتے ہیں: أصل هذه المسئلة الإجماع، یعنی اس مسئلہ کی دلیل اجماع ہے۔

② بمعنی قاعدہ: جیسے علم نحو میں کہتے ہیں: الأصل أن الفاعل مرفوع، یعنی قاعدہ یہی ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے۔

③ بمعنی حالت اصلی: (استصحاب) اصول فقہ میں کہتے ہیں: الأصل براءة الذمة، یعنی انسان کی حالت طبعی واصلی براءت ذمہ ہے۔

④ راجح: کہتے ہیں: الکتاب أصل بالنسبة إلی القیاس، یعنی قیاس کے بالمقابل قرآن مجید راجح وقوی ہے۔

***

❶ الوجیز فی أصول الفقه، عبدالکریم زیدان، ص:۸

Marfat.com

تفسیر کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لفظ ”تفسیر“ فَسَّرَ یُفَسِّرُ ثلاثی مزید فیہ، باب تفعیل سے مصدر ہے۔

اس کا اصل مادہ ”فسر“ (فاء، سین، راء) ثلاثی مجرد میں بھی مستعمل ہے۔ فَسَرَ یَفْسِرُ بروزن ضَرَبَ یَضْرِبُ اور فَسَرَ یَفْسُرُ بروزن نَصَرَ یَنْصُرُ دونوں ابواب میں یہ مادہ مستعمل ہے۔

لغوی لحاظ سے تفسیر کی درج ذیل اہم تعریفیں کی گئی ہیں۔

امام سیوطی کی تعریف

”اَلتَّفْسِیْرُ تَفْعِیْلٌ مِنَ الْفَسْرِ وَهُوَ الْبَیَانُ وَالْکَشْفُ وَیُقَالُ هُوَ مَقْلُوْبُ السَّفَرِ، تَقُوْلُ: أَسْفَرَ الصُّبْحُ اِذَا أَضَاءَ، وَقِیْلَ: مَأْخُوْذٌ مِنَ التَّفْسِرَةِ وَهِیَ اِسْمٌ لما یَعْرِفُ بِهِ الطبیبُ الْمَرَضَ۔“❶

لفظ تفسیر فسر سے ماخوذ ہے۔ واضح کرنے اور کھولنے کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ”سفر“ سے مأخوذ ہے، آپ کہتے ہیں ”أسفر الصبح“ یعنی صبح روشن ہوگئی، ایک اور قول کے مطابق یہ ”تفسرہ“ سے ماخوذ ہے۔ جب کہ ”تفسرہ“ سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ذریعے طبیب مرض کو پہچانتا ہے۔

امام اللغۃ، الجوہری لکھتے ہیں:

”الفَسْرُ: البیان وقد فَسَرت الشئی أَفْسِرُہ بالکسر فَسْراً وَالتَّفْسِیْرُ مِثْلُه، وَاسْتَفْسَرْتُه کذا، أی: سَأَلتُه أن یُفَسِّرہ لی۔ والفسر نظر الطبیب الی الماء، و کذالك التَّفْسِرَةُ وَ أَظُنُّهُ مُوَلَّداً۔“❷

---

❶ الاتقان فی علوم القرآن، ۲:۱۷۳

❷ دیکھیے! الصحاح، للجوهری، ۲ ۷۸۱، المصباح المنیر، للفیومی، ص ۱۸۰ لسان العرب (مادة فسر) ۲ ۱۰۹۵، معجم مقاییس اللغة، ابن فارس، (مادة فسر) ٤ ٥٠٤، القاموس المحیط، فیروز آبادی، (ماده فسر)، ۱۰ ٦٣٦۔

Marfat.com

''فسر'' کے معنی بیان کے ہیں، ''فَسَرْتُ أَفْسِرُ، فَسْراً'' بروزن ضرب یضرب اور تفسیر بھی یہی چیز ہے۔ ''استفسرته کذا'' یعنی میں نے اس سے فلاں چیز کی وضاحت طلب کی۔ طبیب جب پانی کا معائنہ یا تجزیہ کرتا ہے تو اسے ''فسر'' کہتے ہیں۔ تفسرہ بھی اسے (یعنی معائنہ کو) کہتے ہیں۔ اور میرے خیال میں ''تفسرۃ'' جدید استعمال ہے (اور متاخرین کی اصطلاح ہے)۔''

امام لغت ابن منظور کی تحقیق

'' الفَسْرُ: البیان، فَسَر الشئی یَفْسِرُہ بالکسر، وَیَفْسُرُہ بالضم فَسْرا فَسَرہ، أبانه، والتَّفْسِیْرُ مِثْلُه، قال ابن الأعرابی: التفسیر و التأویل والمعنی واحد۔ وقوله عزوجل'' وأَحْسَنَ تَفْسِیراً'' الفَسْرُ کَشْفُ المُغَطّٰی وَالتَّفْسِیْرُ کَشْفُ المراد عن اللفظِ المُشکِلِ۔''❶

''فَسْر'' بمعنی بیان ہے، یہ ''فَسَرَ یَفْسِرُ'' اور ''یَفْسُرُ'' عین کے ضمہ وکسرہ دونوں سے مستعمل ہے۔ ''فَسَرَہ'' یعنی اس نے اسے واضح کردیا۔ تفسیر اس کے ہم معنی ہے۔ ابن الاعرابی کے بقول تفسیر وتاویل کا ایک ہی معنی ہے۔ '' فسر '' بند چیز کا کھولنا اور '' تفسیر '' مشکل الفاظ کے مرادی معنی کو کھولنا۔''

امام ابن الجوزی کی تعریف

''إخْرَاجُ الشَّیً من مَّقَامِ الخَفَاءِ إلی مَقَامِ التَّجَلِّیْ۔''❷

''کسی چیز کو مقام خفا سے مقام ظہور تک لانا تفسیر کہلاتا ہے۔''

لفظ تفسیر کا استعمال قرآن مجید میں

قرآن مجید میں یہ لفظ صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وَلاَ یَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلاَّ جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَ أَحْسَنَ تَفْسِیْراً۔))❸

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے درج بالا آیات میں تفسیر کا معنی تفصیل کیا ہے۔❹

امام زمخشری لکھتے ہیں:

((وَلَمَّا کَانَ التَّفْسِیْرُ هُوَ الْکَشْفُ عما یَدُلُّ علیه الکَلاَمُ وُضِعَ مَوْضِعَ معناہ

---

❶ لسان العرب ، ابن منظور الافریقی ، ٥٤٢۔

❷ زاد المسیر ، ابن الجوزی ، ٤١۔

❸ الفرقان ، ٢٥:٣٣۔

❹ تفسیر الطبری ، ٩/١١:١١۔

Marfat.com

فقالوا: تَفْسِيْرُ هذا الكَلَامِ كَيْتَ وَ كَيْتَ ، كما قيل مَعْنَاهُ كَذَا وَ كَذَا۔))❶
جس چیز پر کلام دلالت کرے اسے کھولنا اور واضح کرنا تفسیر کہلاتا ہے۔اس لیے تفسیر کشف کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔کہتے ہیں "تفسیر هذا الكلام كيت و كيت" اس بات کی تفسیر اس اس طرح سے ہے۔جیسے کہا جاتا ہے " معناه كذا و كذا " اس کا مفہوم یہ اور یہ ہے۔

لفظ تفسیر کا استعمال حدیث میں

((عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كَانَ اَهْلُ الْكتاب يقرء ونَ التَّوراةَ بالعَبْرانية ، و يُفَسِّرُوْنَها بالعَرَبيةِ لأهل الاسلام ، فقال رسول اللهﷺ: "لا تُصَدِّقُوْا اهل الْكِتَابِ وَلا تُكَذِّبُوْا وَقُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔))❷
حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اہل کتاب تورات عبرانی میں پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تشریح عربی میں پیش کرتے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اہل کتاب کی نہ تصدیق ہی کیا کرو اور نہ تکذیب، بلکہ کہا کرو: ہم اللہ پر ایمان لائے، اس پر بھی جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔
اس حدیث میں تفسیر بمعنی ترجمہ وتشریح ہے۔
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
((اِنَّ آخِرَ مَا نَزَلَتْ آيَةُ الرِّبَاء ، و ان رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُبِضَ وَ لَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبَاءَ وَالرِّيبَةَ۔))❸
آیت ربا سب سے آخر میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ وفات فرما گئے جب کہ آپ ﷺ نے ہمارے لیے اس کی تشریح نہیں فرمائی تھی، لہٰذا تم سود اور شک کو چھوڑ دو۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر میں تفسیر سے مراد احکام ومسائل کی وضاحت ہے۔

امام راغب کی تحقیق

" الفَسْر والسَّفَر يتقارب معناهما كتقارُبِ لَفْظَيْهِمَا"❹ یعنی فسر اور سفر دونوں

❶ الكشاف، ۲۰۸۲/٤۔
❷ صحيح بخاری، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة ، باب قول النبیﷺ: ((لا تسألوا اهل الكتاب عن شئی۔)) حديث ۷۳۶۱۔ ص۱۲۶٦ ، نیز دیکھیے، حدیث ٤٤٨٥۔۷٥٤۲۔
❸ سنن ابن ماجه، ابواب التجارات ، باب التغليظ فی الربا ، حديث ۲۲۷٦ ، ص۳۲٥
❹ مفردات القرآن، ۷٠٤/۲۔

Marfat.com

کا معنی قریب قریب ہے جیسا کہ دونوں کا تلفظ ملتا جلتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں:۔"الفَسْرُ اِظْهَارُ الْمَعْنٰى الْمعقولِ ومنه قِيلَ لما يُنْبٰى عليه البول تَفْسِرَة وَسُمِّيَ بها قارورةُ الماء والتفسيرُ في المبالَغَةِ كالفَسْرِ"❶

قابل فہم معنی کے اظہار کو "فسر" کہتے ہیں۔اس معنی میں پیشاب کے تحلیل و تجزیہ کو "تفسرہ" کہا جاتا ہے۔پانی کی شیشی (جس پر تحلیل و تجزیہ کیا جائے) کو بھی تفسرہ کا نام دیا گیا ہے۔"تفسیر" فسر" کے ہم معنی مبالغہ میں مستعمل ہے۔

تجزیہ

① تفسیر باب تفعیل سے مصدر ہے۔

② اس کا اصل مادہ "فسر" ثلاثی مجرد میں بھی مستعمل ہے۔نیز ثلاثی مجرد کے دو ابواب میں مستعمل ہے۔ ضرب یضرب اور نصر ینصر کے وزن پر۔

③ "فسر" وضاحت، تشریح اور نقاب کشائی کا معنی دیتا ہے۔

④ "كثرة المباني تدل على كثرة المعاني" کے اصول کے تحت تفسیر میں خوب وضاحت اور تشریح کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

⑤ محسوسات یا معنویات ہر دو کی وضاحت کے لیے یہ مادہ مستعمل ہے۔

⑥ مادی اشیا کی نقاب کشائی کے لیے "فسر" ثلاثی مجرد زیادہ مستعمل ہے، جیسے "فَسَرَ عن ذِرَاعِهِ" یعنی اس نے کلائی سے کپڑا اٹھایا، فَسَرَ الطبيبُ الماءَ"، یعنی طبیب نے پانی کا تجزیہ کیا۔

⑦ معنوی اشیا کی وضاحت کے لیے ثلاثی مزید فیہ "تفسیر" زیادہ مستعمل ہے" فَسَّرَ الكلامَ ، فَسَّرَ الْمَعْنٰى"۔

⑧ قرآن مجید میں معنی و مفہوم کی وضاحت کو تفسیر کہا گیا ہے۔

⑨ حدیث میں آسمانی کتاب کے ترجمہ و تشریح کو تفسیر کہا گیا ہے۔نیز کسی آیت کے تفصیلی احکام و مسائل بیان کرنے کو بھی تفسیر کہا گیا ہے۔

⑩ فرمان رسول اللہ ﷺ کی تشریح و توضیح کو بھی آثار میں تفسیر کہا گیا ہے۔

⑪ بعض کے نزدیک لفظ "تفسیر" فسر سے مشتق ہے۔جب کہ بعض کے نزدیک یہ "سفر" سے مقلوب ہے اور بعض کے نزدیک "تفسرہ" سے مشتق ہے۔

⑫ مقالہ نگار کی رائے میں لفظ "تفسیر" "فسر" سے مشتق ہے، کیونکہ باقی دونوں اقوال کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

---

❶ ایضاً۔

Marfat.com

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

لغوی مفہوم کے اعتبار سے ''تفسیر'' کا اطلاق ہر قسم کی وضاحت پر ہوتا ہے۔ لیکن اہل اسلام کی اصطلاح میں یہ لفظ قرآن مجید کی تشریح و تفہیم کے ساتھ مخصوص ہے حتیٰ کہ حدیث رسول ﷺ کی تشریح کو بھی تفسیر نہیں کہا جاتا بلکہ شرح الحدیث کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی وضاحت کرنے والے کو ''مفسر'' کہا جاتا ہے، اور احادیث نبویہ ﷺ کی وضاحت کرنے والے کو ''شارح حدیث''۔

تفسیر کی فنی اور اصطلاحی تعریف کیا ہے؟ اس بارے میں متعدد تعریفات منقول ہیں۔ ❶

علامہ زرکشی رحمہ اللہ کی تفسیر

" التـفسير عِلْمٌ يُعْرَفُ به كتابُ الله المُنَزَّلُ عُلى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ ﷺ وبيانُ مَعَانِيهِ واسْتِخْرَاجُ أَحْكَامِهٖ وَحِكَمِهٖ" ❷

''تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ کی کتاب کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔ وہ کتاب جو اس کے نبی محمد ﷺ پر نازل کردہ ہے، نیز اس علم کے ذریعے کتاب کے معانی و مفاہیم کی تشریح کی جاتی ہے اور اس کے احکام و مسائل اور حکمتوں کا استنباط کیا جاتا ہے۔''

اس تعریف کے مطابق علم تفسیر وہ علم ہے جس میں یہ چار خصوصیات پائی جاتی ہوں:

① قرآن مجید کا عمومی فہم حاصل ہو۔
② قرآن مجید کے معانی و مطالب کی تشریح ہو۔
③ قرآنی احکام و مسائل کا استنباط ہو۔
④ معانی قرآن کے حکم و مصالح واضح ہوں۔

مفسر قرآن ابوحیان الاندلسی کی تعریف

((التـفسير عِـلْـمٌ يُبْـحَـثُ فيـه عـن كيفيَّةِ النُّطْقِ بأَلفَاظِ القُرآنِ وَمَدْلُولَاتِهَا

❶ دیکھیے البحر المحيط، لابی حيان، ١/ ١٣-١٤، الاتقان، للسيوطی، ص ٧٤٨، التعريفات، للجرجانی، ص ٩١، روح المعانی، آلوسی البغدادی، ١ ٤ ، كشاف اصطلاحات الفنون، تهانوی، ٣٣١ التحرير والتنوير، لابن عاشور، ١١١۔

❷ البرهان فی علوم القرآن للزركشی، ص٢٩

Marfat.com

وَأَحْكَامِهَا الِافْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيْبِيَّةِ وَمَعَانِيْهَا الَّتِیْ تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيْبِ وَتَتِمَّاتٌ لِذٰلِكَ)) ❶

''علم تفسیر'' وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کی کیفیت، ان کے معانی ومفاہیم، ان کے افرادی وترکیبی احکام زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ نیز ان معانی ومطالب پر بحث کی جاتی ہے جو ترکیبی حالت میں ان الفاظ سے مراد ہوتے ہیں۔ ان کے تکمیلی پہلو بھی زیر بحث لائے جاتے ہیں''۔

یہ تعریف اس لحاظ سے بہت جامع ہے کہ علم تفسیر نے اپنی مدوّن شکل میں جو ارتقائی مراحل طے کیے اور جو جو علوم اس کی خدمت کے لیے شامل ہوتے گئے۔ اس تعریف میں مدوّن علم تفسیر کا جامع تعارف کروایا گیا ہے۔ اس حوالے سے مولانا تقی عثمانی نے اسی تعریف کو پسند فرمایا ہے۔ ❷

جب کہ مولانا گوہر رحمان نے بھی اسے منتخب تعریفات میں شامل کیا ہے۔ ❸

اس تعریف کی روشنی میں علم تفسیر مندرجہ ذیل اشیا پر مشتمل ہے:

(۱) الفاظ قرآن کی ادائیگی کا طریقہ

یعنی الفاظ قرآن کو کس کس طریقے سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ہمارے مفسرین بالعموم ہر آیت کے ذیل میں قراءات نقل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک مستقل علم ''علم القراءات'' کے نام سے موجود ہے جو کہ تفسیر قرآن کے اس پہلو کی خدمت میں نمایاں اہمیت کا حامل ہے اور ملت اسلامیہ میں تواتر سے چلا آ رہا ہے۔ قراءات کا جاننا علم تفسیر میں اس لیے اہم ہے کہ ان کے ذریعے الفاظ کے معانی ومفاہیم پر روشنی پڑتی ہے اور قراءات کے اختلاف سے بعض اوقات معانی کے تعین پر بھی اثر پڑتا ہے۔

(۲) الفاظ قرآنی کے لغوی مدلولات ومفاہیم

اس کے لیے عربی لغت سے پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے۔ اور اسی بنا پر تفسیر کی کتابوں میں علماء لغت کے حوالے اور شعری شواہد کا اچھا خاصا ذخیرہ ملتا ہے۔

---

❶ البحر المحیط ۱۳۱۔۱۴، یہ تعریف بنیادی طور پر امام ابوحیان الاندلسی متوفی ۷۵۴ ہجری کی ہے۔ ان سے علامہ محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۳۰۴ ہجری نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں درج کی۔ مولانا تقی عثمانی نے اپنی مایہ ناز کتاب ''علوم القرآن'' میں روح المعانی کے حوالے سے یہ تعریف نقل کی ہے، (علوم القرآن، تقی عثمانی، ص ۳۲۴)۔ جب کہ مولانا گوہر رحمان نے بجا طور پر اسے ابوحیان کی طرف منسوب کیا ہے۔ (علوم القرآن، گوہر رحمان، ص ۲۱۴۲) امام سیوطی نے بھی الاتقان میں اس تعریف کو ابوحیان کی طرف منسوب کیا ہے۔ (الاتقان، ص ۷۴۸)۔

❷ علوم القرآن، ص، ۳۲۴

❸ علوم القرآن، ۲۱۴۲

Marfat.com

③ الفاظ کے انفرادی احکام

یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ اس کا مادہ کیا ہے؟ یہ موجودہ صورت میں کیسے بنا ہے؟ اس کا وزن کیا ہے؟ اور اس وزن کے معانی وخواص کیا ہیں؟ ان باتوں کے لیے علم صَرف کی ضرورت پڑتی ہے۔

④ الفاظ کے ترکیبی احکام

یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ طے کرنا کہ وہ دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر ایک خاص جملے کی شکل میں کیا معنی دے رہا ہے؟ اس کی نحوی ترکیب Grammatical Analysis کیا ہے؟ اس خاص ترکیب کی خصوصیات کیا ہیں؟ اس کی بناوٹ اور تقدیم وتاخیر کن معانی پر دلالت کناں ہے؟ اس کے لیے علم نحو اور معانی بنیادی مواد فراہم کرتے ہیں۔

⑤ ترکیبی حالت میں الفاظ کے مجموعی معنی

یعنی پوری آیت اپنے سیاق وسباق میں کیا مفہوم پیش کررہی ہے؟، فحوائے کلام کیا ہے؟ اس مقصد کے لیے دیگر کئی علوم صرف ونحو، ادب وبلاغت اور حدیث وفقہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

⑥ تتمات

یعنی آیات قرآن کا پس منظر، اسباب نزول اور نسخ وغیرہ۔ ❶

تجزیہ

مفسرین، ماہرین علوم القرآن اور محققین نے اپنے اپنے ذوق فہم کے مطابق علم تفسیر کی تعریف کی ہے، اکثر تعریفات لفظی طور پر مختلف ہیں، معنی ومراد کے لحاظ سے ملتی جلتی ہیں۔ بعض تعریفات میں اختصار ہے اور بعض میں تفصیل۔ بعض میں مقصدِ تفسیر پر زور دیا گیا ہے اور بعض میں طریقۂ تفسیر ومضامین تفسیر پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ کچھ محققین کا کہنا ہے کہ علم تفسیر کی تعریف غیر ضروری امر ہے کیونکہ دیگر علوم کے برعکس اس کی مباحث طے شدہ نہیں ہیں، اس کی پہچان کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ کلام الٰہی کہ تشریح کا نام ہے۔ ❷

---

❶ دیکھیے: علوم القرآن، تقی عثمانی، ص ۳۲۳۔۳۲۵، علوم القرآن، گوہر رحمان، ۲۱۴۲۔۲۱۶

❷ التفسیر والمفسرون، للذہبی، ۱/ ۱۳

Marfat.com

مقالہ نگار کی رائے میں امام زرقانی کی درج ذیل تعریف کو اختصار، جامعیت و مانعیت کی بنا پر بہترین تعریف قرار دیا جاسکتا ہے:[1]

((عِلْمٌ يُبْحَثُ فيه عن القرآنِ الكريمِ مِنْ حَيْثُ دَلالَتِهِ عَلَى مُرَادَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ۔))

''تفسیر وہ علم ہے جس میں بشری طاقت وصلاحیت کے بقدر قرآن کریم کو اس حیثیت سے زیر بحث لایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرتا ہے۔''

***

[1] عرب دنیا کے ماہر علوم القرآن جناب خالد عثمان السبت، پاکستان کے معروف عالم، ماہر علوم القرآن مولانا گوہر رحمان نے بھی اس تعریف کو سب سے بہتر جامع، مانع قرار دیا ہے۔ دیکھئے: قواعد التفسير جمعاً و دراسةً ، ۲۹۱ ، علوم القرآن، گوهر رحمان ، ۲/ ۲۱۶۔

Marfat.com

تاویل اور تفسیر

قرآنی آیات کی تشریح وتوضیح کے لیے تفسیر کے علاوہ تاویل کا لفظ بھی بکثرت مستعمل رہا ہے۔

محمد بن جریر طبری متوفی 310 ہجری نے اپنی اولین تفسیر کا نام رکھا ہے "جامع البیان عن تاویل ای القرآن" آیات کی تفسیر میں بھی ان کے ہاں لفظ تاویل ہی جا بجا مستعمل ہے۔ آیت کے ذیل میں عموماً لکھتے ہیں: "تاویل قوله عزوجل"۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب کا نام "تأویل مشکل القرآن" رکھا ہے۔

قاضی بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر کا نام "انوار التنزیل وأسرار التاویل" رکھا ہے۔ خود قرآن مجید نے بھی اپنی تفسیر کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ﴿ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ [1]

چونکہ یہ لفظ تفسیر کی جگہ پر مستعمل ہے اس کی لغوی واصطلاحی وضاحت بھی ضروری ہے۔

تاویل باب "تفعیل" سے مصدر کا صیغہ ہے جس کا ماخذ "أول" ہے جو آل یؤول کے باب سے مصدر کا صیغہ ہے، اور درج ذیل معانی میں مستعمل ہے۔ [2]

(1) فہم وفراست اور سیاست، یہ ثلاثی مجرد سے اس معنی میں زیادہ مستعمل ہے۔ اس معنی میں کہتے ہیں: ((آلَ الرَّعِيَّةَ يَؤُوْلُهَا اِيَالَةً حَسَنَةً وَهُوَ حَسَنُ الاِيَالَةِ۔)) یعنی اس نے رعایا پر بہترین سیاست کی۔

زیاد نے اپنے خطاب میں کہا تھا:

((قَدْ اُلْنَا وَاِيْلَ عَلَيْنَا أی سُسْنَا وَ سِسْنَا۔))

یعنی ہم نے سیاست کی اور ہم پر سیاست کی گئی۔ [3]

(۱) کفالت وسرپرستی: جب "علیٰ" کے صلہ کے ساتھ ہو تو یہ معنی دیتا ہے۔

"آلَ عَلَى الْقَوْمِ، ولیھم"۔ "یعنی اس نے قوم کی سرپستی کی۔" [4]

---

[1] آل عمران ۳:۷

[2] أساس البلاغة ، للزمخشری، ص ۱۲ (مادة أول)

[3] أساس البلاغة ، ص۱۲

[4] القاموس المحیط للفیروز آبادی، ۱۲۷۵۲ ۔

Marfat.com

۲ واپس لوٹنا، لوٹانا، کہتے ہیں۔ اَوَّلَ الْحُكْمَ اِلٰى اَهْلِهٖ۔ اس نے فیصلہ اہل لوگوں کی طرف لوٹا دیا۔ جس کی کوئی چیز گم ہو جائے تو اسے دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں۔اَوَّلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ ، اَیْ: رَدَّ عَلَيْكَ ضَالَّتَكَ۔ اللہ تجھے تیری گمشدہ چیز واپس لوٹائے۔ [1]

۳ نتیجہ، انجام: اس معنی میں کہتے ہیں: لاَ تُعَوِّلُ عَلَى الْحَسَبِ تَعْوِيْلاً فَتَقْوَى اللّٰهِ أَحْسَنَ تَأْوِيلاً " [2]

" حسب پر بھروسہ مت کیجئے تقویٰ باعتبار انجام سب سے بہتر چیز ہے۔ "

۴ کم ہونا: طَبَخْتُ الدَّوَاءَ حَتّٰى آلَ الْمَنَّانَ مِنْهُ اِلٰى مَنٍّ وَّاحِدٍ۔ میں نے دوا کو اس قدر پکایا کہ دومن کم ہو کر بالآخر ایک من رہ گئی۔ [3]

۵ نشانات دیکھنا: تأملته فتأولت فيه الخير [4]

میں نے اس میں غور کیا ہے اور اس میں خیر ہی دیکھی ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ علامات و آثار کے ذریعے کسی نتیجہ پر پہنچنے کو بھی تاویل کہتے ہیں۔

۶ غور و فکر کرنا اور تشریح کرنا: ((أَوَّلَ الْكَلَامَ تَأْوِيْلاً وَ تَأَوَّلَهٗ ، دَبَّرَهٗ وَقَدَّرَهٗ وَفَسَّرَهٗ۔)) [5]

۷ اصلاح کرنا: اور مال وغیرہ کا بطریق احسن استعمال کرنا، آل المال ، أصلحه وساسه۔ [6]

قرآن مجید کے "تاویل" کے استعمالات

قرآن مجید میں تاویل کا لفظ سترہ مقامات پر آیا ہے۔ [7] اور مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ [8]

لفظ تاویل کا احادیث میں استعمال

احادیث میں تاویل کا لفظ درج ذیل معانی میں مستعمل ہے۔

۱ تاویل بمعنی تفسیر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا: میں

---

[1] أساس البلاغة ، ص ۱۲ ، [2] ایضاً

[3] أساس البلاغة ، ص ۱۲۔ [4] ایضاً

[5] القاموس المحيط ، ۲/ ۱۲۷۵ [6] ایضاً

[7] دیکھئے: المعجم المفهرس لألفاظ القرآن ، ماده (تأويل)

[8] دیکھیے: علوم القرآن ، گوہر رحمان ، ۲ ۲۱۶ ، ۲۲۱۔ مولانا گوہر رحمان نے اس کے متفرق معانی پر خوب داد تحقیق دی ہے۔

Marfat.com

سویا ہوا تھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے خوب پیا، پھر میں نے بچا ہوا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ انہوں نے پوچھا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَارَسُوْلَ اللهِ، قَالَ: اَلْعِلْم۔

یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ آپ نے ارشاد فرمایا، علم یہاں تاویل بمعنی تعبیر مستعمل ہے۔ ❶

② تاویل بمعنی درایت واجتہاد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نماز دو رکعت فرض ہوئی وہ سفر کی مقرر ہوگئی اور حضر کی پوری کی گئی، امام زہری نے عروہ سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کس وجہ سے پوری نماز پڑھتی ہیں، انہوں نے فرمایا: تَأَوَّلَتْ كَمَا تَأَوَّلَ عُثْمَانَ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح اجتہاد کرتی ہیں۔ ❷ یہاں تاویل سے مراد اجتہادی رائے ہے۔

③ تاویل بمعنی توجیہ وتفسیر

حضرت قتادہ "وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ"۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
ان ستاروں کو تین وجہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ آسمان دنیا کی زینت، شیطانوں کے لیے رجم، راہنمائی کے لیے علامات وآثار، مزید فرماتے ہیں: فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيْهَا بِغَيْرِ ذَالِكَ اَخْطَاءَ.......... الخ ❸ جس نے کوئی اور توجیہ کی وہ خطاء پر ہے۔

تاویل کا اصطلاحی مفہوم اور تفسیر وتاویل میں فرق

تاویل اور تفسیر باہمی مترادف ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے، اگر فرق ہے تو کس نوعیت کا؟ اس پر ہمارے اسلاف نے اتنی مفصل بحثیں کی ہیں کہ ان سب کو نقل کرنا بھی مشکل ہے۔ البتہ ان کی تحقیقات کا ماحصل اور تجزیہ درج ذیل ہے:

① لغوی لحاظ سے تفسیر اور تاویل میں واضح اور نمایاں فرق ہے۔

---

❶ صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب اللبن، حدیث (۷۰۰۶)، ص۱۲۰۸، نیز دیکھیے: حدیث ۸۲، ۷۰۰۷۔

❷ صحیح البخاری، کتاب التقصیر، باب یقصر اذا خرج من موضعه، حدیث (۱۰۹۰)، ص۱۷۵۔

❸ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ٥٢٦٤۔

Marfat.com

(۲) تفسیر کے اپنے مستقل معانی اور مواقع استعمالات ہیں جب کہ تاویل کے اپنے مستقل معانی اور مواقع استعمالات ہیں۔

(۳) لغوی لحاظ سے تاویل اور تفسیر میں قدر مشترک ضرور ہے کہ تاویل کے متعدد معانی میں سے ایک معنی تفسیر بھی ہے۔

(۴) اصطلاحی لحاظ سے بنیادی طور پر تفسیر و تاویل میں کوئی واقعی اور حقیقی فرق نہیں تھا۔ متقدمین کے ہاں اس لیے دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ بکثرت مستعمل تھے۔

(۵) متاخرین کے ہاں لفظ تفسیر زیادہ مستعمل ہے اور تاویل نسبتاً بہت کم اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث، علم الکلام و دیگر علوم کے ارتقا کے ساتھ فقہا، محدثین اور متکلمین کی لغت میں تاویل بمعنی تفسیر تقریباً متروک ہو گیا اور انہوں نے اپنی علمی و فنی اور اصطلاحی ضروریات کے پیش نظر لفظ ''تاویل'' کو بطور اصطلاح ایک نئے معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان سب کے نزدیک تاویل کا جدید مفہوم یہ قرار پایا:

''صرف اللفظ عن المعنی الراجح الی المعنی المرجوح'' (1) لفظ کو غالب و راجح معنی کی بجائے مغلوب و مرجوح معنی کی طرف لے جانا۔ اگر وہ صحیح دلیل کی بنیاد پر ہو تو تاویل صحیح، بصورت دیگر تاویل فاسد ہے۔

اسی بنا پر جدید فنی ضروریات کے تحت لفظ تاویل بطور اصطلاح اس معنی میں غالب و شائع ہے، حتیٰ کہ بطور اصطلاح اس کا تفسیر کے لیے استعمال نامانوس دکھائی دیتا ہے۔

***

(1) دیکھیے التفسیر والمفسرون، الذہبی۔ ۱۶۱۔

Marfat.com

اصول تفسیر، قواعد تفسیر اور علوم القرآن

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تعریف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اگرچہ قصداً بطور مدوّن علم اصول تفسیر کی تعریف نہیں فرمائی، لیکن ان کے مقدمہ میں ایک جامع و مانع عبارت اس قابل ہے کہ اسے علم اصول تفسیر کی ایک اچھی تعریف قرار دیا جائے، امام موصوف لکھتے ہیں:

"أما بعدُ فقد سَألَنِیْ بعضُ الاخوان أن أکتُبَ له مقدمةً تفصِّل : قواعد کلیة تُعیْن علی فَهمِ القُرْآنِ وَمَعْرِفَةِ تفسیرہٖ وَ مَعَانِیهِ والتَّمْیِیْزِ فِیْ مَعْقُولِ ذٰلِكَ وَ مَنْقُوْلِهٖ بین الحق وأنواع الاَبَاطِیْلِ والتنبیه علی الدلیل الفاصل بین الأقاویل"[1]

"حمد وصلاۃ کے بعد مجھ سے بعض احباب نے تقاضا کیا کہ میں ان کے لیے ایک ایسا مقدمہ تحریر کردوں جو مشتمل ہو، ایسے کلی قواعد (پر) جو فہم قرآن میں معاون ہوں، جن سے قرآن کی تفسیر اور مفاہیم کی پہچان حاصل ہو۔ جن کی بنیاد پر نقلی و عقلی تفاسیر میں حق اور اباطیل کے درمیان امتیاز حاصل ہو اور مختلف اقوال کے درمیان فیصلہ کن دلیل کا پتہ چل جائے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی محولہ بالا عبارت سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اصول تفسیر میں درج ذیل خصوصیات دیکھنا چاہتے ہیں:

فہم قرآن کے لیے کلی نوعیت کے قواعد: اس ذیل میں تفسیر کے بنیادی مصادر و مراجع، یعنی تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث، تفسیر القرآن باقوال الصحابہ اور دیگر مصادر تفسیر۔

* قرآن مجید کے اسرار و رموز، نکات و معارف کے لیے اصول وضوابط، یعنی بنیادی تشریحات کے بعد غور وفکر، تدبر و تعقل کے لیے اساسیات زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔

---

[1] مقدمة فی اصول التفسیر (مع شرح ابن العیثمین) ص٦

Marfat.com

* تفسیر بالماثور میں صحیح اور ضعیف کی پہچان اور اصول حدیث کی روشنی میں اس کی جانچ پڑتال۔
* تفسیری اختلافات میں ترجیح کے ضوابط۔
* اس تعریف سے نہ صرف اصول تفسیر پر روشنی پڑتی ہے، بلکہ اصول تفسیر کے مباحث متعین کرنے اور اس کا بنیادی خاکہ وضع کرنے میں بھی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تعریف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اصول تفسیر کی تعریف متعین نہیں فرمائی۔ البتہ ان کی درج ذیلِ عبارت سے اخذ کی جاسکتی ہے:

اما بعد فیقول الفقیر ولی الله بن عبدالرحیم عا ملهما الله بلطفه العظیم لما فتح الـله علی بابا من فهم الکتاب المجید، اردت أن أجمع و أضبط بعض النکات الـنـافـعة التـی تنفع الأصحاب فی رسالة مختصرة والمرجو عن لطف الله الذی لا انتهـاء له ان یفتح لطلبة العلم بمجرد فهم هـذه القواعد شارعا واسعاً فی فهم معانی کتاب الله۔ (1)

اس اقتباس کے آخری حصے کی روشنی میں اصول تفسیر کی یوں تعریف کی جاسکتی ہے:

"قواعد لفهم معانی کتاب الله"

ڈاکٹر مساعد الطیار کی تعریف

کلیۃ المعلمین ،الریاض کے پروفیسر ڈاکٹر مساعد الطیار نے اصول تفسیر کی تعریف یوں کی ہے:

"أصـول التـفسـیر، هـی الأسـس والـمـقدمات العلمیة التی تعین فی فهم التفسیر و ما یقع فیه من الاختلاف، و کیفیة التعامل معه۔"

''اصول تفسیر سے مراد ایسی علمی بنیادیں اور مبادیات ہیں جو تفسیر، تفسیری اختلافات اور ان کے ساتھ تعامل کی صحیح کیفیت سمجھنے میں معاون ثابت ہوں۔'' (2)

مقالہ نگار کی تعریف

راقم السطور کے نزدیک اصول فقہ کی طرز پر علم اصول تفسیر کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے:

---

(1) الفوز الکبیر، مع شرح: الفوز العظیم، ص ١٤۔

(2) فصول فی أصول التفسیر، ص١٢۔

Marfat.com

"اَلْعِلْمُ بِالأَدِلَّةِ الإِجْمَالِيَّةِ وَقَوَاعِدِ الاِسْتِدْلاَلَ الَّتِى يُتَوَسَّل بها الى كيفية تَفْسِيْرِ الْقُرْآنِ وَمَعْرِفَةِ طُرُقِ الْاِسْتِنْبَاطِ مِنْهُ"

علم اصول تفسیر کے مباحث ومحتویات

اس علم میں کون سی مباحث شامل ہیں؟ کن موضوعات پر تحقیق پیش کی جاتی ہے؟ تعجب ہے کہ اصول حدیث، اصول فقہ کی طرح اصول تفسیر میں یہ مباحث بھی تا حال متفقہ طور پر سامنے نہیں آسکیں۔ بلکہ اصول تفسیر پر قلم اٹھانے والوں کے مزاج ورجحان کے مطابق مباحث بھی بدلتی رہتی ہیں۔ بعض دفعہ اصول تفسیر کے نام پر مشہور کتاب اٹھائیں تو ایسی ضروری مباحث دیکھنے میں نہیں آتیں جن کے بغیر علم اصول تفسیر کا تصور بھی ممکن نہیں اور بسا اوقات اصول تفسیر پر تحریر کردہ کتب میں ایسی مباحث کی تفصیلات ملتی ہیں جن کا تعلق اصول تفسیر کی بجائے علوم القرآن سے زیادہ ہوتا ہے۔

کتب اصول تفسیر کی فہارس پر سرسری نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس علم کے مضامین ومشمولات کلیۃً مؤلفین کی صواب دید اور ذوق پر منحصر ہوتے ہیں۔ تفاوت کی ایک بنیادی وجہ خود مؤلفین کا فکری وطبعی رجحان اور علمی ذوق ہے تو دوسری بنیادی اور اہم وجہ اصول تفسیر اور اس سے متقارب دوسرے علوم میں فرق نہ کرنا ہے۔

عرب جامعات میں تفسیر کے پروفیسر بھی اس بارے میں متفکر نظر آتے ہیں کہ علوم القرآن میں ناقابل بیان حد تک صرف اور صرف "البرھان" اور "الاتقان" کی فراہم کردہ معلومات کو دہرایا جارہا ہے۔ اور ان کی تطویر وتاصیل میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہو رہی۔

جناب ڈاکٹر محمد بن صالح الفوزان چیئرمین شعبہ دراسات قرآنیہ، کلیۃ المعلمین، ریاض (سعودی عرب) اس حوالے سے ایک کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

"ظهرت فيه (فى علوم القرآن و اصول التفسير) كتب كثيرة غلب عليها الجمع والنقل و تكرار ما ذكره الزركشى فى "البرهان" والسيوطى فى "الاتقان" مع اضافات واستنباطات لكنها تبقى تحت ظلال المنهج السابق"[1]

''علوم القرآن اور اصول تفسیر میں کثیر تالیفات منظر عام پر آئی ہیں۔ لیکن زیادہ تر تالیفات میں زرکشی کی ''البرہان'' اور سیوطی کی ''الاتقان'' میں ذکر کردہ معلومات کو ہی جمع کر کے نقل کر دیا گیا ہے۔ کچھ اضافات اور استنباطات بھی ہیں لیکن وہ بدستور سابقہ منہج کے سائے میں ہیں۔''

[1] تقديم كتاب، فصول فى أصول التفسير، ص ۵۔

Marfat.com

اصول تفسیر کی مجوزہ مباحث

اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم اصول تفسیر کی حقیقی اور واقعی مباحث کیا ہونی چاہئیں؟ ہمارے اسلاف میں سے بالخصوص امام طبری، قرطبی اور ابن کثیر کے تفسیری مقدمات اس باب میں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

امام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کی اصول تفسیر پر تالیفات بھی ہمارا ہاتھ تھام سکتی ہیں۔ زرکشی اور سیوطی نے علوم القرآن کے ذیل میں اصول تفسیر پر جو عناوین قائم کیے ہیں وہ بھی ہمیں روشنی دکھا سکتے ہیں۔

بالخصوص عصر حاضر میں قرآن کی آڑ میں بڑھتے ہوئے انحرافات اور بدلتے ہوئے مناہج ہم پر یہ فرض عائد کرتے ہیں کہ اصول تفسیر کو ایک جداگانہ مستقل علم کی حیثیت دی جائے اور اس کے مباحث طے کیے جائیں۔

علوم القرآن، اصول تفسیر اور قواعد تفسیر میں فرق

علوم القرآن کی تعریف الشیخ عبدالعظیم الزرقانی کے نزدیک یہ ہے:

" مباحث تتعلق بالقرآن الكريم من ناحية نزوله و ترتيبه وجمعه وكتابته وقراءته و تفسيره واعجازه و ناسخه و منسوخه ودفع الشبه عنه و نحو ذالك۔"❶

قرآن کریم کے نزول، ترتیب، جمع وتدوین، قراءات وتفسیر، اعجاز وبلاغت، ناسخ ومنسوخ اور اس پر وارد شبہات واعتراضات کے دفاع وغیرہ سے متعلقہ مباحث کو علوم القرآن کہا جاتا ہے۔

الشیخ مناع القطان کے نزدیک علوم القرآن کی تعریف یہ ہے:

" المراد بعلوم القرآن: العلم الذى يتناول الأبحاث المتعلقة بالقرآن من حيث معرفة أسباب النزول و جمع القرآن، و ترتيبه و معرفة المكى والمدنى، والناسخ والمنسوخ، والمحكم والمتشابه، الى غير ذالك مما له صلة بالقرآن"❷

''معرفت اسباب نزول قرآن، جمع وترتیب قرآن، مکی ومدنی، ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، اور ان کے علاوہ وہ تمام مباحث جن کا قرآن مجید سے براہ راست تعلق ہے جس علم میں زیر بحث لائی جائیں اسے ''علوم القرآن'' کہتے ہیں۔''

---

❶ مناهل العرفان فی علوم القرآن، ص ۲۷

❷ مباحث فی علوم القرآن ، ص ۱۵-۱۶۔

Marfat.com

قواعد تفسیر

قواعد تفسیر کا معروف مجموعہ تیار کرنے والے اور اس موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے عرب دنیا کے سکالر جناب خالد عثمان السبت کے نزدیک قواعد تفسیر کی تعریف یہ ہے:

"هی الأحکام الکلیة التی یتوصل بها الی استنباط معانی القرآن العظیم و معرفة کیفیة الاستفادة منها۔"❶

''وہ کلی احکام جن کی وساطت سے قرآن عظیم کے معانی و مفاہیم مستنبط ہوں اور ان معانی سے استفادہ کی کیفیت معلوم ہو، قواعد تفسیر کہلاتے ہیں۔''

ان تعریفات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ

* علوم القرآن سے مراد قرآن مجید سے متعلقہ تمام مباحث کو ایک جامع انداز میں پیش کرنا ہے۔ ہر وہ علم جو براہ راست خدمت قرآن میں مصروف ہو اس کا تعارف اور اس کے اصول و مبادی کی پہچان کرانا علوم القرآن کا مقصد ہوتا ہے۔
* اصول تفسیر میں بنیادی طور پر تفسیر قرآن کے مصادر و مراجع، ادلۂ تفسیر (قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ وغیرہ) زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ اور تفسیر کے باب میں ان سے استفادہ کا طریق کار اور ترتیبی حیثیت متعین کی جاتی ہے۔
* قواعد تفسیر درحقیقت علم اصول تفسیر کا ایک ذیلی شعبہ ہے جس میں ادلۂ تفسیر سے استفادہ کے کلی قواعد و ضوابط مقصود و مطلوب ہوتے ہیں۔ قواعد التفسیر اور اصول تفسیر میں وہی نسبت ہے، جو اصول فقہ اور قواعد فقہ کے درمیان ہے۔

ان فروق کے باوجود بہر حال کچھ مباحث باہم متداخل ہیں اور حد فاصل نہیں کھینچی جا سکتی کیونکہ تینوں کا موضوع قرآن مجید ہے۔ شاید اس لیے بعض محققین اصول تفسیر اور علوم القرآن کو بطور اصطلاح مترادف قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ الشیخ مناع القطان علوم القرآن کے آغاز و ارتقا اور تعریف کے بعد لکھتے ہیں:

"وقد یسمی هذا العلم بأصول التفسیر لأنه یتناول المباحث التی لا بد للمفسر من معرفتها للاستناد الیها فی تفسیر القرآن۔"❷

بعض دفعہ اس علم (یعنی علوم القرآن) کو اصول تفسیر بھی کہہ دیا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ علم ایسی مباحث پر مشتمل ہے، جن کی پہچان مفسر کے لیے ضروری ہے، کیونکہ تفسیر قرآن میں ان مباحث کا سہارا لینا ہوتا ہے۔

---

❶ قواعد التفسیر، ۳۰۱۔

❷ مباحث فی علوم القرآن، ص ۱۶۔

Marfat.com

فصل ثانی

برصغیر میں علم تفسیر کا تاریخی جائزہ

تعارف

اس فصل میں عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی انقلابی شخصیت تک برصغیر میں تفسیر نویسی کا جائزہ لیا جائے گا۔ ہر عہد کی خصوصیات کا بھی عمومی تجزیہ کیا جائے گا اور عہد بعہد تفسیر نویسی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو بھی احاطۂ تحریر میں لایا جائے گا۔ یہ فصل درج ذیل عناوین پر مشتمل ہوگی:

① برصغیر میں تفسیر قرآن کی ابتدائی مساعی

② لاہور کے سب سے پہلے مفسر قرآن اور اولین تفسیر

③ آٹھویں تا سولہویں صدی عیسوی کی اہم تفاسیر

④ عہد اکبری میں علم تفسیر

⑤ سترہویں صدی کے برصغیر میں علم تفسیر

⑥ شاہ ولی اللہ (م1762ء/1172ھ) کے بعد علم تفسیر

***

Marfat.com

برصغیر میں تفسیر قرآن کی ابتدائی مساعی

برصغیر کے ساتھ ارض القرآن کے اولین روابط خلیفہ راشد ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں استوار ہو گئے تھے۔ ان کے عہد خلافت (13ھ۔24ھ) میں نور مبین کی پہلی کرن سرزمین برصغیر میں پہنچی۔ بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسلسلہ دعوت و جہاد تشریف لائے۔ پانچ حضرات عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد مسعود میں وارد ہوئے، 12 خلافت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں، 4 حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں اور ایک صحابی نے یزید بن معاویہ کے زمانہ حکومت میں سرزمین ہند کو شرف بخشا۔ ❶

711ء میں محمد بن قاسم نے چھ ہزار مجاہدین کے ساتھ اس علاقہ کو باقاعدہ فتح کیا اور چار سال تک یہاں قیام کیا۔ ❷

717ء میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے سندھی راجوں، مہاراجوں اور ٹھاکروں کو اسلام کی دعوت دی گئی اور بڑی تعداد میں انہوں نے اسلام قبول کیا۔

یقیناً یہی فتوحات و دعوات برصغیر میں مطالعہ قرآن کا نقطہ آغاز بنی ہوں گی۔ مساجد اور مدارس کے قیام کی روایت تو خود محمد بن قاسم نے ڈال دی تھی۔ ❸

باقاعدہ طور پر برصغیر میں تفسیر قرآن کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس پر کچھ کہنا خاصا مشکل اور پیچیدہ معاملہ ہے۔ اس سرزمین کے اولیائے کرام اور مشائخ عظام کے تذکرے میں بڑی بڑی ضخیم تصنیفات بھی ملتی ہیں۔ لیکن جب کوئی طالب تحقیق، یہاں تشریف لانے والے اور اسلام کی خدمت کا بیڑا اٹھانے والے ان حضرات کے اصل کمالات، ان کی دینی و تبلیغی مساعی، ان کی تعلیم و تربیت کا انداز اور اس طرح کے دیگر حالات کی جستجو کرتا ہے تو اسے

---

❶ برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، اسحاق بھٹی، ص ۵۹، مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے: فتوح البلدان، باب فتح السند، رجال السنہ والھند، عرب و ہند عہد رسالت میں، قاضی اطہر مبارکپوری، العقد الثمین فی فتوح الھند ومن ورد فیھا من الصحابة والتابعین، قاضی اطہر مبارکپوری۔

❷ آب کوثر، شیخ محمد اکرام، ص ۲۳۔۲۴۔

❸ ادبیات پاکستان، ڈاکٹر محمد یوسف، ۱/۲، (پنجاب یونیورسٹی لاہور)۔

Marfat.com

سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ برصغیر کے ایک عظیم قلم کار مولانا ابوالحسن علی ندوی تاریخ برصغیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض اوقات صدہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتب کی ورق گردانی کے بعد بھی ایسے خلا نظر آتے ہیں جن کو کسی قیاس اور عبارت آرائی سے بھرا نہیں جاسکتا۔ پوری پوری کتاب کرامات، محیر العقول واقعات اور عجائبات سے بھری ہوتی ہے۔ اور ضروری معلومات کا افسوسناک فقدان نظر آتا ہے۔''❶

اس سرزمین کے ایک عظیم مؤرخ جنہوں نے اعیان ومشاہیر ہند کا تذکرہ صاف شفاف عربی زبان میں آٹھ ضخیم جلدوں میں مرتب کیا ہے اور سوانح علمائے ہند کو اپنی قلم کے آب زلال سے حیات تازہ بخشی ہے، اس صورت حال پر اس طرح شکوہ سنج ہیں:

''ملک کی بدمذاقی دیکھیے کہ ابتداء سے اب تک ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر پوری نہیں اترتی۔ جس کتاب کو اٹھا کر دیکھیے معلوم ہوتا ہے کہ رزم بزم کا کوئی افسانہ ہے۔ قرنا وناقوس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی ملے گا تو چنگ ورباب کے ذکر سے آپ اس کو خالی نہ پائیں گے۔ اگر مقفّی عبارتوں اور مسجع فقروں کی خارزار میں آپ کا دامن الجھ گیا تو یہ بھی ملنے کا نہیں۔ ایسی حالت میں کیا توقع ہوسکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی علمی زندگی کی صحیح تصویر ایسے مرقع میں پائیں گے۔''؟❷

دوسری صدی ہجری تک یہاں باقاعدہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع نہیں ہوسکا۔

سیاح ابن شہریار نے لکھا ہے:

کشمیر کے راجہ مہروک نے 270ھ بمطابق 883ء میں منصورہ (سندھ) کے حاکم امیر عبداللہ بن عمر کو لکھا کہ میرے پاس ایک آدمی بھیج دیا جائے جو اسلامی شریعت کے احکام ہندی زبان میں بیان کرسکے۔ امیر عبداللہ نے ایک مسلمان عالم کو بھیجا جو ہندوستان کی مختلف زبانیں جانتا تھا۔ اس نے راجہ کے پاس چند سال ٹھہر کر اسے پورے طور پر اسلام سے واقف بنادیا۔ راجہ نے اس سے خواہش کی کہ ہندی زبان میں میرے لیے قرآن کی تفسیر کردے۔ چنانچہ اس نے تفسیر لکھی جو سورۂ یاسین تک مکمل ہوگئی تھی۔❸

لیکن یہ محض ایک تاریخی روایت کی حد تک ہے۔ اس کی تفصیلات کے بارے چونکہ مواد میسر نہیں لہٰذا اس پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ افسوس کہ ابتدائی حالات زاویہ خمول میں ہیں۔

***

❶ تاریخ دعوت وعزیمت، ۳/ ۱۳۔ (بتصرف و اختصار)۔

❷ ایام (تاریخ گجرات)، سید عبدالحئی متوفی ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء (مؤلف نزھة الخواطر)، ص ۵۸۔

❸ عجائب الہند، مطبوعہ لائیڈن ص ۲، بحوالہ قرآن حکیم کے اردو تراجم، صالحہ عبدالحکیم، ص ۲۰

Marfat.com

لاہور کے سب سے پہلے مفسر قرآن اور پہلی تفسیر

تاریخی کتابوں میں سب سے پہلے جس مبلغ کا نام آتا ہے وہ شیخ اسماعیل لاہوری تھے۔ یہ اس زمانے میں ہندوستان آئے، جب ابھی لاہور میں ایک ہندو راجا حکمران تھا، وہ شاید سلطان محمود غزنوی کو خراج دیتا تھا۔

ان کی نسبت تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے: ''از عظمائے محدثین و مفسرین اول کسے است کہ علم تفسیر و حدیث بہ لاہور آوردہ۔ ہزار ہا مردم در مجلس وعظ وے مشرف باسلام شدند۔ در سال چہار صد و چہل و ہشت ہجری در لاہور در گزشت'' ❶

عظمائے مفسرین ومحدثین میں شمار ہوتے تھے۔ پہلے شخص ہیں جو علم تفسیر وحدیث لاہور میں لائے۔ ان کی مجلس وعظ میں ہزار ہا لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے۔ 448 ہجری میں لاہور تشریف لائے۔

جواہر القرآن، ابن تاج (متوفی 736ھ/1375ء)

جس تفسیر کو ہم ہندوستان کی پہلی تفسیر اس معنی میں کہہ سکتے ہیں کہ اس کا نہ صرف تذکرہ ہے بلکہ ہم تک مخطوط کی صورت میں پہنچی بھی ہے، وہ ابو بکر، اسحاق بن تاج الدین متوفی 736ھ 1375ء کی تفسیر ہے۔ ان کی کنیت ابوالحسن تھی اور ابن تاج کے نام سے مشہور تھے، انہوں نے ''جواهر القرآن'' کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ اس کے بعد اپنی تفسیر کا خلاصہ بھی خود ہی کیا جس کا نام ''خلاصة جواهر القرآن في بيان معاني الفرقان'' ہے۔ اصل کتاب کا تو پتہ نہیں چلتا۔ البتہ خلاصہ کا ایک نسخہ برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ❷

❊❊❊

❶ بحوالہ: آب کوثر، شیخ محمد اکرام، ص ۷۵۔

❷ CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITERATURE, ZUBAID AHMAD, P.35

Marfat.com

آٹھویں صدی تا سولہویں صدی عیسوی کی اہم تفاسیر

غرائب القرآن ورغائب الفرقان

اسی عہد کی اولین تفسیروں میں "غرائب القرآن ورغائب الفرقان" شمار کی جاسکتی ہے۔جس کے بعض اجزا کی تصنیف ہندوستان سے منسوب کی جاتی ہے۔اس کے مؤلف حسن بن محمد تھے جو نظام نیشاپوری کے نام سے معروف تھے۔جیسا کہ نسبت سے واضح ہوتا ہے ان کا اصل وطن نیشاپور (ایران) تھا۔لیکن اس تفسیر میں سورہ نساء کے خاتمہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

"کتب المصنف فی نسخة ألفه مؤلفه الحسن بن محمد المشتهر بنظام نیشابوری ببلاد الهند فی دار مملکتها المدعو بدولت آبادی فی اوائل صفر سنة ۷۳۰ ۔" ❶ یہ تفسیر مصر سے تفسیر طبری کے حاشیے پر مطبوع ہے اور اہل علم میں متداول ہے درج بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے مؤلف کسی سبب سے ایران سے ہندوستان کے شہر دولت آباد منتقل ہوئے اور اسی شہر میں 730ھ 1329ء میں اس تفسیر کی تکمیل کی۔

مصنف کے تفصیلی حالات نا معلوم ہیں۔حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ان کی تفسیر پر گفتگو کرتے ہوئے تاریخ وفات 728ھ لکھی ہے، جب کہ مطبوع نسخے پر تاریخ تکمیل 730ھ درج ہے؟!!❷

بلاشبہ یہ تفسیر ایک منفرد قسم کی کاوش ہوگی۔لیکن ہندوستان میں اس کی کتابت اور برصغیر کی طرف اس کی نسبت اور مؤلف کے حالات تحقیق طلب ہیں۔❸

---

❶ غرائب القرآن و رغائب الفرقان، (المطبوع بحاشیه تفسیر الطبری)، ۶، ۳۹، مطبعه میمنية، مصر، ۱۳۲۱ ھ اس تفسیر پر مفصل بحث کے لیے دیکھیے:"التفسیر والمفسرون" محمد حسین الذهبی، ۱/ ۲۱۰-۲۱۷۔

❷ کشف الظنون، ۱/ ۳۲۱۔

❸ مزید تحقیق کے لیے دیکھیے: ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' سید مناظر احسن گیلانی، ۱۴۲۱ حاشیہ نمبر ا، علم قرآن عہد سلطنت کے ہندوستان میں، ڈاکٹر ظفر الاسلام، ششماہی ''علوم القرآن'' علی گڑھ، جنوری۔جون ۱۹۸۶، ص ۱۲۸۔

Marfat.com

تفسیر تاتارخانی

اس عہد کی ایک اور قابل ذکر تفسیر ''تفسیر تاتارخانی'' ہے جسے فیروز شاہ کے ایک معروف وزیر امیر خان اعظم تاتارخانی کے ایما پر تحریر کیا گیا۔ تاتارخان کی وفات 1351ء کے چند سال بعد ہوئی۔ ❶ سلطنت کے ایک اہم رکن ہونے کے علاوہ وہ علم کے بھی دلدادہ تھے۔

اس تفسیر کی خصوصی اہمیت یہ ہے کہ امیر تاتارخان نے علما کی مجلس تشکیل دی اور ہدایت جاری کی کہ تفسیر کا ایک نسخہ تیار کریں جو گزشتہ تفاسیر کا نچوڑ ہو۔ ❷ بلا شبہ اسے ایک عظیم تفسیری کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن افسوس یہ دستیاب نہیں کہ اس کا تحلیل وتجزیہ کیا جاسکے۔ بہرحال اس سے اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ مسلم ہندوستان کے لوگ تفسیر میں دلچسپی رکھتے تھے۔

تفسیر سراج ہندی

اس عہد کی تفسیروں میں ایک تفسیر سراج ہندی بھی قابل ذکر ہے، جس کے مصنف ابوحفص عمر بن اسحاق سراج الہندی (متوفی 1371ء) ہیں۔ یہ تفسیر اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے مصنف ہندی الأصل ہیں۔ یہاں نشوونما پائی، تحصیل علم کی منازل طے کیں، بعد میں مصر منتقل ہوئے اور اپنی فقہی بصیرت ومہارت کی وجہ سے قاہرہ کے ''قاضی القضاۃ'' مقرر کیے گئے۔ انہوں نے بھی عربی میں تفسیر لکھی تھی جو کہ مفقود ہے۔ ❸

تفسیر کشاف بطور درسی نصاب

اس عہد کی درسیات میں ''تفسیر کشاف'' بطور لازمی نصاب شامل تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ نسفی کی "مدارك التنزيل" اور تفسیر بیضاوی بھی پڑھی جاتی تھی۔ لیکن خصوصی اہمیت تفسیر کشاف کو حاصل تھی۔ اگرچہ صاحب تفسیر "زمخشری" کے معتزلی عقائد ونظریات کی وجہ سے یہ تفسیر ہمیشہ محل نظر رہی۔ لیکن کلمات کی لغوی تشریح، وجوہ اعراب اور علم بیانی ومعانی کی دقیق مباحث جس طرز پر اس تفسیر میں ملتی ہیں وہ دوسری تفسیروں میں عموماً نہیں پائی جاتیں۔

اس کی خصوصی اہمیت کا ثبوت اس سے بھی فراہم کرتا ہے کہ اس عہد کے ممتاز علماء وصوفیاء کے تذکروں میں خصوصیت کے ساتھ اس کے پڑھنے پڑھانے کا تذکرہ ملتا ہے۔ ❹

---

❶ آب کوثر، شیخ محمد اکرام، ص۴۳۳۔

❷ تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی، ص۳۹۲۔ نیز دیکھیے نزہۃ الخواطر، ۲/۱۸۲-۱۹، آب کوثر، شیخ محمد اکرام، ص۴۳۳۔

❸ دیکھیے: کشف الظنون، حاجی خلیفه، ۱/۲۱۱-۳۲۲، ابجد العلوم، نواب صدیق حسن خان، ص:۴۱۲

❹ فوائد الفواد، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص۱۸۶-۱۸۸، نزہۃ الخواطر، سید عبدالحئی، ۱۲/۷، تذکرہ علماء ہند، رحمان علی، ص۱۴۰

Marfat.com

نویں صدی ہجری/15 ویں صدی عیسوی کی تفاسیر

ہندوستان کی ابتدائی تفاسیر میں عہد تغلق کی تحریر شدہ ایک تفسیر "کاشف الحقائق وقاموس الدقائق" لائق ذکر ہے۔اس کے مصنف محمد بن احمد تھانیسری گجراتی متوفی 820ھ ہیں۔اس تفسیر کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہے۔ ❶

یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر ہے۔شروع میں بہت تفصیلی انداز اختیار کیا ہے۔لیکن رفتہ رفتہ یہ انداز بدل کر مختصر ہوتا گیا ہے۔

ڈاکٹر سالم قدوائی نے حروف مقطعات کے بارے اس تفسیر سے ایک اقتباس دیا ہے، جس سے اس تفسیر کے اسلوب پر روشنی پڑتی ہے۔ملاحظہ کیجئے:

> "بعض مفسرین کے نزدیک یہ (حروف مقطعات) مفتاح اسمائے الٰہی ہیں۔الف اس امر کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ بندہ کو الف کی طرح ہونا چاہیے، جس طرح وہ حرکت اور نقطہ قبول نہیں کرتا اس طرح بندہ کو بھی چاہیے کہ وہ غیر اللہ کی محبت قبول نہ کرے۔جس طرح الف کسی حرف سے ملتا نہیں ہے اس طرح بندہ کو چاہیے کہ اس کا دل ماسوا سے نہ ملے۔جس طرح الف سیدھا ہے بندہ کو چاہیے اللہ کی بندگی میں مستقیم رہے۔اس کا دل نہ طلب دنیا کی طرف مائل ہو، نہ طلب جنت کی طرف، لام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بندہ کے دل کو نرم ہونا چاہیے کہ وہ محبت حق کو قبول کر سکے اور کفار کے دلوں کی طرح سخت نہ ہو اور میم یہ بتاتا ہے کہ بندہ اپنے رب کے موافق اور اس کے اوامر کا مطیع ہو۔" ☆
> (تلخیص وترجمہ از: سالم قدوائی)" ❷

تفسیر القرآن حضرت گیسودراز (متوفی 825ھ)

نویں صدی ہجری پندرہویں صدی عیسوی میں ہی سید محمد الحسینی الملقب بہ بندہ نواز گیسو دراز متوفی (825 یا 828ھ باختلاف روایات) نے "تفسیر ملتقط تحریر کی۔موصوف دہلی میں پیدا ہوئے۔ ❸ سلسلہ چشتیہ میں یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے تصنیف وتالیف کی طرف توجہ دی۔ ❹ اور بہت سی کتابیں اور رسالے تصنیف کیے۔

---

❶ ہندوستانی مفسرین اوران کی عربی تفسیریں، ص:۲۴۔

❷ ایضاً ص ۲۶۔۲۷

☆ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تفسیر مخصوص صوفیانہ فکر اور اشاری رجحان کی حامل ہے۔

❸ نزهة الخواطر، عبدالحیٔ ۳، ۱۵۲۳، ہندوستانی مفسرین اوران کی عربی تفسیریں، سالم قدوائی، ص ۱۸، ۳۰۸، آب کوثر، شیخ محمد اکرام، ص ۳۷

❹ آب کوثر، شیخ محمد اکرام، ص ۳۷۔

Marfat.com

سید محمد گیسو دراز کی تفسیر کا تذکرہ تو عام طور پر تاریخ میں اور ان کی سوانح میں ملتا ہے۔لیکن کتاب کے موجود ہونے کی طرف اشارہ نہیں ملتا۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر سالم قدوائی کو کہ انہوں نے اس کتاب کی طرف رہنمائی کی ہے۔اس کی روداد انہی کے قلم سے ذیل میں درج کی جارہی ہے:

''مجھے اس تفسیر کا پہلا حصہ جس کے شروع کے کچھ اوراق غائب ہیں لکھنو کے ناصریہ کتب خانے میں مل گیا ہے۔(مخطوطہ نمبر 66 تفسیر) البتہ انڈیا آفس لائبریری میں اس کے دو نسخے نصف اول اور ایک نصف آخر موجود ہیں۔جن کا ذکر آٹو لوتھ (OTTO LOTH) نے انڈیا آفس کی فہرست مطبوع 1877ء میں کیا ہے۔مگر وہ بھی پورے یقین کے ساتھ اس کو سید گیسو دراز کی تفسیر نہیں کہتے ہیں۔'' ❶

لیکن فہارس کی تفصیلی تحقیق اور جانچ کے بعد ڈاکٹر سالم قدوائی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انڈیا آفس والی لائبریری کے نسخے سید محمد گیسو دراز کی تفسیر ہی کے ہیں۔

تفسیر مہائمی / رحمانی

نویں صدی ہجری، عہد تغلق ہی میں ایک اور تفسیر "تبصیر الرحمن و تیسیر المنان ببعض ما یشیر الی اعجاز القرآن" ہے۔جس کے مصنف شیخ علاء الدین علی بن احمد المہائمی متوفی 835ھ ہیں۔ ❷

گجرات کے جنوب میں ساحل سمندر پر مہائم ایک قصبہ ہے۔جو اب مضافات ممبئی میں شامل ہے۔ یہاں اس زمانے میں شیخ پیدا ہوئے اور تحصیل علوم کے بعد فقیہ یعنی قاضی مقرر ہوئے۔اس لیے انہیں مہائمی کہا جاتا ہے۔ ❸

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار رسالہ دور میں شاہ ولی اللہ کے سوا حقائق نگاری میں ان (شیخ علی) کا کوئی نظیر نہیں۔'' ❹

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''یکے از علمائے صوفیہ موعدہ است۔عالم بود بعلوم ظاہر و باطن۔صاحب التصنیفات الرائقہ و التالیفات الائقۃ'' ❺

ربط آیات، لغوی اور فنی مباحث اس تفسیر کی اہم خصوصیات ہیں۔ ❻ یہ تفسیر مطبوع ہے۔

---

❶ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص ۳۰-۳۱۔

❷ دیکھیے: نزہۃ الخواطر، ۳:۱۵۰، آب کوثر، شیخ محمد اکرام، ص ۴۵۰۔

❸ آب کوثر، ۴۵۰۔ ❹ ایضاً ❺ اخبار الاخیار، ص ۱۷۹۔ (بحوالہ آب کوثر، ص ۴۵۰)۔

❻ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص ۳۶-۴۲۔

Marfat.com

برصغیر میں نظم قرآن کے زبردست ترجمان علامہ حمید الدین فراہی کے یہاں بھی تفسیر مہائمی کی اس خصوصیت ''نظم القرآن'' کا اعتراف ملتا ہے۔ ❶

سولہویں صدی عیسوی کا ربع اول (1525ء تک)

اس عہد کی ایک تفسیر مؤلفہ شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری (متوفی 1525ء) کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی پیدائش اور تعلیم و تربیت ملتان میں ہوئی۔ سکندر لودھی کے زمانہ میں دہلی منتقل ہوئے اور اپنی عربی تفسیر یہیں مکمل کی۔ ❷

اس تفسیر کی ندرت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت سے نبی کریم ﷺ کی نعت و منقبت ثابت کرتے ہیں، اس طرح صاحب تفسیر کے نزدیک پورا قرآن مجید نعت نبوی سے عبارت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حبِّ نبوی میں سرشار ہو کر یہ تصنیف لکھی گئی ہوگی۔ لیکن ڈاکٹر ظفر الاسلام بجا طور پر لکھتے ہیں:

''اس کوشش میں قرآنی تعبیرات کی جو کھینچا تانی کی گئی ہوگی اور آیات کو مخصوص معنی پہنانے کے لیے جو نرالا انداز اختیار کیا گیا ہوگا ظاہر ہے اسے مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' ❸

سید عبدالحیٔ حسنی کے نزدیک شاید انہوں نے اسے غلبہ حال میں لکھا ہے، کیونکہ اکثر امور جو انہوں نے ذکر کیے ہیں، صحیح نہیں ہیں۔ ❹

حاشیہ مدارک التنزیل

مولانا الہ داد جونپوری متوفی 1526ء نے ''مدارک التنزیل، نسفی'' پر حاشیہ لکھا۔ جو کہ درسی کتب پر شروح و حواشی لکھنے میں معروف تھے۔ ❺ اس عہد میں ''مدارک التنزیل بھی تفسیری درسیات میں شامل تھی بلکہ علما کے ذاتی مطالعہ و دروس کے لیے بھی مقبول تھی۔'' ❻

اس کا ایک مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری (عبدالحیٔ کلکشن 9/8) میں دستیاب ہے۔ ❼

---

❶ دلائل النظام، ص۳۔ ❷ نزهة الخواطر، ٤ ٢٢٣۔

❸ علم قرآن عہد سلطنت کے ہندوستان میں، ششماہی ''علوم قرآن'' علی گڑھ، (جنوری، جون ۱۹۸۶ء) ص ۱۳۳۔

❹ نزہۃ الخواطر، ۴ ۲۲۳۔

❺ ابجد العلوم، نواب صدیق حسن خان، ص ۸۹۴۔۸۹۵، نزہۃ الخواطر، سید عبدالحیٔ، ۴۱۱۔۴۲۔

❻ ''علم قرآن عہد سلطنت کے ہندوستان میں، ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، ششماہی ''علوم القرآن''، (جنوری، جون ۱۹۸۶ء) ص ۱۳۳۔

❼ ایضاً ص ۱۳۹، حاشیہ ۶۸۔

Marfat.com

عہد اکبری (1556 تا 1605ء) میں علم تفسیر

تفسیر محمدی (عربی): چڑیا کوٹی (متوفی 1564ء)

1556ء تا 1605ء عہد اکبری کے طور پر جانا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ شیخ مجدد الف ثانی سرہندی اور شیخ عبدالحق محدث کا دور بھی ہے۔ اکبر اگرچہ خود کم پڑھا لکھا تھا لیکن علماوقت کی کاوشوں سے دینی و تصنیفی خدمات بہر حال جاری وساری رہیں۔

اس عہد کی سنہء تکمیل کے لحاظ سے سب سے پہلی تفسیر "تفسیر محمدی" ہے جسے شیخ محمد بن عاشق چڑیا کوٹی نے عربی زبان میں تصنیف کیا۔ ان کی اس کے علاوہ بھی کئی ایک تصنیفات ہیں۔ [1]

تفسیر محمدی: شیخ حسن محمد بن احمد گجراتی (متوفی 1574ء)

یہ تفسیر اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ برصغیر کی تفسیروں میں، تفسیر مہائمی کے بعد، یہ دوسری تفسیر ہے جس میں نظم قرآنی کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تفسیر محمدی کے مخطوطات انڈیا آفس لائبریری (فہرست عربی مخطوطات، مرتبہ اٹولوتھ، لندن 1877ء، ص 32 نمبر 103)، اور سالار جنگ لائبریری حیدر آباد میں محفوظ ہیں۔ [2]

خاندان مبارک اور تفسیر

شیخ مبارک ابن خضر ناگوری (متوفی 1593ء) اکبری عہد کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ یہ قراءات اور علوم اسلامیہ کے ماہر عالم تھے۔ اس خاندان نے دو تفسیریں لکھ کر اپنا نام زندہ کیا۔

① سواطع الالہام ② منبع عیون المعانی

---

[1] نزہۃ الخواطر، سید عبدالحئ، ۳۰۲/۴۔

[2] بحوالہ: عہد اکبری کی تفسیری خدمات، ڈاکٹر ظفر الاسلام، "ششماہی علوم القرآن"، علی گڑھ۔ جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۳۔

Marfat.com

سواطع الالہام: ابوالفیض فیضی، (متوفی 1595ء)

فیضی نے یہ تفسیر غیر منقوط لکھ کر ''صنعت اہمال'' میں اپنا کمال ظاہر کیا۔ اس قسم کی تصنیف یقیناً ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔

جناب ڈاکٹر سالم قدوائی فیضی پر عائد شدہ الزامات کی تردید میں لکھتے ہیں:

''تفسیر دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں بے بنیاد اور محض درباری دشمنی پر مبنی ہیں۔ فیضی اگر چاہتا تو تفسیر میں اپنی آزاد خیالی کو قائم رکھتا اور کلام اللہ کے معانی ومطالب کو الٹ پھیر کر بیان کر دیتا۔ لیکن اس نے ایک جگہ پر بھی ایسا نہیں کیا ہے۔''[1]

ایک بات بہر حال قابل غور ہے کہ صنعت اہمال کے التزام سے عبارت میں جو تصنع وتکلف پیدا ہوا اس نے فہم کو دشوار بنا دیا۔

منبع عیون المعانی: شیخ مبارک (م 1593ء)

شیخ مبارک ابوالفضل اور فیضی جیسے نامور بیٹوں کے مربی ووالد تھے۔ ان کے بیٹوں نے اپنے باپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ باپ اور دونوں بیٹے اکبر کی نگاہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔

سالم قدوائی لکھتے ہیں:

"منبع عیون المعانی و مطلع شموس المثانی" پانچ ضخیم جلدوں میں سید تقی صاحب مرحوم (لکھنو) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے اپنی تصنیف CONTRIBUTION OF INDIA INTO ARABIC LITERATURE میں اسے لاپتہ قرار دیا ہے۔ مجھے (سالم قدوائی) اس نسخے کے علاوہ کسی دوسرے نسخے کا پتہ نہیں چل سکا۔[2]

اس تفسیر کی ایک اہم خوبی مبسوط مقدمہ ہے، جس میں تمام علوم قرآنی کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ عرب کون تھے؟ سب سے پہلے کس نے عربی زبان استعمال کی؟ اس زبان کی فضیلت کیا ہے؟ نزول قرآن کا بیان، وحی کا تذکرہ، نزول کی مدت، سورتوں کی ترتیب، مکی ومدنی سورتوں کا بیان وتعداد، اعجاز قرآن کا تذکرہ، قراءات قرآن، تعلیم قرآن، تلاوت کے فوائد، معانی کا ذکر، مناہج مفسرین اور دیگر علوم القرآن کے اکثر مضامین پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

ڈاکٹر سالم قدوائی لکھتے ہیں:

---

[1] ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں۔ ص ۶۱۔

[2] ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں۔ ص ۵۲-۵۳۔

Marfat.com

''کوئی بھی ایسی بات اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا مفصل ذکر انہوں نے اس مقدمے میں نہ کیا ہو۔ اسے پڑھ کر شیخ کے غیر معمولی ذہن، اعلیٰ دماغ اور زبردست لیاقت کا پتہ چلتا ہے۔''❶

عہد اکبری میں علم تفسیر کے بعض نمایاں پہلو

① اس عہد میں میر فتح اللہ شیرازی وغیرہ کی کاوشوں سے دینی درسیات میں معقولات کا اضافہ ہوا اور فلسفہ و منطق وعلم الکلام کی نئی نئی کتابیں شامل ہوئیں۔❷

② اس دور کی تفسیری درسیات میں ''تفسیر بیضاوی'' کو لازمی نصاب کی حیثیت سے وہ مقام حاصل ہوا جو پہلے تفسیر ''کشاف'' کو حاصل تھا۔

③ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی تفسیر بیضاوی کا درس لیا۔❸

④ تفسیر بیضاوی پر کثیر تعداد میں حواشی لکھے گئے۔ کم از کم آٹھ حواشی کا واضح تذکرہ ملتا ہے۔❹

⑤ نظم قرآن پر دو تفسیریں لکھی گئیں۔

⑥ دربار اکبری سے وابستہ ''علما'' کے سوانح پر سرسری نظر سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مناظرہ بازی، لفاظی اور ایک دوسرے کی تنقیص زوروں پر تھی۔

❊❊❊

❶ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص۵۴۔

❷ دیکھیے: رودکوثر، شیخ محمد اکرام، ص۸۱۔۸۲۔

❸ رودکوثر، شیخ محمد اکرام، ص۱۶۴۔

❹ رودکوثر، ص۱۲۳۔

Marfat.com

سترہویں صدی کے برصغیر میں علم تفسیر

سترہویں صدی کا ہندوستان اس اعتبار سے کافی معروف ہے کہ اس عرصہ میں یہاں جہانگیر، (زمانہ حکومت 1605-1627ء)، شاہجہاں (زمانہء حکومت 1627-1658ء) اور اورنگزیب عالم گیر (زمانہ حکومت 1658-1707ء) جیسے شاہان مغلیہ کی حکمرانی رہی۔ ان کے عہد حکومت میں سیاسی وانتظامی اداروں کو توسیع وترقی ملی اور علمی وثقافتی سرگرمیوں کو بھی عروج حاصل ہوا۔

اس عہد کی تفسیروں میں درج ذیل اہم تفسیروں کا پتہ چلتا ہے۔

① تفسیر شاہ (فارسی)

یہ فارسی تفسیر شاہ محمد بن عبد محمد (متوفی 1663ء) کی تالیف ہے اور اس کی تکمیل 1647ء میں ہوئی۔ وحدت الوجودی مسلک کے حامل صوفیا میں سے تھے۔ ❶

ایشیا ٹک سوسائٹی آف بنگال اور خدا بخش لائبریری میں اس کے نسخے موجود ہیں۔ اور ان دونوں لائبریریوں کے فہرست نگار اسے فارسی میں بتلاتے ہیں۔ ❷ جبکہ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کی تحقیق کے مطابق یہ مکمل عربی میں ہے۔ ❸ یہ شدید اختلاف قابل تعجب ہے؟! اس صورت حال میں نسخے تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے کچھ کہنا مشکل ہے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام لکھتے ہیں:

''قرآنی آیات کی تشریح وتوضیح میں صاحب ''تفسیر شاہ'' نے جا بجا عام مفسرین کے مسلک سے انحراف کیا ہے، اور انہوں نے بالخصوص متصوفانہ نقطہ نظر کی ترجمانی کی ہے۔'' ❹

---

❶ نزهة الخواطر، ٥/١٦٤۔

❷ دیکھیے: فہرست مخطوطات فارسی، ایشیا ٹک سوسائٹی آف بنگال، ۷۰،۴۷۔۱۷۱، فہرست مخطوطات عربی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۳/۱۱۲۔۱۱۳: بحوالہ: علم قرآن سترہویں صدی کے ہندوستان میں، ڈاکٹر ظفر الاسلام، ششماہی ''علوم القرآن'' جنوری۔ جون ۱۹۸۷ء، ص ۸۰۔

❸ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص ۱۱۴۔۱۱۵۔

❹ حوالہ سابقہ۔

Marfat.com

۲ تفسیر شیرازی

یہ تفسیر بھی فارسی میں ہے۔اس کے مصنف علی شیرازی بنیادی طور پر ہندوستانی تھے،آخری عمر میں شیراز منتقل ہوئے اور وہیں 1674ء میں وفات پا گئے۔شیعہ عقائد کی ترجمانی کرتی ہے۔ ❶

۳ زبدۃ التفاسیر

یہ ایک عربی تفسیر ہے جسے شیخ معین الدین بن سراج الدین خواند شاہ (متوفی 1674ء) نے تصنیف کیا۔اس کا ایک مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ذخیرہ مخطوطات عربی میں محفوظ ہے۔ ❷

موصوف نے فارسی زبان میں بھی ایک تفسیر لکھی ہے۔جو ''شرح القرآن'' کے نام سے موسوم ہے۔ ❸

۴ تفسیر امینی (فارسی)

اس کے مولف محمد امین صدیقی علوی ہیں،اس کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ لائبریری حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ ❹

۵ زیب التفاسیر

یہ ایک مبسوط تفسیر ہے جسے صفی بن ولی کشمیری قزوینی نے شہزادی زیب النساء کی فرمائش پر مرتب کیا۔ متفرق مقامات پر اس کی متعدد جلدیں پائی جاتی ہیں۔ ❺

سید عبدالحیٔ حسنی کی تصریح کے مطابق یہ ''تفسیر کبیر'' رازی کا فارسی ترجمہ ہے۔ ❻ لیکن مؤلف کے اپنے بیان کے مطابق یہ مستقل تفسیر ہے۔اس کی آخری جلد ۱۱۷۶ء میں پایہء تکمیل کو پہنچی۔ ❼

---

❶ دیکھیے: دائرہ معارف اسلامیہ،۲۲۴/۶،بذیل مادہ ''تفسیر''

❷ دیکھیے: ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں،ڈاکٹر سالم قدوائی،ص ۷۷ تا ۸۱

❸ ''علم قرآن سترہویں صدی کے ہندوستان میں''،ڈاکٹر ظفر الاسلام،ششماہی ''علوم القرآن''،جنوری-جون ۱۹۸۷ء، ص ۸۰۔

❹ فہرست مخطوطات عربی،فارسی و اردو،آصفیہ لائبریری،حیدر آباد،(۱۹۰۰)،۵۶۲۱،نمبر ۱۶۵،

❺ ''علم قرآن سترہویں صدی کے ہندوستان میں'' محولہ بالا،ص ۸۱،حاشیہ نمبر ۳۲،صفحہ ۸۹۔

❻ نزھة الخواطر، ۳۹۶۔

❼ ''انیس الحجاج''،صفی بن ولی قزوینی،نقل نمبر ۹۳،(مخطوطہ دار المصنفین ،اعظم گڑھ) بحوالہ ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، محولہ بالا۔

Marfat.com

⑥ حاشیہ تفسیر بیضاوی: عبدالحکیم سیالکوٹی (متوفی 1656ء)

اس عہد میں بھی تفسیر بیضاوی کے متعدد حواشی لکھے گئے جن میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حاشیے نے خصوصی قبولیت حاصل کی۔ ❶

⑦ التفسيرات الأحمدية فی بيان الآيات الشرعيه: ملاجیون

اس کے فاضل مصنف کا نام ''احمد'' ہے اور ''ملاجیون'' کے نام سے معروف ہیں۔ ❷
1047ھ کو اسیٹھ میں پیدا ہوئے۔ ❸ سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کی تکمیل کر لی۔ 1130ھ 1717ء کو وفات ہوئی۔ ❹ کتاب مطبوع ہے۔ اصول فقہ کی معروف درسی کتاب ''نور الأنوار'' انہی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب آیات احکام کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ اس میں حنفی فقہ کے مطابق قرآن مجید سے مستنبط مسائل بڑے مدلل انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد طفیل صاحب اس کتاب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

((التفسيرات الأحمديه)) اپنے موضوع، اسلوب بیان اور علمی وقعت کی بنا پر برصغیر کی شاہکار کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ جس سے ملت اسلامیہ مستفید ہوتی رہے گی۔ اور عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے برصغیر کی عالمی درجہ کی تصنیف قرار پاتی ہے۔ لیکن اہل علم نے اس کتاب پر مناسب توجہ نہیں دی۔...... اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ اس کتاب کو تحقیق کا موضوع بنایا جائے اور اسے مناسب فنی اور تحقیقی تقاضوں کے مطابق طبع کیا جائے، تاکہ قاری اس کے علمی جواہر پاروں سے مستفید ہو سکے۔ اور ''بیضاوی'' یا ''کشاف'' کی جگہ اسے برصغیر کے دینی مدارس اور جامعات میں شامل نصاب کیا جا سکے۔'' ❺

---

❶ نزهة الخواطر، ٢٦١٥-٢٦٢-

❷ نزهة الخواطر، ١٩٦-

❸ اسیٹھ لکھنو، کے قریب ایک قصبہ ہے۔

❹ نزهة الخواطر، ١٩٦-

❺ ''التفسیرات الاحمدیہ'' (تعارف وتبصرہ)، ڈاکٹر محمد طفیل، سہ ماہی ''فکر ونظر'' کی خصوصی اشاعت، ''برصغیر میں مطالعہ قرآن''، ص ٢٢٨

Marfat.com

سترہویں صدی عیسوی میں علم تفسیر کی خصوصیات

① اس عہد کے بادشاہان مغلیہ خود بھی علم کے دلدادہ تھے۔ اور لائبریریوں میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ بالخصوص اورنگ زیب عالمگیر مطالعہ کا بے حد شائق تھا اور تفسیر و حدیث و فقہ کی کتابیں اس کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ ❶

② اس دور میں تفسیر نگاری کے لیے فارسی زبان کو زیادہ اختیار کیا گیا، جب کہ اس سے پہلے بالخصوص عہد اکبری میں تفسیر نویسی کے لیے عربی کو ترجیح حاصل رہی۔

③ تفسیری درسیات میں تفسیر بیضاوی کی حیثیت مسلمہ رہی اور اس پر کئی حواشی لکھے گئے۔

❋❋❋

❶ مآثر عالمگیری، ساقی مستعد خان۔ ۵۳۱-۵۳۲، بحوالہ: علم قرآن سترہویں صدی کے ہندوستان میں حوالہ سابقہ الذکر (ص ۷٦)

Marfat.com

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بعد علم تفسیر

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بعد علم تفسیر ایک نئے رنگ میں ظہور پذیر ہوا۔ اس سے پہلے کے عہد میں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کاوشیں عملی طور پر رنگ لائیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت نے اپنی تجدیدی مساعی سے تمام علوم اسلامیہ کی تشکیل جدید کا بیڑا اٹھایا۔ قرآن مجید فکر و عمل کا مرکز قرار پایا اور متعدد اہم تفاسیر نئے اسلوب و منہاج میں منظر عام پر آئیں۔ اس دور کی چند اہم تفاسیر یہ ہیں: [1]

التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ	متوفی 1810ء
تفسیر فتح العزیز	شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ	متوفی 1824ء
ترجمہ قرآن	شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ	متوفی 1833ء
فتح البیان فی مقاصد القرآن	نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ	متوفی 1307ھ
ترجمان القرآن بلطائف البیان (اردو)	نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ	متوفی 1307ھ
تفسیر حقانی	مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ	متوفی 1335ھ
تفسیر مواہب الرحمٰن	سید امیر علی رحمہ اللہ	متوفی 1337ھ
احسن التفاسیر	سید احمد حسن دہلوی رحمہ اللہ	متوفی 1338ھ
تفسیر نظام القرآن (عربی)	حمید الدین فراہی رحمہ اللہ	متوفی 1349ھ
مشکلات القرآن	سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ	متوفی 1352ھ
بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ	متوفی 1362ھ
تفسیر ثنائی	مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ	متوفی 1367ھ
تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی)	مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ	متوفی 1367ھ
تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ	متوفی 1368ھ
ترجمان القرآن	ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ	متوفی 1377ھ

[1] دیکھیے: برصغیر میں مطالعہ قرآن، ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم، ص ۷۳۔۷۵۔

Marfat.com

❁ تفسیر	مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ	متوفی 1381ھ
❁ معارف القرآن	مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ	متوفی 1396ھ
❁ تفسیر ماجدی	عبدالماجد دریا آبادی رحمہ اللہ	متوفی 1398ھ
❁ تفہیم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ	متوفی 1979ء
❁ تدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ	
❁ ضیاء القرآن	پیر کرم شاہ الأزہری رحمہ اللہ	
❁ تفسیر نعیمی	نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ	
❁ تیسیر القرآن	مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ	
❁ تفسیر فہم القرآن	حافظ میاں محمد جمیل	

تفاسیر پر سرسری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے: کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عہد ساز شخصیت کے بعد تفسیر قرآن میں ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ ان تفاسیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب تفسیری رجحان میں درج ذیل نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں:

① پہلے عہد میں باریک بینیاں، علمی نکات، نحوی وصرفی پیچیدگیاں اور اپنے تبحر علمی کا اظہار نمایاں تھا۔ جب کہ اب ساری توجہ اس بات پر مرکوز ہے کہ برصغیر کے باسی قرآن مجید کے قریب ہو جائیں اور عوام الناس قرآن سمجھنے لگیں۔

② اس مقصد کے پیش نظر زیادہ تر ذریعہ اظہار اردو زبان کو بنایا گیا ہے۔

③ تفسیر بالمأثور بڑے احسن انداز میں متعارف ہو چکی ہے۔

④ عہد جدید کے تقاضوں اور مصنفین کے طبعی، مسلکی اور علمی میلان کے مطابق تفسیر قرآن میں نئے نئے رجحانات متعارف ہوئے ہیں۔ آئندہ فصل میں ان رجحانات کا عمومی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

❁❁❁

Marfat.com

فصل ثالث

برصغیر کے تفسیری رجحانات

تعارف

قرآن مجید کی تفسیر میں حالات وزمانہ کے تقاضے، مفسر کی ذاتی اہلیت وثقافت طبعی میلان، اور دیگر عوامل کی بنا پر مختلف رجحانات سامنے آئے۔ اس فصل میں برصغیر کے تفسیری رجحانات کا ایک عمومی تعارف وجائزہ پیش کیا جائے گا۔

❊❊❊

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک تفسیری رجحانات

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے علمی حوالے سے تفسیری رجحانات کی سات اقسام بتلائی ہیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لیعلم أن المفسرين فرق مختلفة: جماعة منهم قصدوا رواية آثار مناسبة للآيات حديثا مرفوعا كان أو موقوفاً ، أو قول تابعی ، أو خبر اسرائیلی ، وهذا مسلك المحدثين وفرقة منهم قصدوا اتأويل آيات الصفات والأسمآء فما لم يكن موافقا لمذهب التنزيه صرفوه عن الظاهر ، وردوا على المخالفين تعلقهم ببعض الآيات ، وهذا طريق المتكلمين وقوم استنبطوا أحكاما فقهية ، وترجح بعض المجتهدات على بعض ، و أوردوا الجواب عن تمسك المخالف ، وهذا طريق الفقها الأصوليين وجمع أوضحوا نحو القرآن ولغته ، و أوردوا شواهد الكلام العرب فی كل باب موفورة تامة ، وهذا مذهب النحاة اللغويين۔ وطائفة يذكرون نكات المعانی والبيان بيانا شافياً فيقضون حق الكلام وهذا طريق الأدباء ومنهم من يروی قراء ات القرآن المأثورة عن الأساتذة ، ولا يترك فی هذا الباب دقيقة ، وهذه صفة القراء وجماعة يتكلمون بنكات متعلقة بعلم السلوك ، أو علم الحقائق لاعجل مناسبة ، وهذا مسلك الصوفيين۔"[1]

"معلوم ہونا چاہیے کہ مفسرین کے متعدد گروہ ہیں، کچھ ایسے مفسرین ہیں جن کی پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ آیات کی مناسبت سے مرفوع، موقوف یا مقطوع آثار روایت کریں، یا کوئی اسرائیلی روایت، یہ محدثین کا انداز ہے۔ کچھ دیگر مفسرین کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ آیات اسماء وصفات کی تاویل کریں، سو جو آیات ان کے مذہب تنزیہہ سے ہم آہنگ نہ ہو اس کو ظاہری معنی سے ہٹا دیتے ہیں، متکلمین کا

---

[1] الفوز الکبیر، ص٧٢۔

Marfat.com

طرز تفسیر ہے۔ بعض مفسرین فقہی احکام کا استنباط کرتے ہیں، متفرق اجتہادات کو ایک دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب پیش کرتے ہیں، اصولیین فقہاء کا یہ طریقۂ تفسیر ہے۔ کئی مفسرین قرآن مجید کی نحوی ولغوی مباحث ہر موضوع پر کلام عرب کے مکمل ووافر شواہد ذکر کرتے ہیں، یہ ماہرین لغت اور نحویوں کا اسلوب تفسیر ہے۔ بعض دیگر مفسرین ماہرین فن سے منقول قراءات قرآنیہ روایت کرتے ہیں، اور اس حوالے سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، یہ قراء کی خوبی ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو علم سلوک سے متعلقہ معارف زیر بحث لاتے ہیں یا ادنیٰ مناسبت کی بنیاد پر علم الحقائق پر کلام کرتے ہیں اور یہ صوفیاء کا منہج ہے۔''

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی درج بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اگرچہ تفسیر کا میدان وسیع ہے، تاہم اس کے بنیادی رجحانات یہ ہیں:

① اثری رجحان

کچھ اصحاب علم ہر آیت سے متعلقہ مرفوع اور موقوف احادیث بیان کرتے ہیں۔ یا پھر اسرائیلی روایت ذکر کرتے ہیں۔ محدثین کا یہی طرز تفسیر ہے۔ اسے ہم ''اثری رجحان'' کہہ سکتے ہیں۔

② کلامی رجحان

کچھ مفسرین اسماء وصفات باری تعالیٰ کی آیات میں تاویل وتنزیہہ سے کام لیتے ہیں اور اپنے مخالفین کی تردید کرتے ہیں، یہ متکلمین کا تفسیری رجحان ہے۔ اسے ''کلامی رجحان'' کا نام دیا جاسکتا ہے۔

③ فقہی رجحان

بعض مفسرین آیات مبارکہ سے فقہی احکام ومسائل استنباط کرتے ہیں۔ یہ فقہا کا اسلوب تفسیر ہے۔

④ نحوی ولغوی رجحان

مفسرین میں سے کئی اصحاب قلم نحو ولغت سے مانوس ہیں۔ وہ تفسیر قرآن میں نحوی، لغوی مباحث اور شعری شواہد پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں، یہ نحاۃ اور لغویین کا منصب ہے۔

⑤ ادبی رجحان

مفسرین میں سے ایک طبقہ وہ ہے، جو تفسیر قرآنی میں علم معانی وبیان کے نکات اور اسرار ورموز کا کافی و شافی تذکرہ کرتے ہیں، یہ ادبا کا طریقۂ تفسیر ہے۔

Marfat.com

⑥ قراءات کا رجحان

کئی مفسرین قرآن مستند قراءات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ قراء کرام کا انداز تفسیر ہے۔

⑦ سلوکی یا اشاری رجحان

بعض مفسرین علم سلوک وتصوف یا علم حقائق کے نکات ولطائف بیان کرتے ہیں، آیات مبارکہ سے انتہائی معمولی مناسبت بھی مل جائے تو وہ اس سے متعلقہ سلوک وتصوف کے معارف بیان کرتے ہیں۔ یہ صوفیا کا طرز تفسیر ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی (متوفی 1977ء) کے نزدیک تفسیری رجحانات کی تقسیم

عالم عرب کے نامور صاحب قلم اور "تاریخ التفسیر و المفسرون" کے مصنف ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے تفسیری رجحانات اور تاریخ تفسیر پر تفصیل کے ساتھ قلم اٹھایا ہے، ان کے نزدیک تفسیری رجحانات کا جو نقشہ سامنے آتا ہے۔اس کا خلاصہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے نزدیک تفسیر کی بنیادی اقسام یہ ہیں:

① تفسیر بالمأثور

② تفسیر بالرأی الجائز[1]،اس رجحان کی نمائندہ تفاسیر یہ ہیں:

① تفسیر کبیر ② تفسیر بیضاوی ③ تفسیر نسفی
④ تفسیر خازن ⑤ البحر المحیط ⑥ تفسیر نیشا پوری
⑦ تفسیر جلالین ⑧ تفسیر الشربینی ⑨ تفسیر ابی السعود
⑩ روح المعانی، آلوسی

③ تفسیر بالرأی المذموم،اس کی نمائندہ تفاسیر یہ ہیں:

① معتزلہ کی تفسیر (مثلا: الکشاف للزمخشری) ② شیعہ کی تفسیر (امامیہ اثنا عشریہ کی تفسیر)
③ شیعہ کی تفسیر (امامیہ اسماعیلیہ کی تفسیر) ④ بابیہ و بہائیہ کی تفسیر
⑤ زیدیہ کی تفسیر ⑥ خوارج کی تفسیر

❊❊❊

[1] ملاحظہ ہو: التفسیر والمفسرون، ۱/ ۹۵ تا ۲۴۰

Marfat.com

دیگر تفسیری رجحانات

اس کے بعد انہوں نے دیگر تفسیری رجحانات کا بھی مفصل مطالعہ پیش کیا ہے:

① صوفیاء کا رجحان

صوفیاء کا تفسیری رجحان بھی دو قسم پر مشتمل ہے:

① نظری رجحان: اس میں ابن عربی کے تفسیری افادات سرفہرست ہیں، جن میں وہ اپنے نظریہ تصوف کو قرآنی آیات کی تفسیر میں پیش کرتا ہے۔

② اشاری فیضی رجحان: اس میں صوفیا نظریات کی بجائے اپنے الہامات اور فیوض کو تفسیر قرآن کے ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

② فلاسفہ کا رجحان

اس میں فارابی، ابن سینا وغیرہ کے فلسفیانہ نظریات کا ذکر آتا ہے۔

③ فقہا کا رجحان

فقہا کے تفسیری رجحانات بھی مختلف ہیں۔ تقلیدی مذاہب سے پہلے کے فقہا اپنے مخصوص تفسیری رجحانات رکھتے تھے۔ اور مقلدین فقہا کے اپنے اپنے مخصوص تفسیری مسلکی رجحانات ہیں۔

④ سائنسی رجحان

امام غزالی سے لے کر عصر حاضر تک سائنسی تفسیر کی تائید وتصویب اور تردید میں دو مختلف نقطہ ہائے نظر رہے ہیں لیکن بہرصورت یہ بھی ایک تفسیری رجحان ہے۔

⑤ الحادی رجحان

معجزات، ملائکہ، جنات اور شیاطین کا انکار، نیز اسلامی حدود اور تصورات میں انحراف پر مشتمل رجحان کو ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے الحادی رجحان کا نام دیا ہے۔

Marfat.com

⑥ ادبی اجتماعی رجحان

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی کے نزدیک عصر حاضر کا یہ ایک نمایاں تفسیری رجحان ہے۔ ❶

ڈاکٹر محمد بن لطفی الصباغ کے نزدیک تفسیری رجحانات کی تقسیم

ڈاکٹر محمد بن لطفی الصباغ نے دس قسم کے تفسیری رجحانات کا تذکرہ کیا ہے:

① لغوی رجحان:

لغوی رجحان کے مزید تین ذیلی شعبے ہیں:

1- مفردات القرآن　　2- نحوی واعرابی رجحان　　3- بلاغی وادبی رجحان

② تفسیر بالماثور کا رجحان　　③ تفسیر بالرائی کا رجحان

④ سائنسی تفسیر کا رجحان　　⑤ اصلاح اجتماعی کا رجحان

⑥ موضوعی رجحان　　⑦ اشاری رجحان

⑧ فلسفی رجحان　　⑨ فقہی رجحان

⑩ فرق ضالہ کا رجحان ❷

ڈاکٹر فہد الرومی ☆ کے نزدیک تفسیری رجحانات

ڈاکٹر فہد الرومی نے تفسیری رجحانات کی درج ذیل تقسیم کی ہے: ❸

---

❶ درج بالا چھ رجحانات کی تفصیل، نمائندہ شخصیات اور اہم تفسیروں کے لیے ملاحظہ ہو: التفسیر والمفسرون، ۲/ ۴۰۸-۲۲۸۔

❷ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: لمحات فی علوم القرآن و اتجاهات التفسیر، دکتور محمد بن لطفی الصباغ، (المکتب الاسلامی، بیروت، ط۔ ثالثه، ۱۹۹۰)۔

☆ ڈاکٹر فہد الرومی: علوم القرآن پر کئی تصنیفات کے مؤلف اور کلیۃ المعلمین، ریاض میں دراسات قرآنیہ کے پروفیسر ہیں، علوم القرآن و تفسیر پر ڈاکٹر صاحب کی درج ذیل تصنیفات معروف ہیں:

① دراسات فی علوم القرآن

② اتجاهات التفسیر فی القرن الرابع عشر

③ منهج المدرسة العقلیة الحدیثیه فی التفسیر

❸ اتجاهات التفسیر فی القرن الرابع عشر، چار اجزاء پر مشتمل دو جلدوں میں مکتبۃ الرشد، ریاض کی طرف سے مطبوع و متداول ہے اور عصر حاضر کے تفسیری رجحانات پر ایک اہم تصنیف ہے۔

Marfat.com

① عقائدی رجحانات (الاتجاہ العقائدی)

اس میں درج ذیل اتجاہات ہیں:
① اہل السنہ والجماعۃ ② الشیعہ ③ الأباضیہ ④ الصوفیہ

② علمی رجحانات

اس کے تحت ڈاکٹر فہد الرومی نے پانچ بنیادی رجحانات کا مطالعہ پیش کیا ہے:
① فقہی ② اثری ③ سائنسی ④ عقلی اجتماعی ⑤ ادبی

③ انحرافی رجحانات

اس کے تحت درج ذیل رجحانات پر ڈاکٹر صاحب نے مفصل تحقیق پیش کی ہے:
① الحادی ② تقصیری رجحان (نااہل لوگوں کا طرز تفسیر)۔ ③ لامنہجی

برصغیر کے تفسیری رجحانات

برصغیر میں تفسیر قرآن مجید پر وقیع اور وسیع علمی مواد موجود ہے۔ اس لحاظ سے یہاں کے تفسیری رجحانات میں کئی لحاظ سے اس درجہ توسع ہے کہ شاید اس طرح کا توسع عالم عرب میں بھی موجود نہیں۔ ❶
ذیل میں تفسیر کے چند رجحانات اور ہر رجحان کی ایک نمائندہ تفسیر اور اس کا نمونہ مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔

① اثری رجحان (تفسیر مواہب الرحمان)

''تفسیر مواہب الرحمٰن'' سید امیر علی، تفسیر ''ترجمان القرآن'' نواب صدیق حسن خان، اور تفسیر ''احسن التفاسیر'' سید احمد حسن محدث دہلوی، اس رجحان کی نمائندہ اور مفصل تفسیرات ہیں۔ سید امیر علی نے اپنی تفسیر کے مفصل مقدمہ میں نہ صرف تفسیر بالماثور کے اصولوں کی بھرپور تائید کی ہے، بلکہ عقلی تفسیر کی پرزور تردید بھی کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

❶ علی سبیل المثال: تلاش نظم کا فراہی مکتب اور اس کا تفسیری رجحان اس کی نظیر عربی تفسیری ادب میں بھی نہیں ملتی۔ اسی طرح برصغیر کے مخصوص تہذیبی پس منظر اور کثیر المذاہب خطہ ارضی ہونے کے ناطے رد مذاہب باطلہ کا مخصوص تفسیری ادب اور مستقل رجحان بھی یہاں کا ایک امتیازی رجحان ہے۔

Marfat.com

''علما نے کہا: جو شخص کتاب الٰہی عزوجل کی تفسیر کرنا چاہے، تو اولاً: اس کو خود کتاب الٰہی سے تلاش کرے، کیونکہ جو ایک جگہ مجمل ہے، وہ دوسری جگہ مفسر ہے، اور جو ایک جگہ موجز ہے، وہ دوسری جگہ مبسوط ہے، پھر اگر یہ اس کے ادراک سے باہر ہو تو اس کی تفسیر حدیث سے تلاش کرے، کیونکہ حدیث بالکل تفسیر قرآن ہے.......... اگر سنت میں نہ پاوے تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم جو شاہد مشاہد الوحی ہیں، ان کی تفسیر بمنزلہ مرفوع ہے، کما ذکرہ الحاکم۔''❶

نیچری فرقہ کے تفسیری رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس زمانہ میں فرقہ نیچریہ ایک فرقہ ہے، جو ہر طرح عوام پر اپنا نام ودعویٰ اسلام ظاہر کرتے اور اعتقاد و اقوال میں محض ملحد ہیں، ان کے اعتقادات باطلہ میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال عقل سے اس وقت کے خیالات کے موافق یہ احکام جاری کیے۔''❷

تفسیر بسملہ

مواہب الرحمٰن میں سے بسم اللہ کی مفصل تفسیر میں سے چند اقتباسات بطور نمونہ درج ذیل ہیں، لکھتے ہیں۔

''شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابن عباس وابن عمرو ابن زبیر وابو ہریرۃ وحضرت علی رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ سوائے سورۂ براءۃ کے ہر سورہ میں بسم اللہ ایک آیت ہے۔ اور یہی قول تابعین میں سے عطاء طاؤس وسعید بن جبیر و مکحول...... رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔ اور یہی مذہب عبداللہ بن المبارک وشافعی واسحاق وابو عبید کا ہے۔ اور امام مالک وابو حنیفہ، ان کے اصحاب نے کہا بسم اللہ سورۂ فاتحہ وغیرہ کسی میں سے آیت نہیں۔ اور داؤد ظاہری نے کہا: کہ بسم اللہ ایک آیت مستقلہ ہے، جو کسی سورہ کا جز نہیں، بلکہ ہر سورہ پر لائی گئی ہے، اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے، اور اسی کو ابو بکر الجصاص الرازی نے ابوالحسن الکرخی سے نقل کیا، اور یہ دونوں اکابر فقہا حنفیہ سے ہیں۔''❸

فضیلت بسم اللہ کے بارے لکھتے ہیں:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پوچھا، تو آپ نے فرمایا: کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناموں میں سے ایک نام ہے، اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے اس قدر قریب ہے، جیسے آنکھ کی سفیدی وسیاہی میں قربت ہوتی ہے۔ (رواہ ابن ابی حاتم وابن مردویہ)۔''

اور ابوسعید خدری سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم کو ان کی ماں نے معلم کے سپرد کیا تا کہ وہ عیسیٰ کو تعلیم کر دے، معلم نے کہا کہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو، تو عیسیٰ نے کہا: بسم اللہ کیا ہے؟ معلم

❶ تفسیر مواہب الرحمٰن (مقدمہ) ۲۱۱۔ ❷ ایضاً، ۲۲۱۔ ❸ تفسیر مواہب الرحمٰن، (الفاتحہ) ۱۳۱۔

Marfat.com

نے کہا کہ: میں نہیں جانتا ہوں، پس عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
باء، بہائے الٰہی، سین، سنائے الٰہی، میم، مملکت الٰہی ہے، اللہ سب کا معبود مالک ہے، الرحمٰن دنیا و آخرت میں رحمت والا، الرحیم خاص، آخرت میں رحمت والا (رواہ ابن جریر وابن مردویہ)۔ (1)

اس روایت پر تبصرہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیخ ابن کثیر نے فرمایا: یہ غریب ہے، اور آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہوتی، مگر شاید سلف میں سے کسی کا قول ہو یا نصرانیوں سے روایت ہو۔ واللہ اعلم۔'' (2)

پھر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

پس ظاہراً یہ من جملہ اشارات ہے، واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ اور بنو اسرائیل میں بسم اللہ زمانہ سلیمان علیہ السلام سے معروف تھی، پس شاید کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معلم کو اس کے بعض اشارات سے متنبہ کیا ہو۔'' (3)

صرف بسم اللہ کی تفسیر سات صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں موضوعات، موقوفات، مقطوعات، اسرائیلیات اور اقوال سلف کا رنگ بالکل واضح اور نمایاں ہے۔ (4)

اس بنا پر یہ بلا تامل کہا جا سکتا ہے، کہ تفسیر مواہب الرحمٰن اثری رجحان کی سب سے مفصل اور نمائندہ تفسیر ہے۔

(۲) کلامی رجحان

برصغیر میں علم کلام ایک خصوصی دل چسپی کا موضوع رہا ہے۔ (5) اور متعدد تفاسیر میں بھی یہ رجحان نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔

جدید کلامی رجحان کی سب سے نمائندہ تفسیر سر سید احمد خان کی ''تفسیر القرآن'' ہے۔ سر سید احمد خان اپنے عہد کی وہ نامور شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے ''زعم'' کے مطابق عقائد اسلام کو جدید علم الکلام کے مطابق ثابت کیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان کا جدید علم الکلام کچھ ایسا ثابت ہوا کہ وہ خود عقائد اسلام میں بھی جمہور امت کی راہ سے منحرف ہو گئے۔ (6)

سر سید کے اس جدید کلامی رجحان اور ان کے ہم نوا مصنفین نے برصغیر میں ایک نئی فکری بے راہروی و

---

(1) تفسیر مواہب الرحمٰن (الفاتحہ)، ۱/ ۱۵-۱۶۔

(2) ایضاً، ۱/ ۱۶۔ (3) ایضاً، ۱/ ۱۶۔

(4) ایضاً، ملاحظہ ہو: ۱۳ تا ۲۰۔ (5) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: حوالۂ مذکورہ بالا۔

(6) اس کا تفصیلی جائزہ ''انحرافی مکتب فکر کے اصول تفسیر'' کے تحت باب پنجم میں لیا جائے گا۔

Marfat.com

بے باکی کا دروازہ کھول دیا۔ ❶ چنانچہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کے دل ودماغ میں دینی عقائد وتعلیمات کے بارے میں تشکیک پرورش پانے لگی۔ ایسی صورت حال میں راسخ العقیدہ علما نے ''جدید علم الکلام'' کے مقابلے میں ایک دوسری نوعیت کے علم الکلام کی داغ بیل ڈالی۔

اور اس طرح ''راسخ العقیدہ کلامی رجحان'' کی حامل تفاسیر بھی منظر عام پر آئیں۔ ❷ تفسیر مواہب الرحمٰن، تفسیر احسن التفاسیر، تفسیر حقانی اور تفسیر ثنائی میں سرسید کے خیالات پر کڑی تنقید کی گئی۔ ❸

لیکن اس رجحان کی خاص تفسیر، ابوالمنصور محمد ناصر الدین دہلوی (1822-1902) ☆ کی تفسیر ''تنقیح البیان'' ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر لکھا ہے: ''تنقیح البیان، تفسیر القرآن مصنفہ سید احمد خان صاحب بہادر سی ایس آئی کا جواب۔'' ❹

اس تفسیر کے مقدمہ میں جناب ابوالمنصو رلکھتے ہیں:

''ان دنوں اردو تفسیر قرآن مصنفہ سید احمد خان صاحب بہادر، بانی فرقہ نیچریہ وبانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ، کو دیکھا، جو کہ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ پریس میں 1297 ہجری اور 1880ء کو چھاپی گئی، یہ کتاب 313 صفحہ پر سورہ بقرہ کی تفسیر ہے......۔'' ❺

سرسید کی تفسیر پر مزید لکھتے ہیں

''اس تفسیر میں قرآن کے کسی جز ویعنی پارہ کا مطلق امتیاز نہیں رکھا گیا، بلکہ رکوع کا بھی نام ونشان تک نہیں ہے۔ تمام سورہ اور ترجمہ میں آخر تک آیتوں کا شمار جس طرح نصرانی ترجموں میں دستور ہے لکھا ہے۔ یعنی 172 یا 285 وغیرہ آیتوں کا شمار لکھوایا ہے۔ معلوم نہیں کہ قدیم ترتیب ابواب وآیات قرآن مجید میں خان صاحب بہادر نے کیسا نقص دیکھا، جو اس جدید ترتیب کی ضرورت ہوئی......۔'' ❻

---

❶ دیکھیے: ''آپ بیتی''، عبدالماجد، دریابادی، ص۲۵۴-۲۵۵۔

❷ دیکھیے: ''برصغیر میں تفسیر قرآن کا کلامی اسلوب''، محمد ارشد (مدیر: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور)، سہ ماہی فکر ونظر، جلد۴۱، شمارہ نمبر۳، ص۲۲ تا ۲۴۔

❸ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: حوالۂ مذکورہ بالا۔

☆ ابوالمنصو رمحمد ناصر الدین: ان کے حالات وعلمی سرگرمیوں کے لیے ملاحظہ ہو: ''سید ناصر الدین ابوالمنصو ردہلوی اور مسیحی مسلم مناظراتی ادب''، در ماہنامہ ''عالم اسلام اور عیسائیت''، (اسلام آباد)، اگست ۱۹۹۲ء، ص۵-۱۴۔

❹ تنقیح الکلام، مطبع نصرت المطابع، دہلی سے شائع ہوئی۔ سنۂ طباعت ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء مرقوم ہے۔ درمیانی تقطیع کے ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقالہ نگار کے پاس اس کی فوٹو کاپی محفوظ ہے۔ یہ وہ سب سے پہلی تفسیر ہے جو تفسیر القرآن، سرسید احمد خان کی تردید میں لکھی گئی۔

❺ تنقیح البیان، ص۲۔ ❻ ایضاً ص۳۔

Marfat.com

اس کے بعد سرسید کی تفسیر پر ظاہری ومعنوی مؤخذات بالترتیب شروع کر دیتے ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر میں تفسیری ادب میں دو قسم کے کلامی رجحان نمایاں ہوئے:

① راسخ کلامی رجحان ② منحرف کلامی رجحان

③ مناظراتی (تقابلی) رجحان

برصغیر پاک وہند میں انیسویں صدی کے ربع آخر اور اس کے مابعد دور میں منظر عام پر آنے والی تفاسیر میں مناظراتی اسلوب بھی ایک اہم اور نمایاں تفسیری رجحان ہے۔

درحقیقت مسلم سلطنت کے سقوط اور انگریزی حکومت کے قیام واستحکام اور نتیجتاً ظہور پذیر ہونے والے سیاسی، تہذیبی، معاشرتی اور فکری ونظریاتی تحدیات نے علماء کرام کو اس اسلوب تفسیر کی طرف مائل کیا۔

برطانوی نوآبادیاتی دور میں اس خطے میں عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کا خوب اہتمام کیا گیا۔ اس امید کے ساتھ کہ سیاسی وعسکری میدان میں شکست سے دوچار دین اسلام کے پیروکار مسیحیت قبول کر لیں گے۔ اس ''مقدس مشن'' میں عیسائی مشنریوں اور بعض مغربی جامعات کے اساتذہ کے علاوہ انگریز حاکم بھی شامل ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اسلام کو عقل وعلم اور تہذیب وتمدن کا دشمن اور خون ریز وجنگجو مذہب ثابت کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ مسیحی مبلغین ومستشرقین کے اس گروہ نے اسلامی عقائد واحکام، تہذیبی ومعاشرتی اقدار اور بالخصوص پیغمبر گرامی ﷺ کی ذات اقدس کو اپنی تنقید وملامت کا ہدف بنا لیا تھا۔[1]

متحدہ صوبہ جات کے حاکم اعلیٰ سر ولیم میور کی کتاب (The life of Mahomet) اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں ان مغربی مبلغین ومستشرقین کے خیالات عالیہ کا ایک بہترین نمونہ ہے۔[2]

ان دو عوامل کے علاوہ تقابلی ومناظراتی رجحان کا ایک اور محرک بڑھتی ہوئی مغربی تہذیب اور جدید عمرانی علوم اور سائنسی وفلسفی افکار کی ترویج واشاعت تھی۔

ہندو احیائیت کی تحریک آریہ سماج نے بھی اسلام کی حقانیت کو بڑے زور شور سے چیلنج کیا۔ بانی تحریک سوامی دیانند سرسوتی 1827-1883ء اور اس کے ہم خیال ہندوؤں نے اسلام کی تردید میں کثیر کتب تصنیف

---

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''موج کوثر'' شیخ محمد اکرام، ص۱۵۶-۱۵۸، ((Christian Mission in North India) آر۔ پی شرما (متل پبلیکیشنز، دہلی، ۱۹۸۸، برصغیر میں تفسیر قرآن کا کلامی اسلوب، محمد ارشد، سہ ماہی فکر ونظر، جلد ۴، شمارہ نمبر ۳، ص ۱۶-۱۷، وحاشیہ نمبر ۳۸۔

② (The life of Mahomet and the history of Islam to the Era of Hegira) چار جلدوں میں لنڈن سے ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔

Marfat.com

کیں، جن میں اسلامی عقائد واحکام اور قرآن مجید کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور پیغمبر اقدس کی ذات مبارکہ پر بھی اعتراضات کیے گئے۔ ❶

ایک اور چیلنج جو اپنی نوعیت و سنگینی میں ان سے بھی بڑھا ہوا تھا، مرزا غلام احمد قادیانی 1838-1908ء کی نئی نبوت کا ظہور تھا۔ مرزا صاحب نے جہاد کو منسوخ و ممنوع قرار دیا، انگریزی حکومت کی وفاداری کا درس دیا اور عقیدۂ ختم نبوت پر حملہ کرتے ہوئے اس کی انوکھی تفسیر پیش کی۔

گویا نظریاتی و فکری سطح پر اس دور کے علما کے سامنے پانچ قسم کے تحدیات بنیادی نوعیت کے حامل تھے اور انتہائی سنگین تھے:

① عیسائی تبلیغی سرگرمیاں
② مغربی تہذیب
③ آریہ سماج و دیگر معترضین کے اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراضات
④ قادیانی نبوت کا ظہور
⑤ فرقہ نیچریہ کا ظہور

اس کے علاوہ ہندوستان جیسے کثیر المذاہب خطے میں ان علما کا وجود مسعود بجائے خود ایک محرک تھا، چنانچہ انہی محرکات کے پیش نظر ایسی تفاسیر بھی منظر عام پر آئیں، جن میں علما اکرام نے ان پانچوں تحدیات کا قرآنی رہنمائی میں فکری و نظریاتی سطح پر کھل کر مقابلہ کیا اور علمی طور پر اسلام کا مستحکم دفاع کیا۔ ان محرکات کے تحت لکھی جانے والی تفاسیر میں مذاہب باطلہ کی تردید، تقابل ادیان اور مناظراتی رجحان غالب نظر آتا ہے۔

اس رجحان کی حامل دو تفاسیر سرفہرست ہیں:

① تفسیر حقانی ② تفسیر ثنائی

2- تفسیر حقانی: مولانا عبدالحق حقانی (متوفی 1916ء)

اس تفسیر میں نہ صرف یہ کہ اسلامی عقائد واحکام کو ثابت کیا گیا ہے، بلکہ اسلامی نظریات، قرآن حکیم اور پیغمبر اسلام پر مسیحی مبلغین، مستشرقین، اور آریہ سماجیوں کے اعتراضات کا مفصل و مدلل جواب دینے کا بھی اہتمام ہے۔ بلکہ جا بجا بدھ مت، زرتشتی مذہب، یہودیت و نصرانیت اور آریہ سماجیوں کی مذہبی کتب پر نقد بھی کیا ہے اور اسلامی تعلیمات وعقائد کا تفوق ثابت کیا ہے۔

نیز قدیم معتزلہ اور جدید معتزلہ نیچری فرقہ معجزات وغیرہ کے بارے نظریات کی پرزور تردید کی گئی ہے۔ اس تفسیر میں یورپ کے فلسفۂ جدیدہ پر بھی بعض مقامات پر عمدہ مباحث ہیں۔

❶ برصغیر میں تفسیر قرآن کے کلامی اسلوب، محمد ارشد، در، ''سہ ماہی فکر ونظر، جلد ۴، شمارہ نمبر ۳، ص ۱۷۔

Marfat.com

1- تفسیر ثنائی مولانا ثناء اللہ امرتسری (متوفی 1948ء)

تفسیر ثنائی کے مؤلف حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری برصغیر پاک و ہند کی نامور علمی شخصیت تھے۔ ان کا شمار بیسویں صدی عیسوی کے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ آپ بیک وقت مفسر، مدرس، خطیب، ایڈیٹر، مصنف، متکلم اور لاثانی مناظر تھے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ نے قرآن مجید کی چار تفاسیر لکھیں:[1]

① تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (مکمل) عربی

② بیان الفرقان علی علم البیان (نامکمل) عربی

③ تفسیر ثنائی (مکمل)، اردو

④ تفسیر بالرائی (نامکمل)، اردو

مولانا ثناء اللہ چونکہ مناظر بھی تھے، اور اپنے عہد کے نامور مناظر تھے، ان کا واسطہ ہر وقت آریہ سماجیوں اور عیسائیوں سے رہتا تھا۔ اس لیے انہوں نے جو تفسیریں لکھیں ان میں سے بالخصوص عربی تفسیر "تفسیر القرآن" اور اردو تفسیر "تفسیر ثنائی" میں مناظرانہ رنگ غالب ہے۔[2]

④ مسلکی رجحان

برصغیر میں اہل السنہ کے تین مسالک معروف ہیں، اور جمہور مسلمان تین مسالک میں سے کسی ایک سے وابستہ ہیں:

① اہل حدیث ② دیوبندی ③ بریلوی

ان میں سے ہر ایک مسلک و مشرب عقائد و نظریات میں مخصوص طرز فکر کا حامل ہے۔ ان میں سے بالخصوص اہل حدیث اور بریلوی مکتب فکر کے بنیادی عقائد میں بعض شدید اختلافات ہیں، اس لیے ان کی بعض تفاسیر میں اپنے مسلک کی بھرپور نمائندگی کا رجحان نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اور جہاں بھی کسی آیت کریمہ سے اپنے مسلک کے کسی مخصوص نظریہ کی تائید ہوتی ہو تو اس پر تائیدی حاشیہ لکھتے ہیں۔ اور جس آیت مبارکہ سے دوسرے مسلک کے کسی نظریہ کی "تردید" ہوتی ہو، تو اس پر رد لکھتے ہیں۔

---

1. ان کے تفصیلی تعارف کے لیے ملاحظہ ہو: قرآن پاک کی تفسیریں چودہ سو برس میں، (خدا بخش لائبریری، طبع ۱۹۸۹ء) ص ۳۰۴۔

2. "تفسیر ثنائی اور رد مذاہب باطلہ" تاج الدین ازہری (اسسٹنٹ پروفیسر کلیہ اصول دین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد) در "فکر و نظر" کا خصوصی شمارہ "برصغیر میں مطالعہ قرآن" جلد ۳۰، شمارہ نمبر ۳-۴، ص ۲۹۱۔

Marfat.com

یہ الگ بات ہے کہ کسی مفسر کے اسلوب میں شدت پسندی کا رجحان غالب نظر آتا ہے، اور کسی مفسر کے اسلوب میں اعتدال پسندی کا پہلو غالب دکھائی دیتا ہے۔ اس حوالے سے دو تفاسیر بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

الف اہل حدیث مسلک کی نمائندہ تفسیر: احسن البیان

احسن البیان کے مصنف حضرت مولانا حافظ صلاح الدین یوسف بقید حیات ہیں، متعنا اللہ بطول حیاتہ، ان کے مختصر تفسیری حواشی اہل حدیث مکتب فکر میں معروف ومتداول ہیں۔ ان کے تفسیری حواشی میں جہاں الفاظ کی سلاست ومتانت، فکر ونظر کی وسعت وعمق نمایاں ہے، وہاں اہل حدیث مسلک کی نمائندگی، اور دیوبندی وبریلوی مکتب فکر کی تردید کا رجحان واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

1- فاتحہ خلف الامام

سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

''سورۃ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتدا کے ہیں۔ اس لیے اسے الفاتحہ یعنی فاتحۃ الکتاب کہا جاتا ہے۔...... اس کا ایک اہم نام ''الصلوٰۃ'' بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((قسمت الصلاۃ بینی و بین عبدی))❶

''میں نے صلوٰۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔''

مراد سورۂ فاتحہ ہے، جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی رحمت وربوبیت اور عدل وبادشاہت کے بیان میں ہے۔ اور نصف حصے میں دعا ومناجات ہے، جو بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔

اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے۔ فرمایا:

لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب❷

''اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔''

اس حدیث میں ''مَنْ'' کا لفظ عام ہے، جو ہر نمازی کو شامل ہے، منفرد ہو یا امام، یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سرّی نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل، ہر نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔''❸

---

❶ الحدیث۔ صحیح مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔

❷ صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب وجوب القراءۃ ...... الخ۔

❸ تفسیر احسن البیان، ص ۵۶۔

Marfat.com

بریلوی مسلک کی تردید

حافظ صاحب محترم جابجا بریلوی مکتب فکر کے تصورات پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔ چنانچہ آیت مبارکہ:
﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ...... ﴾ ❶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں، بلکہ اسلام کے نام لیواؤں کے اندر بھی یہ بیماری گھر کر گئی ہے۔ انہوں نے بھی نہ صرف غیر اللہ اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا ماویٰ وملجا اور قبلۂ حاجات بنا رکھا ہے، بلکہ ان سے ان کی محبت اللہ سے بھی زیادہ ہے اور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح کھلتا ہے، جس طرح مشرکین مکہ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی......'' ❷

-2 ﴿ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ ...... ﴾ کی تفسیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ ❸

''کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے، جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں)، وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، انہیں عقل نہیں۔''

اس کی تفسیر میں حافظ صاحب لکھتے ہیں:

''ان کافروں کی مثال جنہوں نے تقلید آباء میں اپنی عقل وفہم کو معطل کر رکھا ہے، ایسے جانوروں کی طرح ہے، جن کو چرواہا بلاتا اور پکارتا ہے، وہ جانور آواز تو سنتے ہیں، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں کیوں بلایا اور پکارا جا رہا ہے؟ اس طرح یہ مقلدین بھی بہرے ہیں کہ حق کی آواز نہیں سنتے، گونگے ہیں کہ حق ان کی زبان سے نہیں نکلتا، اندھے ہیں، کہ حق کو دیکھنے سے عاجز ہیں، اور بے عقل ہیں کہ دعوت حق اور دعوت توحید وسنت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔'' ❹

محترم حافظ صاحب نے تفسیر قرآن میں آیات بینات، احادیث مبارکہ اور اقوال صحابہ کو اس خوبصورتی سے سمویا ہے کہ مختصر تفسیری حواشی میں اسے ہم بجا طور پر تفسیر ''ماثور'' کی نمائندہ تفسیر کہہ سکتے ہیں۔

ب بریلوی مکتب فکر کی نمائندہ تفسیر: تفسیر نعیمی

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ترجمہ پر سید محمد نعیم الدین مراد آبادی صاحب کے تفسیری

---

❶ البقرۃ۲:۱۶۵۔ ❷ تفسیر احسن البیان، ص۱۰۹۔ ❸ البقرۃ۲:۱۷۱۔ ❹ تفسیر احسن البیان، ص۱۱۱۔

Marfat.com

حواشی بریلوی مکتب فکر میں معروف ومتداول ہیں، جو ''تفسیر نعیمی'' کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ تفسیری حواشی مخصوص مقامات پر بریلوی مکتب فکر کے مخصوص نظریات کی پُرزور نمائندگی کرتے ہیں۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

1- ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾[1] کی تفسیر

سید محمد نعیم الدین مرادآبادی صاحب لکھتے ہیں:

''......اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، عقیدۂ باطلہ ہے، کیونکہ مقربان حق کی امداد الٰہی ہے، استعانت بالغیر نہیں۔''[2]

اہل حدیث مسلک کی تردید

اہل حدیث مسلک کی تردید کرتے ہوئے مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر میں مزید لکھتے ہیں:

''اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں ((أعینونی بقوة ، اور استعینوا بالصبر والصلوٰة)) کیوں وارد ہوتا؟ اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی؟''[3]

مسئلہ گیارہویں، فاتحہ، تیجا، چالیسواں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾[4]

''اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہمارے راہ میں اٹھائیں۔''

اس کی تفسیر میں جناب سید نعیم الدین مرادآبادی صاحب لکھتے ہیں:

''راہ خدا میں خرچ کرنے سے یا زکاۃ مراد ہے، جیسا دوسری جگہ فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ یا مطلق انفاق خواہ فرض وواجب ہو، جیسے زکوٰۃ، نذر، اپنا اور اپنے اہل کا نفقہ وغیرہ، خواہ مستحب ہو، جیسے صدقات نافلہ، اموات کا ایصال ثواب۔''[5]

اس کے بعد مزید سرخی دے کر لکھتے ہیں:

''مسئلہ: گیارہویں، فاتحہ، تیجا، چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں، کہ وہ سب صدقات نافلہ ہیں اور قرآن پاک وکلمہ شریف کا پڑھنا نیکی کے ساتھ اور نیکی ملا کر اجر وثواب بڑھاتا ہے۔''[6]

بریلوی مکتب فکر کی ایک اور نمائندہ تفسیر: ''ضیاء القرآن''

پیر کرم شاہ الأزہری بریلوی مکتب فکر کی سنجیدہ اور معتدل شخصیت ہیں۔ ان کی تفسیر ''ضیاء القرآن''

---

[1] الفاتحہ،۱:۴۔ [2] تفسیر نعیمی،ص۳۔ [3] ایضاً۔ [4] البقرۃ،۲:۳۔ [5] تفسیر نعیمی،ص۴۔ [6] ایضاً۔

Marfat.com

بریلوی مسلک کی مؤثر نمائندگی کرتی ہے۔لیکن ان کے اسلوب میں شدت کی بجائے اعتدال ہے۔تفسیر کے مقدمہ میں پیر صاحب لکھتے ہیں:

''ملت اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے، ہمارا کام تو ان خونچکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ان رستے ہوئے ناسوروں کو مندمل کرنا ہے۔اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے، یہ کہاں کی دانشمندی ہے اور عقیدت مندی ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں۔ان ناسوروں کو اور اذیت ناک اور تکلیف دہ بناتے رہیں۔'' ❶

اپنا تفسیری اسلوب و رجحان واضح کرتے ہوئے،مزید لکھتے ہیں:

''میں نے پورے خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کر دوں، جو قرآن کریم کی آیات بینات احادیث صحیحہ یا امت کے علماحق کے ارشادات سے ماخوذ ہے۔'' ❷

اس کے بعد اپنے مسلک کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تاکہ نادان دوستوں کی غلط آمیزیوں یا اہل غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑ گئے ہیں، وہ اٹھ جائیں اور حقیقت آشکار ہو جائے۔بفضلہ تعالیٰ اس طرح بہت سے الزامات کا خود بخود ازالہ ہو جائے گا، اور ان لوگوں کے دلوں سے یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی، جو غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ واقعی ملت کا ایک حصہ شرک سے آلودہ ہے یا ان کے اعمال اور مشرکین کے اعمال میں مماثلت پائی جاتی ہے۔العیاذ باللہ۔

خداوند کریم ہمارے حال زار پر رحم فرمادے اور دلوں کو حسد اور نفرت کے جذبات سے پاک کر کے ان میں محبت والفت پیدا فرمادے۔وهو علی کل شئی قدیر۔'' ❸

مسئلہ توسل اور تفسیر ضیاء القرآن

اپنے بریلوی مسلک کی ترجمانی کے لیے حضرت شاہ صاحب نے جو اسلوب اختیار کیا ہے۔مسئلہ توسل پر ان کے تفسیری افادات،اس اسلوب کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر میں شاہ صاحب محبوبان الٰہی کی دعاؤں کی اہمیت واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''تو اب اگر کوئی شخص ان محبوبان الٰہی کی جناب میں خصوصاً حبیب کبریاء علیه التحية والثناء کے حضور میں کسی نعمت کے حصول میں یا کسی مشکل کی کشود کے لیے التماس دعا کرتا ہے،تو یہ بھی استعانت بالغیر اور شرک نہیں بلکہ عین اسلام اور عین توحید ہے۔

❶ ضیاء القرآن، ۱/۱۱۔ ❷ ضیاء القرآن، ۱/۱۱۔ ❸ حوالۂ مذکورہ۔

Marfat.com

ہاں اگر کسی ولی، شہید یا نبی کے متعلق کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ مستقل بالذات ہے اور خدا نہ چاہے تب بھی کرسکتا ہے، تو یہ شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک ہے۔ اس حقیقت کو حضرت شاہ عبدالعزیز نے نہایت بسط کے ساتھ اپنی تفسیر میں رقم فرمایا ہے۔ اور اس کا ماحصل مولانا محمود حسن صاحب نے اپنے حاشیہ قرآن میں ان جامع الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا، کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے، کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔''

اور اس طرح کی استعانت تو پاکان امت کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ جناب رسالتمآب میں عرض کرتے ہیں:

؎ و أنت مجيری من هجوم مُلِمَّةٍ
اذا انشبت فی القلب شر المخالب

یارسول اللہ! حضور مجھے پناہ دینے والے ہیں، جب مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور دل میں اپنے بے رحم پنجے گاڑ دیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند عرض کرتے ہیں:

؎ مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامئ کار ❶

⑤ فقہی رجحان

فقہی احکام و مسائل میں برصغیر کے دو معروف مسالک ہیں:

① فقہ حنفی ② فقہ اہل حدیث

بعض تفاسیر میں خصوصی طور پر فقہی مسائل کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔

فقہ حنفی کی نمائندہ تفسیر ''معارف القرآن''

فقہ کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تفسیر ''معارف القرآن''، آیات الأحکام میں فقہ حنفی کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔

---

❶ تفسیر ضیاء القرآن، ۱/۲۵۔

Marfat.com

فقہ اہل حدیث کی نمائندہ تفسیر ''تیسیر القرآن''

تیسیر القرآن، نامور مصنف مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی تفسیر ہے۔ جو کہ آیات الاحکام میں اہل حدیث مکتب فکر کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔

⑥ تلاش نظم کا ادبی رجحان: فراہی مکتب فکر

برصغیر کا ایک منفرد اور نمایاں تفسیری رجحان تلاش نظم کا رجحان ہے۔ اگر چہ ربط ومناسبت کا اظہار برصغیر کی متعدد تفاسیر میں پایا جاتا ہے، لیکن ادب جاہلی کے شعری شواہد کی بنیاد پر معانی واسالیب کی تعیین اور جامع نظام القرآن کی تلاش فراہی مکتب فکر کا امتیازی خاصہ ہے۔

⑦ تحریکی رجحان: تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ

برصغیر میں مسلم سلطنت کے سقوط، انگریزی تسلط اور مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے پس منظر میں جو تحریکیں اور تنظیمیں میدان عمل میں اتریں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ ان میں سے ایک معروف تحریک ''جماعت اسلامی'' کے بانی ہیں۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ ایک خاص طرز فکر اور اسلام کی ایک خاص تعبیر کے داعی تھے۔ ان کی نامور تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں اس خاص طرز فکر اور اسلام کی مخصوص تعبیر کی نمایاں جھلک دکھائی دیتی ہے۔

اگر ''تفہیم القرآن'' کو قرآن مجید اور تفسیر قرآن کی تحریکی تعبیر قرار دیا جائے تو عین قرین انصاف ہوگا۔

خود مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں قرآن مجید کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے صراحۃً لکھا ہے کہ قرآن مجید کا بنیادی موضوع ''زندگی کو نظام خدا کی ہدایت پر قائم کرنا اور دنیا کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔''

مولانا مودودی رحمہ اللہ قرآن مجید کے موضوع اور انبیا کی تاریخ دعوت بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

''آخر کار خداوند عالم نے سرزمین عرب میں محمد ﷺ کو اس کام کے لیے مبعوث کیا، جس کے لیے پچھلے انبیا آتے رہے۔ ان کے مخاطب عام انسان بھی تھے اور پچھلے انبیا کے بگڑے ہوئے پیرو بھی۔ سب کو صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا، سب کو از سر نو خدا کی ہدایت پہنچا دینا اور جو اس دعوت، ہدایت کو قبول کریں، انہیں ایک ایسی امت بنا دینا، ان کا کام تھا، جو ایک طرف خود اپنی زندگی کا نظام خدا کی ہدایت پر قائم کرے اور دوسری طرف دنیا کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرے۔ ایسی دعوت اور ہدایت

Marfat.com

کی کتاب یہ قرآن ہے، جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ ❶

سورتوں کا پس منظر اور شان نزول بیان کرتے ہوئے بھی مولانا مودودی رحمہ اللہ اسلامی تحریک کے مختلف مراحل پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کے نزدیک اسلام کے مختلف دعوتی مراحل تھے:

① ابتدائی مرحلہ: ''اس میں دعوت کے پیغامات ''چند چھوٹے چھوٹے مختصر بولوں پر مشتمل ہوتے تھے۔'' ❷

② دوسرا مرحلہ: ''اس مرحلے میں اسلام کی اس تحریک اور پرانی جاہلیت کے درمیان ایک سخت جاں گسل کشمکش برپا ہوئی، جس کا سلسلہ آٹھ نو سال تک چلتا رہا۔'' ❸

''اس طویل اور شدید کشمکش کے دوران اللہ تعالیٰ حسب موقع اور حسب ضرورت اپنے نبی پر ایسے پرجوش خطبے نازل کرتا رہا، جن میں دریا کی سی روانی، سیلاب کی سی قوت اور تیز وتند آگ کی سی تاثیر تھی۔ ان خطبوں میں ایک طرف اہل ایمان کو ان کے ابتدائی فرائض بتائے گئے، ان کے اندر جماعتی شعور پیدا کیا گیا.....'' ❹

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''یہ ہے قرآن مجید کی مکی سورتوں کا پس منظر۔'' ❺

③ تیسرا مرحلہ: ''اس مرحلے میں حالات کا نقشہ بالکل بدل گیا، امت مسلمہ ایک باقاعدہ ریاست کی بنا ڈالنے میں کامیاب ہوگئی۔ پرانی جاہلیت کے علمبرداروں سے مسلح مقابلہ ہوا۔'' ❻

مزید لکھتے ہیں:

''اس مرحلے کی بھی مختلف منزلیں تھیں اور ہر منزل میں اس تحریک کی مخصوص ضرورتیں تھیں۔ ان ضرورتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تقریریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی رہیں، جن کا انداز کبھی آتشیں خطابت کا، کبھی شاہانہ فرامین واحکام کا، کبھی معلمانہ درس وتعلیم کا اور کبھی مصلحانہ افہام وتفہیم کا ہوتا تھا......'' ❼

مولانا کے نزدیک یہ مدنی سورتوں کا پس منظر ہے۔ ❽

پس منظر واضح کرنے کے بعد مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن مجید ایک دعوت کے ساتھ اترنا شروع ہوا، اور وہ دعوت اپنے آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تکمیل تک تیئیس سال کی مدت میں جن جن مرحلوں اور جن جن منزلوں سے گزرتی رہی، ان کی مختلف النوع ضرورتوں کے مطابق قرآن کے مختلف حصے نازل ہوتے رہے۔'' ❾

❶ تفہیم القرآن، (مقدمہ)، ۱/۱۹۔ ❷ تفہیم القرآن، (مقدمہ)، ۱/۲۱۔ ❸ ایضاً، ۱/۲۱۔
❹ ایضاً، ۱/۲۳۔ ❺ ایضاً، ۱/۲۴۔ ❻ تفہیم القرآن، ۱/۲۴۔
❼ حوالۂ مذکورہ۔ ❽ ایضاً، ۱/۲۵۔ ❾ مقدمہ تفہیم القرآن، ۱/۲۵

Marfat.com

ایک اور موقع پر مضامین قرآن میں تکرار کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک دعوت اور عملی تحریک کا فطری اقتضاء یہ ہے کہ وہ جس وقت، جس مرحلے میں ہو، اس میں وہی باتیں کہی جائیں جو اس مرحلے سے مناسبت رکھتی ہوں۔'' ❶

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔'' ❷

درج بالا تمام اقتباسات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی رحمہ اللہ قرآن مجید کو خالصۃً دعوتی اور تحریکی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ وہ خود ایک تحریک اور جماعت کے بانی بھی ہیں، جن کی تربیت لامحالہ وہ قرآن مجید کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے بجا طور پر ان کی تفسیر کو ''تحریکی رجحان'' کی نمائندہ بلکہ بانی تفسیر کہا جاسکتا ہے۔

⑧ مخصوص عملی واصلاحی رجحان: تفسیر قرآن عزیز از مسعود احمد بی، ایس سی

جناب مسعود احمد بی، ایس سی ایک جماعت بنام ''جماعت المسلمین'' کے بانی تھے۔ اپنے نظریات میں انتہائی پختہ تھے۔ اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اس طرح کے تمام فرقہ وارانہ ناموں سے شدید نفرت کرتے اور (ھو سماکم المسلمین) ❸ کی بنیاد پر صرف ''المسلمین'' کہلوانے کے حق میں تھے۔ انہوں نے 12 جلدوں میں ''تفسیر قرآن عزیز'' کے نام سے قرآن مجید کی مبسوط تفسیر لکھی۔

چونکہ وہ ایک جماعت کے بانی تھے اور مخصوص نظریات کے حامل تھے۔ لہٰذا یہ بات تو قطعی ہے کہ وہ مخصوص نظریات اور جماعت کے افراد کی ان مخصوص نظریات پر تربیت تفسیر میں ہمیشہ ان کے پیش نظر رہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کا زیادہ رجحان دعوت و اصلاح کی طرف دکھائی دیتا ہے۔ ان کی تفسیر کا مزاج خالصۃً داعیانہ اور مصلحانہ ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان کی دعوت و اصلاح ان کے اپنے مخصوص نظریات کی حامل ہے۔

تفسیر کے مقدمہ میں انہوں نے خود اپنی تفسیر کے جو امتیازی اوصاف بتلائے ہیں، وہ ان کے تفسیری رجحان کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں۔ چنانچہ مقصد تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کی صدہا تفاسیر لکھی جا چکی ہیں، مفسرین نے قرآنی علوم کے ہر عنوان پر بہترین تفاسیر لکھیں، علمی نکات بیان کیے، لیکن ان تفاسیر میں سے کسی تفسیر میں عمل پر خاطر خواہ زور نہیں دیا گیا، علوم کے دریا بہائے جاتے رہے، لیکن عمل کم ہوتا چلا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں علوم کے یہ ذخائر اور یہ ضخیم تفاسیر کہاں تھیں؟ لیکن بایں ہمہ وہ قرآن مجید کا عملی پیکر تھے۔'' ❹

اس کے بعد اپنی تفسیر کے امتیازی اوصاف بتاتے ہوئے سب سے پہلا امتیازی وصف درج ذیل الفاظ

---

❶ مقدمہ تفہیم القرآن: ۱/ ۲۵ ❷ ایضاً۔ ❸ الحج، ۲۲: ۷۸۔ ❹ تفسیر قرآن عزیز، ۱/ ۱۰۔

Marfat.com

میں بیان کرتے ہیں:

''قرآن مجید کے نزول کا مقصد دراصل اس پر عمل کرنا ہے، اگر عمل نہیں، تو پھر سب علوم وفنون بے کار ہیں، اس تفسیر میں خاص طور پر عمل پر زور دیا گیا ہے اور یہ اس تفسیر کا پہلا امتیازی وصف ہے۔''❶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر اور عمل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قرآن وحدیث کی روشنی میں تفسیر آنے کے بعد اس پر ''عمل'' کی جو صورتیں مسعود احمد صاحب نے لکھیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیے، سوائے سورۂ توبہ کے۔
② بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے وقت اللہ، رحمان اور رحیم کو کھینچ کر پڑھیے۔
③ نماز میں بھی سورۂ فاتحہ یا کوئی دوسری سورت جب ابتدا سے پڑھیں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیے۔
④ ہر تحریر سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھیے۔
⑤ بسم اللہ کا ابتدا میں آنا اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر عمل کی ابتدا میں اس اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔
⑥ وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھیے۔
⑦ جب کسی دوسرے کو وضو کرائیں تو پانی ڈالنے سے پہلے بسم اللہ کہیے۔
⑧ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے مسنون دعا پڑھیے (جس کے شروع میں بسم اللہ آتا ہے۔)
⑨ جماع سے پہلے مسنون دعا پڑھیے (جس کے شروع میں بسم اللہ آتا ہے۔)۔
⑩ کسی بیمار کی شفایابی کے لیے اس طرح دعا کیجئے (اس کے بعد انھوں نے وہ مسنون دعا لکھی ہے، جو بسم اللہ سے شروع ہوئی ہے۔)
⑪ اگر آپ کے بدن میں کسی جگہ درد ہو تو درد کے مقام پر اپنا ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھیے پھر سات مرتبہ یہ دعا پڑھیں۔ مسنون دعا لکھی ہے۔
⑫ بیمار کی شفایابی کے لیے کلمہ کی انگلی زمین پر رکھ کر پھر اسے اٹھا کر یہ دعا پڑھیے۔ مسنون دعا لکھی ہے، جو بسم اللہ سے شروع ہوتی ہے۔
⑬ میت کو دفن کرتے وقت یہ دعا پڑھیے۔ مسنون دعا لکھی ہے۔ جو بسم اللہ سے شروع ہوتی ہے۔
⑭ کھانے سے پہلے بسم اللہ کہیے۔
⑮ اگر کھانے سے پہلے بسم اللہ کہنا بھول جائیں تو جب یاد آئے یہ دعا پڑھیں۔
⑯ جانور کو ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھیں۔

---

❶ تفسیر قرآن عزیز، ۱/۱۰ (مقدمہ)۔

Marfat.com

⑰ جب آپ شکار کے لیے شکاری جانور یا تیر چھوڑیں تو بسم اللہ کہیے۔

⑱ ایسا کوئی ذبیحہ نہ کھائے جس پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔

⑲ اگر نومسلم گوشت لائیں، جن کے متعلق یقین نہ ہو کہ انہوں نے بسم اللہ پڑھی ہوگی، تو خود بسم اللہ پڑھ لیجئے اور پھر اسے کھا لیجئے۔

اس کے علاوہ بھی انہوں نے مزید سات مقامات لکھیں ہیں، جہاں بسم اللہ پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔ ہر مقام کا حوالہ صحیح بخاری، صحیح مسلم یا دیگر صحیح احادیث سے دیا ہے۔

اس طرح بسم اللہ پر عمل کرنے کے تقریباً 26 مقامات انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھے ہیں جہاں کام کا آغاز بسم اللہ سے کرنا چاہیے۔ یا ایسی مسنون دعائیں پڑھنی چاہییں جو بسم اللہ سے شروع ہوتی ہیں۔ ❶

اھدنا الصراط المستقیم اور عمل کی ترغیب

اھدنا الصراط المستقیم کی مفصل تفسیر کے بعد لکھتے ہیں:

عمل

اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم پر گامزن رکھنے اور منزل مقصود تک پہنچانے کی دعا کرتے رہیے۔ صراط مستقیم کو ہرگز نہ چھوڑیئے۔ استقامت سے اس پر جمے رہیے۔ صراط مستقیم کو چھوڑ کر دوسرے راستے اختیار نہ کیجئے۔ فرقہ بندی سے بچیے۔ فرقہ وارانہ مذاہب سے پرہیز کیجئے۔ ☆

کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دینے والے راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا راستہ ایک ہے، کئی نہیں۔ لہٰذا ان متفرق راستوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے نہ سمجھیے، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا صرف ایک راستہ ہے، اس کے الگ ہونے کا خیال تک دل میں نہ لائیے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے پکڑتے رہیے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیے۔ رسول اللہ ﷺ یقیناً صراط مستقیم پر تھے، لہٰذا ان کے نقش قدم پر چلتے رہیے، ان کی پیروی کیجئے۔ ان شاء اللہ آپ منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ ❷

''رسول کی پیروی کرو تا کہ تم صحیح راستے پر چل کر منزل مقصود پر پہنچ جاؤ۔'' ❸

---

❶ تفسیر قرآن عزیز، ۱/۲۴-۳۵۔

☆ مسعود احمد بی ایس سی صاحب کے نزدیک دیوبندی، اہلحدیث اور بریلوی سب فرقے ہیں، اور ان کا اپنا فرقہ ''جماعت المسلمین'' ان کے نزدیک فرقہ نہیں بلکہ جماعت ہے۔

❷ الاعراف، ۷:۱۵۸۔ ❸ تفسیر قرآن عزیز، ۱/۷۸۔

Marfat.com

⑨ لغوی رجحان

اگر قرآن مجید کے مفردات والفاظ کی تشریحات اور لغوی تحقیقات کو تفسیر ہی کی ایک قسم شمار کیا جائے، تو اس لحاظ سے برصغیر کو خدمت قرآن میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

قرآن مجید کی لغات اور شرح مفردات پر یہاں مستقل کتب بھی لکھی گئی ہیں، اور کچھ عربی تصنیفات کے تراجم بھی کیے گئے ہیں۔

تفسیر کے ذیل میں لغت کی تشریحات تو تقریباً ہر مفسر کے ہاں کم وبیش پائی جاتی ہیں۔ لغوی تشریحات کے ساتھ اعراب، نحوی مباحث اور فنی تراکیب بھی یہاں کے تفسیری ادب میں پائی جاتی ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی ''مترادفات القرآن'' اس حوالے سے ایک خاص مقام کی حامل ہے۔

دینی مدارس کی درسی ضروریات کے پیش نظر، نحو وصرف کی تطبیق واجراء کے لیے، صرف عمومی تراکیب اور صرفی تشریحات پر مستقل کتب بھی منظر عام پر آئی ہیں۔

⑩ درسی وفنی رجحان

قدیم دینی مدارس میں تفسیر کشاف، نسفی اور بیضاوی وقتاً فوقتاً شامل نصاب ہیں، تفسیر بیضاوی اب تک شامل نصاب ہے، اس کی اردو شروح اور حواشی میں بنیادی طور پر منطق وفلسفہ، لغت ونحو اور صرف وبلاغت کے مسائل مذکور ہوتے ہیں۔ ایک لحاظ سے اس رجحان میں فنی مباحث کو تفسیر قرآن پر جاری کرنا بنیادی مقصود ہوتا ہے۔

⑪ اشاری رجحان

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے قبل کے برصغیر میں یہ رجحان ایک نمایاں تفسیری رجحان رہا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر ''بیان القرآن'' میں "مسائل السلوك" کے نام سے ایک متعد بہ حصہ اشاری رجحان کی نمائندگی کرتا ہے۔

⑫ قراءات کا رجحان

قراءات پر مستقل تفسیر تو معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ تفسیر مظہری اور بیان القرآن میں بالخصوص قراءات سے خاطر خواہ استفادہ کیا گیا ہے اور متفرق قراءات بیان بھی کی گئی ہیں۔

قراءات چونکہ دینی مدارس میں مستقلاً پڑھائی جاتی ہیں، اور ان کے الگ شعبے قائم ہیں، اس لیے قراءات

Marfat.com

کی حجیت اور وضاحت کے متعلق جو کتب تصنیف کی گئیں یا جو مضامین تحریر کیے گئے ہیں۔ ان میں جا بجا قرآنی آیات مبارکہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ایسی کتب ومضامین کو ہم قراءات کے رجحان کا حامل تفسیری ادب شمار کر سکتے ہیں۔

⑬ جامع رجحان

مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر ''بیان القرآن'' اردو تفسیری ادب میں ایک خاص مقام کی حامل تفسیر ہے۔ اس میں نحو واعراب کی توجیہہ بھی ہے، اور لغت ومفردات کی تشریح بھی، قراءات کی وضاحت بھی ہے اور مسائل تصوف وسلوک کا بیان بھی، فقہی احکام ومسائل پر کلام بھی ہے اور ایمانیات وعقائد پر سیر حاصل گفتگو بھی، احادیث وآثار کا ذخیرہ بھی ہے اور اسباب نزول وربط ومناسبت کا اہتمام بھی، ادیان وفرق باطلہ کی تردید بھی ہے اور ایک خاص فقہی مکتب کی نمائندگی بھی۔ اس لیے ہم اسے جامع تفسیری رجحان کی حامل تفسیر کہہ سکتے ہیں۔ تفسیر مظہری اور ماجدی میں بھی ایک درجہ جامعیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

⑭ ادبی اجتماعی رجحان

ابوالکلام کی قادر الکلامی، مخصوص انشاء پردازی، بلیغانہ اسلوب تحریر اور امت اسلامیہ کو اجتماعی طور پر قرآن کا منشور پہنچانے کی تڑپ ایک خاص تفسیری رجحان کی غمازی کرتا ہے، جسے ہم ''ادبی اجتماعی رجحان'' کہہ سکتے ہیں۔

⑮ صناعت لفظی کا رجحان

فیضی کی ''سواطع الالہام'' اس رجحان کی نمائندگی کرتی ہے۔

⑯ نعتی رجحان

برصغیر کے ایک مفسر حاجی عبدالوہاب بخاری متوفی 1525ء [1] نے عربی زبان میں ایک تفسیر لکھی۔ اس تفسیر کی ندرت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت سے نبی کریم ﷺ کی نعت ومنقبت ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح صاحب تفسیر کے نزدیک پورا قرآن مجید نعت نبوی سے عبارت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حب نبوی میں سرشار ہو کر یہ تصنیف لکھی گئی ہے۔

[1] ان کی پیدائش اور تعلیم وتربیت ملتان میں ہوئی۔ سکندر لودھی کے زمانہ میں دہلی منتقل ہوئے، اور اپنی عربی تفسیر یہیں مکمل کی۔ (ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، سالم قدائی، ص ۳۶)۔

Marfat.com

سید عبدالحیؒ حسنی لکھتے ہیں:

''شاید انہوں نے اسے غلبہ حال میں لکھا ہے، کیونکہ اکثر امور جو انہوں نے ذکر کیے ہیں صحیح نہیں ہیں۔''❶

⑰ انحرافی نیچری رجحان

سرسید احمد خاں کی ''تفسیر القرآن'' اس رجحان کی نمائندہ تفسیر ہے۔

⑱ انحرافی اشتراکی رجحان

غلام احمد پرویز کی ''تفسیر مطالب الفرقان'' میں جابجا نظام ربوبیت کے غلاف میں اشتراکی نظریات کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

⑲ انحرافی قادیانی رجحان

مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کی تاویلاتِ بعیدہ ایک الگ رجحان کی حامل ہیں اور وہ اسی رجحان کی نمائندگی کرتی ہیں۔

⑳ لامنہجی (تقصیری) رجحان

عصر حاضر کے کچھ ایسے صحافی، ریٹائرڈ فوجی افسران، پروفیسر، اداریہ نگاران اور بزعم خود دانشوراں بھی ''تفسیر قرآن'' کا ''فرض'' ادا کر رہے ہیں، جن کے پاس سرے سے نہ مطلوبہ اہلیت ہی موجود ہے اور نہ کوئی مخصوص منہج اور نہ وہ کسی اہل علم سے رابطے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس لامنہجی رجحان کی کوئی مستقل تفسیر تو نظر سے نہیں گزری، البتہ بعض تمدنی، قانونی اور معاشرتی مسائل میں اخبارات کے صفحات اور رسائل وجرائد میں ان کی ''نکتہ آفرینیاں'' مطالعہ سے گزرتی رہتی ہیں۔

اس طرز کے ''نکات ومعارف'' کو لامنہجی تقصیری رجحان کہا جاسکتا ہے۔ ''لامنہجی'' اس لیے کہ وہ منہج سے آشنا ہی نہیں، اور ''تقصیری'' اس لیے کہ وہ آداب تفسیر اور ادوات تفسیر دونوں ہی سے قاصر اور تہی دامن ہوتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اپنے مخصوص میدان میں کامل مہارت حاصل کرنے کے بعد وہ ''تفسیر قرآن'' میں اپنا حصہ ڈالنا بھی ''فرض'' سمجھتے ہیں، اور امت کو نئے نئے ''حقائق'' سے متعارف کرواتے رہتے ہیں۔

---

❶ نزهة الخواطر، ٤/ ٢٢٣۔

Marfat.com

(۲۱) انحرافی شیعی رجحان

شیعہ مکتب فکر کی ایسی تفاسیر جو اہل السنہ کے عقائد وتعبیرات سے منحرف ہوں، انہیں ہم انحرافی شیعی رجحان کی حامل تفسیر کہہ سکتے ہیں۔

(۲۲) اعجازی سائنسی رجحان

جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں قرآن مجید کی تشریحات وتفسیرات، اوراس حوالے سے اعجاز القرآن کا اثبات بھی ایک اہم اور نمایاں رجحان ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے کوئی مستقل تفسیر نظر سے نہیں گزری، لیکن اس مناسبت سے کتابیں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔

***

Marfat.com

فصل رابع

برصغیر میں علم اصول تفسیر اور اس کے مناہج: عمومی تعارف

تعارف

گزشتہ فصول میں اولاً: اصول تفسیر اور مناہج کی لغوی و اصطلاحی تعریفات پیش کی گئیں۔ ثانیاً: برصغیر میں علم تفسیر کا ارتقائی جائزہ لیا گیا۔ ثالثاً: علم تفسیر کے ارتقا میں مختلف رجحانات کا عمومی تعارف قلمبند کیا گیا۔

بالترتیب موضوع مقالہ کی طرف براہ راست بڑھتے ہوئے اس فصل میں یہ دیکھا جائے گا کہ برصغیر میں علوم القرآن اور اصول تفسیر پر کیا تحقیقات پیش کی گئیں۔؟ اور کون سے مناہج منظر عام پر آئے۔؟ اب فصل میں درج ذیل مناہج کا بنیادی تعارف پیش کیا جائے گا۔

① منہج تفسیر بالماثور
② فراہی مکتب فکر
③ انحرافی مکتب فکر

مقالہ کے بقیہ تمام ابواب میں انہی مناہج ثلاثہ کے اصول تفسیر اوران کی تفصیلی تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

***

Marfat.com

برصغیر میں علوم القرآن اور اصول تفسیر

① علوم القرآن اور برصغیر

گزشتہ چودہ سو سال میں امت اسلامیہ کا پورا علمی ورثہ، تحقیقات، تدقیقات اور علوم و معارف کے سب خزینے ایک لحاظ سے قرآن مجید کی تفسیر سے عبارت ہیں۔

البتہ علوم القرآن کا ایک خاص مفہوم بطور اصطلاح نسبتاً محدود ہے۔ اس لحاظ سے وہ علوم و معارف جن کا تعلق براہ راست قرآن مجید کی تفسیر وتشریح اور تدبر وفہم سے ہے، انہیں علوم القرآن کہا جاتا ہے۔[1]

قرآن مجید پر ہونے والی تحقیقات کو ہم دو بڑے بڑے دائروں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

① نص قرآنی کی تفسیر وتشریح، اس حوالے سے مفصل جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔

② قرآن مجید کی نصوص سے متعلقہ مختلف مباحث اور علوم، مثلاً: نزول قرآن، اسماء القرآن، جمع وتدوین قرآن، قراءات، تجوید قرآن اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ۔

یہ علوم اس قدر متنوع ہیں کہ کچھ علوم ایک مستقل مدوّن علم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ جیسے: علم قراءات، تجوید اور علم اصول تفسیر وقواعد تفسیر، بلکہ جیسے جیسے کسی علم میں تحقیقات بڑھتی جارہی ہیں وہ ایک مستقل حیثیت میں نمایاں ہوتا جارہا ہے، جیسے "مناهج المفسرين" موجودہ دور کی جامعات میں ایک الگ علم کے طور پر متعارف ہو رہا ہے۔ کچھ دیگر مباحث جن کو مستقل مدوّن علم کی حیثیت نہیں دی جاسکی، ان کی فہرست سازی اور ان کا بنیادی تعارف کروانے کے لیے پانچویں صدی ہجری سے 'علوم القرآن' کی اصطلاح استعمال ہو رہی ہے۔

علوم القرآن پر کئی جہات سے کیا کیا خدمات ہوتی رہیں اور سلف امت کو اس موضوع سے کیا شغف رہا اس کا انتہائی معمولی اندازہ اشبیلی (متوفی 502ھ/1178ء) کی فہرست سے ہوتا ہے۔[2]

فرد واحد نے صرف قرآن مجید سے متعلقہ ایک سو سے زیادہ کتب اپنے شیوخ واساتذہ سے مختلف طرق

---

[1] دیکھیے: مقالات سلیمان، سید سلیمان ندوی ۱۳، محاضرات قرآنی، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص ۲۸۳۔۲۸۴۔

[2] فہرست مشہور ومطبوع اور متداول ہے۔

Marfat.com

سے باقاعدہ پڑھیں یا سنیں۔ اس سے ایک طرف تو پانچویں صدی ہجری کے ایک اندلسی عالم کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف مسلمان طلبہ و اساتذہ کے قرآن مجید سے شغف اور گہری وابستگی کا پتا چلتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کیسے کیسے دقیق، مشکل اور وسیع علوم پر ان کی کتنی گہری نظر تھی۔ یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ علوم القرآن سے متعلق تصانیف کا کتنا وافر ذخیرہ موجود تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ابن خیر الاشبیلی نے دیگر علوم اسلامیہ، فقہ، ادب، سیر و انساب، فرائض، اور لغات پر بھی اسی کثرت سے کتب مطالعہ کیں۔ ❶

لیکن برصغیر میں علوم القرآن اور اصول تفسیر پر نسبتاً بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (متوفی 1762ء/1172ھ) کی تجدیدی مساعی کے بعد اگرچہ اس میں کافی بہتری آئی، لیکن بہر حال ابھی بہت سارے خلا پر کرنا باقی ہیں۔

مولانا شبلی نعمانی کا شکوہ

مولانا شبلی نعمانی اس صورت حال پر یوں شکوہ کرتے ہیں:

''اس امر سے زیادہ کیا چیز حیرت انگیز ہو سکتی ہے کہ مذہب اسلام کی روح رواں جو کچھ ہو قرآن ہے، تاہم آج کل مسلمانوں کو جس قدر قرآن کے ساتھ بے اعتنائی ہے کسی چیز سے نہیں۔ عربی کے موجودہ مدارس میں ہر علم و فن کی کتابیں کثرت سے داخل ہیں۔ لیکن فن تفسیر کی صرف دو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ''جلالین'' اور ''بیضاوی''، جن میں سے پہلی اس قدر مختصر ہے کہ اس کے الفاظ و حروف قرآن مجید کے الفاظ و حروف کے برابر برابر ہیں، اور دوسری گو چنداں مختصر نہیں، لیکن اس کے صرف ڈھائی پارے درس میں داخل ہیں جو کتاب کا پانچواں حصہ بھی نہیں۔ منطق و فلسفہ کی مدت تحصیل پانچ برس ہے اور دیگر علوم پر بھی ایک متعدبہ زمانہ صرف ہوتا ہے، لیکن قرآن مجید اور تفسیر کی تحصیل کے لیے پورا سال بھی گوارا نہیں کیا جاتا۔ ❷

مزید لکھتے ہیں:

''یہ شکایت نئی نہیں، تقریباً چھ سو برس سے یہی حالت ہے، اس سے صرف یہی نہیں ہوا کہ قرآن مجید کے متعلق نئی تالیفات کا سلسلہ بند ہو گیا، بلکہ افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ قدما کی نادر اور بیش بہا تصنیفات ناپید ہو گئی ہیں......'' ❸

علوم القرآن میں سے بالخصوص علم اصول تفسیر اور قواعد تفسیر میں برصغیر کا حصہ بہت قلیل ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے پہلے برصغیر میں اصول تفسیر پر کوئی قابل ذکر کتاب نہیں مل سکی۔ الحمد للہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مساعی حسنہ کے بعد

---

❶ محاضرات قرآنی، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص ۲۸۲-۲۸۴۔

❷ مقالات شبلی، ۲۶۱۔

❸ ایضاً، ۱/ ۲۷۔

Marfat.com

علمائے برصغیر نے قرآن مجید پر خاطر خواہ توجہ دی، بالخصوص لغات القرآن اور ترجمۃ القرآن پر یہاں ایسا وقیع علمی کام ہوا ہے، جس کی نظیر شاید باقی عجمی دنیا میں نہ مل سکے۔ اور عالم عجم میں خدمت قرآن کا یہ ایک اہم گوشہ تھا جس کی بنیادیں وضع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاندان ولی اللہی کو سعادت بخشی۔ فجزاهم الله عنا و عن الأمة الاسلامية خيرا۔ آمین۔

(۲) لغات القرآن اور برصغیر

برصغیر میں لغات القرآن اور مفردات القرآن پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ اس حوالے سے چند اہم تصنیفات کے نام ذیل میں دیئے جارہے ہیں:

رسالہ لغات القرآن

شاہ عبدالقادر دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے لائق وفائق فرزند شاہ عبدالقادر دہلوی نے جب بامحاورہ اردو ترجمہ قرآن تحریر کیا تو لغات القرآن کے موضوع پر ایک مختصر کتاب مرتب کی۔ ممتاز علی میرٹھی نے مطبع مجتبائی دہلی سے 1298ھ میں شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا جو ترجمہ شائع کیا اس کے حاشیے پر یہ لغات القرآن بھی شائع کی۔ [1]

جنة النعيم فی استخراج لغات القرآن الكريم: مولوی اسداللہ سندھی (متوفی 1869ء)

دینی لغات: مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی (ولادت 1913ء، ستمبر 1960ء، میں شائع ہوئی۔)

تدریس القرآن: مولانا محمد اجمل ہزاری، (ولادت جنوری 1932ء)

لغات القرآن: مولانا خیر محمد ندوی

قاموس القرآن: مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (ولادت 1909ء)

تدریس لغۃ القرآن: ابو مسعود حسن علوی

لسان القرآن: مولانا محمد حنیف ندوی

لغات القرآن: مولانا عبدالرشید نعمانی، مولانا عبدالدائم جلالی
کل چھ جلدوں میں ندوۃ المصنفین، دہلی سے شائع ہوئی۔

مترادفات القرآن مع الفروق اللغویہ: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

یہ مصنف کی ایک طویل مدت کی ذاتی محنت، لگن، اور جستجو کا نتیجہ ہے کہ اردو زبان میں ایک ایسی عمدہ کتاب وجود میں آگئی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے قطعی منفرد اور قرآن فہمی کے لیے غیر معمولی افادیت کی حامل

[1] قرآن مجید کا عربی اردو لغت، ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، ص ۲۔

Marfat.com

ہے۔جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مصنف نے اس میں قرآن کریم کے تقریباً تمام مترادف الفاظ بڑے حسن اور سلیقہ سے جمع کر دیئے ہیں اور پھر ان کے باہمی فروق واضح کیے ہیں اور ہر لفظ پر مفصل تحقیق کے بعد آخر میں ایک جامع خلاصہ بھی لکھ دیا ہے۔

شرح الفاظ القرآن: مولانا عبد الرشید گجراتی
معجم القرآن: سید فضل الرحمٰن
غریب القرآن: مرزا ابوالفضل بن فیاض علی
المفردات فی غریب القرآن: حافظ ابوالحسن
مرآۃ القرآن: حافظ عبد الحیٔ
معجم القرآن: ڈاکٹر غلام جیلانی برق
لغات القرآن: تاج الدین دہلوی
قرآن مجید کا عربی اردو لغت: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

③ قواعد لغۃ القرآن

علمائے برصغیر کی تجدیدی مساعی کے بعد مجموعی طور پر قرآن فہمی کا شوق بڑھنا شروع ہوا اور تفاسیر کثرت سے لکھی گئیں۔لیکن بالخصوص بیسویں صدی کے اواخر سے یہ تحریک اپنے عروج پر نظر آتی ہے اور روز افزوں ہے۔ عوام میں تفہیم القرآن کے لیے چونکہ عربی قواعد، نحو وصرف کی ضرورت تھی۔عربی قواعد تو پہلے سے مدوّن ومرتب تھے، لیکن اب کی باران کی ایسی تدوین کی ضرورت تھی جس میں مطمحِ نظر قرآن مجید کی تعبیر وتفہیم ہو۔اس مقصد کے پیش نظر عربی قواعد کی ایک نئے منہج پر ترتیب وتدوین شروع ہوئی، جسے ہم "قواعد لغة القرآن" کا نام دے سکتے ہیں۔علوم القرآن کے اس شعبے میں بلاشبہ برصغیر میں بہت عمدہ، منفرد اور کامیاب تجربات ہوئے ہیں۔ بلکہ کئی اور جاری ہیں اور بہت سارے معیاری ادارے وجود میں آئے ہیں۔اس حوالے سے مرحومین میں سے پروفیسر عطاء الرحمٰن ثاقب شہید رحمہ اللہ متوفی 2002ء بالخصوص قابل ذکر ہیں، انہوں نے قرآنی گرائمر پر مشتمل ایک جامع کتاب "تیسیر القرآن" تصنیف کی۔

موجودین میں پروفیسر عبد الرحمٰن طاہر صاحب کا نام سرفہرست ہے، موصوف نے اپنی تصنیفات ''مصباح القرآن'' اور ''مفتاح القرآن'' میں ''علامات'' کے ذریعے قواعد سمجھانے کا بالکل منفرد اسلوب متعارف کرایا۔

④ برصغیر میں علم اصول تفسیر

حقیقت یہ ہے کہ علوم اسلامیہ کی فہارس میں علم تفسیر کی ایک اپنی ہی شان ہے۔ بلاشبہ یہ عظیم ترین علم ہے

Marfat.com

اور ہر عہد میں علما امت کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اسی علم کا ایک کلیدی شعبہ ''اصول تفسیر'' ہے۔

اصول تفسیر ایسے اصول وقواعد کا نام ہے جو مفسرین قرآن کے لیے نشان منزل کی تعیین کرتے ہیں۔ تا کہ کلام اللہ کی تفسیر کرنے والا ان کی رہنمائی اور روشنی میں ہر طرح کے ممکنہ خطرات سے محفوظ رہے اور اس کے منشاء و مفہوم کا صحیح ادراک کر سکے۔

قرآن فہمی کے لیے اس موضوع کی اساسی اہمیت کے پیش نظر توقع یہ تھی کہ اس کا حق ادا کیا گیا ہوگا اور اس میں خود علم تفسیر کی طرح بے شمار کتب تصنیف کی گئی ہوں گی۔ لیکن صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے، حیرت ہوتی ہے کہ تفسیر کا اتنا عظیم الشان کلیدی شعبہ علما کی تحقیقات سے اس قدر محروم کیوں رہا ہے؟!

بالخصوص برصغیر میں علم اصول تفسیر سے بے اعتنائی اس سے بھی زیادہ قابل افسوس ہے۔ یہاں تفسیر نویسی آٹھویں صدی ہجری میں باقاعدہ شروع ہو چکی تھی۔ لیکن اصول تفسیر سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ بارہویں صدی ہجری تک اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہیں ملتی۔ اس خطۂ ارضی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی 1176ھ) کی "الفوز الكبير فی أصول التفسير" کو اس موضوع پر پہلی باقاعدہ کتاب کا مقام حاصل ہوا۔ ❶

تقریباً چار سو سال کے اس عرصہ میں برصغیر کے مفسرین قرآن کے سامنے اصول تفسیر کا کوئی واضح نقشہ موجود نہ تھا، تفسیر کے اصول وخطوط متعین نہ تھے۔ اس طرح یہ عظیم المرتبت شعبۂ علم صدیوں تک ایک منظم، مدوّن اور باقاعدہ علم کے طور پر سامنے نہ آسکا اور حضرات مفسرین اپنے اپنے انداز میں تفسیریں رقم فرماتے رہے۔ یہاں مخصوص تہذیبی پس منظر اور ماحول میں تفسیر قرآن کے نام پر فلسفہ ومعقولات کی خالص فنی مباحث یا پھر اذواق و الطاف اور کشوفات کا غلبہ اس قدر رہا ہے کہ خود نص قرآنی اور اس کا پیغام ربانی پردۂ خفا میں رہا۔ اگر تفسیر قرآن کے اصول وقواعد منضبط شکل میں موجود ہوتے تو شاید صورت حال یکسر مختلف ہوتی۔

⑤ اصول تفسیر کے تین مناہج کا ظہور

نابغۂ روزگار ہستی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بعد صورت احوال میں بہت مثبت تبدیلی آئی۔ قرآن مجید ایک نئے انداز اور جدید اسلوب ومنہاج میں افکار وتحقیقات کا مرکز بنا۔ تطور وارتقا کے اس موڑ پر اصول تفسیر پر مواد کی کمی کا احساس بہت سے لوگوں نے کیا اور اپنی اپنی علمی استطاعت ونظریاتی میلان کے مطابق اس خلا کو پر کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس موضوع پر نہایت قابل قدر کاوشیں منظر عام پر آئیں۔ ارتقا وتغیر کے اس موڑ پر تین واضح اور متعین

❶ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور سید سلیمان ندوی نے اسے اس موضوع پر پہلی کتاب کہا ہے۔ (معارف، سید سلیمان ندوی نمبر، ص ۲۴۹، تاریخ دعوت وعزیمت، ابوالحسن علی ندوی، ۵/ ۱۵۰۔ ۱۵۴۔)، نیز دیکھیے: فن اصول تفسیر، ''مبادئ تدبر قرآن کے حوالے سے'' اشہد رفیق ندوی، ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، جلد ۱۷، شمارہ ۱ جنوری۔ جون ۲۰۰۲، ص ۳۵۔ ۷۸

Marfat.com

مدارس فکر وجود میں آئے جنہیں ہم برصغیر کے اساسی وبنیادی نوعیت کے ''مناہج اصول تفسیر'' قرار دے سکتے ہیں۔

① منہج تفسیر بالماثور
② فراہی مکتب فکر
③ انحرافی مکتب فکر

پہلا مدرسۂ فکر اس بات کا حامی تھا کہ تفسیر وتشریح قرآن کے سلسلے میں ماثور ومنقول ہی پر اکتفا کیا جائے اور فکر ونظر کی ان بدعات کو اس کے دائرے میں نہ لایا جائے جن سے اسلام کی بنیادی روح متاثر ہوتی ہے۔

دوسرا مدرسۂ فکر قرآن مجید کے اندرونی نظام کو تفسیر میں ایک فیصلہ کن عامل کی حیثیت دیتا ہے۔ یہ مکتب فکر اس بات کا پُرزور قائل ہے کہ قرآن مجید کی ہر سورت کا ایک عمود (مرکزی مضمون) ہوتا ہے اور سورہ کی تمام آیتیں اس سے مربوط ہوتی ہیں۔ اسے نظم القرآن یا نظام القرآن کہا جاتا ہے۔ جب تک یہ نظم سمجھ میں نہ آئے اس وقت تک نہ تو اس سورہ کی قدر وقیمت اور حکمت واضح ہوتی ہے اور نہ اس سورہ کی متفرق آیات کی صحیح تفسیر متعین ہوتی ہے۔

تیسرا مدرسۂ فکر نقل ونظم سے زیادہ عقل کا دلدادہ ہے۔ اس دبستان فکر سے وابستہ اصحاب نے قرآن مجید کی ہر ہر آیت کو سمجھنے کے لیے لغت وعقل کو کافی ووافی سمجھا، جو نئے نئے مطالب ومعانی فکر ونظر کو بھائے اسے بلا تامل آیات قرآنیہ پر چسپاں کیا۔ نتیجۃً ارکان اسلام اور عقائد ایمانیات جیسے بنیادی تصورات میں جمہور امت سے منحرف ہو گئے۔

تینوں شرکاء بزم نے اپنے اپنے متعین کردہ اسلوب ومنہاج کے مطابق تعبیر وتشریح قرآن کے دائروں میں وسعت وعمق پیدا کیے اور تفسیر کے اصول مدوّن کیے۔ ان میں سے کچھ اصحاب علم وفضل نے اصول تفسیر پر مستقل تصانیف وتالیفات سے امت کو مستفید کیا، پھر اس کے مطابق تفاسیر بھی قلمبند کیں اور بعد میں آنے والوں پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ کچھ دیگر صاحبان علم وتحقیق نے اصول تفسیر کے اس سلسلے کو آگے بڑھایا، ان کی تشریح وتوضیح سے تعرض کیا اور خوب کیا، اصول تفسیر کے متفرق مسائل پر فہم وادراک کے جوہر دکھائے اور ان پر سیر حاصل بحث کی۔ ان تمام شخصیات اور ان کی خدمات وتالیفات کا دائرہ خاصہ وسیع ہے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ شخصیات اور تصنیفات کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔ اور بقیہ ابواب میں ہر مکتب فکر کے اصول تفسیر کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

❋❋❋

Marfat.com

مناہج اصول تفسیر کی نمائندہ شخصیات

1۔ منہج تفسیر بالماثور کی نمائندہ شخصیات

1۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ (متوفی 29 محرم 1172ھ/20 اگست 1762ء)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمات کا دائرہ انتہا درجہ وسیع ہے، آپ کی سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ آپ نے فہم قرآن کی راہیں امت کے ہر طبقے کے لیے روشن کیں۔ اور اس دور میں اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ خدمت لی جب برصغیر تو کیا تقریباً پوری عجمی دنیا میں جس میں برصغیر کے ہمسایہ ملک ترکستان، افغانستان اور ایران بالخصوص قابل ذکر ہیں یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ قرآن مجید اخص الخواص طبقہ کے لیے ہے۔ اس کا مطالعہ، غور و فکر، تدبر اور فہم و تفہیم ایک درجن سے زیادہ علوم پر موقوف ہے۔ اس کو عوام میں لانا سخت خطرناک، ایک بڑی گمراہی اور فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مرادف ہے۔ [1]

خود شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے اپنے ایک رسالہ میں اس حقیقت کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو بہت سے علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا ہو اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ﴾ [2]

''خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا انہی ان پڑھوں میں سے، پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں، اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔) یعنی رسول خدا ﷺ بھی ان پڑھ اور آپ کے اصحاب بزرگوار بھی ان پڑھ تھے، مگر جب رسول خدا ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں، تو وہ ان کو سن کر ہر قسم کی

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت، ابوالحسن علی ندوی، ۵/۱۴۲۔ [2] سورۃ الجمعۃ، ۶۲:۲۔

Marfat.com

برائی اور بگاڑ سے پاک صاف ہو گئے، پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتا، اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہ برائی اور عیبوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے۔؟ اس قوم پر سخت افسوس ہے جو ''صدرہ'' سمجھنے اور ''قاموس'' جاننے کا تو دعویٰ کرتے ہیں، مگر قرآن وحدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو محض نادان ظاہر کرتے ہیں۔ اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں۔ جو قرآن وحدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں، ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ ❶

''اور (اس رسول ﷺ کی بعثت) اُن دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو انہی میں سے ہیں اور ابھی ان کے ساتھ آ کر نہیں ملے، اور وہ (اللہ) زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔''

یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں، یا ان پڑھ مگر جب کہ وہ مسلمان ہوں، اور اصحاب کے طریقہ کے پیروی کا ارادہ کریں، اور قرآن وحدیث کو سنیں تو انہیں بھی پاک کرنے کے لیے یہی قرآن وحدیث کافی ہو سکتی ہیں۔

اور فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾ ❷

''اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا، پس کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے۔؟'' یہ کیونکر آسانی ہو سکتی ہے کہ ''کافیہ'' پڑھنے والے اور ''شافیہ'' جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کرتے ہیں، اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے:

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝﴾ ❸

''کہ قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے۔'' پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہو اس میں فکر کیونکر کیا جائے۔ ''اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا'' یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ یعنی باوجود یہ کہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے، پھر کیسی گمراہی ہے۔ قرآن کے فکر میں زور نہیں لگایا۔'' ❹

شاہ صاحب نے اس خلا کو پر کرنے اور اس سرزمین میں قرآنی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے براہ راست قرآن مجید کو موضوع بنایا اور اس حوالے سے درج ذیل تصنیفات بطور یادگار چھوڑیں۔

❶ سورة الجمعة، ٦٢: ٣۔ ❷ سورة القمر، ٥٤: ١٧۔ ❸ سورة محمد ٤٧: ٢٤۔

❹ تحفۃ الموحدین، ص ۵۔۷، یہ رسالہ شاہ صاحب کے نام اور نسبت کے ساتھ فارسی متن مع اردو ترجمہ شائع اور معروف ہے۔ اور شائع کرنے والا ادارہ المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور ہے جو کہ اشاعتی دنیا میں ایک معتبر نام ہے۔ کیونکہ اس کے مؤسس حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ ہیں جو کہ خود محدثانہ طرز کے محقق اور شارح حدیث ہیں۔ لیکن مولانا ابوالحسن علی ندوی کے نزدیک اس کی نسبت قطعی اس لیے نہیں کہ شاہ صاحب کے قدیم تذکروں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ تاہم محولہ بالا اقتباس بلاشبہ اس دور کے مروج خیال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے (تاریخ دعوت وعزیمت، ۵/۱۴۲، حاشیہ نمبر۱) نیز دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۲۳/۴۴۔

Marfat.com

① المقدمہ فی قوانین الترجمۃ (فارسی)

یہ اصول ترجمہ پر مختصر رسالہ ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے۔ اسے ہم دوسرے لفظوں میں اصول تفسیر، پر ایک جامع رسالہ قرار دے سکتے ہیں کیونکہ ترجمہ کئی لحاظ سے تفسیر ہی کی ایک قسم ہے۔ شاہ صاحب اس رسالہ کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

"یقول الفقیر الی رحمة الله الکریم ولی الله بن عبدالرحیم ایں رسالہ ایست در قواعد ترجمہ مسماۃ بالمقدمة فی قوانین الترجمة که درحقیقت تسوید ترجمة قرآن قلم به ضبط آں جاری شده"[1]

② فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن (فارسی)

بعض محققین کے مطابق برصغیر کا پہلا فارسی ترجمہ باب الاسلام سندھ میں ہوا۔ مخدوم لطف اللہ بن مخدوم نعمت اللہ المعروف مخدوم نوح (متوفی 998ھ/1589ء) ساکن ہالہ (حیدر آباد) نے یہ شرف حاصل کیا۔[2]

اولاً: تو یہ ترجمہ پردۂ اخفا میں رہا۔ ثانیاً: مخطوط کی حد تک، تحقیقات کی دنیا میں اسے پہلا ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن حالات وواقعات اور عمیق اثرات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو شاہ صاحب کے ترجمے پر تقریباً پونے تین سو سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اس اثنا میں بے شمار اہل علم نے قرآن کے ترجمے کیے۔ علاقائی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے لیکن جو قبولیت عامہ اور سند شاہ صاحب کے ترجمہ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے نصیب میں نہیں تھی۔ عصر حاضر کے عظیم مؤرخ جناب مولانا اسحاق بھٹی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس (ترجمہ) کی اولیت کا سہرا شاہ ولی اللہ کے سر ہی بندھے گا۔ وہ پہلے عالم ہیں، جن کے ترجمے نے بے پناہ قبولیت حاصل کی اور لوگوں کی وسیع تعداد نے اس سے استفادہ کیا۔ اب بھی حوالے کے لیے اس ترجمہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہ صاحب ان تمام اوصاف سے متصف اور ان تمام خصوصیات سے (بدرجۂ اتم) مالا مال تھے جن سے قرآن کے مترجم کو ہونا چاہیے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ آج تک کسی مترجم میں وہ اوصاف جمع نہیں ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب میں جمع فرما دیئے تھے۔"[3]

---

[1] بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت، ص ۱۴۷۔

[2] برصغیر میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ، امیر الدین مہر، سہ ماہی "فکر ونظر" اسلام آباد، اپریل۔ جون ۱۹۹۳، ص ۳۱۔

[3] برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، اسحاق بھٹی، ص ۶۷۲۔

Marfat.com

③ الفوزالکبیر فی اُصول التفسیر (فارسی)

یہ حقیقت ہے کہ شاہ صاحب کی اس منفرد نوعیت کی تصنیف سے پہلے برصغیر میں اس موضوع پر کوئی مفصل کتاب نہیں ملتی تھی۔ عام طور پر مفسرین اپنی تفاسیر کے مقدمات میں چند صفحات لکھ دیتے تھے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی، شاہ صاحب کو اس کتاب پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دعوت الی القرآن اور خواص واہل علم کے حلقہ میں تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے امت کی اصلاح کا جذبہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی ایک تجدیدی وانقلابی خدمت اور کارنامہ ان کی تصنیف ''الفوز الکبیر'' ہے جو اپنے موضوع پر (ہمارے علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں) منفرد کتاب ہے۔'' ❶

مزید لکھتے ہیں:

''شاہ صاحب کی کتاب ''الفوز لکبیر فی اصول التفسیر'' بھی اگرچہ مختصر ہے، لیکن پوری کتاب سراسر نکات وکلیات ہے، اور درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے۔ اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں، جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو، بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق ووجدان اور فہم قرآن کی بنا پر لکھ دیے، دوسری کتابوں کے سیکڑوں صفحات کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔'' ❷

④ فتح الخبیر بما لابد من حفظہ فی علم التفسیر

اس میں قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ الفوز الکبیر کا ہی ایک حصہ ہے جسے موضوع کے الگ ہونے کی بنا پر نام بھی الگ دے دیا گیا ہے۔

2۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی 1238ھ/1823ء)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے سب سے بڑے فرزند۔ بعض علما آپ کو ''سراج الہند'' اور بعض نے ''حجۃ اللہ'' کا لقب دیا۔ ❸

27 ستمبر 1746ء دہلی میں پیدا ہوئے۔ 79 سال عمر پائی، جنازے میں 25 رمضان المبارک 1159ء میں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ 55 مرتبہ جنازہ پڑھا گیا۔ 60 سال درس حدیث دیا۔ شوال

---

❶ تاریخ دعوت وعزیمت، ۵/۱۵۰۔ ❷ ایضاً ص۱۵۱۔
❸ تاریخ دعوت وعزیمت، ابوالحسن علی ندوی، ۵/۳۴۶۔

Marfat.com

1238ھ، 17 جولائی 1823ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ ❶

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ نے کئی طرح یہ کام لیا۔

(1) درس قرآن: اس درس سے دارالسلطنت دہلی میں قرآن مجید کا ذوق عام ہوا، اصلاح عقائد کی ایک طاقتور رو چلی اور ترجمۂ قرآن و درس قرآن کا وہ مبارک سلسلہ شروع ہوا جو اس وقت تک برصغیر میں جاری ہے۔ ❷

(2) تفسیر فتح العزیز (فارسی) جسے ''تفسیر عزیزی'' اور ''بستان التفاسیر'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یہ شاہ صاحب کی باقاعدہ املا کی ہوئی مستقل تصنیف ہے۔ کچھ مقامات بوجوہ مکمل نہ ہو سکے۔ اس لیے بعض لوگوں نے اس کا تکملہ بھی لکھا۔ ❸

تفسیر عزیزی المعروف مواعظ عزیز (اردو) مطبع انصاری دہلی کی چھپی ہوئی ملتی ہے۔ جو حضرت شاہ صاحب کے تفسیری دروس کا مجموعہ ہے۔ ❹

۳۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی 1230ھ/1815ء)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے عمر کی ترتیب کے لحاظ سے تیسرے فرزند گرامی شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تھے۔
اپنے برادر اکبر شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے کسب فیض کیا اور اس عہد کے علوم متداولہ کی تحصیل انہی سے کی۔ ❺

① اردو ترجمۂ قرآن

آپ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عنایت یہ تھی کہ آپ کو اردو زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کی توفیق ملی۔ شاہ صاحب کا یہ ترجمہ اردو زبان کا پہلا باقاعدہ متداول ترجمہ ہے۔ ❻

② تفسیر موضح قرآن

ترجمہ پر حضرت شاہ صاحب نے حواشی قلمبند کیے انہی حواشی کو ''موضح قرآن'' کا نام دیا۔ ❼

---

❶ برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، اسحاق بھٹی، ص ۳۳۳۔

❷ تاریخ دعوت وعزیمت، ص، ۳۵۶۔۳۵۷۔ ❸ ایضاً۔ ❹ ایضاً۔

❺ برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، اسحاق بھٹی، ص ۳۵۱۔

❻ اگرچہ اس سے پہلے بھی بعض اردو تراجم و تفاسیر کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا حکیم عبدالحئی نے اپنی کتاب ''الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند'' میں کچھ تفسیروں کے نام لکھے ہیں۔ لیکن اکثر کے زمانہ تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ دیکھیے: سابق الذکر کتاب کا اردو ترجمہ: اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' ابوالعرفان ندوی، ص ۲۲۷۔۲۳۱۔

❼ اردو تفاسیر: ایک جائزہ، ضیاء الدین اصلاحی، ششماہی ''علوم القرآن'' علی گڑھ، جلد ۲۱۔ شمارہ ۲، جولائی۔ دسمبر ۲۰۰۶ء ص ۵۸۔

Marfat.com

جسے عام طور پر ''موضح القرآن'' (قرآن پر الف لام کے ساتھ) پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔ لیکن اصل نام ''موضح قرآن'' ہے۔ ❶

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ترجمہ علمی، ادبی اور قبول عام کے لحاظ سے اردو ترجموں میں کیا درجہ رکھتا ہے؟ اس کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اہل علم اور ارباب طریقت دونوں اس ترجمے کو 'الہامی' قرار دیتے ہیں۔'' ❷

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''اس کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ انہوں نے زبان کے مقابلے میں ایسی زبان اختیار کی ہے، جس میں عموم وخصوص اور اطلاق وتقیید اور محل استعمال کا پورا لحاظ ہے، یہ اللہ کی ایسی عنایت ہے جس کے لیے وہ چند ہی لوگوں کو مخصوص کرتا ہے۔'' ❸

4۔ شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی 1233ھ/1818ء)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے دوسرے فرزند گرامی قدر تھے۔ 1162ھ/1749ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ❹ اپنے برادر اکبر شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے تحصیل علم کی منازل طے کیں۔ ❺ 6 شوال 1233ھ / 9 اگست 1818ء کو وفات پائی۔ ❻ دیگر منفرد قسم کی تصنیفات کے علاوہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ترجمہ قرآن مجید ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ پہلا ترجمہ ہے اور ان کے برادر شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ان کے بعد کا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پہلا ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا ہے۔ ❼

5۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی (متوفی 1832ء)

قرآن کے مفسر، حدیث کے شارح، علوم عربیہ کے ماہر اور کثیر کتب کے مصنف سید نواب صدیق حسن خان، نواب صاحب کے لقب سے زیادہ معروف ہیں۔

13 نومبر 1832ء کو پیدا ہوئے اور 59 سال عمر کی بہاریں اور تغیرات احوال دیکھ کر 29 جمادی الاخری 1307ھ / 17 فروری 1890ء کو راہی ملک عدم ہوئے۔ ❽ کثرت تصانیف اور تنوع موضوعات میں

❶ تاریخ دعوت وعزیمت، ۳۸۶/۵۔ ❷ محاسن موضح قرآن، ص ۲۵ (دہلی)
❸ تاریخ دعوت وعزیمت، ۳۸۲/۵۔ ❹ برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، ص ۱۷۹
❺ ایضاً ص ۱۸۱۔ ❻ ایضاً ص ۱۷۹۔۳۵۲۔ ❼ ایضاً۔
❽ نواب صدیق حسن کی شخصیت پر ایم۔اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کئی مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ان کی خودنوشت سوانح حیات "ابقاء المنن و لقاء المحن (مطبوعہ دارالدعوۃ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء/۱۴۰۷ھ)

Marfat.com

ان کو ''برصغیر کا سیوطی'' کہا جا سکتا ہے۔

تفسیر کے باب میں بھی ان کا دائرہ تصنیف بہت قابل قدر ہے، تفسیر واصول تفسیر پر ان کی چند اہم تصانیف یہ ہیں:

① فتح البیان فی مقاصد القرآن

عربی زبان میں چار جلدوں میں نواب صدیق صاحب نے اپنی زندگی میں شائع کرائی۔ پہلی اشاعت کا مکمل نسخہ ضلع اوکاڑہ کے معروف دینی وتبلیغی اور تحقیقی مرکز ''دار الحدیث الجامعة الکمالیة راجووال'' کی عظیم الشان لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے بعد عرب دنیا سے بھی اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

② ترجمان القرآن بلطائف البیان

نواب صاحب کی یہ تفسیر اردو زبان میں ہے۔ عمر کے آخری دور میں لکھنا شروع کی۔ پہلے آخری دو پاروں کی تفسیر ایک جلد میں مکمل کی، اس کے بعد ابتداء سے آخر سورۃ کہف تک مفصل تفسیر پر قلم اٹھایا۔ اس کے بعد ضعف واضمحلال کی بنا پر اپنے شاگرد رشید سید ذوالفقار احمد سے تکمیل کا کہا۔ انہوں نے پہلے تو چند عذر پیش کیے لیکن نواب صاحب کی وفات کے بعد اس اہم منصوبہ کی تکمیل کرتے ہوئے انہوں نے آٹھ جلدیں سورۃ مریم تا ناس حوالۂ قرطاس کیں۔ اس طرح یہ عظیم الشان تفسیر بالمأثور 15 جلدوں میں تکمیل کو پہنچی اور شائع ہوئی لیکن اب نادر کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔[1] اس کی بھی مکمل پندرہ جلدیں سابق الذکر ضلع اوکاڑہ کے قدیم تعلیمی، تبلیغی وتحقیقی مرکز ''دار الحدیث الجامعة الکمالیة راجووال'' کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

③ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام

آیات الأحکام کی منہج محدثین پر زبردست تفسیر ہے۔ وفاق المدارس السلفیہ کے نصاب میں شامل ہے۔

④ اکسیر فی أصول التفسیر

یہ کتاب فارسی میں ہے۔ مطبوع ہے۔ اس میں اصول تفسیر پر خاطر خواہ مواد نہیں ہے، البتہ تاریخ تفسیر و مفسرین پر غالباً برصغیر کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ مطبع نظامی کانپور سے 1290ھ میں شائع ہوئی۔

6۔ سید امیر علی ملیح آبادی (متوفی 1337ھ/1919ء)

دار العلوم العلما لکھنؤ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ سید نذیر حسین

---

[1] برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، اسحاق بھٹی، ص ۱۹۹-۲۰۰۔

Marfat.com

محدث دہلوی ؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ان کی تفسیر ''مواہب الرحمٰن'' اپنی تحقیق و تفصیل کے لحاظ سے منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ ❶

اپنی عظیم تفسیر کے مقدمے میں انہوں نے اصول تفسیر کو تفصیلاً موضوع بحث بنایا ہے۔اور تفسیر بالرائی کو حرام قرار دیا ہے۔ ❷

7۔ سید احمد حسن محدث دہلوی (متوفی 1920ء)

ڈپٹی سید احمد حسن محدث دہلوی ؒ کا شمار بیسویں صدی عیسوی کے بلند پایہ علما کی جماعت میں ہوتا ہے۔وہ بیک وقت مفسر، محدث، مصنف اور طبیب تھے۔

1258ھ/1842ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی سے تفسیر و حدیث کی کتب پڑھیں اور سند حاصل کی۔ ❸

قرآن مجید سے متعلق ان کی مساعی جمیلہ مختصراً درج ذیل ہیں:

① احسن الفوائد

ڈپٹی کلکٹری کی ملازمت کے دوران موصوف نے تین ترجموں پر مشتمل قرآن مجید مرتب کیا۔ پہلا حضرت شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ، دوسرا حضرت شاہ رفیع الدین کا تحت اللفظ اردو ترجمہ اور تیسرا حضرت شاہ عبدالقادر کا بامحاورہ اردو ترجمہ۔

اس پر احسن الفوائد کے نام سے اردو میں حواشی تحریر فرمائے۔ یہ قرآن مجید ڈپٹی صاحب نے خود اپنے خرچ سے طبع کرایا۔ ❹

② احسن التفاسیر

یہ ڈپٹی صاحب کی تصنیف کردہ سات جلدوں پر مشتمل قرآن مجید کی تفسیر ہے، منہج تفسیر بالماثور کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: قافلہ حدیث، اسحاق بھٹی، ص ۷۵۔

❷ مقدمہ تفسیر مواہب الرحمٰن، یہ ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ایک مفصل مقدمہ ہے، جس میں اصول تفسیر کے علاوہ جمع وتدوین قرآن کی اہم مباحث بھی شامل ہیں۔ دیکھیے: مقدمہ تفسیر مواہب الرحمٰن، ۳۱۔۱۳۶۔

❸ برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، اسحاق بھٹی، ص ۷۱۔۷۲۔

❹ ایضاً، ص ۷۱۔۷۲۔

Marfat.com

③ مقدمہ تفسیر احسن التفاسیر

یہ مقدمہ تفسیر بالمأثور کے اصول، فرقہ نیچریہ وفرقِ ضالّہ کا رد اور علوم القرآن کی دیگر مباحث پر مشتمل ہے۔

④ تفسیر آیات الاحکام

یہ نامکمل تفسیر ہے، جو سورہ بقرہ تک پہنچ سکی ہے۔ ❶

فراہی مکتب فکر کی نمائندہ شخصیات

1۔ عبدالحمید فراہی متوفی 1349ھ/1930ء

لقب، حمید الدین، کنیت ابواحمد اور نام عبدالحمید ہے۔ یوپی کے معروف ضلع اعظم گڑھ کے ایک قصبے فریہا میں 1280ھ کو پیدا ہوئے۔ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ کے ماموں زاد تھے۔ انہی سے بنیادی علوم حاصل کیے۔

16 سال کی عمر میں فارسی میں عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔ پھر نحو، لغت، منطق، فلسفہ و دیگر دینیات کی تعلیم اپنے ماموں زاد بھائی سے حاصل کی۔ علامہ شبلی نعمانی ان سے صرف چھ سال بڑے تھے۔ اس کے بعد علامہ ابو الحسنات عبدالحیٔ لکھنوی (متوفی 1304ھ) سے استفادہ کیا۔ مزید تحصیل علم کے لیے (لاہور میں عربی ادب کے امام وشاعر فیض الحسن سہارنپوری (متوفی 1304ھ شارح حماسہ ومعلقات) کے سامنے اورنیٹل کالج میں زانوئے تلمذ طے کیے۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے انگلش اور الہ آباد یونیورسٹی سے فلسفہ سیکھا۔)

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسۃ الاسلام کراچی میں بطور پروفیسر عربی تعینات رہے۔ اس کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی میں تعینات ہوئے اور اس دوران جرمن مستشرق جوزف ہوروِٹس (J.HOROVITS متوفی 1931ء) سے عبرانی زبان سیکھی۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں بھی کچھ دیر ذمہ داریاں ادا کیں۔ لیکن حالات سے مطمئن نہ ہوئے اور وطن واپس آکر مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے ہو لیے۔ اس کا نصاب جدید طور پر استوار کیا اور مدرسہ کے امور کی نگرانی کرتے رہے۔

1341ھ/1930ء میں متھرا کے ہسپتال میں وفات ہوئی۔ ❷

---

❶ برصغیر کے اہل حدیث خدام القرآن: ص۷۳۔

❷ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے مولانا فراہی کی وفات کے دو ماہ بعد ان کے مفصل حالات زندگی لکھے، بعد میں ناشر نے مولانا فراہی کی تفسیر "نظام القرآن و تأويل الفرقان بالفرقان" کے شروع میں درج کیے ہیں۔ مقالہ نگار نے وہیں سے ترجمہ وتلخیص اخذ کی ہے۔ دیکھیے تقدیم تفسیر "نظام القرآن" للفراہی، ص۱۱۔

Marfat.com

اصول تفسیر وفہم قرآن پر مولانا فراہی کی تالیفات

① دلائل النظام: اس میں انہوں نے نظام القرآن کی ضرورت واہمیت پر دلائل پیش کیے ہیں۔

② أساليب القرآن: اس میں قرآن مجید کے بلیغانہ اسالیب پر روشنی ڈالی۔

③ التكميل في أصول التأويل: یہ اصول تفسیر کی تفصیلی مباحث پر مشتمل ہے۔

بنیادی طور پر درج بالا تینوں رسائل مولانا فراہی کی فکر ''نظام القرآن'' کا نچوڑ ہیں۔ یہ تینوں دائرۃ حمیدیہ سے ''رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن'' کے نام سے الگ الگ اور پھر یکجا مطبوع ہوئے۔ ❶ ان تینوں کتب ورسائل میں کثرت سے بیاضات ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حتمی شکل دینے کے لیے ان کی زندگی نے وفا نہیں کی۔

④ تفسير نظام القرآن و تأويل الفرقان بالفرقان:

مولانا فراہی کے تصور نظم کو عملی شکل میں کو سمجھنے کے لیے سورۃ بقرہ کی تفسیر "نظام القرآن و تأويل الفرقان بالفرقان" بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ ❷

⑤ اس کے علاوہ سورۃ ذاریات، تحریم، القیامۃ، المرسلات، عبس، والشمس، والتین، والعصر، سورۃ الفیل، الکوثر، الکافرون، اللہب اور الاخلاص کی تفسیر الگ اجزاء میں چھپتی رہی۔

⑥ إمعان في أقسام القرآن

⑦ أسباب النزول

⑧ اوصاف القرآن

⑨ فقه القرآن

⑩ حجج القرآن

⑪ كتاب الرسوخ في معرفة الناسخ والمنسوخ

⑫ مفردات القرآن

2۔ مولانا امین احسن اصلاحی (متوفی 1997ء)

مولانا امین احسن ضلع اعظم گڑھ (یوپی) کے ایک گاؤں میں 1904ء میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد دینی وعصری تعلیم کے لیے انہیں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں داخل کروادیا گیا۔

---

❶ رسائل الامام الفراهي في علوم القرآن، عبدالحمید الفراہی، الدائرۃ الحمیدیہ، ط، ثالثۃ، ۲۰۰۵ء۔

❷ الدائرة الحميدية، مدرسۃ الاصلاح، سرائے امیر، اعظم گڑھ، (الہند)، ط۔ أولی۔ ۱۴۲۰، ۲۰۰۰ء۔

Marfat.com

اس مدرسے سے 1922ء میں سند فراغت حاصل کی اور اس کی طرح ''اصلاحی'' کی نسبت ان کے نام کا لاحقہ بن گئی۔ اس ادارہ میں مولانا عبدالرحمٰن نگرامی نے مولانا کی علمی، ادبی اور تقریری صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔

(1925 سے 1930ء تک ''نظام القرآن'' کے مؤلف اپنے شیخ خاص مولانا عبدالحمید فراہی سے قرآن سیکھنے لگے اور پانچ سال کامل انہماک کے ساتھ اپنی ساری صلاحیتیں تدبر فی القرآن علی منہاج الفراہی صرف کیں۔ اپنے شیخ کے نظریئے کو سمجھا، نظام القرآن اور ادب جاہلی پر خصوصی توجہ دی۔ [1])

(مدرسۃ الاصلاح اور مولانا فراہی سے کسب فیض کے بعد شارح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری سے رجوع کیا اور ان سے سند حدیث لی۔ [2])

1972ء میں مولانا مالی مشکلات کی بنا پر لاہور چھوڑ کر شیخوپورہ کے نواح میں ایک گاؤں رحمان آباد میں منتقل ہو گئے، جہاں ان کی اہلیہ کی زمین تھی، یہاں تفسیر کے کام میں یکسو ہو کر مصروف ہوئے، تحریر میں تسلسل اور تیزی آئی، 1980ء میں نظم القرآن کی بنیاد پر ان کی معروف تفسیر ''تدبر قرآن'' تقریباً تیئیس سال کی محنت شاقہ کے بعد نو جلدوں میں مکمل ہوئی۔ [3]

مولانا امین اصلاحی 15 دسمبر 1997 کی صبح اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ [4]

مولانا کی شخصیت پر کئی طلبہ علم ڈاکٹریٹ کے مقالہ جات لکھ چکے ہیں۔ [5]

✻✻✻

---

[1] دیکھیے: مولانا اصلاحی کی کہانی ان کی اپنی زبانی، شہزاد سلیم، ماہنامہ ''اشراق'' لاہور، جنوری ۔ فروری ۱۹۹۹ء ص ۱۰۹،
''اصلاحی، امین احسن''، محمود الحسن، تکملہ دائرہ معارف اسلامیہ، ۱/۲۳۱-۲۳۷۔

[2] ایضاً [3] ایضاً

[4] ایضاً۔ مولانا امین احسن اصلاحی، کے فکری ارتقاء پر درج ذیل تنقیدی مضمون بھی لائق مطالعہ ہے۔ ''مولانا امین احسن اصلاحی'' تصویر کا دوسرا رخ، از حافظ صلاح الدین یوسف ہفت روزہ الاعتصام۔ لاہور، شمارہ نمبر ۹، ۱۶ جنوری ۱۹۹۹ء

[5] بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں ان کے تفسیری منہج پر مقالات لکھے گئے۔ مشی گن یونیورسٹی، امریکہ سے مستنصر میر نے COHERENCE IN THE QURAN , A STUDY OF ISLAHI'S CONCEPT OF NAZM اور پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹر اختر حسین عزمی صاحب نے ''علوم اسلامیہ کی تشکیل جدید میں مولانا امین اصلاحی کا کردار'' پر مقالہ لکھ کر ڈگری حاصل کی۔

Marfat.com

تفسیر واصول تفسیر پر آپ کی تالیفات

① تدبر قرآن

یقیناً مولانا امین احسن اصلاحی اپنے پیش رَو واستاذ مولانا حمید الدین فراہی کے نظریۂ نظام القرآن کے حقیقی امین ٹھہرے۔ اور ان کے نظریئے کی ترویج کے لیے گراں قدر کام کیا۔ آپ کی تفسیر ''تدبر قرآن'' ہی حقیقت میں وہ تفسیر ہے جس نے نظریۂ نظام القرآن کی احیاء و ترویج میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس تفسیر کے مقدمہ میں بھی مولانا نے اصول تفسیر و نظریۂ نظم پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

② مبادئ تدبر قرآن

اس میں شرح وبسط کے ساتھ مولانا نے اپنے نظریۂ نظام القرآن پر مبنی اصول تفسیر پیش کیے ہیں۔

③ اصول فہم قرآن

یہ مولانا کے لیکچرز ہیں جنہیں جناب عبداللہ غلام احمد نے معمولی حک واضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں مرتب کیا ہے۔

انحرافی مکتب فکر کی نمائندہ شخصیات

1۔ سر سید احمد خان (متوفی 1898)

5 ذوالحجہ 1232ھ / 17 اکتوبر 1817ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ پہلے قرآن مجید پڑھا۔ پھر اس دور کی درسی کتابیں مثلاً کریما، خالق باری، آمد نامہ، بوستاں وغیرہ پڑھی۔ عربی میں شرح ملا، شرح تہذیب، میبذی، مختصر معانی اور مطول کا کچھ حصہ پڑھا۔ 1846 تا 1855ء جب وہ دہلی میں منصفی پر مامور تھے تحصیل علم میں زیادہ ترقی کی۔ ❶

❶ موج کوثر، شیخ محمد اکرام، ص ۷۷۔۸۰۔

Marfat.com

35 سال مختلف عہدوں پر، مختلف مقامات پر ملازمت کی۔ 1876ء کے آخر میں پنشن لے کر علی گڑھ آئے اور اپنی زندگی کے باقی بائیس سال اپنے ارادوں کی تکمیل میں یہیں گزارے۔ ❶ اور مختلف تعلیمی و سیاسی خدمات سرانجام دینے کے بعد 5 ذوالقعدہ 1315ھ / 27 مارچ 1898ء کو وفات پا گئے اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی مسجد کے احاطے میں دفن ہوئے۔ ❷

تفسیر واصول پر تصنیفات

سرسید کی تصانیف متعدد موضوعات پر ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی اور دینی موضوعات سے انہیں خصوصی طور پر دل چسپی تھی۔ سرسید جدید اردو نثر کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ اور ان کا رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' اپنے عہد کا ایک تاریخ ساز رسالہ تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے 20 فروری 1949ء کو علی گڑھ یونیورسٹی کے جلسہ اسناد میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''اغلب خیال یہ ہے کہ عوام کے ذہنی رجحانات پر جتنے ہمہ گیر اثرات تہذیب الاخلاق نے چھوڑے ہیں، ہندوستان (برصغیر پاک وہند) کے کسی اور رسالے نے نہیں چھوڑے...... اس رسالے کے اجرا سے موجودہ اردو ادب کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ اردو نے اس رسالے کی بدولت اتنا فروغ پایا کہ دقیق سے دقیق مطالب کا اظہار اس زبان میں ہونے لگا۔ اس دور کا کوئی مسلمان ادیب ایسا نہ تھا، جو تہذیب الاخلاق کے حلقۂ ادب سے متاثر نہ ہوا ہو۔ دور جدید کے بلند معیار مصنفین نے اسی خوانِ نعمت سے لقمے چنے اور اسی حلقہ کے اثر ونفوذ سے نقد و بصر کی نئی قدریں اور فکر ونظر کے نئے زاویے متعین ہوئے۔'' ❸

سرسید نے اپنے تفسیری خیالات کے لیے اسی رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کو ذریعہ بنایا۔ ❹ اس پر مستزاد یہ کہ سرسید علی گڑھ کالج اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی روح رواں تھے۔ ان اسباب کی بنا پر سرسید کے تفسیری نظریات نے ردّ وقبول کے دونوں حلقوں میں وسیع اثرات چھوڑے۔

تفسیر واصول تفسیر پر ان کی یہ دو کتابیں قابل ذکر ہیں:

① تفسیر القرآن
② التحریر فی اصول التفسیر اس نام سے سرسید نے ایک رسالہ قلمبند کیا جس میں انہوں نے اپنی طرز کے مطابق ''جدید علم الکلام'' کی بنیاد پر اصول تفسیر بالکل نئے انداز میں پیش کیے۔

---

❶ موج کوثر، شیخ محمد اکرم، ص ۸۲۔
❷ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۱۲۱/۱۱ ـ ۱۲۲۔
❸ آزاد کی تقریریں، ص ۲۰۴۔
❹ موج کوثر، شیخ محمد اکرام، ص ۵۸۔

Marfat.com

2۔ غلام احمد پرویز (متوفی 1985ء)

تفسیر بالرأی المذموم کی دوسری نمائندہ شخصیت جناب غلام احمد پرویز ہیں۔

پرویز صاحب 9 جولائی 1903ء کو موجودہ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ میں پیدا ہوئے۔❶ 15 اکتوبر 1985ء میں وفات ہوئی۔❷

معروف منکر حدیث ہیں، زیادہ تر استفادہ اسلم جیراج پوری سے کیا جو برصغیر کے منکرین حدیث میں سرفہرست ہیں۔❸

تفسیر و معارف قرآنی کے حوالے سے جناب پرویز صاحب نے درج ذیل کتابوں میں خصوصی طور پر خامہ فرسائی کی ہے۔❹

① معارف القرآن، جلد اول

پرویز صاحب کی اس اولین تصنیف کا مرکز ومحور ''اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات'' ہیں۔ مصنف نے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلیلہ اور اسمائے حسنیٰ کو قرآن کریم کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ بعض صفات واسماء پر تفصیلی بحث ہے اور بعض پر نہایت مختصر۔

② معارف القرآن جلد دوم

اس میں پرویز صاحب نے نبوت ورسالت کی تفہیم کے لیے تمہیدی مباحث پیش کی ہیں۔ ارتقائے پیکر انسانی، سرکشیِ ابلیس، فطرتِ شیطانی، مسجود ملائکہ، مقام رسالت اور طوفان نوح وغیرہ پر ابحاث ہیں۔

③ معارف القرآن جلد سوم

اس میں انبیاء قرآن کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ یہ حضرت ابراہیم سے حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام تک انبیائے سابقین کی دعوت ورسالت اور اقوام وملل ماضیہ کی عبرت آموز داستانِ عروج وزوال پر مشتمل ہے۔

---

❶ شاہکار رسالت، غلام احمد پرویز، حاشیہ بر صفحہ ۲۷

❷ ''طلوع اسلام''، اپریل ۱۹۸۵ص ۷۔

❸ تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ، ڈاکٹر محمد دین قاسمی ۱۹۰۔

❹ ایضاً، ۱۹۱۔۱۹۲۔

Marfat.com

④ معارف القرآن جلد چہارم

یہ سلسلۂ معارفِ پرویز کی آخری جلد ہے۔ جس میں انہوں نے رسول امین ﷺ کی سیرت طیبہ کو موضوع بحث بنایا ہے۔

ناموں کی تبدیلی اور نئے نظریات

پرویز صاحب نے اس سلسلۂ معارف القرآن سے تصنیفی زندگی کا آغاز کیا اور بھرپور مقبولیت حاصل کی۔ جب اچھی طرح قبولیت عامہ حاصل ہوئی تو انہوں نے سلسلۂ معارف کی ان چار جلدوں میں بہت کچھ حک و اضافہ کیا، اپنے سابقہ بہت سے افکار تک کو اڑایا اور اس سلسلہ کو بالکل نئے قالب میں ڈھالا اور بڑے پیمانے پر تغیرات زیر تحریر لائے، حتیٰ کہ سلسلۂ معارف کے ابتدائی نام تک بدل ڈالے اور اب سلسلۂ معارف کی چار جلدیں درج ذیل سات کتابوں کی شکل میں نئے روپ میں منظر عام پر آئیں:[1]

① من و یزداں

یہ سلسلۂ معارف کی جلد اول کا تبدیل شدہ ایڈیشن ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور انسان کے متعلق پرویز صاحب کے ترمیم شدہ افکار ہیں۔

② ابلیس و آدم

یہ سلسلۂ معارف القرآن کی جلد دوم کا ترمیم شدہ ایڈیشن ہے۔ تخلیق آدم، قصۂ ابلیس و آدم، جنات، ملائکہ اور وحی و رسالت جیسے اہم اور بنیادی اسلامی عقائد کو ''پرویزی افکار'' کا لبادہ بزور بازو پہنایا گیا۔ سرسید احمد خان کے خیالات کی گہری چھاپ نمایاں ہے، بلکہ انہی کے خیالات کا چربہ ہے۔

③ جوئے نور

حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت شعیب علیہ السلام تک کے حالات و کوائف اور ان کی اقوام کی عبرت انگیز داستان ہے۔ معارف القرآن جلد دوم و سوم میں ترمیم و تبدل کر کے اسے ''جوئے نور'' کا نام دے دیا گیا ہے۔

④ برق طور

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، فرعونِ مصر اور بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی داستان ہے۔ اس کتاب میں معارف القرآن جلد سوم کا مواد حکّ و اضافہ کے بعد سمو دیا گیا ہے۔

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، کا علمی اور تحقیقی جائزہ، ۱۹۲۱۔۱۹۵۔

Marfat.com

⑤ شعلۂ مستور

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے سوانح حیات ''جدید تاریخی انکشافات'' کو قرآن کے کھاتے میں ڈال کر پیش کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی بعد از ترمیمات معارف القرآن جلد سوم سے ماخوذ ہے۔

⑥ معراج انسانیت

سلسلۂ معارف القرآن کی جلد چہارم جو سیرت النبی ﷺ پر مشتمل تھی کانٹ چھانٹ کے بعد نصف کے قریب رہ گئی ہے، باقی مندرجات اڑا دیے گئے ہیں اور اسے ''معراج انسانیت'' کا نام دیا گیا ہے۔ اب اس کے مندرجات زیادہ تر حیاتِ نبوی ﷺ کے احوالِ لیل ونہار پر مشتمل ہیں۔

⑦ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں

اس کتاب کا مواد بھی زیادہ تر معارف القرآن کی جلد چہارم سے ماخوذ ہے۔ دیگر مذاہب عالم کی کتابوں میں تحریفات کی داستان، اور حفاظت قرآن اس کا موضوع ہے۔

کتابوں کے نام بدلنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس حوالے سے جناب ڈاکٹر محمد دین قاسمی اپنی عرق ریز محنت کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور محسوس نہیں ہوتی کہ ابتداءً وہ جن خیالات وافکار کو عامۃ الناس کی ہمنوائی میں، اپنے ضمیر کے خلاف، محض مصلحتاً پیش کیا کرتے تھے، بعد میں اپنے ایک مستقل حلقۂ قارئین کے فراہم ہو جانے پر اب وہ مصلحت باقی نہ رہی، لہٰذا انہیں حذف کر دیا گیا اور ساتھ ہی ان افکار ونظریات کو بھی ان اعادہ شدہ ایڈیشنوں میں سمو دیا گیا، جنہیں ابتداءً وہ اپنے دماغ میں مکتوم ومخفی رکھے ہوئے تھے۔ اس طرح معارف القرآن کی چاروں جلدوں کے مواد کو جب نئی کتب کے سانچے میں ڈھالا گیا تو بڑے پیمانے پر تغیرات سامنے آئے حتیٰ کہ اس سلسلۂ کتب کے ابتدائی نام تک بدل ڈالے گئے۔''❶

تفسیر مطالب الفرقان

یہ پرویز صاحب کی سات جلدوں پر مشتمل قرآن مجید کی تفسیر ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

جلد اول: الفاتحہ۔ البقرۃ کی ابتدائی 29 آیات

جلد دوم: سورہ بقرۃ (آیت 30 تا 112)

جلد سوم: سورہ بقرۃ (آیت 113 تا 286 اختتام سورۂ بقرہ۔)

---

❶ تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ۔ ۱۹۲۱۔

Marfat.com

جلد چہارم: از سورہ آل عمران تا اختتام سورۂ مائدہ

جلد پنجم: از سورہ انعام تا سورہ الاعراف آیت 158

جلد ششم: سورۃ الاعراف آیت 159 تا اختتام سورۂ ہود

جلد ہفتم: از آغاز سورہ یوسف تا اختتام سورۃ الحجر

درج ذیل تفصیل سے واضح ہے کہ یہ پوری قرآن مجید کی تفسیر نہیں ہے بلکہ ابتدا سے سورۂ حجر تک (پ 1 تا 14) ہے۔ تفسیر کے پیش لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی پانچ جلدیں پرویز صاحب کی زندگی میں شائع ہوئیں اور آخری دو جلدیں ان کی وفات کے بعد۔ جلد ہفتم کے پیش لفظ میں مرقوم ہے:

''اس سلسلہ کی پانچ جلدیں ان کی زندگی ہی میں پیش نظر قارئین ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی تھیں۔ جلد ششم طباعت کے لیے تیار تھی کہ وہ اپنے سفر حیات کی اگلی منزل کی طرف جادہ پیما ہو گئے۔ چنانچہ یہ جلد ان کے بعد شائع ہوئی۔ محترم پرویز صاحب نے زیر نظر، جلد ہفتم کا مسودہ اکتوبر 1984 (بستر علالت پر فراش ہونے) سے پہلے ہی لکھ ڈالا تھا۔ لیکن کتابت کے لیے اس کی تبییض کی سعادت اولاً امیر الدین اور بعد ازاں احسن عباس رضوی مرحوم کے حصہ میں آئی۔ یہ جلد محمد سعید قطبی کی حسن کتابت کی رہین منت ہے۔ سید شفقت حبیب نے بکمال دقت، کتابت کی تصحیح فرمائی۔ آئینہ مطالب اور ابواب کی فہرستیں شیخ اللہ دتہ اور محمد عمر دراز کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ ہیں، جب کہ انڈیکس پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا مرتب کردہ ہے۔'' [1]

اصول تفسیر

جناب پرویز صاحب اصول تفسیر پر اپنے ''اجتہادات'' ضبط تحریر میں نہیں لائے۔ تاہم ان کی ابتدائی کتاب ''معارف القرآن'' جلد اول کے مقدمہ میں اصول تفسیر کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اپنی کتاب کا مقدمہ پرویز صاحب نے اپنے استاد جناب محمد اسلم جیراج پوری صاحب سے لکھوایا تھا، انہوں نے اصول بھی مرتب کیے اور جناب پرویز صاحب چونکہ فکری طور پر ان کے ہم نوا تھے اور شاگرد بھی، لہٰذا انہوں نے ان اصولوں پر ہی تفسیر مرتب کی۔ [2]

13۔ لغات القرآن

اس میں قرآنی کلمات کی تشریح و توضیح پرویز صاحب نے اپنی من پسند اور خود ساختہ لغت کی روشنی میں مرتب کی ہے۔

14۔ مفہوم القرآن

اس میں بھی قرآن مجید کی تشریحات کو نشانۂ ستم بنایا گیا ہے۔

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۷، پیش لفظ [2] دیکھیے: تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ، ڈاکٹر محمد دین قاسمی، ۱۷۔۲۰۔

Marfat.com

نتائج تحقیق باب اول

(علم اصول تفسیر: معنی ومفہوم، آغاز وارتقا)

① لغوی لحاظ سے لفظ ''اصول'' میں، بنیاد، استحکام، دوام واستمرار، کلیت اور توارث کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لغوی پس منظر کے لحاظ سے بھی ''اصول تفسیر'' سے مراد وہ بنیادیں ہیں، جن پر تفسیر کی عمارت قائم ہے۔

② تفسیر سے مراد وہ علم ہے، جس میں بشری طاقت وصلاحیت کے مطابق قرآن مجید کو اس حیثیت سے زیر بحث لایا جائے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد اور منشاء پر دلالت کرتا ہے۔

③ متقدمین کے ہاں ''تفسیر'' اور ''تاویل'' اصطلاحی طور پر ہم معنی کلمات تھے اور ایک دوسرے کی جگہ بکثرت مستعمل تھے۔ متاخرین کے ہاں جدید علمی وفنی ضروریات کے تحت لفظ ''تاویل'' بطور اصطلاح ایک نئے معنی میں استعمال ہونے لگا، یعنی: کسی لفظ کا مرجوح معنی مراد لینا۔

④ اصول تفسیر اور قواعد تفسیر، علوم القرآن کی دو اہم شاخیں ہیں، لیکن مباحث کی وسعت اور اہمیت کے پیش نظر یہ دو مستقل علوم کے طور پر جداگانہ حیثیت میں متعارف ہونے چاہییں۔

⑤ صحابہ کی تشریف آوری اور اسلامی فتوحات ہی برصغیر میں مطالعۂ قرآن کا نقطۂ آغاز بنی ہوں گی۔ یہاں باقاعدہ تفسیر نویسی کب شروع ہوئی؟ اس پر کچھ کہنا خاصا مشکل ہے، کیونکہ برصغیر پر لکھی گئی کتب تاریخ میں اسلاف کی علمی زندگی پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔

⑥ برصغیر کے دینی ابتدائی نظام تعلیم میں "تفسیر کشاف، زمخشری" بطور نصاب شامل رہی ہے۔ "مدارك التنزيل، نسفی" بھی درسیات میں شامل تھی، بلکہ علما کے ذاتی مطالعہ ودرس کے لیے بھی مقبول تھی۔

⑦ عہد اکبری، 1556-1605ء میں ''تفسیر بیضاوی'' کو درسی نصاب میں وہ مقام ملا، جو پہلے ''تفسیر کشاف'' کو حاصل تھا۔

⑧ عربی زبان کو اختیار کیا گیا، جب کہ سترہویں صدی عیسوی میں زیادہ تر فارسی زبان کو ترجیح حاصل رہی۔

Marfat.com

⑨ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے پہلے تفسیر نویسی میں فلسفی وکلامی مباحث، لغوی وفنی مسائل اور متصوفانہ اشارات و اذواق غالب رہے۔

⑩ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عہد ساز شخصیت کے بعد تفسیر قرآن کا ایک انقلابی مقصد متعارف ہوا، جس میں ساری توجہ اس بات پر مرتکز ہوئی کہ عوام الناس کو براہ راست قرآن مجید کے قریب لایا جائے۔ اس ہدف کے پیش نظر اردو زبان کو ذریعۂ اظہار بنایا گیا، قرآن مجید کے تراجم منظر عام پر آئے اور تفسیر بالمأثور کی روایت زندہ ہوئی۔

⑪ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بعد تفسیر نویسی میں نئے نئے رجحانات اور مناہج متعارف ہوئے۔ جن میں سے کچھ تفسیر بالمأثور کی نمائندگی کرتے ہیں، کچھ دیگر رجحاناتِ تفسیر بالرأی کے ترجمان ہیں۔ اور بعض رجحانات امت اسلامیہ کے متفقہ عقائد اور مسلمات سے منحرف ہیں۔

⑫ برصغیر میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے پہلے اصول تفسیر پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ شاہ ولی اللہ کی ''الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر'' کو اس موضوع پر برصغیر کی پہلی باقاعدہ کتاب کا مقام حاصل ہے۔

⑬ حضرت شاہ صاحب کی تجدیدی وانقلابی مساعی کے بعد قرآن مجید ایک نئے انداز میں تحقیقات کا مرکز بنا۔ تطور وارتقا کے اس موڑ پر تین واضح، متعین اور باہم مختلف مدارسِ فکر وجود میں آئے، جنہیں ''مناہج اصول تفسیر'' کا نام دیا جاسکتا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

① منہج تفسیر بالماثور

② فراہی مکتب فکر

③ انحرافی مکتب فکر

⑭ برصغیر میں تفسیر بالمأثور کی نمائندہ اہم تفاسیر یہ ہیں:

① مواہب الرحمٰن، سید امیر علی

② ترجمان القرآن، نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ

③ احسن التفاسیر، سید احمد حسن محدث دہلوی رحمہ اللہ

④ اشرف الحواشی، مولانا عبدہ الفلاح رحمہ اللہ

⑮ برصغیر کے اہم تفسیری رجحانات یہ ہیں:

① اثری رجحان

② کلامی رجحان، اس کے تحت دو مختلف میلانات ہیں:

(الف) راسخ کلامی رجحان (ب) منحرف کلامی رجحان

③ مناظراتی رجحان (تفسیر حقانی، تفسیر ثنائی)

Marfat.com

④ مسلکی رجحان (احسن البیان، تفسیر نعیمی، ضیاء القرآن)
⑤ فقہی رجحان (فقہ اہل الحدیث: تیسیر القرآن) (فقہ حنفی: معارف القرآن)
⑥ تلاشِ نظم کا ادبی رجحان (تدبر قرآن: امین احسن اصلاحی)
⑦ تحریکی رجحان (تفہیم القرآن، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)
⑧ عملی واصلاحی رجحان (تفسیر قرآن عزیز، مسعود احمد بی-ایس-سی)
⑨ لغوی رجحان
⑩ درسی وفنی رجحان
⑪ اشاری وسلوکی رجحان
⑫ قراءات کا رجحان
⑬ جامع رجحان
⑭ ادبی اجتماعی رجحان
⑮ صناعت لفظی کا رجحان
⑯ سائنسی رجحان

⑯ برصغیر میں تفسیر بالرائی المذموم کے اہم رجحانات یہ ہیں:
① انحرافی نیچری رجحان
② انحرافی اشتراکی رجحان
③ لامنہجی رجحان
④ انحرافی شیعی رجحان
⑤ انحرافی قادیانی رجحان

***

Marfat.com

باب دوم

منہج تفسیر بالماثور
ضرورت واہمیت، اثرات

فصل اول: تفسیر بالماثور: معنی ومفہوم، ضرورت واہمیت

فصل ثانی: منہج تفسیر بالماثور میں حدیث کی اہمیت

فصل ثالث: منہج تفسیر بالماثور میں اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہمیت

فصل رابع: منہج تفسیر بالماثور پر بعض اعتراضات کا جائزہ

فصل خامس: منہج تفسیر بالماثور کے اثرات

***

Marfat.com

تعارف باب دوم

جس طرح قرآن مجید کا متن اپنے ایک ایک حرف، اعراب اور طرزِ ادا کے ساتھ محفوظ ہے اسی طرح قرآن مجید کے مطالب و معانی نہ صرف محفوظ بلکہ عہد نبوی میں ہی عمل کے خوبصورت سانچے میں بھی مثالی طور پر ڈھل چکے تھے۔ سب سے پہلے خود صاحب وحی نے قرآن مجید کو سمجھا ہے، ایک ایک لفظ میں غوطہ زنی کی ہے، اس کی تہہ تک اترے ہیں اور فکر وتدبر کی راہیں متعین کی ہیں۔ اس لحاظ سے رسول اکرم ﷺ کے ارشادات وفرمودات، افعال و اعمال اور آپ ﷺ کی جمیع تقریرات درحقیقت تدبر قرآن کا ماحصل ہیں۔ معلم قرآن سے صحابۂ کرام نے تفسیر قرآن سیکھی، فکری ونظری، عملی و واقعاتی اور روحانی وایمانی سطحوں پر اسے اپنی زندگی کے نقشوں میں ڈھالا، اور اس کا اس قدر اہتمام کیا کہ قرآن حکیم کو نازل کرنے والی ذات ان سے خوش ہوگئی۔

منہج تفسیر بالماثور اس بات کا متقاضی ہے کہ اب رہتی دنیا تک آنے والے انسان، چاہے وہ کتنے ہی ذہین وفطین کیوں نہ ہوں، قرآن مجید کا صحیح فہم بہرحال اولین طور پر احادیث رسول اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآنی حقیقت کی تلاش خود صاحب قرآن کے ارشادات وافعال یا پھر قرآن کے قائم کردہ پہلے معاشرہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علم وعمل کے ذخیروں میں ہی ممکن ہے۔ منہج تفسیر بالماثور کے یہی بنیادی اصول ہیں اور تفسیر طبری سے لے کر جدید دور تک جمہور مفسرین نے اسی منہج کو اپنایا ہے۔

اس باب میں یہ تجزیہ پیش کیا جائے گا کہ اس منہج کی کیا اہمیت ہے؟ تفسیر قرآن میں احادیث کے ذخیرے سے استفادہ کیوں ضروری ہے؟ اقوال صحابہ کو جاننا کس لیے ناگزیر ہے؟ آخر میں اس منہج پر اٹھائے جانے والے بعض اعتراضات واشکالات اور ان کے وسیع اثرات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

***

Marfat.com

فصل اول

تفسیر بالمأثور: معنی ومفہوم، ضرورت اہمیت

تعارف

اس فصل میں تفسیر بالمأثور کا لغوی واصطلاحی مفہوم پیش کیا جائے گا۔ نیز یہ جائزہ لیا جائے گا کہ تفسیر بالمأثور کی لغوی وشرعی، علمی وتاریخی، ایمانی وروحانی اور عملی لحاظ سے کیا اہمیت ہے؟

***

Marfat.com

تفسیر بالمأثور کا لغوی مفہوم

① عربی زبان میں ''نشان'' کو ''اَثَر'' کہتے ہیں۔
② نشان راہ اور علامات کو ''آثار'' کہتے ہیں۔
③ باقی ماندہ چیز کے لیے بھی ''أَثَر'' مستعمل ہے۔
④ کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کو ''جَاءَ فِيْ أَثَرِہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ❶
⑤ اسلاف سے منقول شدہ حکم کو ''أَثَرَةُ الْعِلم'' اور ''أَثَارَةُ الْعِلْم'' کہا جاتا ہے۔ ❷
⑥ اسلاف کے ورثے، ان سے مروی خبر اور جاری سنت کو بھی ''أَثَر'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ❸

اسی لفظ سے ''مَـأْثُـوْر'' بطور اسم مفعول مشتق ہے، جو اپنے استعمالات کے لحاظ سے متعین علامت، نشان راہ، متوارث علم اور منقول خبر کا مفہوم دیتا ہے۔ گویا لغوی مفہوم کے لحاظ سے بھی تفسیر بالمأثور وہی تفسیر ہے جو منقول ہو، متوارث ہو اور انہی راہوں پر ہو جن پر اسلاف نشان چھوڑ گئے ہیں یا جنہیں وہ متعین کر گئے ہیں۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاحی طور پر تفسیر بالمأثور سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا اطلاق صرف مرفوع تفسیر پر ہوتا ہے یا مرفوع اور موقوف دونوں یا مرفوع، موقوف اور مقطوع تینوں پر ہوتا ہے؟ اس بارے میں درج ذیل آراء پائی جاتی ہیں۔

پہلا قول

بعض علما کے نزدیک تفسیر بالمأثور صرف وہی تفسیر ہے، جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو۔ صحابہ و تابعین کے استنباطات و اجتہادات تفسیر بالمأثور میں شامل نہیں ہیں۔ ہاں! صحابہ و تابعین کے وہ تفسیری

---

❶ القاموس المحيط، فيروز آبادي: ۱/ ۴۸۹، باب الراء "اثر"۔
❷ المعجم الوسيط، (مادة "أثر") المعجم الوجيز (مادة "أثر")
❸ ايضاً

Marfat.com

اقوال جن میں ان کے ذاتی اجتہاد کو دخل نہ ہو بلکہ سماع پر محمول ہوں، تو ایسے اقوال تفسیر بالماثور میں شامل ہیں۔ علوم القرآن پر لکھنے والے معروف عالم لطفی الصباغ (1) اور ڈاکٹر محمد محی الدین بلتاجی کی یہی رائے ہے۔ (2)

دوسرا قول

بعض علما کے نزدیک تفسیر بالماثور وہ تفسیر ہے جو نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابہ سے منقول ہے۔ ان کے نزدیک تابعین کی تفسیر اس میں شامل نہیں ہے۔ البتہ ایسے کبار تابعین جنھوں نے صحابہ سے براہ راست تفسیر سیکھی ہو، ان کی تفسیر، تفسیر بالماثور میں شامل ہے۔ ان علما کے ہاں تابعین کی تفسیر اس لیے ماثور نہیں کیونکہ ان کے تفسیری اقوال اجتہادات اور اسرائیلیات پر مشتمل ہیں۔ (3)

تیسرا قول

تیسرا قول یہ ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے باسند روایت شدہ تمام تفسیری ذخیرہ کو نقل کرنا تفسیر بالماثور ہے۔ (4)

تجزیہ

ماثور کا معنی منقول ہے، لہٰذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین سے منقول تمام احادیث و آثار تفسیر بالماثور میں شامل ہیں۔ جو حضرات تابعین کی تفسیر کو تفسیر بالماثور میں شامل نہیں سمجھتے، دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تابعین کی تفسیر حجت نہیں۔

جمہور ائمہ و محدثین کی بھی یہی رائے ہے کہ تفسیر بالماثور میں اقوال تابعین شامل ہیں۔ (5) اور لغت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ (6)

نیز تفسیر بالماثور کے مصنفین کا تعامل بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ تفسیر تابعین کو ماثور میں شمار کرتے ہیں، جیسا کہ تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر میں تابعین کے اقوال بکثرت موجود ہیں۔ البتہ ان اقوال کی حجیت یا عدم حجیت الگ مسئلہ ہے، ان دونوں چیزوں میں خلط مبحث کی کوئی ضرورت نہیں۔

---

(1) لمحات فی علوم القرآن و اتجاهات التفسیر، ص ۱۸۰۔

(2) دراسات فی التفسیر و أصوله، ص ٤٦۔

(3) مناهل العرفان، زرقانی، ٤٨١١، مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص ٣٤٧۔

(4) تفسیر التابعین، محمد علی الخضیری، ٣٢١۔

(5) مناهل العرفان، الزرقانی: ١٢٢۔

(6) ملاحظہ ہو: مقدمه ابن خلدون، ص ٤٣٩، البرهان فی علوم القرآن، زرکشی، ص ٣٣٦۔

Marfat.com

منہج تفسیر بالمأثور کی ضرورت واہمیت

① میزانِ صحت وخطا فراہم کرنے میں منہج تفسیر بالمأثور کی اہمیت

وحی کی طرف رجوع کس طرح کیا جائے؟ قرآن مجید سے رہنمائی لینا فرض! لیکن رہنمائی لینے کا انداز کیا ہو؟ مطالعۂ قرآن سے حاصل شدہ نتائج کے تعین کا ذریعہ کیا ہو؟ کس کا فہم قرآن صحیح ہے اور کس کا غلط؟ کسے فہم قرآن کے لیے معیار اور کسوٹی قرار دیا جائے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب دیے بغیر وحدت امت کا درست اور متوازن تصور بھی ناممکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرآن وسنت سے درست رہنمائی لینا امت اسلامیہ کا ایک تاریخی واقعہ ہے، اسی طرح غلط تاویلات کی بھی ایک تاریخ ہے، جس سے ہمیں دامن بچانا ہے۔ اس معاملے میں اگر کسی کسوٹی کی ضرورت ہے تو کیا یہ کسوٹی ہر آدمی خود تجویز کرے گا؟ کسوٹی اگر ہر آدمی خود تجویز کرے گا تو کیا سب سے پہلے ''کسوٹی'' کے تعین میں ہی اختلاف رونما نہ ہو جائے گا؟ پھر وہ ''کسوٹی'' کیا ہوگی؟ کتاب اللہ سے لیے جانے والے ''مفاہیم'' اور ''کشید کردہ استنباطات'' کی صحت جانچنے کے لیے لوگوں کے مابین آخر کوئی تو حوالہ (Referring Point) ہو! اور وہ حوالہ خود رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ اور خیر القرون کے فہم سے بہتر کون سا ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال، تقریرات کی پیروی اور خیر القرون کے مجموعی طور پر فہم قرآن کی ہی اقتداء واتباع کرنی چاہیے۔﴿ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ﴾ ❶

② تاریخی اہمیت

تفسیر قرآن کے نام سے برصغیر میں بالخصوص گزشتہ کئی دہائیوں سے بہت سے دلکش مناہج وجود میں آئے۔ اسلامی تاریخ میں بھی کئی مناہج منظر عام پر آئے، ان کی عمارتیں کچھ دیر کے لیے بڑی اونچی اٹھیں اور پھر بڑی بے چارگی سے ملبہ بنتی دیکھی گئیں۔ کئی فتنے زبان زد عام ہوئے، بالآخر زمانے کی گردش میں روپوش ہو رہے

❶ سورة التوبہ، ۱۰۰۔

Marfat.com

اور بڑا غلغلہ کرا لینے کے بعد زیادہ ہوا تو لائبریریوں کی شیلفوں میں ''نگاہ مطالعہ'' کے منتظر ہوئے۔

فہم دین میں بالعموم اور تفسیر قرآن میں بالخصوص وہ چیز جسے چودہ صدیوں سے دوام حاصل ہے اور کبھی اس کا سرنگوں ہونا ممکن نہیں اور جس سے ٹکرانے والا بلاشبہ بالآخر چت ہوا، وہ اہل السنۃ کا منہج تفسیر، منہج فہم واتباع ہے، جس میں التزام واجتہاد، اتفاق واجتماع اور اختلاف وتنوع سب کے دائرے طے شدہ ہیں۔ یہی وہ منہج ہے جسے صاحب قرآن اور تلامذۂ صاحب قرآن سے نہ صرف باقاعدہ شرف تلمذ حاصل ہے بلکہ یہ منہج سندِ توثیق رکھنے کا بھی حامل ہے۔

فہم دین کا معاملہ ہو یا تفسیر قرآن کا منہاج، اس امت کے اندر کسی راہ کا نیا ہونا ہی اس کے ٹھکرائے جانے کے لیے ایک بہت کافی اور معقول سبب ہے۔ اس کے سوا، اس کے مسترد کرنے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ ''نیا'' ہونے کے سوا اگر اس کے رد کرنے کے لیے کوئی اور دلیل دی جائے گی تو وہ از قبیل نوافل و مستحبات ہوگی نہ کہ از باب فرائض وواجبات۔

تفسیر قرآن کا معاملہ ہو یا فہم دین کا، تلاش حق کی بات ہو یا اتباع حق کا عمل، یہ سب اس امت کے اندر اس قدر تسلسل کے ساتھ ہوا ہے اور نسل در نسل، کڑی در کڑی اس شدید حد تک مربوط ہے اور کہیں رُکے یا روپوش ہوئے بغیر اصحاب رسول اللہ ﷺ سے سیدھا بے ساختہ یوں جا ملتا ہے کہ سلف کے ذخیروں سے اور پہلوں کے ورثوں سے ایک بات کا ثبوت نہ دیا جا سکنا، ایک مکتب فکر یا منہج تفسیر کا محض کسی نئی ''تحقیق'' کے نتیجے میں سامنے آ جانا اور اس کا سلف سے متناقض ہونا ہی اس کے ''مُحْدَثْ'' اور ''فَهُوَ رَدٌّ'' ہونے پر مہر تصدیق کی حیثیت رکھتا ہے۔

ائمہ اہل سنت نے کیا سچ کہا، انقطاع، یعنی دین کی کسی تعبیر یا قرآن کی کسی تفسیر کا پورے ایک تسلسل کے ساتھ برقرار نہ رہ سکنا اس کے باطل ہونے کے لیے کافی اور بجائے خود ایک دلیل ہے۔ باقی تمام مناہج تفسیر منقطع ہیں، ہر آنے والا ایک نئی عمارت بناتا ہے اور اس کے بعد آنے والا اسے ڈھانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ صرف شرف واعزاز منہج تفسیر بالماثور کو ہی حاصل ہے کہ یہاں پر قلم اٹھانے والا جب تک ''پہلوں'' کا حوالہ نہ دے لے وہ آگے بڑھ ہی نہیں سکتا!!

مسجد نبوی کے حلقات قرآن سے، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت قرآن اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تفسیری افادات تک، تفسیر طبری سے تفسیر ابن کثیر، اور احسن التفاسیر تک منہج تفسیر بالماثور کے اپنانے والے قرآن مجید کے ایک ہی مفہوم سے آشنا ہیں اور اسی کے خوشہ چین ہیں۔ ان سب میں صدیوں کے فاصلوں کے باوجود ایک خاص تسلسل نظر آتا ہے، اختلاف وتنوع بھی ضرور ہے لیکن اس عمومی دائرہ کے اندر جو خیر القرون میں طے پا گیا۔ قرآن وسنت اور آثار صحابہ، ان سب کے فہم قرآن کے لیے بنیاد ہے۔ اس طرح کا تسلسل کسی اور منہج میں ممکن ہی نہیں۔

Marfat.com

③ اتحاد امت کے لیے منہج تفسیر بالمأثور کی اہمیت

منہج تفسیر بالمأثور امت کو متحد رکھ سکتا ہے، تنوع اور اختلاف یہاں ضرور ہے اور وہ انسانی فطرت و سرشت کے اعتبار سے لابد ہے لیکن اس کی حدود متعین ہیں۔

قرآن مجید کی تفسیر ہو یا دین کی تعبیر، اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

① اصول دین

② فروعی مسائل وتفصیلات

منہج تفسیر بالمأثور اور اصول اہل سنت میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اصول دین [1]

* میں نہ تو بحث جائز ہے
* نہ اختلاف
* نہ از سرنو تحقیق

اصول دین کے معاملہ میں نصوص قرآنیہ بلکہ نصوص شریعہ کے فہم کی بابت جو کچھ سلف (صحابہ وتابعین) سے منقول ہے، وہی حق ہے اور اسی کو ماننا واجب ہے۔ اس کے ماسوا باطل اور بدعت وضلالت ہے، اس امت میں جنم لینے والے بہت سے مناقشے اور جھگڑے تو یہیں سمٹ جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((علیکم بالأمر العتیق)) [2] (پرانے ترین دور والے اسلام ہی کو اپنے اوپر لازم رکھو)۔ دین کے اس پہلو کی بابت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے: ''جو شخص اپنے دین کو بحثوں کا موضوع بناتا ہے، وہ اکثر نقل مکانی کرتا ہے۔'' [3]

قرآن مجید کی وہ نصوص وآیات مبارکات جو فروع دین سے متعلق ہیں، ان میں:

* تحقیق کی گنجائش ہے،
* راجح ومرجوح کا تعین بھی دلیل کی قوت کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے۔
* لیکن ان میں بھی اختلاف کی صرف اتنی سی گنجائش ہے جتنی سلف (قرون ثلاثہ) میں پائی گئی۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''تمہارا بھٹک جانا بلکہ صحیح معنوں میں بھٹک جانا یہ ہے کہ پہلے جسے تم برائی سمجھتے تھے اب اسے اچھائی

---

[1] آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہو؟ حامد کمال الدین ص ۵۷۔۵۸۔

[2] سنن دارمی، مقدمه، باب من وهاب الفتيا وكره التنطع والبدع، حديث ۱۴۲۔ اس مفہوم کے دیگر اقوال صحابہ وتابعین کے لیے ملاحظہ ہو: الاعتصام، شاطبی، ۵۹۱۔

[3] صحیح جامع بيان العلم وفضله، ابن عبدالبر، ص۳۸۷۔

Marfat.com

سمجھنے لگو اور پہلے جسے اچھائی سمجھتے تھے اسے اب برائی سمجھنے لگو۔ خبردار! خدا کے دین میں نئے نئے رخ اختیار نہ کیا کرو، کیونکہ خدا کا دین ایک متعین چیز ہے۔"❶

تفسیر کا معاملہ تو بہت نازک ہے، یہاں فروع دین میں بھی استدلال واستخراج اور رائے دہی کے با قاعدہ اصول وضوابط موجود ہیں۔ تفسیر بالماثور سے ہٹ کر عقائد وایمانیات اور ارکان اسلام تک کی تعیین ممکن نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے تفسیر بالماثور کے مؤلفین کی تشریحات میں ایمانیات وارکان میں اتفاق واتحاد نظر آتا ہے۔ دوسری طرف قدیم معتزلہ اور جدید عقل پرست مفسرین ایمانیات وعقائد میں بھی جمہور امت سے مختلف ہیں۔

④ منہج تفسیر بالماثور کا استحکام

صدیوں کے تعامل اور تسلسل کی بدولت اس منہج میں حد درجہ استحکام ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد ایسے قواعد وضوابط پر استوار ہے جنھیں مسلمات کا درجہ حاصل ہے۔ اقوام کی زندگی اور انسانی معاشروں میں بعض معاملات کو ہمیشہ کے لیے طے کیے بغیر آگے بڑھنا ممکن ہی نہیں۔ مسلمات کا پایا جانا ہر معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسانی اجتماع کامل کر آگے بڑھنا اور ان کے مابین نسلوں تک یکسوئی اور ہم آہنگی کا پایا جانا محال ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ مسلمات پوری طرح ٹھوک بجا کر اور ٹھوس علمی بنیادوں پر قائم کیے گئے ہوں۔

منہج تفسیر بالماثور کے بنیادی اصول تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالسنۃ اور تفسیر القرآن بأقوال الصحابہ ایسی ٹھوس بنیادوں پر قائم ہیں جن کے پیچھے شرعی نصوص اور علمی وعقلی دلائل کی اساسات کارفرما ہیں۔

عموماً سمجھا جاتا ہے کہ امت اسلامیہ کو صرف مصادر دین میں استحکام حاصل ہے۔ بلاشبہ کتاب وسنت محفوظ ومصئون اور ہمارے لیے ہدایت کا منبع ہیں، لیکن اس سے آگے یہ بھی حقیقت ہے کہ امت اسلامیہ کو مصادر کے فہم میں بھی استحکام حاصل ہے، اور وہ " ما آنا علیه و اصحابی " کے انداز میں۔

⑤ منہج تفسیر بالماثور اور فکری انتشار سے بچاؤ کی ضمانت

سوال یہ ہے کہ کیا اس امت کا وقت اور وسائل اس بات کے متحمل ہیں کہ ایک شخص یا مکتب فکر اٹھے اور قرآن مبین کی ازسرنو تعبیر شروع کر دے، اس کے بعد کوئی دوسرا شخص یا مکتب فکر اس کی تصحیح یا تردید میں مصروف کار ہو جائے۔؟ پھر ایک نیا شخص یا مکتب آگے بڑھ کر اسے پکڑنے کے لیے دوڑ لگا دے اور "تفسیر قرآن" کے نام پر یہ کھیل جاری رہے، جیسا کہ ہمارے برصغیر میں بالخصوص ہو رہا ہے!!! ہر ذہین آدمی یا ذہین افراد کی جماعت، امت کے اندر یہی کام کرے تو روز تفسیر کا نیا منہج سامنے لایا جائے اور اس باب میں کوئی حتمی اور طے شدہ فہم قرآن کبھی پایا ہی نہ جائے!!!

---

❶ صحیح جامع بیان العلم و فضله، ص۳۸٤۔

Marfat.com

امام مالک رحمہ اللہ سے کسی مبتدع نے کہا: ”آؤ! بات کر کے دیکھتے ہیں۔ اس شرط پر میں جیتوں تو تم میرے ہم خیال ہو جاؤ گے اور تم جیتو تو میں تمہارا ہم خیال ہو جاؤں گا۔“

بظاہر خاصی اصولی پیشکش ہے۔ مگر امام مالک رحمہ اللہ نے جو جواب دیا، انہی کا خاصہ تھا، فرمایا: ”اور اگر کوئی تیسرا شخص ہم دونوں کو خاموش کرا دے؟!

”تو کیا جب بھی کوئی نیا شخص میدان میں آئے اور پہلے والے سے بڑھ کر دلیل اپنا لینے کی مہارت دکھائے تو ہم اپنا دین اور راستہ تبدیل کر لیا کریں؟ سنو! میں اپنا دین یقینی طور پر معلوم کر چکا ہوں کہ وہ کیا ہے، تمہیں اپنا دین معلوم نہیں تو جہاں چاہو تلاش کرتے پھرو!“ ❶

⑥ منہج تفسیر بالماثور کی عملی اہمیت

تفسیر بالماثور سے منحرف مناہج کی یہی کوشش رہی ہے کہ تفسیر قرآن کو ذہانت و فطانت کا کمال ٹھہرا دیا جائے۔ جس کی رو سے فلسفی افکار ہی کی طرح ہر نیا ذہن پرانوں کی بہت سی ”مدلل باتوں“ کو اپنی ”دلیل“ کے زور پر غلط ثابت کر دے اور پھر کوئی تیسرا عبقری اٹھے جو اس کی دلیل کو بے اثر کر دے، یوں کسی امر کا فیصلہ قیامت تک نہ ہونے پائے!! نزول قرآن کا اصلی مقصود علمی موشگافیاں نہیں بلکہ عمل ہے اور عمل کے لیے ایک متعین اور طے شدہ مفہوم ضروری ہے۔ یہ طے شدہ اور متعین مفہوم بہر صورت احادیث رسول اور صحابہ کے قرآنی معاشرے سے باہر کہیں نہیں مل سکتا۔

⑦ روحانی اہمیت

یہاں ہر ہر آیت کی تفسیر میں ترغیب اور ترہیب نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادات کا سلسلہ انسان کے اندر عجب روحانی انقلاب برپا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام مناہج اس خوبصورت اور دل آویز اسلامی ورثے سے محروم ہیں۔

دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

① ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ﴾❷ کی تفسیر بالماثور

یہاں ”زیادۃ“ سے کیا مراد ہے؟ اس کی تعیین لغوی معنی اور سیاق کلام سے بھی ممکن نہیں۔ تفسیر بالماثور میں جو اس کی تشریح ملتی ہے، اس سے وہی حظ اٹھا سکتے ہیں، جن کے دلوں میں ایمان کے پھول مہکتے ہوں اور جن کی دھڑکنیں حب الٰہی کے لیے دھڑکتی ہوں۔

---

❶ بحوالہ: آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہو؟، حامد کمال الدین، ص ۴۴۔ امام مالک کے اس قول کا بنیادی مصدر معلوم نہیں ہو سکا۔

❷ یونس۔ ۱۰: ۲۶۔

Marfat.com

((عن صهيب عن النبى صلى الله عليه وسلم فى قوله: "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ"، قال: اذا دخل اهل الجنة الجنة نادى مناد: ان لكم عند الله موعداً يريد ان ينجز كموه، قالوا: ألم يبيض وجوهنا و ينجنا من النار و يدخلنا الجنة؟ قال: فيكشف الحجاب۔ قال: فوالله ما اعطاهم الله شيئا احب اليهم من النظر اليه۔)) ❶

''حضرت صہیب سے مروی ہے کہ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ﴾ کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی اعلان کرے گا: اے جنتیو! اللہ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا اور وہ چاہتا ہے کہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے۔ وہ (ایک دوسرے سے) کہیں گے: کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا اس نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی؟ کیا اس نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ (یعنی سب کچھ تو مل گیا ہے تو اور کون سا وعدہ ہے جو ابھی تک پورا نہیں ہوا؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس موقع پر پردہ اٹھالیا جائے گا (اور اہل جنت کو اپنے رب کا دیدار نصیب ہو جائے گا۔) فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دیدار سے زیادہ محبوب و مرغوب کچھ نہیں دیا ہوگا۔''

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ❷ کے تحت محبّ صادق کے نزدیک رویت باری تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ نفسیاتی طور پر بھی مخلص اپنے محسن صادق کو دیکھنے کا مشتاق ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ جنت میں اپنی شان الوہیت کے مطابق اہل جنت کے سامنے جلوہ افروز ہو کر اپنا دیدار کروائیں گے۔

تفسیر بالمأثور کی روشنی میں کہاں یہ انبساط و انجذاب اور دیدار الٰہی کے لیے نماز و دیگر اعمال کا اشتیاق، اور کہاں معتزلہ و فلاسفہ اور متجددین و متشککین کی موشگافیاں کہ دیدار الٰہی ممکن بھی ہے یا نہیں!!؟

۲) ﴿وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ ❸ کی تفسیر بالمأثور

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں اثری منہج کے مصنفین پل صراط اور ورود نار کے متعلق احادیث درج فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((و يضرب الصراطُ بين ظهرانى جهنم، فاكونُ اولَ من يجوز من الرسل بأُمته، ولا يتكلم يومئذ احد الا الرسل، كلام الرسل، يومئذ اللّٰهمَّ سلم سلِّم۔ و فى جهنم كلا ليبُ مثل شوك السعدان، غير انه لا يعلم قدر

❶ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب اثبات رؤية المؤمنين فى الآخرة ربهم حديث نمبر ٤٩٤٦، جامع ترمذى، كتاب التفسير، باب ومن سورة يونس، حديث نمبر ٣٠٥۔

❷ بقرة، ٢: ١٦٥۔ ❸ مريم۔ ١٩: ٧١۔

Marfat.com

عظمها الا الله، تخطف الناسَ باعمالهم ، فمنهم من يُوبق بعمله ، ومنهم من يُخردل ثم ينجو ، حتى اذا أراد الله رحمة من اراد من اهل النار ، أمر الله الملائكة ان يُخرجوا من ها كان يعبد الله ، فيخرجونها۔)) ❶

''جہنم کے بالکل درمیان ایک پل رکھا جائے گا۔تمام رسل میں سب سے پہلے میں اپنی امت کے ہمراہ گزروں گا، رسولوں کے علاوہ کوئی بات نہیں کر رہا ہوگا، رسل کی کلام ہوگی: اے اللہ بچا لیجئے! الٰہی حفاظت فرمائیے! نیز جہنم میں سعدان درخت کے کانٹوں کی طرح کھینچنے والی کنڈیاں ہوگی، سعدان کیا تم نے کانٹے دیکھے ہیں؟ صحابہ نے کہا جی ہاں دیکھے ہوئے ہیں۔آپ نے فرمایا: بس یہ سعدان کے درخت کی طرح ہوں گے، لیکن ان کے طول وعرض کی مقدار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔یہ کنڈیاں لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے اچک لیں گی، سو ان میں سے بعض تو اپنے اعمال کی وجہ سے تباہ ہو جائیں گے، بعض کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا، پھر نجات پائیں گے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جن اہل نار پر مہربانی فرمانا چاہیں گے، تو فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزاروں کو باہر نکال لیں، سو وہ ان کو نکال لیں گے۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں پل صراط کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے:

((ثم يوتى بالجسر فيُجعل بين ظهر انى جهنم ، قيل يا رسول الله ! وما الجسر؟ قال مدحضة ، مزلة ، عليه خطاطيف و كلاليب ☆ و حسكة مفلطحة ، لها شوكة عقيفة ، تكون بنجد ، يقال لها السعدان ، المؤمن عليها كالطرف و كالبرق و كالريح وكأ جاويد الخيل الركاب ، فناجٍ مسلم و ناج مخدوش ، و مكدوس فى نار جهنم ، حتى يمر آخرهم يسحب سحبا۔)) ❷

''آپ ﷺ نے فرمایا: پھر ایک پل لا کر جہنم کے درمیان رکھ دیا جائے گا۔راوی کہتے ہیں: ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ پل کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: انتہائی پھسلن والا، جس پر تیزی سے کھینچنے والی کنڈیاں ہوں گی، پنجے نما کانٹے ہوں گے، شاخ دار چوڑی چوڑی جھاڑیاں ہوں گی، جن پر نجد میں پائے جانے والے سعدان کی طرح مڑے ہوئے کانٹے ہوں گے۔مؤمنین اس پر سے آنکھ جھپکنے، بجلی چمکنے، تیز ہوا، عمدہ گھوڑے اور بہترین سواریوں کی طرح گزر جائیں گے۔کچھ صحیح وسالم نجات پانے والے ہوں گے، کچھ خراشوں کے ساتھ، بعض کو جہنم کی آگ میں گرا دیا جائے گا حتیٰ کہ سب سے آخری شخص کو گھسیٹ کر گزار لیا جائے گا۔''

❶ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب فضل السجود، حديث (٨٠٦)، ص ١٣٠-١٣١۔
❷ ایضاً ، کتاب التوحيد، ، حديث ۔٧٣٧٤ ۔

Marfat.com

⑧ منہج تفسیر بالماثور اور ایمان وعمل

آیات مبارکہ کی تفسیر میں اس طرح کے عربی متن پر مشتمل، رسول مبین ﷺ کے ایمان افروز بیانات ہمیشہ سے ایمان وعقیدہ کو جلا بخشتے آئے ہیں، ایمان وحکمت سے لبریز ماثور ارشادات رسول کریم ﷺ اور خوف و خشیت الٰہی سے بھرپور ماثور اقوال صحابہ کا آخر کیا متبادل ہو سکتا ہے؟!! آیاتِ الٰہیہ کی تفسیر میں ایمان اور جذب و جنون کی وہ کیفیات جو حدیث وسنت اور آثار صحابہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں تفسیر بالماثور کے ماسوا، اور کس منہج میں نصیب ہو سکتی ہیں؟!!

قرآن مجید خود تقاضا کرتا ہے کہ میری آیات کی تلاوت سے ایمانی کیفیات پیدا ہوں اور ایمان میں اضافہ ہو جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ ❶ اہل ایمان سنیں تو ان کا دل تڑپ جائے، جسد خاکی پر خوف وخشیت طاری ہو جائے، رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ﴿ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ ❷ ذکر الٰہی اور پیغام الٰہی کی قبولیت کے لیے ان کے دل نرم وملائم ہو جائیں، تاکہ ان پر ہدایت کے راستے واضح ہو سکیں۔ اس احسن الحدیث کو نازل کرنے والا خود ان ایمانی کیفیات کی مدح وتوصیف کرتا ہے۔

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ...... ﴾ ❸

خود قرآن مجید تقویٰ کو نقطۂ آغاز قرار دیتا ہے۔ ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ اور تقویٰ کو ہی نقطۂ کمال جب ایمان وتقویٰ خود قرآن مجید کا اولین تقاضا بھی ہے اور آخر میں مطلوب ومقصود بھی، جب قرآن مجید اس کیفیت کو اپنے فہم کے لیے پہلی شرط قرار دیتا ہے، جب قرآن طے کر چکا ہے کہ مجھ تک پہنچنے کے لیے یہی بنیادی زینہ ہے، تبھی تم میرے احکامات کے ہم گام وہم قدم چل سکتے ہو، تو آخر...... اس امت کو کون سی مجبوری آن پڑی کہ اب یہ قرآن کو سمجھنے کے لیے عہد ایمان وعہد تقویٰ سے بے نیاز ہو جائے؟!!

ہمیں کس نے درس دیا ہے کہ ہم صحابہ کو چھوڑ کر فہم قرآن کے لیے مستشرقین ومتجددین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کریں...... وہ جو ایمان وتقویٰ کی کیفیات تو کیا ان کی ابجد سے بھی نابلد ہیں۔

⑨ منہج تفسیر بالماثور بنیادی شرعی تقاضا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

❶ الانفال، ۸:۲۔ ❷ الزمر، ۳۹:۲۳،
❸ الزمر، ۳۹:۲۳۔

Marfat.com

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ﴾ ❶

''اگر وہ تمہارے جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں اور اگر منہ موڑیں تو صریح اختلاف میں ہیں۔''

صحابہ کے ایمان جیسا ایمان، ان کی اتباع جیسی اتباع، صحابہ کے فہم جیسا فہم اور جس طرح صحابہ دین پر عمل پیرا ہوئے تھے، اس طرح دین پر عمل پیرا ہونا، قرآن کا حکم ہے اور دین کا باقاعدہ مطالبہ بھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((و تفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة ، قال: و من هی یا رسو الله ؟ قال ما انا علیه و اصحابی۔)) ❷

''رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں صرف اتنا نہیں فرمایا ''ما انا علیه'' یعنی وہ راستہ و منہج جس پر میں ہوں، حالانکہ یہیں توقف فرمانا ہوتا تو فرما سکتے تھے، لیکن آپ نے فرمایا: ''ما انا علیه وا صحابی'' اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے:

(۱) صحابہ کا منہج اور صحابہ کا فہم دین، نصوص وحی کو لینے اور سمجھنے کے معاملے میں بعد والوں کے لیے حجت ہے۔ حضرات صحابہ کا فہم وحی کے استیعاب کی بابت، پیمانہ و مقیاس کا درجہ رکھتا ہے۔ دین کے وہ مسلمات جو صحابہ کے ہاں قائم ہو گئے اور حق و باطل کی جو بنیادیں اور نصوص وحی سے استدلال کے جو اصول ان کے دور میں قائم ہو گئے، بعد والے خصوصاً اختلاف و تفرقہ کے ادوار سے وابستہ لوگ انہی بنیادوں، انہی مسلمات اور انہی اصولوں کو اپنانے اور انہی پر کاربند رہنے کے پابند ہیں۔

(۲) درج بالا آیت مبارکہ اور حدیث سے یہ بھی ثابت و عیاں ہوتا ہے کہ صحابہ کا منہج اور ان کا فہم بعد کے ادوار کے لیے باقاعدہ طور پر محفوظ اور باقی رہے گا، بصورت دیگر ان کے ایمان اور انہی کی اتباع کو معیار قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب ایک چیز اپنا وجود ہی کھو دے تو وہ نجات پانے والوں کی پہچان کیوں کر قرار دی جا سکتی ہے؟! جو چیز محفوظ ہی نہیں وہ حجت کیسے ہو سکتی ہے؟ ❸

(۱۰) منہج تفسیر بالماثور کی لغوی اہمیت

لغت ان علوم میں سے ہے جن کی بنیاد صرف اور صرف اہل لغت سے سماع پر موقوف ہوتی ہے۔ عربی

---

❶ البقرة، ۲:۱۳۷۔

❷ جامع ترمذی ، کتاب الایمان ، باب ما جآء فی افتراق هذه الأمة ، حدیث(۲٦٤١)، قال الترمذی ، هذا حدیث حسن غریب ، مفسر لا نعرفه مثل هذا الا من هذا الوجه۔

❸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟ حامد کمال الدین، ص ٦٥۔٦٦۔

Marfat.com

زبان کی ساری قوامیس و معاجم دراصل وہ نتائج ہیں، جو علمائے لغت نے اپنے اجتہاد سے اخذ کیے ہیں۔ جس بنیاد پر انہوں نے نتائج و معانی مستنبط کیے وہ اوّلین عربوں کے استعمالات ہیں۔ اگر کوئی شخص کلمات قرآنیہ کی تفسیر و تشریح میں علمائے لغت کے نتائج پر تو اعتبار کرے لیکن خود اصحاب لغت، خالص عرب اس لفظ کا معنی متعین کریں، تو اسے تسلیم نہ کرے تو یقیناً یہ طرز عمل شرع و عقل اور لغت کے بالکل مخالف ہے۔

صحابہ کا فہم نہ صرف شرعی نقطۂ نظر سے بلکہ لغوی لحاظ سے بھی بدرجۂ اولیٰ حجت تامہ ہے۔ خالص عرب ہونے کے ناطے ان کی زبان سے صادر ہونے والا ایک ایک لفظ اس قابل ہے کہ ساری دنیا کے لغت دان اسے نوٹ کریں، وہ کسی لفظ کی تشریح فرمائیں تو ان کی تشریح یہ حق رکھتی ہے کہ ساری عجمی دنیا کے شارحین اس کی روشنی میں اپنی تشریحات کی تصحیح کریں اور اصحاب قوامیس قلم پکڑے اپنی لغات پر نظر ثانی کریں، کیونکہ خود اہل زبان سے بہتر عربی زبان کون سمجھ سکتا ہے؟!

مزید برآں قرآن مجید کی عربی مبین محض ''ٹکسالی عربی'' ہی نہیں ہے، بلکہ یہ شرعی و ایمانی حقائق پر مشتمل وہ عربی ہے جس نے ایمان و اسلام، صلاۃ و زکوٰۃ، صدقہ و صیام، قذف و لعان، قطع و رجم اور اس طرح کے کئی لغوی کلمات کے قوالب کو نئے شرعی معانی پہنائے، قرآن مجید کی عربی شرعی لباس زیب تن کیے ہوئے ہے، اسے صحیح مفہوم میں امرؤ القیس اور نابغہ ذبیانی کے دواوین کا مطالعہ کرنے والے تو کیا، خود امرؤ القیس اور نابغہ ذبیانی بھی سمجھنا چاہیں تو صحابہ کرام کے حلقۂ درس میں آئے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔

معلقات سبع اور دواوین جاہلیت سے استفادہ بجا اور مستحسن، لیکن ان سے اخذ کردہ نتائج بہر حال ہم ''اعاجم'' کے ہی ہیں، ہمارے ہم عصر دوسرے ''اعاجم'' کے مقابلے میں یہ حجت ہوں تو ہوں، لیکن برصغیر کے اعاجم کی یہ لغوی تحقیقات اگر آثار صحابہ کے خلاف پڑیں تو اسے ''فتنۂ عجم'' اور ''ظن و وہم'' ہی قرار دیا جائے گا۔

(۱۱) منہج تفسیر بالمأثور کی علمی اہمیت

قرآن مجید اپنے آپ میں محکم ہے اور بے انتہا واضح، مگر پھر بھی اس کی تفسیر و توضیح ایک باقاعدہ علم ہے، اس کی ایک تاریخ ہے اور ایک شاندار تراث۔ برصغیر کا کوئی بھی مفسر وہ ''پہلا'' ہی شخص نہیں ہو سکتا جو قرآن کو سمجھنے چلا ہو، اگر کوئی شخص علم تفسیر کی اساس و تراث سے بالکل منقطع ہو کر کوئی تفسیر متعارف کرانا چاہتا ہے، تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص علم حساب (Mathematics)، علم جغرافیہ، کیمسٹری، فزکس، بائیولوجی وغیرہ کی اب تک کی تحقیقات اور اکتشافات سے منقطع ہو کر از سر نو ان علوم پر قلم اٹھانا چاہتا ہو۔

یوں تو یہ کائنات بھی خدا کی کھلی کتاب ہے، ہر کوئی اسے پڑھ بھی سکتا ہے اور اس سے فوائد بھی کشید کر سکتا ہے، کسی پر پابندی نہیں۔ واقعاتی و مادی تجزیاتی انداز میں اس کائنات کا مطالعہ ''سائنس'' کہلاتا ہے۔ سائنس کائنات کے متعلق کیے گئے انسانی تجربات و مشاہدات کی ایک مدلل تاریخ اور ایک باقاعدہ علم رکھتی ہے، اب کیا

Marfat.com

اس کا علم کچھ مخصوص حوالہ جات اور مصادر سے اخذ کیا جانا ضروری نہیں؟ خود تجربے اور مشاہدے کے کچھ خاص اور متعین اصول وضوابط نہیں؟ کیا ہر شخص سائنس کی وادی میں آ کر اپنا ''نیا تجربہ'' کرے گا اور ''نیا پہیہ ایجاد'' کرے گا یا ''پہیے'' کی بابت پہلے سے جاری وساری عمل کو لے کر آگے بڑھے گا؟ سائنس کی بابت کیا کسی تاریخی تسلسل کا حصہ بننا ہوتا ہے یا اس سے الگ تھلگ رہ کر ہی کائنات کے حقائق کی ''تشکیل'' کرنا ہوتی ہے؟

کائنات تو وہی ہے جو پہلے تھی، مگر اس کا مطالعہ ایک مسلسل تاریخی عمل ہے، اس کے کچھ منضبط اصول ہیں اور متعین مراجع، جن سے منقطع رہنا ہرگز کوئی سائنسی وعلمی رویہ نہیں۔

کائنات تو پھر کائنات ہے، اور سائنس پھر سائنس، اس میں بہت کچھ ایسی گنجائش ہے جو قرآن میں نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اس مسئلہ سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ سلف اول سے منقطع ہو کر مطالعہ تفسیر وتدبر قرآن بہر حال کوئی علمی رویہ نہیں۔ ❶

(۱۴) قانونی اہمیت

ایک عدالت میں آنے والا ہر کیس اپنی نوعیت میں دوسرے ہر کیس سے مختلف ہو سکتا ہے اور اس کے باعث ہر نئے کیس کا فیصلہ دوسرے سے مختلف اور نیا ہونا متوقع ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے حاضر وقت عدالتوں اور قاضیوں کے ذاتی میلانات ورجحانات اور کردار کو بہت حد تک دخل ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی نئے آنے والے کیس کی بابت موجودہ عدالتیں گزشتہ عدالتوں کے کیے ہوئے فیصلوں کو مدنظر رکھنے کی پابند ہوتی ہیں جنہیں ''نظائر Precedents'' کہا جاتا ہے۔ قانون کتابوں میں بے شک موجود ہو...... مگر عدالتی نظام اس مفروضہ کو درست نہیں سمجھتا کہ کوئی جج دنیا میں آج پہلی بار ''عدل'' قائم کرے گا!!! اور یہ کہ کوئی شخص دنیا میں آج پہلی ہی بار قانون کا ''صحیح فہم'' پائے گا اور ''معتبر تشریح'' سامنے لائے گا!!!

اب یہ ''سلف'' جس چیز کا نام ہے وہ Predecessors کا ہی لفظی ترجمہ ہے۔ ایک سلسلے کو جو چیز سلسلہ بناتی ہے وہ Predecessors کا ہی التزام ہے۔ منہج تفسیر میں اس عمل کو ہی 'ماثور' کہہ دیا گیا ہے۔

یہ مثال بہر حال دنیاوی اور انسان کے وضع کردہ قانون کی بابت ہے۔ کتاب اللہ ایسی ''کتاب قانون'' ہے جسے خود رب العالمین نے اپنی نگرانی میں اتار کر اس کے ایک ایک لفظ کا ذمہ لیا، اس کی تشریح وتفسیر کی ضمانت دی...... ان علینا بیانه ...... شارح کی تعیین کی...... لتبین للناس ما نزل الیهم ...... شارح نے قول وعمل کے ذریعے اپنی ذات سے مجرد ہو کر...... ما ینطق علی الهوی ...... اس کی تشریح کی، اس کے مطابق ایک جماعت تیار کی...... اس کتاب ''قانون'' کی تفسیر میں اگر کوئی ایسے قدیم المثال نظائر کی سرے سے پروا ہی نہ کرے، تو یقیناً اس کی تشریح وتفسیر اس اسلامی سلسلہ میں "منقطع"، "مُحْدَث" اور "فَهُوَ رَدٌّ" قرار پائے گی۔

❶ ملاحظہ کیجئے: آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟ حامد کمال الدین، ص ۵۳-۵۵۔

Marfat.com

فصل ثانی

منہج تفسیر بالمأثور میں حدیث کی اہمیت

تعارف

منہج تفسیر بالمأثور سے وابستہ تمام مفسرین کے نزدیک قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس کی آیات کا مصداق معلوم کرنے کے لیے حدیث نبوی ﷺ (خود قرآن حکیم کے بعد) سب سے بڑی بنیاد ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے سینۂ اطہر پر ہی اس کتاب الٰہی کا نزول ہوا اور آپ ﷺ ہی ہیں جو (نزل به الروح الأمين على قلبك) کے واحد مخاطب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب کے لیے رسول اللہ ﷺ کا سینۂ اطہر اور قلب مقدس صرف ایک ''مادی ظرف'' اور ''صندوق البرید'' ہی نہیں تھا بلکہ وہ اس پیغام ربانی کے اسرار و رموز اور نکات و معارف کا امین بھی تھا اور الفاظ وکلمات کا محمل بھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کے فرائض منصبی میں دو باتوں کا الگ الگ ذکر کیا ہے: (يتلو عليهم آياته) آپ لوگوں کو آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور دوسرا (يعلمهم الكتاب) لوگوں کو کتاب کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات طے شدہ ہے کہ الصادق الأمین ﷺ نے اپنے ان دونوں فرائض یعنی تلاوت آیات اور تعلیم کتاب، کو بخوبی اور کما حقہ ادا کیا ہے۔ اس فصل میں تجزیہ کیا جائے گا کہ منہج تفسیر بالمأثور میں حدیث کی کیا اہمیت ہے؟ اور کیوں؟

Marfat.com

① حدیث کے بغیر قرآن مجید پر ایمان لانا ممکن نہیں

حدیث رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کی صرف تشریح و تفسیر ہی نہیں، بلکہ ایمان بالقرآن کی اساس اول ہے۔اس کے بغیر قرآن پر ایمان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مثال کے طور پر سورۃ الفاتحہ یا سورۃ الکوثر، سورۃ الاخلاص یا الفلق اور الناس کو آخر ہم کس ہستی کے کہنے پر قرآن مجید کا حصہ مان رہے ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ ہم نے یہ سورتیں براہ راست اللہ تعالیٰ سے اخذ نہیں کیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے مدون کر کے موجودہ شکل میں ہم تک ارسال فرمائی ہیں۔ ہمارے سامنے تو اس بارے میں ایک ہی سند ہے اور وہ ''محمد کریم'' ﷺ کی ذات گرامی ہے، جن کے قلب اطہر پر قرآن مجید نازل ہوا۔ آپ نے جس جس کلمہ، جملہ اور آیت کو قرآن مجید کا حصہ قرار دیا ہے، ہم نے اس پر '' آمنا و صدقنا'' کہہ دیا۔ نتیجہ یہ قرار پایا کہ سورہ فاتحہ ہو یا سورہ کوثر، البقرہ، ہو یا آل عمران، الکافرون ہو یا الاخلاص، سورۃ الفلق ہو یا سورۃ الناس قرآن مجید وہی ہے جس کے بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ یہ قرآن ہے۔ گویا فرمودۂ نبوی اور حدیث رسول ہی قرآن پر ایمان لانے کی اساس و بنیاد ہے۔ سب سے پہلے خود رسول اللہ ﷺ کامل ایمان لائے کہ مجھ پر قرآن نازل ہو رہا ہے اور ان کے کہنے پر پھر باقی تمام مومنین کو ایمان بالقرآن اور ایمان کے دوسرے اجزاء و ارکان نصیب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ❶

② حدیث، مراد الٰہی تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے

کسی بھی شخص کے کلام کو سمجھنے کے لیے کئی ذرائع استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ اس زبان سے واقفیت جس میں وہ کلام کر رہا ہے، ان اسباب و محرکات کی پہچان جو کلام کی اصل وجہ ہیں، ان احوال و ظروف کی معرفت جن میں وہ کلام کر رہا ہے اور اگر وہ شخص سامنے ہے تو اس کے اشارات و کنایات، طرز ادا اور الفاظ و کلمات کا زیر و بم، اس کے کلام کو سمجھنے میں بہت ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تمام ذرائع بجا ہیں لیکن سب سے اہم ذریعہ خود متکلم کی تصریحات ہیں، اگر آپ متکلم سے اس کے کلام کی تشریح پوچھ سکیں تو اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ اگر متکلم تک رسائی ممکن ہو تو اس کی اپنی توضیحات کے سامنے دوسرے ذرائع ثانوی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور خود ذات باری تعالیٰ اس لاثانی کلام کی متکلم ہے۔ اس کلام کی لغوی تحقیق و تدقیق کا نام تفسیر نہیں، لغوی تحقیق تو تفسیر تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے، تفسیر درحقیقت کلام اللہ کی وضاحت کا وہ اسلوب ہے جس سے مراد الٰہی اور منشاء ربانی کی تعیین ہو۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ تک ہماری رسائی نہیں ہے

---

❶ البقرة، ۲: ۲۸۵۔

Marfat.com

اور نہ ہی ہم اللہ تعالیٰ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ مثلاً: سورۃ البقرۃ کی فلاں آیت سے آپ کی منشا کیا ہے؟ سورۂ نور میں "الزانی والزانیة فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة" سے آپ کیا مراد لینا چاہتے ہیں؟ "أقیموا الصلاة" سے آپ کا کیا مقصود ہے؟ اوران آیات کے تفسیری اختلاف میں آپ کی منشا کے قریب کون سی تفسیر اور کون سا مفہوم ہے؟ یقیناً ہماری اللہ تعالیٰ تک نہ رسائی ہے اور نہ ہی ہم اللہ تعالیٰ سے یہ سب اور اس کے علاوہ بہت کچھ پوچھ سکتے ہیں۔!!

لیکن اللہ تعالیٰ نے جس نمائندے کے ذریعے ہم تک اپنا کلام پہنچایا ہے، اس نمائندے تک ہمیں رسائی حاصل ہے، وہ نمائندے خود رسول اکرم ﷺ ہیں اور کتب حدیث کی صورت میں ہماری ان تک رسائی با اعتماد ذرائع سے ممکن ہے۔

یہ "نمائندہ" بھی وہ شخصیت مقدسہ، پیکر صدق وصفا اور مجسمہ امانت ووفا ہیں جن پر خود "متکلم" نے اپنے کلام کی تشریح وتعبیر کی ذمہ داری عائد کر رکھی ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾ ❶ اور نہ صرف تشریح کی ذمہ داری عائد کی ہے بلکہ ان کی تشریحات کو ﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ ❷ کا سرٹیفکیٹ بھی دے رکھا ہے۔

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ ایک سوال بلکہ واہمہ سما گیا ہے کہ الفاظ قرآنی تو ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچے ہیں، لہٰذا وہ شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی تشریحات (احادیث رسول) کو وہ تواتر حاصل نہیں ہوسکا، اس لیے پوری طرح قابل اعتبار نہیں ہیں۔ دیگر تفصیلات سے قطع نظر سوال یہ ہے قرآن مجید سے حاصل ہونے والا تواتر کن لوگوں کا ہے؟ اس تواتر کی فہرست میں کن افراد کا نام آتا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ قرآن مجید کو تواتر سے نقل کرنے والے وہی لوگ ہیں جو احادیث وسنن کے بھی ناقل ہیں؟! اگر یہ حقیقت ہے (اور بدیہی حقیقت ہے) تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ یہی لوگ قرآن حکیم کے ضمن میں تو تواتر نقلی کے اعتبار سے صدوق، قابل وثوق عدول ومستند قرار پائیں اور روایت کے تواتر وتوارث کے سلسلے میں پایۂ حجت اور استناد سے گر جائیں۔ (چہ بوالعجمی است؟)

③ قرآن مجید کی شرعی تشریحات حدیث کے بغیر ممکن ہی نہیں

علوم کی دنیا میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ الفاظ وکلمات کے دو قسم کے معانی ہوتے ہیں۔ ایک وہ معانی جن کے لیے اہل لغت نے ان کلمات کو وضع کیا ہوتا ہے، جسے لغوی معنی کہا جاتا ہے اور دوسرے وہ معانی جن کے لیے خاص علم وفن سے وابستہ ماہرین ان لغوی کلمات کو مستعار لے لیتے ہیں اور پھر انہی لغوی کلمات کو مخصوص مفاہیم میں استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں، جسے اصطلاحی معنی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اصطلاحی اور لغوی معنی میں ایک جلی یا خفی ربط ضرور ہوتا ہے، لیکن متعین اصطلاح کے طور پر بعض دفعہ ایک ہی کلمہ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں زمین وآسمان کا

❶ النحل، ١٦: ٤٤۔ ❷ النجم، ٥٣: ٤۔٣۔

Marfat.com

فرق ہوتا ہے۔ جملہ علوم کا یہی حال ہے، چاہے وہ دینی علوم ہوں یا دنیوی، مثلاً حکم، علت، شرط، سبب، استحسان، قیاس، مصالح مرسلہ، واجب، فرض، مندوب، مستحب، مکروہ اور حرام وغیرہ یہ سب لغوی کلمات ہیں اور اہل لغت کے ہاں بکثرت مستعمل ہیں۔ لیکن اصول فقہ کے ماہرین جب انہی کلمات کو بطور اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو لغوی و اصطلاحی معنی میں کسی قدر تفاوت ہوتا ہے۔؟! اگر کوئی ''محقق'' ان اصولی اصطلاحات کی تعیین کتب اصول فقہ کی بجائے کتب لغت کی روشنی میں یا عقل عام کی روشنی میں کرنا چاہے تو ایسے ''محقق'' سے کن نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے؟!

دنیا کے تمام علوم کی بھی یہی مثال ہے کہ ہر علم کی اصطلاحات صرف کتب لغت سے نہیں بلکہ ان علوم کی امہات الکتب سے ہی اخذ کی جاسکتی ہیں، جو خاص اسی علم یا فن میں وضع کی گئی ہوں۔

یہی مثال قرآن مجید کی اصطلاحات پر بھی صادق آتی ہے، کیونکہ بہت سے الفاظ وکلمات، قرآن مجید نے لغوی معانی کی بجائے خاص شرعی معانی میں استعمال کیے ہیں۔ اس نوعیت کے قرآنی کلمات کی تشریح وتعبیر احادیث رسول ﷺ کے بغیر ممکن ہی نہیں، چاہے کسی کو اپنی عربی دانی کا کتنا ہی پندار کیوں نہ ہوں۔ علی سبیل المثال:

① صلاۃ، زکوٰۃ، صیام، حج، رکوع، سجود وغیرہ کلمات قرآنیہ کو کیا صرف لغت کی بنیاد پر سمجھا جاسکتا ہے؟ کیا صرف قرآنی استعمالات، قرآن مجید کے سیاق وسباق اور نظم قرآنی کی روشنی میں ان الفاظ کے شرعی مفاہیم کی صحیح تعیین ممکن ہے؟!!

② ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ...... ﴾ ❶

چار حرمت والے مہینوں کی تعیین حدیث نبوی کے بغیر کیونکہ ممکن ہے؟ لغت کی روشنی میں ''أربعة حرم'' کا معنی بالکل واضح ہے لیکن اس کا شرعی مفہوم صرف حدیث سے ہی واضح ہوسکتا ہے۔

③ فرمان ربانی تعالیٰ ہے: ((فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا)) ❷

تیمّم کا لغوی معنی عربی زبان سے ادنیٰ واقف شخص بھی جانتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تیمّم کا شرعی مفہوم لغت عربی کے پورے ذخیرہ اور عقل عام سے عمر بھر متعین نہیں کیا جاسکتا۔

غزوات ووقائع پر مشتمل آیات کی تفسیر حدیث وسیرت کے بغیر ناممکن ہے

قرآن مجید کی بعض آیات مبارکہ کا تعلق عہد نبوی ﷺ میں پیش آمدہ غزوات وواقعات سے ہے، ایسی آیات جن میں ان غزوات وواقعات کی طرف اشارہ ہے، پیش آنے والے امور کی تصریح یا تلمیح ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر تبصرہ ہے یا محض حکم ومصالح کی طرف رہنمائی ہے۔ اس طرح کی تمام آیات کی تفسیر میں جب تک سیرت النبی ﷺ اور احادیث مبارکہ کا ذخیرہ ایک مفسر کے پیش نظر نہ ہو تو وہ ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتا۔ ایسی

❶ التوبہ، ۹:۳٦۔ ❷ النسآء ٤:٤٣۔

Marfat.com

آیات کی تفسیر محض لغت، عقل یا نظم قرآنی کی بنیاد پر قطعاً ناممکن ہے۔ جب کہ قرآن مجید کا ایک معتدبہ حصہ ایسی آیات پر مشتمل ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ٥ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ٥﴾ ❶

ان آیات مبارکہ کی تفسیر احادیث غزوات کے بغیر کس طرح ممکن ہے؟!

اسی سورت میں ایک آیت کے بعد ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ......﴾ ❷

اس آیت میں " عَامِهِمْ هٰذَا" کی تعیین حدیث وسیرت کے بغیر آخر کس ذریعے سے کی جا سکتی ہے؟

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ ❸

اس آیت مبارکہ میں صراحۃً بیعت رضوان کا تذکرہ ہے، اس کا مفہوم کس ذخیرۂ لغت یا عقل عام سے متعین کیا جا سکتا ہے؟

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ٥﴾ ❹

اس آیت مبارکہ میں زیر بحث غزوہ وواقعہ کی تفصیلات کو سمجھے بغیر تفسیر کیسے ممکن ہے؟

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ .... فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ ❺

☆ مزید مثالوں کے لیے کتب اسباب النزول ملاحظہ ہوں، بالخصوص سورۃ التوبہ، سورۃ الفتح اور سورۂ احزاب کی تفسیر ملاحظہ کیجئے۔

❶ التوبہ، ۹: ۲۵۔۲۶۔ ❷ التوبہ، ۹: ۲۸۔

❸ الفتح، ۴۸: ۱۸۔ ❹ الفتح، ۴۸: ۲۰۔۲۱۔

❺ الفتح، ۴۸: ۲۷۔

Marfat.com

حدیث وسیرت میں مذکور تفصیلات کے بغیر اس آیت کی تفسیر اور کس ذریعے سے ممکن ہے؟

﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ ❶

اس آیت میں مذکورہ واقعہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حدیث وسیرت کے بغیر کیوں کر سمجھا جا سکتا ہے؟

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ...... ﴾ ❷

واقعہ افک سے متعلق تمام آیات کی تفسیر احادیث کے بغیر آخر کس طرح اور کس مصدر سے ہو سکتی ہے؟

④ تفسیر قرآن نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرض منصبی ہے

قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی حیثیت صرف ''پیغام رساں'' ہی کی نہیں تھی کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک ڈاکیے کی سی ہو جس کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہوتا ہے بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کے الفاظ اور قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کی تعلیم پر بیک وقت مامور تھے۔ یعنی تفسیر قرآن نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے مقاصد بعثت اور فرائض منصبی میں شامل تھی، ذیل میں اس حوالے سے چند آیات پیش کی جا رہی ہیں:

① حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہوئے کہا:

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ ❸

''اے ہمارے پروردگار! تو انہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرما، جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، یقیناً تو ہی بہت زبردست اور بہت حکمت والا ہے۔''

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کتاب وحکمت کی تشریح میں رقمطراز ہیں:

''علم کتاب سے مراد معانی ومطالب ضروریہ ہیں جو عبارت سے واضح ہوتے ہیں، اور حکمت سے مراد اسرار مخفیہ اور رموز لطیفہ ہیں۔'' ❹

---

❶ الأحزاب، ۳۷:۳۳۔

❷ النور، ۱۱:۲٤۔

❸ البقرة، ۱۲۹:۲

❹ تفسیر عثمانی، ص۲۵ ، حاشیہ نمبر ۱۔

Marfat.com

مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات بالکل واضح ہے کہ تعلیم، تلاوت سے بالکل مختلف ہے، تلاوت آیات تو یہ ہوئی کہ رسول نے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ خدا نے اس کے اوپر یہ وحی نازل کی ہے۔ جبکہ تعلیم یہ ہے کہ نہایت شفقت وتوجہ کے ساتھ ہر استعداد کے لوگوں کے لیے اس کی مشکلات کی وضاحت کی جائے، اس کے اجمالات کی تشریح کی جائے، اس کے مقدرات کھولے جائیں اور اس کے مضمرات بیان کیے جائیں اور اس توضیح و بیان کے بعد بھی اگر لوگوں کے ذہن میں سوالات پیدا ہوں تو ان کے سوالوں کے جواب دیے جائیں۔ مزید برآں لوگوں کی ذہنی تربیت کے لیے خود ان کے سامنے سوالات رکھے جائیں اور ان کے جوابات معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ لوگوں کے اندر فکر وتدبر کی صلاحیت اور کتاب الٰہی پر غور کرنے کی استعداد پوری طرح بیدار ہو جائے۔

یہ ساری باتیں تعلیم کے ضروری اجزا میں سے ہیں اور ہر وہ شخص جس نے آنحضرت ﷺ کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا ہے، اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے لیے تعلیم کتاب کے یہ تمام طریقے اختیار فرمائے۔'' [1]

سوال یہ ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے یہ تشریحی افادات اور تعلیم قرآن کے ضمن میں بیان کردہ تفسیری اسرار ورموز اور نکات کہاں پائے جاتے ہیں؟ اور آیا وہ محفوظ بھی ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے یہ تفسیری افادات کتب احادیث کے علاوہ اور کہیں نہیں ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا بیان کردہ یہ تمام تفسیری سرمایہ، ذخیرۂ احادیث کی صورت میں محفوظ ہے۔ اگر یہ تشریحی ذخیرہ غیر محفوظ قرار دے دیا جائے تو خود قرآن مجید کی نفی ہوتی ہے اور مقاصد بعثت ناتمام رہتے ہیں۔

(۲) سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت عظمیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [2]

''جیسا کہ ہم نے تمہی میں سے ایک رسول تم میں بھیجا، جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سنانے کے ساتھ تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم سے روشناس کرتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

اس آیت مبارکہ کا بھی بالکل وہی مضمون ہے۔ بلکہ یہ سابقہ آیت کی وضاحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو من وعن قبول فرمایا اور ان صفات کا حامل رسول عربی مبعوث فرمایا۔

(۳) سورۂ آل عمران میں ہے:

---

[1] تفسیر تدبر قرآن، ۱/ ۳۴۱۔ [2] البقرة، ۲: ۱۵۱۔

Marfat.com

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ❶

''اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان میں انہی میں سے رسول بھیج کران پر احسان فرمایا ہے جو انہیں اس کی آیات پڑھ کرسناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔''

اس آیت مبارکہ کا مضمون بھی بالکل وہی ہے لیکن اس آیت سے دو باتیں بالخصوص اضافی معلوم ہوتی ہیں:

① رسول اللہ ﷺ کی بعثت، تلاوت آیات، آیات الٰہیہ کی نبوی تفسیر، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ کیونکہ '' مَنَّ'' جب احسان کے معنی میں آئے تو اس سے کوئی بہت بڑا احسان مراد ہوتا ہے۔ ❷

گزشتہ آیت کی بہ نسبت اس میں زیادہ عموم ہے اور قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان عظیم جتلایا ہے۔ ❸

اگر قرآن مجید کی صرف آیات ہی محفوظ ہیں اور تشریحات وتفسیرات نبویہ تاریخ کے اوراق میں گم ہوگئی ہیں یا فتنہ عجم کا شکار ہو چکی ہیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ ایک معدوم اور مشکوک چیز کا احسان جتلا رہے ہیں؟ انعوذ باللہ من ان نقول ذالك۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں بڑی خوبصورت تشریح فرمائی ہے، انہی کے الفاظ میں درج کی جارہی ہے:

حضور کی چار شانیں بیان کی گئی ہیں۔

① تلاوت آیات (اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کرسنانا) جن کے ظاہری معنی وہ لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔

② تزکیہ نفوس (نفسانی آلائشوں اور شرک ومعصیت سے انہیں پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے عام مضامین پر عمل کرنے، حضور ﷺ کی صحبت اور قلبی توجہ وتصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی۔

③ تعلیم کتاب، کتاب اللہ کی مراد بتلانا، اس کی ضرورت خاص خاص مواقع میں پیش آتی تھی۔ مثلاً: ایک لفظ کے کچھ معنی عام تبادر اور محاورہ کے لحاظ سے سمجھ کر صحابہ کو کوئی اشکال پیش آیا، اس وقت آپ کتاب اللہ کی اصل مراد جو قرائن سے متعین تھی، بیان فرما کر شبہات کا ازالہ فرما دیتے تھے، جیسے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ...... الخ﴾

❶ آل عمران، ۳: ۱٦٤۔ ❷ تیسیر القرآن، عبدالرحمٰن کیلانی، ۱/۳۰۴۔ ❸ ایضاً۔

Marfat.com

اور دوسرے مقامات میں ہوا۔

④ تعلیم حکمت (حکمت کی گہری باتیں سکھلانا) اور قرآن کریم کے غوامض، اسرار و لطائف اور شریعت کی دقیق و عمیق علل پر مطلع کرنا، خواہ تصریحاً یا اشارۃً ....[1]

⑤ بالکل یہی مضمون سورۃ الجمعۃ میں بھی دہرایا گیا ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾[2]

''وہ ذات جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کی بعثت فرمائی، جوانہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، اِن کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔''

⑥ ﴿ وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾[3]

''یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے، آپ ﷺ اسے کھول کھول کر بیان کردیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''

یہ آیت مبارکہ بھی صاف طور پر بتلاتی ہے کہ قرآن مجید کی آیات کھول کھول کر بیان کرنا، مجملات کی تشریح کرنا، مطلقات کی تقیید کرنا، اور مخفی اسرار و رموز کی نقاب کشائی کرنا نبی اکرم ﷺ کا فرض منصبی ہے اور باقی لوگوں کا صرف یہ کام باقی رہ جاتا ہے کہ وہ تفسیرات نبویہ کی روشنی میں آیات الٰہیہ پر غور وفکر کریں اور عقل واجتہاد سے ان احکام و مسائل کی تطبیق و تنفیذ کی عملی صورتیں سوچیں۔

اس آیت میں باقی انسانوں کے ''تفکر وتدبر'' کو نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی تفسیر و تبیین کے بعد بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہی تفکر معتبر ہے جو احادیث نبویہ کے تابع اور مطابق ہو۔

⑦ سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

﴿ وَ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴾[4]

''اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری تاکہ تو انہیں وہ چیز کھول کر بیان کردے جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں اور مومن لوگوں کے لیے ہدایت ورحمت۔''[5]

اس میں بھی تبیین کتاب کی نسبت نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف کی گئی ہے۔

درج بالا آیات مبارکہ سے یہ حقائق معلوم ہوئے:

---

❶ تفسیر عثمانی، ص ۹۳، بذیل سورۃ آل عمران، ۳:۱۶۴۔ ❷ الجمعة، ٦٢:٢۔ ❸ النحل، ١٦:٤٤۔

❹ النحل، ١٦:٦٤۔ ❺ تفسیر عثمانی، ص٣٦٢۔

Marfat.com

① قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا اور اس کی آیات مبارکہ کی تلاوت آپ ﷺ کے فرائض نبوت میں شامل تھی۔
② قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کی ذمہ داری بھی آپ ﷺ پر عائد کی گئی تھی۔
③ قرآن مجید کے اسرار ورموز اور دقیق معارف ومسائل بیان کرنا بھی آپ کا فرض منصبی تھا۔
④ یہ اللہ تعالیٰ کا تمام مسلمانان عالم پر، ہمیشہ کے لیے بہت بڑا احسان ہے، کہ اس نے نہ صرف رسول عربی، خاتم النبیین کو مبعوث فرمایا، بلکہ اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس کی تشریح وتعبیر کی ذمہ داری بھی خاتم النبیین ﷺ کو تفویض کی۔
⑤ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی تشریحات قرآنی کتب احادیث میں محفوظ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور خاص ان کا سب پر احسان جتلایا ہے۔
⑥ اب تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی تفسیرات کی روشنی میں تدبر وفکر کے عمل کو آگے بڑھائیں۔

⑤ قرآن مجید کے معانی ومفاہیم بھی نبی اکرمؐ پر بذریعہ وحی خفی نازل ہوتے تھے

قرآن مجید کے متعدد مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر قرآن مجید کے محض الفاظ و کلمات ہی نازل نہیں ہوئے تھے، بلکہ ان کے معانی ومفاہیم بھی نازل ہوئے تھے۔

① سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ ❶

''اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت، اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہند)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((فالكتاب ما يتلى والحكمة: السنة، وهو ما جآء عن الله بغير تلاوة)) ❷

''یعنی کتاب سے مراد وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جائے اور حکمت کا مطلب سنت ہے اور سنت سے مراد وہ سب کچھ ہے جو بغیر تلاوت کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔''

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں:

''کتاب کے ساتھ حکمت کو بھی داخل فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ حکمت جو نام ہے آں

---

❶ النسآء، ٤:١١٣۔ ❷ فتح الباری، ٢٩١١٣۔

Marfat.com

حضرت ﷺ کی سنت اور تعلیمات کا، یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی نازل کی ہوئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں، اس لیے داخلِ قرآن نہیں۔ اور معانی اس کے اور قرآن کے، دونوں اللہ ہی کی جانب سے ہیں؟ اس لیے دونوں پر ایمان مشتمل وواجب ہے۔" ❶

② ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ٥﴾ ❷

"اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں "ما" اور "ینطق" دونوں بلا تحقیق وتقیید استعمال ہوئے ہیں، لہٰذا اس سے وہ تمام کلمات مراد ہیں جو نبی کریم ﷺ کے دہن مبارک سے ادا ہوتے ہیں۔ گویا مشرکین ومنکرین قرآن کی تردید میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ قرآنی کلمات وآیات تو دور کی بات ہے، وہ تو عام زندگی میں بھی کوئی لفظ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا ہے۔

علامہ آلوسی ❸، بیضاوی ❹ اور بعض دیگر مفسرین نے اس آیت کو عموم پر ہی محمول کیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں نطق کا استعمال عموماً ہر قسم کی نطق کے لیے وارد ہوا ہے۔ پرندوں کی آوازوں کے لیے، ❺ روز قیامت انسانی چمڑے کے بول کر شہادت دینے کے لیے، ❻ ہر چیز کے نطق کے لیے ❼ اور انسانوں کی عام بول چال کے لیے۔ ❽

علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت مبارکہ کی تشریح میں رقمطراز ہیں:

"یعنی کوئی کام تو کیا، ایک حرف بھی آپ کے ذہن سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس ہو، بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں، وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں "وحی متلو" کو قرآن اور غیر متلو کو "حدیث" کہا جاتا ہے۔" ❾

نزول مفاہیم قرآن کے بارے امت کی متفقہ تصریحات

نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر قرآن مجید کے بعض مفاہیم اور مطالب ومعانی من جانب اللہ نازل ہوتے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ کی تصریحات، صحابہ کے اقوال، تابعین کے آثار، ائمہ دین کے فرمودات اور علما وخلف کے ملفوظات وارشادات سے یہ بات اس قدر تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ اصحاب تفسیر بالماثور کے نزدیک اس اصول کو اجماع کا درجہ حاصل ہے۔

---

❶ معارف القرآن، ۲۲۲ؔ۵ـ۵۴۳ـ۔
❷ النجم، ۵۳: ۴ـ۳ـ۔
❸ روح المعانی، ۱۵: ۷۲ـ۔
❹ تفسیر بیضاوی، بذیل آیت مذکورہ۔
❺ سورۃ النمل، ۲۷: ۱۶ـ۔
❻ سورۃ حم السجدۃ، ۴۱: ۲۱ـ۔
❼ ایضاً
❽ سورۃ الذاریات، ۵۱: ۲۳ـ۔
❾ تفسیر عثمانی، بذیل آیت مذکورہ، ص۶۹۸، حاشیہ نمبر ۵

Marfat.com

حدیث رسول اللہ ﷺ سے دلیل

حضرت مقدام ابن معدیکرب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ألا انی أوتیت القرآن و مثله معه ، ألا یوشك رجل شبعان علی أریکته یقول : علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فأحلوه و ما وجدتم فیه من حرام فحرموه ، ان ما حرم رسول الله کما حرم الله۔))❶

سنو! یقیناً مجھے قرآن اور اس کے ہمراہ اسی جیسی ایک اور چیز بھی عنایت کی گئی ہے۔ آگاہ رہو! عنقریب کوئی سیر شکم آدمی اپنی مسند پر براجمان ہو کر یوں کہے گا: بس اس قرآن کو تھام لو! جو کچھ اس میں حلال ہے (بس) حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام ہے، (فقط) اسے حرام سمجھو۔ لیکن یقین رکھو! جو کچھ اللہ کا رسول حرام قرار دے وہ بالکل ویسے ہی حرام ہے جیسے خود اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز۔

علامہ خطابی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

معناه علی وجهین:

- أنه أوتی من الوحی الباطن غیر المتلو مثل ما أوتی من الظاهر المتلو
- أوتی الکتاب و حیا یتلی و أوتی مثله من البیان ، أی : أذن له أن یعم و یخص ، و أن یزید علیه ، و أن یشرّع ما لیس فی الکتاب له ذکر ، فیکون ذالك فی وجوب الحکم ولزوم العمل کالظاهر المتلو من القرآن ، یعنی : أوتیت القرآن و أحکاما و مواعظ و أمثالا تماثل القرآن فی کونها واجبة القبول أو فی المقدار ، فیه رد علی الخوارج والروافض تعلقوا بظاهر القرآن۔ ترکوا السنن التی قد ضمنت بیان الکتاب فتحیروا و ضلوا))❷

''اس حدیث کے دو ممکنہ مفہوم ہیں:

① یہ کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو جس طرح ظاہری طور پر وحی متلو سے نوازا گیا، بالکل اسی طرح آپ ﷺ کو باطنی طور پر وحی غیر متلو کی گئی۔

② یہ کہ جس طرح وحی متلو کے طور پر آپ کو قرآن مجید عنایت کیا گیا، اسی طرح آپ کو اس کے تشریحی اختیارات دیئے گئے، یعنی: آپ کو اجازت دی گئی آپ تعمیم وتخصیص کرسکیں، بلکہ ایسی اضافی تشریحات بھی کرسکیں، جن کا تذکرہ قرآن مجید میں نہیں ہے، اوران تشریحات پر عمل کرنا ویسے ہی واجب ولازم

---

❶ سنن ابی داوٗد ، مع عون المعبود ، ٤ ٣٢٨ ، جامع الترمذی ، مع تحفة الاحوذی ، ٣ ٧٤ ، مسند احمد ، ١٣٠-١٣٢

❷ معالم السنن ، الخطابی ، ٨٧

Marfat.com

ہو جیسے خود ظاہر قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے، اس معنی حدیث کا مطلب یہ قرار پائے گا،

''مجھے قرآن مجید عنایت کیا گیا ہے، اور شرعی حیثیت یا مقدار کے لحاظ سے قرآن مجید ہی کے مماثل امثال، مواعظ اور احکام سے بھی مجھے نوازا گیا ہے۔

اس حدیث میں رافضی اور خارجی فرقوں کی تردید ہے، جو ظاہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں، لیکن تشریحی قرآن پر مشتمل احادیث کو ترک کردیتے ہیں۔ اور اس بنا پر حیران وسرگردان ہوئے پھرتے ہیں۔''

یہی تشریح امام بیہقی، ❶ علامہ شمس الحق عظیم آبادی، ❷ و دیگر شارحین حدیث سے منقول ہے۔

حضرت حسان بن عطیہ کی وضاحت

ثقہ تابعی حضرت حسان بن عطیہ الشامی فرماتے ہیں:

"کان جبریل علیه السلام ینزل علی رسول الله ﷺ بالسنة کما ینزل علیه بالقرآن و یعلّمه کما یعلّمه القرآن" ❸

''جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر سنت بھی اسی طرح لے کر نازل ہوتے جس طرح قرآن مجید لے کر نازل ہوا کرتے تھے۔ نیز جس طرح جبریلؑ آپ کو قرآن سکھاتے تھے اسی طرح سنت کی بھی تعلیم دیتے تھے۔''

امام اوزاعی ☆ کی صراحت

تبع تابعی امام اوزاعی فرماتے ہیں:

"کان الوحی ینزل علی رسول الله ﷺ ، ویحضره جبریل بالسنة التی تُفَسّر ذالك" ❹

''رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی، اور جبریل اس کی تشریح کرنے والی سنت بھی لے کر نازل ہوتے۔''

---

❶ عون المعبود، عظیم آبادی، ۲۸۴۔ (کتاب السنة، باب فی لزوم السنة)۔

❷ ایضاً، نیز ملاحظه هو، تفسیر قرطبی، ۱ ۳۸۔۳۷۔

❸ سنن الدارمی، ۱ ۱۴۵۔ الکفایه فی علم الروایة، الخطیب البغدادی، ص۱۲، فتح الباری، ابن حجر ۱۳ ۲۹۱۔

☆ امام اوزاعی، امام ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو الدمشقی، اتباع تابعین میں سے مشہور امام ہیں۔ ان کے مقام کا اندازہ اس واقعہ ہوتا ہے کہ حج پر تشریف لے گئے تو امام مالک اور سفیان ثوری آپ کے استقبال کے لیے نکلے۔ اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔ (ملاحظہ ہو: تذکرہ الحفاظ ذھبی، ۱ ۱۷۸۔ البدایه والنهایه، ابن کثیر۔ ۱۰ ۱۱۶۔ مقدمه صحیح مسلم، ص:۱۱)

❹ الموافقات، للشاطبی، ۴ ۲۶۔ نیز ملاحظہ ہو: قواعد التحدیث، القاسمی، ص۵۸۔

Marfat.com

⑥ خود رسول عربی ﷺ بھی تفسیر قرآن میں ''وحی خفی'' کے محتاج تھے

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا﴾ [1]

''یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو، جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔''

اس آیت مبارکہ میں "لتحكم بين الناس بما أراك الله" کے کلمات خصوصی توجہ چاہتے ہیں۔ ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انزال کتاب کے ساتھ ساتھ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو "اراء ت الٰهية" سے بھی نوازتے تھے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ "اراء تِ الٰهية" انزال کتاب سے الگ کوئی اور چیز تھی اور اس کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ کہ آپ ﷺ لوگوں کے درمیان کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ کرنے میں ''ارات الٰهية'' سے مدد لیتے تھے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنی شریعت کی طرف اپنے بندوں کی رہنمائی:

اس طرح کی رہنمائی کے ذریعہ سے بھی کرتا ہے، جس کا مظہر قرآن مجید ہے۔

اور کبھی رؤیا یا کشف میں براہ راست اپنا کوئی فرشتہ بھیج کر اس کام کو عملاً دکھا یا بتا بھی دیتا ہے، جو مطلوب ہوتا ہے۔

اس قسم کی رہنمائی قرآن مجید کی اصطلاح میں ''اراءت'' ہے۔ [2]

اس آیت میں کئی اہم منہجی امور قابل غور ہیں، جو تفکر و تدبر کے بعد سامنے آتے ہیں:

① رسول اللہ ﷺ پر کتاب الٰہی نازل ہوئی۔

② آپ صرف کتاب الٰہی کے پہنچانے والے ہی نہیں بلکہ اس کے مطابق فیصلہ کرنے والے بھی ہیں۔

③ خود رسول اللہ ﷺ بھی محض الفاظ قرآنی کی روشنی میں، صرف لغت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں فرماتے تھے، بلکہ کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے میں "اراء ت الٰهية" کے محتاج تھے۔

④ وہ اراءت الٰہیہ وحی خفی کی مختلف صورتوں میں آپ کو عنایت کی جاتی تھی۔

---

[1] سورة النسآء، ٤:١٠٥۔

[2] تدبر قرآن، ١/٣٣٩، (بذيل تفسير "أرنا مناسكنا" البقرة ٢:١٢٨)

Marfat.com

سوال یہ ہے کہ وہ ''اراءت الٰہیہ'' ''وحی خفی'' یا ''وحی غیر متلو'' ذخیرہ ہائے احادیث کے علاوہ آخر اور کس جگہ سے حاصل ہو سکتی ہے؟!

نیز اگر خود رسول عربی ﷺ قرآن مجید کی روشنی میں فیصلہ کرنے کے لیے ''اراءت الٰہیۃ'' کے محتاج ہیں، تو امت اس سے کیسے مستغنی رہ سکتی ہے؟ خود صاحب قرآن کے لیے جو کہ مہبط وحی بھی تھے اور افصح العرب بھی، قرآن مجید کی عربی مبین اور ظاہری عبارات کافی نہیں تھیں، بلکہ وہ وحی خفی کے محتاج تھے۔

جب صاحب قرآن کا یہ عالم ہے تو آخر برصغیر کے اعاجم کون ہوتے ہیں، جو قرآن مجید کی وحی خفی سے بے نیاز ہو کر اسے سمجھ سکتے ہیں؟!!

⑦ آیات کی طرح مفاہیم قرآن کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے

قرآن مجید کی نصوص وعبارات اور اس کے الفاظ وکلمات اللہ کی طرف سے جبریل امین، رسول عربی کے قلب اطہر پر نازل فرماتے رہے۔ ان نصوص قرآنیہ کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی۔ ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت میں قرآن مجید کی جمع وتدوین عمل میں آئی۔ اسی طرح قرآن مجید کی تشریحات کی ذمہ داری بھی خود رب العالمین نے قبول فرمائی اور جس طرح نصوص قرآنیہ محفوظ ہیں اسی طرح اس کی تشریحات بھی محفوظ ہیں، کیونکہ دونوں کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ ﴾ ❶

''اے نبیؐ! آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارا ذمہ ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

((ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ : تبين حلاله وحرامه۔)) ❷

یعنی اس کے حلال وحرام کی تشریح ہمارے ذمے ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ فکر مت کرو کہ یاد نہیں رہے گا، پھر کیسے پڑھوں گا اور لوگوں کو کس طرح سناؤں گا؟۔ اس کا تمہارے

---

❶ القيامة، ٧٥:١٦۔١٩۔ ❷ تفسير ابن كثير، ٥٩٩٤۔

Marfat.com

سینے میں حرف بحرف جمع کر دینا اور تمہاری زبان سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے، جبریل جس وقت ہماری طرف سے پڑھیں تو آپ خاموشی سے سنتے رہیے۔ آگے اس کا یاد کرانا اور اس کے علوم و معارف کا تمہارے اوپر کھولنا اور تمہاری زبان سے دوسروں تک پہنچانا، ان سب باتوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔" ❶

⑧ حدیث، عمل بالقرآن کی بہترین تطبیق پیش کرتی ہے

قرآن مجید فلسفہ، منطق اور چند کھوکھلے افکار و نظریات کا نام نہیں ہے، یہ اس لیے نازل نہیں ہوا کہ چند علمی مذاکرات یا سیمینارز میں اس کتاب کے ذریعے مجادلہ اور بحث و تکرار کا دروازہ کھولا جائے اور بس!! یہ عمل کی کتاب ہے اور ہدایت و اصلاح کا منشور، لیکن اس پر عمل کی بہترین صورت کیا ہو سکتی ہے؟ تفسیر بالحدیث اسی سوال کا ایک مدلل و مستند جواب ہے۔ گویا الفاظ قرآن اور تفسیر بالحدیث کا باہمی تعلق وہی ہے جو ایک نظریہ اور اس کی تطبیق کا ہوتا ہے۔

آج کی دنیا میں یوں بھی کہا جاتا ہے جیسے کسی سکول و کالج اور یونیورسٹی میں ایک فارمولا کلاس میں پڑھا جاتا ہے اور پھر لیبارٹری میں اسے عملی مرحلہ سے گزار کر سکھایا جاتا ہے۔ فارمولا "تھیوری (Theory) ہے اور عملی مرحلہ (Practical)، بالکل اسی طرح آیات قرآنیہ فارمولا اور تھیوری ہیں، جب کہ حدیث اس کا بہترین پریکٹیکل ہے اور جب تک تفسیر میں حدیث کو پیش نظر نہیں رکھا جائے گا، بہترین پریکٹیکل کا تصور محال رہے گا۔ اسے ایک دوسرے انداز میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ قرآن مجید پر سب سے پہلے، سب سے بہتر اور سب سے زیادہ عمل کس نے کیا ہے؟ تو کوئی بھی جواب میں نبی اکرم ﷺ کے علاوہ اور کوئی نام پیش نہیں کر سکے گا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ تو جس شخصیت کا عمل بالقرآن اکمل و افضل ہے، اسی کا عمل دوسروں کے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور اسی کا عمل قرآن مجید کی بہترین عملی تفسیر ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

((یا أم المؤمنین ! أنبِئِینی عن خُلُق رسول الله ﷺ۔

قَالَتْ: ألستَ تقرأ القرآن؟

قلتُ: بلیٰ۔

قالت: فان خُلُقَ نبی الله ﷺ کان القرآن۔)) ❷

---

❶ تفسیر عثمانی، ص ۷۷۷۔

❷ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل، ومن نام عنه أو مرض، حدیث (۱۷۳۹)، ص ۳۰۱۔ (یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے)۔ مزید تخریج کے لیے ملاحظہ ہو: کنز العمال، علی المتقی الهندی، ۱۳۷۴۔

Marfat.com

ام المومنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتادیجئے،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں: کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے؟

(قتادۃ کہتے ہیں:) میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! پڑھتا ہوں۔

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے) فرمایا: بے شک قرآن مجید ہی رسول اللہ ﷺ کا اخلاق تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وشمائل اور لیل ونہار کس طرح قرآن مجید کی عملی تفسیر تھے؟ اس کی چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔

قرآن مجید میں ذکر الٰہی کا حکم ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴾ ❶

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴾ ❷

﴿ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ ❸

قرآن مجید میں ایسے اہل ایمان کی تعریف وستائش کی گئی ہے جو ہر حال میں ذکر الٰہی کرتے رہے ہیں۔

﴿ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا ﴾ ❹

احادیث طیبہ میں وارد صبح وشام کے تمام اذکار واوراد، مختلف اوقات کی ادعیہ مسنونہ اور مختلف مقامات و احوال پر پڑھے جانے والے ماثور الفاظ وکلمات یہ سب ان آیات مبارکہ کی عملی تفسیر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تسبیح کو پسند فرمایا، تمام مسلمانوں کو بالعموم اور نبی کریم ﷺ کو بالخصوص حکم فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کریں۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴾ ❺، نیز فرمایا:

﴿ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴾ ❻

ایک اور مقام پر حکم ربانی ہے:

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ ❼

﴿ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴾ ❽

نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے ماثور کلماتِ تسبیح وتحمید، اور آپ سے منقول استغفار کے مختلف اسالیب درج بالا آیات کی عملی تفسیر ہیں۔

---

❶ الأحزاب، ۳۳: ۴۱۔ ❷ آل عمران، ۳: ۴۱۔ ❸ الجمعة، ۶۲: ۱۰۔
❹ آل عمران، ۳: ۱۹۱۔ ❺ آل عمران، ۳: ۴۱۔ ❻ طه، ۲۰: ۱۳۰۔
❼ الحجر، ۱۵: ۹۸۔ ❽ المؤمن، ۴۰: ۵۵۔

Marfat.com

﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ ❶ پر عمل کا یہ انداز کہ انسان رب العالمین کے سامنے رکوع کے انداز میں جھک کر "سبحان ربی العظیم" کہتا چلا جائے۔

(سبح اسم ربك الأعلى) ❷ قرآن کے ماننے والی امت اسلامیہ نے اپنی پیشانی زمین پر ٹیک کر، ناک خاک پر رگڑ کر، اپنے ہاتھ پاؤں زمین پہ رکھ کر" سبحان ربی الاعلی "کہنا ہر روز بلا ناغہ کم از کم دن کی پانچ نمازوں میں ہر نماز کی ہر رکعت میں کہتے ہی چلے جانا کہاں سے سیکھا ہے؟"سبح اسم ربك الأعلى" کی یہ خوبصورت عملی تفسیر، تفسیر بالحدیث کی ہی مرہون منت ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی بیان کرتے ہیں:

((لما نزلت: "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ"، قال لنا رسول الله ﷺ: اجعلو ها في ركوعكم، فلما نزلت: "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" قال لنا رسول الله ﷺ: اجعلوها في سجودكم")) ❸

پھر پانچوں نمازوں کے بعد ۳۳ دفعہ سبحان اللہ، ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر قرآن مجید میں وارد کثرت ذکر، کثرت تسبیح وتحمید اور تکبیر کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ مزید برآں قرآن مجید پر عمل کا یہ بہترین اسوہ مجموعہ ہائے حدیث وسنت کے علاوہ اور کہاں سے دستیاب ہوسکتا ہے؟ عقل عام ہو یا عقل خاص، دواوین جاہلیت ہوں یا کتب معاجم ولغات، قرآن مجید کے الفاظ وکلمات ہوں یا نظم ونسق اور سیاق وسباق، ان تمام وسائل تفسیر کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ اور بجا، لیکن سوال یہ ہے کہ احکام القرآن پر عمل کے لیے جو مقصد نزول ہے، اسوۂ حسنہ، حدیث کے علاوہ آخر کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے؟!

⑨ احادیث درحقیقت نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے تدبر قرآن کا حاصل ہے

قرآن مجید غور وفکر اور تدبر کا بکثرت حکم دیتا ہے، تدبر کے اس حکم پر یقیناً سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے عمل فرمایا ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی تمام احادیث مبارکہ درحقیقت آپ کے فہم قرآن کا حاصل ہے۔

خود نبی کریم ﷺ نے بھی بعض احادیث میں اس طرف اشارہ فرمایا، چنانچہ ہمیں بعض احادیث کا یہ اسلوب ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی خبر یا حکم بیان فرما کر اس کے بعد اس سے متعلقہ آیت تلاوت فرمائی، تاکہ امت

---

❶ الواقعة، ٥٦:٧٤۔ ❷ الأعلى ٨٧:١۔

❸ سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاة، باب ما یقول الرجل فی رکوعه وسجوده، حدیث (٨٦٩) ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة، باب التسبیح فی الرکوع والسجود، حدیث (٨٨٧) مفصل تخریج کے لیے ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل، البانی حدیث ٣٤٤۔

Marfat.com

کو اس اصول کا علم ہو جائے کہ میری یہ حدیث، میرا وہ فہم اور تدبر ہے جو میں نے مذکورہ آیت سے اخذ کیا ہے۔

جنت کی نعمتوں کے بارے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فیھا ما لا عین رأت ، ولا أذن سمعت ، ولا خطر علی قلب بشر ، بله ما اطلعتم علیه ، ثم قال: اقرء وا ان شئتم : "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ السجدة:۱۷)) ❶

جنت میں وہ کچھ ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، تمہاری معلومات تو کیا ان کا کسی انسان کے دل میں کبھی خیال تک نہیں گزرا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: چاہو تو آیت پڑھو۔

"فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک تفصیلی حدیث میں "صلہ رحمی" کا رحمان سے تعلق واضح کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی سے فرمایا۔

"ألا ترضین أن أصل من وصلك و أقطع من قطعك"

"کیا تو اس پر راضی نہیں کہ جو تجھے ملائے میں اسے ملاؤں گا اور جو تجھے توڑے میں اُسے قطع کر دوں گا۔"

اس کے بعد نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، چاہو تو آیت تلاوت کرو۔

"فھل عسیتم ان تولیتم أن تفسدوا فی الأرض و تقطعوا أرحامکم۔" ❷

(محمد،22:47)

صلہ رحمی کی اہمیت کے بارے یہ خوبصورت تفصیلات یقیناً نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے وحی خفی کے ذریعے امت تک پہنچائیں۔ لیکن اس کا مصداق آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے تدبر کے ذریعے قرآن مجید سے فراہم کیا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں قطع رحمی کرنے والے کے بارے دیگر احادیث کا مصداق بھی ہم قرآن مجید سے تلاش کر سکتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((انه لیأتی الرجل العظیم السمین یوم القیامة ، لا یزن عندالله جناح بعوضة))

---

❶ مسند احمد، ۳۴۴ ، مستدرك حاكم، ٤١٣٢ ـ المعجم الکبیر ، طبرانی ، ۱۹۰٦ـ۲٤۷ـ

❷ صحیح البخاری، کتاب التفسیر باب، و تقطعوا أرحامکم، حدیث نمبر(٤٨٣٠ ، ٤٨٣١ ، ٤٨٣٢)، صحیح مسلم، کتاب التفسیر باب، البر والاثم حدیث (٢٥٥٤)

Marfat.com

''بلاشبہ روز قیامت موٹا تازہ، بھاری بھرکم، بڑا آدمی اللہ کی عدالت میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔''

پھر آپ نے اس حدیث کے مضمون کے موافق آیت مبارکہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اقرء وا ان شئتم " فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔")) ❶ (الکھف،105:18)

چاہو تو یہ آیت تلاوت کرو:

﴿ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴾

''پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔''

عن ابی هريرة : يبلغ به النبی ﷺ ، قال:

((ان فی الجنة شجرة يسير الراكب فی ظلها مائة عام لا يقطعها ، اقرء وا ان شئتم : "و ظل ممدود")) (الواقعہ،30:56) ❷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایسے درخت ہیں کہ ایک سوار ان کے سائے میں سو سال تک بھی سفر کرے، تو اس کا سایہ طے نہیں کر سکے گا، چاہو تو تلاوت کرو: "وَظِلٍّ ممدود"، ''اور لمبے لمبے سایوں میں۔''

عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله ﷺ

((لموضع سوط أحدكم فی الجنة خير من الدنيا و ما فيها۔ قال : ثم تلا هذه الآية: ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ...... ﴾))

(سورة آل عمران، 185:3) ❸

حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کسی ایک کی جنت میں کوڑے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ راوی کہتے ہیں: پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

---

❶ صحيح البخاری، كتاب التفسير باب، حديث نمبر(٤٢٢٩)، تفسير ابن كثير، ٢٥٠٣۔

❷ صحيح بخاری، كتاب التفسير باب، اولئك الذين كفروا بآيٰت ربهم ولقائه ......الخ، حديث نمبر(٤٨٨١)، صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، الباب الأول، حديث (٢٨٢٦)۔

❸ سلسله صحيحه(١٩٧٨)، یہ مضمون حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ صحيح الترغيب والترهيب، ألبانی، حديث (٣٧٦٧)، آیت کے اضافہ کے بغیر یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے۔ صحيح بخاری كتاب الجهاد والسير، باب فضل من رباط يوم فی سبيل الله، حديث (٢٨٩٢)، ص ٥٨٦۔

Marfat.com

"فَمَنْ زُحزِحَ عَنِ النَّارِ وَ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ" "پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے، بے شک وہ کامیاب ہو گیا۔"

عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: ((ما من مؤمن الا و أنا أولی الناس به فی الدنیا والآخرة: اقراء وا ان شئتم: النبی أولی بالمؤمنين من أنفسهم ، فأیما مؤمن ترك مالا فلیرثه عصبة من كانوا ، وان ترك دينا أو ضياعا ، فليأتنی ، فأنا مولاه۔)) ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ہر مومن پر تمام انسانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اگر چاہو تو پڑھو: "پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں۔" لہٰذا جو مسلمان بھی دولت ترکہ میں چھوڑے، عصبہ اس کے وارث ہوں گے، اگر قرض یا سامان اس کے ذمہ ہو اور اس حالت میں فوت ہو جائے تو اس کے ورثا 'میرے پاس آئیں' میں اس کا سرپرست بنوں گا۔"

صحابہ وتابعین کا طرز عمل

اس طرح کی بیسیوں احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان کرنے کے بعد اس کا قرآنی مصداق اور مقام تدبر واضح فرمایا ہے۔ ❷

نبی کریم ﷺ کے ان فرمودات اور اس طرز تفسیر وتدبر قرآنی سے استفادہ کرتے ہوئے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی اس منہج کو پسند کرتے اور بعض تابعین کا بھی یہی معمول دکھائی دیتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((والذی نفس محمد ﷺ بیده ، لا یسمع أحد من هذه الأمة یهودی أو نصرانی ثم یموت و یؤمن بالذی ارسلت به الا كان من أصحاب النار)) ❸

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اس امت کا کوئی یہودی ہو یا عیسائی ہو جو مجھے سن کر میری تعلیمات پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ جہنمی ہے۔"

اس حدیث کے بارے میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں جو بھی حدیث سنتا تھا، کتاب

---

❶ صحیح بخاری ، کتاب التفسیر ، باب سورة الأحزاب ، حدیث (٤٧٨١)، (٢٣٩٩)۔

❷ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: اصول تفسیر القرآن، عنایت اللہ اثری، ص ٦٦۔٦٧۔

❸ صحیح مسلم ، کتاب الایمان ، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس ، حدیث ١٥٣۔

Marfat.com

اللہ سے مجھے اس کا مصداق مل جاتا تھا لیکن جب میں نے یہ حدیث سنی تو میں اس مضمون کا مصداق کتاب اللہ سے تلاش کرنے لگا، بالآخر اس آیت مبارکہ میں مجھے اس کا مصداق مل گیا: ❶

﴿ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ ❷

''اور تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو، اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے۔''

امام ابن القیم کی صراحت

امام ابن القیم لکھتے ہیں:

((وکان السلف الصالح الطیب اذا سمعوا الحدیث وجدوا تصدیقه فی القرآن)) ❸

سلف صالحین طیبین جب کوئی بھی حدیث سنتے تھے تو اس کا مصداق قرآن مجید میں پالیا کرتے تھے۔

اور ایک جگہ صحابہ کے طرز عمل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وکان الصحابة أحرص شئی علی استنباط أحادیث رسول الله ﷺ من القرآن۔ ومن ألزم نفسه ذالك و قرع بابه و وجه قلبه الیه واعتنی به بفطرة سلیمة وقلب ذکی رأی السنة کلها تفصیلا و تبیینا لدلالته وبیانا لمراد الله منه۔ وهذا أعلی مراتب العلم فمن ظفر به فلیحمد لله ومن فاته فلا یلومن الا نفسه وهمته وعجزه)) ❹

''صحابہ کرام، احادیث رسول کو قرآن مجید سے تلاش کرنے کے بہت خواہشمند رہتے تھے۔ جو شخص فطرت سلیمہ اور قلب ذکی کا مالک ہو، اور پھر ان سے لیس ہو کر، علم وعرفان کے اس دروازے پر دستک دے، دل کی راہوں کو اس طرف مرکوز کر دے۔ اس چیز کا بھرپور اہتمام کرے، اور مسلسل ایسے کرتا رہے، تو اس پر یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ حدیث وسنت کا تمام ذخیرہ قرآن مجید کی تفصیل وتبیین اور مراد الٰہی کی تشریح ہے۔ یہ علم کا عالی ترین مقام ہے، جسے یہ نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور جو اس سے محروم رہے، سو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے، اپنی کم ہمتی اور بے بسی کو کوسے۔''

⑩ تفسیر بالحدیث، حکم الٰہی اور تفسیری اختلافات کے لیے معیار اول

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کے متعلق اطاعت اور آپ ﷺ سے حاصل ہونے والی ہر

❶ تفسیر ابن کثیر، ٩٥٦٢، سلسلہ صحیحہ، البانی، (٣٠٩٣)۔
❷ هود، ١١: ١٧۔ ❸ اعلام الموقعین، ٢٦٨١۔ ❹ زاد المعاد، ٢١٦٢۔

Marfat.com

چیز کو اخذ کرنے کا ایک عمومی حکم صادر فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ ❶

''اور تمہیں جو کچھ رسول دے، لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔''

نیز تمام قسم کے اختلافات میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔ ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ ❷

''اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو، تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔''

یہ آیت مبارکہ اپنے عموم و شمول کے لحاظ سے ہر قسم کے اختلاف پر حاوی ہے۔

جس طرح فقہی اقوال میں سے بھی وہی قول معتبر اور قابل عمل ہے جس کی کتاب اللہ اور حدیث سے تصدیق ہوتی ہو، بالکل اسی طرح تفسیری اقوال میں سے بھی وہی تفسیر و تعبیر معتبر ہے جس کی تصدیق دیگر آیات اور احادیث سے ہوتی ہو۔

جیسے دیگر معاملات زندگی میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے خلاف بضد ہونا، منافی ایمان و اذعان اور باعث ضلالت و غوایت ہے، بعینہ اسی طرح تفسیری اختلافات میں کتاب اللہ کی دیگر آیات اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے صرف نظر کرنا باعث ضلالت اور منافی ایمان ہے۔

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ❸

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں، ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔''

---

❶ الحشر، ٥٩:٧۔

❷ النسآء، ٤:٥٩۔

❸ الأحزاب، ٣٣:٣٦۔

Marfat.com

(۱۱) تفسیر بالحدیث امت کے سواد اعظم کا اجماعی تعامل

نزول قرآن کے عہد مسعود سے لے کر عہد صحابہ وتابعین سے ہوتے ہوئے آج تک امت اسلامیہ کا تفسیری ورثہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ تفسیر بالحدیث کو مفاہیم قرآن کی تعیین وتشریح میں اولین مقام حاصل ہے۔

(۱۲) تفسیر القرآن بالحدیث میں ایک خاص تاثیر ہے

قرآن مجید کی آیات مبارکہ میں ایسی روح پرور تاثیر ہے کہ مؤمنین صادقین کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، دل موم اور نرم پڑ جاتے ہیں۔

قرآن مجید کے بعد احادیث رسول میں بھی ایک خاص تاثیر ہے۔

تعمیر شخصیت اور اصلاح انسانیت کے جو انمول موتی تفسیر القرآن بالحدیث کی صورت میں ہاتھ آ سکتے ہیں وہ دوسرے انسانی کلام میں معدوم ہیں۔

***

Marfat.com

فصل ثالث

تفسیر القرآن باقوال الصحابة

تعارف

قرآن مجید کے الفاظ وکلمات ہوں یا اس کے مطالب ومعانی، مہبط وحی نبی اکرم ﷺ کی روایات ہوں یا آپ کے علوم ومعارف، ان سب کے امت تک منتقل ہونے کا اولین ذریعہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ باقی ساری امت کو مکمل دین اپنی ظاہری وباطنی، علمی وعملی اور نظریاتی وتطبیقی ہر شکل میں انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے ملا ہے۔ اس لیے بجا طور پر منہج تفسیر بالمأثور میں قرآن مجید کی صحیح تعبیر کے لیے خود قرآن اور صاحب قرآن کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال کو ایک عظیم مقام حاصل ہے اور سلف صالحین اس پر متفق نظر آتے ہیں۔

اس فصل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال کے حوالے سے اہم مباحث کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

***

Marfat.com

لفظ صحابہ کی لغوی تحقیق

① لغت میں لفظ ''صحابۃ'' صَحِبَ یَصْحَبُ بروزن سَمِعَ یَسْمَعُ سے مصدر کے طور پر مستعمل ہے۔ ''صاد'' کے فتح اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہی اس کی ادائیگی درست ہے۔ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

صَحِبَہٗ کَسَمِعَہٗ ، صَحَابَۃً وَیُکْسَرُ وَ صُحْبَۃً : عَاشَرَہٗ ❶

لغوی طور پر اس میں رفاقت اور ایک ساتھ زندگی بسر کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

لفظ ''صَحَابَہ'' لغوی طور پر ''صَاحِبُ'' کی جمع کے طور پر بھی مستعمل ہے اور صَاحِبٌ بمعنی رفیق ''ساتھی'' کے جموع درج ذیل اوزان پر وارد ہیں:

* اَصْحَابٌ
* اَصَاحِیْبُ
* صَحْبٌ
* صُحْبَۃٌ
* صُحْبَانٌ
* صِحَابٌ
* صَحَابَۃٌ (فتح کے ساتھ)
* صِحَابَۃٌ (کسرہ کے ساتھ) ❷

معلوم ہوا کہ لفظ صحابہ لغوی طور پر صاحب کی جمع کے لیے بھی مستعمل ہے اور اس کے صاد پر زبر اور زیر دونوں طرح درست ہے البتہ زبر زیادہ مستعمل ہے۔ ❸ بلکہ امام رازی نے جمع کے طور پر صرف زبر کے ساتھ ہی ضبط کیا ہے۔ ❹

نیز انہوں نے لکھا ہے:

لفظ ''صَحَابَۃٌ'' عربی زبان کا وہ واحد لفظ ہے جس کا مفرد صَاحِبٌ بروزن فاعل ہے اور جمع صَحَابَۃٌ بروزن فَعَالَۃٌ ہے۔ (یعنی اس کے علاوہ فاعل کی جمع فعالۃ کے وزن پر نہیں آتی۔) ❺

---

❶ القاموس المحیط، ۱۷۸۱۔

❷ ملاحظہ ہو: القاموس المحیط ، فیروز آبادی، ۱ ۱۸۷۔ بذیل مادہ ''صحب'' مختار الصحاح ، للرازی، ص۳۱۱ (بذیل مادہ ''صحب'')۔

❸ مختار الصحاح ، ص۳۱۱۔

❹ ایضاً ❺ ایضاً

Marfat.com

③ مصدر کے طور پر "صُحْبَةٌ" کا لفظ زیادہ مستعمل ہے، جبکہ "صاحب" کی جمع کے لیے "صحابہ" اور "اصحاب" زیادہ مستعمل ہے۔❶

④ راجح قول کے مطابق اس کا اطلاق صرف صحبت طویلہ پر ہی نہیں، بلکہ ہر قسم کی صحبت پر ہوتا ہے۔طویل ہو یا قصیر، کثیر ہو یا قلیل۔❷

صحابی کی اصطلاحی تعریف

معروف مفسر، مؤرخ اور محدث امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((والصحابی من رأی رسول الله ﷺ فی حال اسلام الرائی ، وان لم تطل صحبته له ، وان لم یرو عنه شیئا ، هذا قول جمهور العلمآء خلفا و سلفاً۔))❸

صحابی ہر اس شخص کو کہتے ہیں جس نے بحالت اسلام نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت کی ہو، اگرچہ اسے طویل رفاقت حاصل نہ ہو سکی ہو اور اس نے کچھ بھی آپ سے روایت نہ کیا ہو۔ اسلاف واخلاف میں سے اکثر علما کا یہی قول ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((من صحب النبی ﷺ أو راٰہ من المسلمین فھو من أصحابه۔))❹

جس نے مسلمانوں میں سے نبی ﷺ کی صحبت پائی ہو یا آپ ﷺ کو دیکھا ہو وہ صحابی ہے۔

امام بخاری، علی ابن المدینی، احمد بن حنبل، ابوزرعہ، ابن عبدالبر، ابن مندہ، ابن الأثیر، ابن حجر جیسے اساطین علم وفن، وسیرت نگاران صحابہ کی یہی رائے ہے۔❺

صحابہ کرام کے عہد مبارک میں حلقات قرآن ودرس وتدریس میں اصول تفسیر کے مباحث اپنی فطری سادگی میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اور تفسیرات صحابہ میں یہ اصول مستعمل تھے۔ جس خوبصورتی اور فطری سادگی میں یہ اصول مستعمل تھے اس کی چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

① ((عن نافع قال کان ابن عمر رضی الله عنهما اذا قرأ القرآن لم یتکلم حتی

---

❶ حاشیہ تدریب الراوی، عبدالوهاب عبداللطیف، ۲۰۶۲۔

❷ تفصیل کے ملاحظہ ہو: الکفایة فی علم الروایة، للخطیب البغدادی، ص۶۳۔

❸ اختصار علوم الحدیث، ۴۹۱۲۔

❹ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔ باب فضل اصحاب النبی ﷺ، ص۶۱۲۔

❺ ملاحظہ ہو: الکفایة فی علم الروایة، الخطیب البغدادی، ص۶۲، اختصار علوم الحدیث، ابن کثیر، ۴۹۲۲، فتح الباری، ابن حجر، ۳۷۔

Marfat.com

يفرغ منه، فأخذت عليه يوما۔ فقرأ سورة البقرة حتى انتهىٰ الى مكان، فقال: تدري فيم أنزلت ؟ قلت: لا: قال: أنزلت في كذا و كذا ۔ ثم مضىٰ))❶

''نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تو فراغت سے پہلے کسی سے بات نہ کرتے، ایک روز میں آپ کے پاس جا پہنچا۔ آپ نے سورۃ بقرہ کی تلاوت کی، چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچے تو مجھ سے گویا ہوئے۔ جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا: یہ اس اور اس بارے میں نازل ہوئی۔ پھر تلاوت کا سلسلہ جاری رکھا۔''

دیکھیے کس خوبصورتی سے صحابی رسول اپنے شاگرد کو تفسیر قرآن میں سبب نزول کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۲) عکرمہ کہتے ہیں: ﴿ وَكَاْسًا دِهَاقًا ۝﴾❷ ملأی متتابعة یعنی مسلسل چھلکتے جام، مزید فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں نے دور جاہلیت میں اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا: "اسقنا کأسا دهاقاً" (بیٹے! بھرا ہوا جام پلاؤ)❸

لغت کے ساتھ تفسیر کا اصول کس منفرد انداز میں دکھائی دے رہا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝﴾❹ کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

"کنا نرفع الخشب ثلاثة اذرع او اقل فنرفعه للشتآء فنسميه القصر"❺

ہم لوگ تین ہاتھ اونچی یا اس سے کچھ کم لکڑی اٹھایا کرتے اور اسے سردی کے موسم کے لیے تیار رکھتے، اس لکڑی کو ہم "القصر" کہا کرتے تھے۔

صحابی رسول نے جس دقت نظر سے عرب ماحول کا ملاحظہ کیا اور ان کے عربی استعمالات کو محفوظ رکھا وہ بعد کے ادوار میں ناممکن ہے۔ عربی استعمالات کی روشنی میں غریب القرآن کی تفسیر اس سے بہتر نہیں کی جا سکتی۔

(۴) اس عہد میں تفسیر اور اصول تفسیر کس حد تک فکر و تدبر کا مرکز تھے اس کا ایک سرسری اندازہ مجاہد بن جبیر☆ کی مساعی سے لگایا جا سکتا ہے۔

---

❶ صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب (نساؤكم حرث لكم) حديث ٤٥٢٦

❷ سورة النباء ٧٨:٣٤۔

❸ صحيح بخاری، كتاب مناقب الانصار، باب ايام الجاهلية، حديث ٣٨٣٩۔

❹ سورة المرسلات ٣٢: ٧٧۔

❺ صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب كأنه جمالات صفر، حديث ٤٩٣٣۔

☆ خلافت فاروقی میں ۲۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ معروف مفسر اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ (دیکھیے، تہذیب التہذیب، ابن حجر، ۴۲۱۰)

Marfat.com

((عرضت القرآن علی ابن عباس ثلاثین مرة)) ❶

''میں نے حضرت عبداللہ بن عباس پر تیس مرتبہ قرآن مجید پڑھا''

نیز فرماتے ہیں:

((عرضت القرآن علی ابن عباس ثلاث عرضات ، أقف عند کل آیه ، أساله فیم نزلت ، وکیف کانت؟)) ❷

میں نے حضرت عبداللہ بن عباس پر تین دفعہ قرآن مجید پڑھ کر پیش کیا، ہر ہر آیت پر ٹھہرتا، اور پوچھتا کہ یہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کیسے؟

مطلب یہ ہے کہ تیس دفعہ ضبط وتجوید اور قراءات کی خاطر سنایا اور تین دفعہ تفسیر وتشریح کے لیے۔ ❸

حاصل کلام یہ ہے کہ علم اصول تفسیر ابتدائی طور پر عہد صحابہ میں بطریق تلقی وروایت تشکیل پا رہا تھا اور شفوی طور پر تفسیر قرآن کے حلقات میں ارتقاء پذیر تھا۔

ان اولین مبارک حلقات میں تفسیر قرآن مجید جن اصول وضوابط کے تحت سکھائی جا رہی تھی وہی حقیقی اصول تفسیر ہیں۔ انہی پاکباز نفوس کے طے کردہ نقوش علم اصول تفسیر میں بنیاد کا کام دے رہے ہیں۔

شفوی مرحلہ میں تفسیر واصول تفسیر کے چار مراکز

اس مرحلے میں تفسیر واصول تفسیر کے چار بڑے مراکز صحابہ وتابعین سے آباد تھے۔

* مکہ مکرمہ
* بصرہ
* کوفہ
* مدینہ منورہ

① مکہ مکرمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ

مکہ مکرمہ میں تفسیری خدمات کی سعادت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ کو حاصل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے جب کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام

---

❶ میزان الاعتدال، ۹۳۔

❷ تہذیب التہذیب، ابن حجر، ۴۲۱۰۔

❸ مقدمة التحقیق، اللباب فی علوم الکتاب، عادل احمد عبدالموجود، علی محمد معوض، ۴۵۱۔

Marfat.com

شعب ابی طالب میں محصور تھے۔آپ نے اپنی لعاب مبارک سے ابن عباس کو گڑھتی دی ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ تھیں۔

اس لیے ان کو زیادہ قرب سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے استفادہ کا موقع ملا۔ ابھی یہ نوجوان ابن عباس رضی اللہ عنہ تیرہ سال کے تھے کہ نبی علیہ السلام وفات پا گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کبار صحابہ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت استفادہ کیا۔70 سال کی عمر میں 68ھ میں طائف میں ان کا جسد مبارک سپرد خاک کیا گیا۔ ❶

اس مرکز میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نامور شاگردوں نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔ جن میں تین شخصیات سرفہرست ہیں:

① **سعید بن جبیر بن ہشام الأسدی:** ❷

حبشی النسل تھے۔ کبار تابعین میں سے تھے۔ جناب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے اس شاگرد رشید پر اس قدر اعتماد فرماتے کہ بعض دفعہ اپنی موجودگی میں درس وتدریس کی ذمہ داری سونپ دیتے۔ ❸

94 ہجری میں حجاج کے ہاتھوں شہید کروائے گئے۔ ❹

② **مجاہد بن جبیر المکی:**

خلافت فاروقی کے دوران 21 ہجری میں پیدا ہوئے۔ سرزمین پاک مکہ مکرمہ میں بحالت سجدہ 103 یا 104 ہجری (باختلاف روایات) میں وفات ہوئی۔ جب کہ ان کی عمر 83 سال تھی ❺ حضرت سفیان ثوری ارشاد فرمایا کرتے تھے:

"اذا جآء ك التفسير عن مجاهد فحسبك به" ❻

''مجاہد کی تفسیر تمہیں مل جائے تو تمہارے لیے کافی ہے۔''

③ **عکرمہ مولی ابن عباس متوفی 104 ہجری**

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے اس غلام شاگرد رشید کو اپنا علم پھیلانے کے لیے تربیت دیتے اور وقتاً فوقتاً ہدایات جاری فرماتے کہ درس تفسیر کیسے ہونا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رحمہ اللہ سے فرمایا:

((حدث الناس كل جمعة مرة ، فان أبيت فمرتين ، فان أكثرت فثلاث

---

❶ دیکھیے: التفسیر و المفسرون ، الذهبی ، ٤٦١ـ ٤٧ـ

❷ دیکھیے: طبقات ابن سعد ٢٥٦ ، تهذيب التهذيب، ٢٩٢ـ الاعلام، للزركلی ، ١٤٥٣ـ

❸ طبقات ابن سعد ، ٢٥٧٦ـ ، وفيات الاعيان ، ٢٠٤١ـ

❹ ایضاً

❺ دیکھیے: طبقات ابن سعد ٤٤٦٥ ، تهذيب التهذيب ٤٢١٠ ، البدايه والنهاية ، ٢٣٢٩ـ

❻ مقدمة فی اصول التفسیر ، ابن تيميه ، ص٤٨ـ

Marfat.com

مرات ، ولا تمل الناس هٰذا القرآن)) ❶

لوگوں کو ہفتہ وار، نہیں تو ہفتہ میں دو مرتبہ، زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ درس دیا کرو۔ اس قرآن کے بارے لوگوں کو اکتاہٹ نہ پیدا ہونے دیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے عکرمہ میں ذہانت و فطانت کے آثار دیکھے اور چاہا کہ تعلیم کہ طرف توجہ دے بلکہ جبر کی حد تک ان کی تعلیم کا انتظام کیا۔ عکرمہ کا اپنا بیان ہے۔

((كان ابن عباس يضع فی رجلی الكبل علی تعليم القرآن والسنن)) ❷

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن اور احادیث کی تعلیم کے لیے میرے پاؤں میں زنجیر ڈال دیتے تھے۔"

④ طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی 106 ہجری

طاؤس رحمہ اللہ کا شمار طبقہ اول کے کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ 40 مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی اور مکہ مکرمہ میں دوران حج ہی وفات پائی۔ ❸

ان کا میلان فقہ کی طرف زیادہ تھا اس لیے ان سے تفسیری اقوال بہت کم منقول ہوئے۔ بلکہ اس بنا پر علما ان کا شمار مفسرین کی بجائے فقہا میں کرتے ہیں۔ ❹

⑤ عطاء بن ابی رباح متوفی 114 ہجری:

خلافت عثمان میں پیدا ہوئے اور انہوں نے دوسو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عہد پایا۔ ❺

مکہ مکرمہ کے کبار تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے مسائل حج کے بہت بڑے عالم تھے۔ ستر حجوں کی سعادت حاصل کی۔ ❻

ان سے بھی تفسیری روایات بہت کم منقول ہیں۔ کیونکہ ان کا رجحان غالب بھی فقہ اور افتاء کی طرف تھا۔ اور تفسیر میں کچھ کہنے سے انتہا درجہ احتیاط کرتے تھے۔ ❼

جو تفسیری اقوال ان سے منقول ہیں وہ زیادہ تر آیات احکام اور بالخصوص مسائل حج سے متعلقہ ہیں۔ ❽

---

❶ دیکھیے: میزان الاعتدال، للذهبی، ۹۳۔، سیر اعلام النبلاء، الذهبی، ۵ ۲۲ تهذيب التهذيب، ابن حجر، ۲۶۷۷ ، هدی الساری، ابن حجر، ص ۴۲۷۔

❷ البداية والنهاية، ۲۵۵۹۔ ❸ أيضًا، ۲۴۴۹۔

❹ تهذيب التهذيب، ۸۵-۱۰۔

❺ تهذيب الكمال، مزی، ۷۷۲۰، تهذيب التهذيب، ابن حجر، ۲۰۰۷،

❻ وفيات الأعيان، ابن خلكان، ۲۶۳۳، تهذيب التهذيب، ۳۳۳۱، تاريخ دمشق، ۶۴۱۱۱۔

❼ تفسير التابعين، الخضيری، ۱۸۵۱۔ ❽ ايضاً، ۱۹۱۱۔

Marfat.com

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وأما التفسير فأعلم الناس به اهل مكة لأنهم أصحاب ابن عباس، كمجاهد وعطاء ابن ابى رباح و عكرمة مولىٰ ابن عباس وغيرهم من أصحاب ابن عباس كطاؤس و ابى الشعثاء سعيد بن جبير))❶

اس پر مستزاد یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ صرف مکہ مکرمہ میں قیام پذیر نہیں رہے بلکہ انہوں نے مختلف بلاد اسلامیہ میں تفسیر کی نشر واشاعت کی۔

سعید بن جبیر نے ''رے'' کی طرف سفر کیا اور علم پھیلایا۔ مجاہد بن جبیر نے بھی مکہ سے باہر کئی اسفار طے کیے۔ طاؤس یمن میں قیام پذیر رہے۔ عکرمہ خراساں، عراق، یمن، شام، مصر اور مدینہ منورہ جیسے بلاد اسلامیہ میں علم کی اشاعت کرتے رہے۔❷

مدینہ منورہ: ① ابی ابن کعب الانصاری۔ ② زید بن ثابت الانصاری

مدینہ منورہ کے اسلامی مرکز و مدرسۂ تفسیر کی تاسیس حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر ہوئی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخصص فی القراءۃ کی ڈگری اپنی زبان نبوت سے عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اقرء هم لكتاب الله ابى بن كعب۔''❸

''کتاب اللہ کی قراءت میں سب سے زیادہ ماہر ابی بن کعب ہیں۔''

خود اللہ تعالیٰ نے ان کی شاگردی کو پسند کیا۔

حضرت انس کہتے ہیں: ((ان النبى ﷺ قال لابى بن كعب، ان الله امرنى ان اقرء عليك "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" قال وسمانى؟ قال: نعم فبكىٰ))❹

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی سے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم صادر فرمایا کہ میں تمہیں سورہ "لم يكن الذين كفروا" سناؤں، حضرت ابی نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے، آپ

---

❶ مقدمة فى أصول التفسير، ابن تيميه، ص۲۳۔

❷ مقدمة اللباب فى علوم الكتاب، ۱ ۵۱۱۔

❸ جامع ترمذى، كتاب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل و زيد بن ثابت و أبى بن كعب، و أبى عبيدة بن الجراح رضى الله عنهم، قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح، حديث (۳۷۹۱)، ص۸۶۰۔

❹ جامع الترمذى، كتاب المناقب، باب من فضائل أبى بن كعب، حديث (۳۸۹۸)، ص، مسند احمد، ۵ ۱۳۱۔۱۳۲، قال ابن حجر فى الفتح، ۱۱ ۲۵۷۔ "سنده جيد"۔ قال الترمذى،: هذا حديث حسن صحيح۔

Marfat.com

نے فرمایا: جی ہاں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ رو دیے۔''

حضرت ابی بن کعب کو ''سید القراء'' کہا جاتا ہے۔❶ ان ستر انصاریوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعت عقبہ کی❷ ان کی تاریخ وفات کے بارے میں بہت سارے اقوال ہیں۔ اکثر یہی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کے عہد خلافت میں فوت ہوئے۔❸

(۲) زید بن ثابت الأنصاری

مدینہ منورہ میں دوسرے عظیم مدرس زید بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔❹ 15 دن میں انہوں نے سریانی زبان سیکھی۔❺ 45ہجری میں وفات پائی۔❻

لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا طبعی میلان قراءت اور علم الفرائض کی طرف تھا۔ اس لیے ان دونوں علوم میں بہت فائق تھے۔❼ بالخصوص علم الفرائض میں تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شہادۃ التخصص دیتے ہوئے فرمایا: ((أفرضكم زيد))❽

تفسیر ابن کثیر میں ان میں سے صرف 12 اقوال مروی ہیں جن میں سے پانچ فقہی مسائل میں ہیں۔ جب کہ تفسیر قرطبی میں ان سے کل 13 آثار مروی ہیں، جن میں سے 10 فقہ میں اور 3 قراءت میں ہیں۔❾

مدرسہ مدنیہ کا عمومی رجحان

مدینہ منورہ میں شیوخ (صحابہ کرام) اور ان کے تلامذہ کا عمومی رجحان تفسیر میں انتہا درجہ احتیاط کا تھا۔

---

❶ تهذيب التهذيب، ١٨٧١، اسد الغابة، ٤٩١-٥١۔ ❷ ایضاً

❸ التفسير والمفسرون الذهبى، ٦٣١۔

❹ دیکھیے: طبقات ابن سعد، ٢ ٣٥٨، الاستيعاب، ابن عبدالبر، ١ ٥٥١، الاصابة، ابن حجر۔ ٥٥٢١۔

❺ مسند احمد ١٨٦٥، سنن ابى داؤد، كتاب العلم، باب رواية حديث اهل الكتاب، حديث (٣٢٤٥)، ص٥٣٣، جامع ترمذى، كتاب الاستئذان، باب ما جآء فى تعليم السريانية حديث (٢٧١٥)، ص٦١٥، المعجم الكبير، للطبرانى، حديث (٤٨٥٦، ٤٨٥٧)

❻ الاستيعاب لابن عبدالبر، ٥٥٣١۔ ❼ تهذيب الكمال، المزى، ٢٩١٠۔

❽ جامع الترمذى، كتاب المناقب، باب مناقب معاذبن جبل وزيد بن ثابت و أبى بن كعب و ابى عبيدة بن الجراح رضى الله عنهم، حديث(٣٧٩١)، ص٨٦٠، قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح۔ نیز دیکھیے: حديث (٣٧٩١)

❾ تفسير التابعين، الخضيرى، ٢١٠١۔

Marfat.com

عبیداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں:

((لقد ادرکت فقهاء المدینة ، وانهم لیعظمون القول فی التفسیر))❶

میں نے اپنی زندگی میں فقہاء مدینہ کو پایا ہے کہ وہ تفسیر میں بات کرنے کو بہت بڑا (حرج) سمجھتے تھے۔

دوسری طرف اہل مدینہ کا رجحان غالب اور طبعی میلان، فقہ، سیرت، مغازی، اور احادیث و آثار میں زیادہ تھا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((أعلم الناس بالمغازی اهل المدینه...... فأهل المدینة أعلم بهم لأنها کانت عندهم))❷

مدینہ والے سیر و مغازی کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ اس لیے کہ غزوات ان کے ہاں وقوع پذیر ہوتے رہے۔

ان وجوہات کی بنا پر مدینہ منورہ میں رہائش پذیر کبار صحابہ وتابعین کا تفسیری ورثہ بہت کم ہے۔❸

مدینہ منورہ کی تفسیری روایات زیادہ تر بعد کے تابعین محمد بن کعب القرظی اور زید بن اسلم سے مروی ہیں۔❹

***

❶ تفسیر الطبری، ۱/ ۸۵۔

❷ مقدمة فی اصول التفسیر، ۲۱، ۲۲۔

❸ تفسیر التابعین ، الخضیری، محمد بن عبدالله، ۲/ ۷۲۳۔

❹ ایضاً۔

Marfat.com

تفسیر القرآن بأقوال الصحابۃ کی اہمیت

① صحابہ کرام قرآن مجید کے اولین مخاطب ہیں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے، ان کے عہد مسعود میں جبریل علیہ السلام وحی لے کر اترتے رہے، صاحب وحی علیہ الصلاۃ والسلام کی کیفیات کا مشاہدہ کیا، انہوں نے زمین پر کوئی کام سر انجام دیا تو آسمان سے اس کی تصدیق وتائید اور تحسین وتصویب اتری۔ بعض دفعہ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی تو آسمان سے اس پر زجر وتوبیخ آیات الٰہی کی صورت میں نازل ہوئی۔ بسا اوقات تو ان کی رائے اور تجویز اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید کا حصہ بنا دیا۔ مزید برآں وہ خود اہل زبان تھے، ان کے دماغ عربی کلام کے مخزن، اور ان کے سینے عرب ماحول کے امین تھے، وہ نہ صرف اسالیب زبان سے واقف تھے بلکہ زبان وبیان کے ملابسات، خفی ولطیف اشارات اور "مقتضی الحال" سے صرف وہی کامل طور پر آگاہ تھے۔ سب سے بڑھ کر ان کی صفاء طبعی، طہارت قلبی، بلند فکری، عالی ہمتی، حب قرآنی اور صحبت نبوی ﷺ نے ان کے فہم قرآن، تفسیر قرآن اور تدبر فی القرآن کو وہ مقام عطا کیا جو بعد والوں کو کبھی بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔

یہ سب حقائق واضح طور پر صحابہ کے تفسیری اقوال کی ضرورت واہمیت پر دلالت کرتے ہیں۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فقہی حوالے سے صحابہ کے علم وفہم اور ان کے افادات کی اہمیت وناگزیریت پر چھیالیس دلائل قائم کیے ہیں۔ ❶

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اولین عاملین بالقرآن ہیں

صحابہ کرام کی عملی زندگی میں قرآن ہی دستور وآئین تھا۔ اس کتاب آئین کا ایک ایک حکم ان کی زندگی میں بالفعل جاری وساری تھا۔ ان کے لیے حلال وہی تھا، جو اس میں حلال کر دیا گیا اور حرام بھی وہی تھا جو اس میں حرام قرار پا گیا۔ فن تعلیم وتربیت اور ماہرین نفسیات کے ہاں یہ معروف اصول ہے کہ عمل سے علم میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔

---

❶ اعلام الموقعین، ابن القیم، ۵/ ۵۴۰ تا آخر، ۶/ ۵-۲۰۔

Marfat.com

بالخصوص قرآن مجید کے احکام ومعارف پر عمل کرنے سے تو اللہ کی طرف سے ایک خاص قوت فہم نصیب ہوتی ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ﴾ ❶

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

((ان من اتقى الله بفعل أو امره و ترك زواجره ، وفق لمعرفة الحق من الباطل......)) ❷

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ❸

اس عمل بالقرآن ہی کی برکت تھی کہ بعض صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے غیبی القاء والہام کی نعمت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں حق اترا اور ان کی زبان پر حق جاری ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((قد كان فيمن خلا من الأمم محدثون ، فان يكن فى أمتى أحد فهو عمر)) ❹

”تم سے پہلی امت میں کچھ لوگ ملہم ہوتے تھے، میری امت میں سے اگر کوئی ہے تو عمر رضی اللہ عنہ ہے۔“

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے

قرآن مجید کے صحیح فہم اور اس سے حصول ہدایت صرف زبان دانی، وسیع ثقافت اور متفرق علوم پر ہی منحصر نہیں، بلکہ فہم قرآن کے لیے بنیادی شرط تقوی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ❺ نیز فرمایا ﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ﴾ ❻

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ اس صفت سے تمام لوگوں کی بہ نسبت زیادہ متصف تھے، اسی وجہ سے ان کا فہم قرآن بھی تمام لوگوں سے زیادہ تھا۔ جس طرح وہ تقویٰ میں سب سے ممتاز اور اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اسی طرح نسبت تفسیر قرآن میں بھی وہ سب سے ممتاز اور اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ صحابہؓ کرام تقویٰ کے جس مقام پر فائز تھے،

---

❶ الانفال، ۸: ۲۹۔ ❷ تفسیر ابن کثیر ، ۲/ ۱۳۲۔

❸ الحدید، ۵۷: ۲۸۔

❹ دیکھیے: صحیح مسلم ، فضائل الصحابة ، باب من فضائل عمر ، حديث ۲۳۹۸ ، یہ حدیث صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے (دیکھیے: حدیث ، ۳۴۶۹-۳۶۸۹)

❺ البقرة ، ۲: ۲۔ ❻ البقرة ، ۲: ۲۸۲۔

Marfat.com

اس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انتہائی خوبصورت پیرائے میں بیان فرمائی ہے۔

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ﴾ ❶

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کا فہم قرآن خالصتاً تقویٰ وللّٰہیت پر مبنی تھا۔ دیگر نظریاتی و عملی اور ماحولیاتی آلائشوں سے بالکل پاک وصاف تھا۔ جب کہ بعد کے مفسرین کے بارے میں اس طرح کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

④ صحابہ کرام تبلیغ قرآن کے لیے انتخاب الٰہی ہیں

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ﴾ ❷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"هُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم اصطفاهُمُ اللّٰهُ لِنَبِيِّهِ" ❸

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منتخب فرمایا۔ جس طرح قرآن کے الفاظ پہنچانے کے لیے صحابہ منتخب ہوئے، اسی طرح قرآن کے مفاہیم و معانی پہنچانے کے لیے بھی وہی پسند کیے گئے اور مکمل دین منتقل کرنے کے لیے بھی وہی چن لیے گئے۔

صحابہ کرام، ذہن و فطین، سریع الفہم، فصیح اللسان، خالص النیت اور سلیم الفطرت تھے۔ حصول دین اور فہم قرآن ان کے لیے انتہا درجہ سہل و آسان تھا۔ فہم قرآن کے لیے دواوین و معاجم کے محتاج تھے اور نہ قواعد نحو و صرف کے، انہیں اسانید میں تحقیق کی حاجت تھی، نہ رجال و رواۃ کے حالات کھنگالنے کی بلکہ ان کی ساری قوتیں براہ راست فہم قرآن پر مجتمع تھیں۔

عصر حاضر کے علوم و فنون کی بھرمار سے ان کا ذہن بھرا بھرا اور تھکا تھکا نہیں تھا۔ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ فہم قرآن میں متخصص تھے اور ظاہر ہے متخصص کا قول راجح اور قوی ہوتا ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام کسی آیت کی صحیح تاویل و تفسیر سے واقف نہ ہو سکے ہوں؟ جب کہ ان کے لیے معاونات فرش راہ تھے اور رکاوٹیں معدوم اور بعد کے مفسرین اس مطلب سے صحیح طور پر آگاہ ہو گئے ہیں، جب کہ ان کی راہ میں معاونات قلیل ہیں اور موانع کثیر۔ ❹

---

❶ الحجرات، ۴۹:۳۔ ❷ النمل، ۲۷:۵۹۔

❸ مسند البزار، بحوالہ: تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۵۰۳، امام ہیثمی فرماتے ہیں: اس قول کی سند میں ایک متروک راوی ہے، مجمع الزوائد، الهيثمي، ۷/ ۹۰۔

❹ ملاحظہ ہو، اعلام الموقعين، ابن القيم، ۶ ۲۲۶-۲۳۔

Marfat.com

⑥ صحابۂ کرام کا شوق قرآن فہمی اور تعلق بالقرآن

صحابۂ کرام قرآن مجید سے حد درجہ شغف اور محبت رکھتے تھے، دن کے اطراف میں اور رات کی ساعات میں قرآن ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ کبھی مسجد نبوی کے حلقات میں اور کبھی قیام اللیل میں، قرآن مجید پر تدبر کے جس قدر مواقع انہیں میسر تھے بعد والوں کے لیے اس قدر ممکن نہیں رہے۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((انی لأعرف أصوات رفقة الأشعريين بالقرآن حين يدخلون بالليل، و أعرف منازلهم من أصواتهم بالقرآن بالليل، وان كنت لم أر منازلهم حين نزلوا بالنهار))❶

''میں اشعری صحابیوں کی تلاوت کی آوازوں سے رات کے وقت انہیں پہچانتا ہوں، بلکہ بوقت صبح ان کی رہائش گاہوں کی پہچان بھی تلاوت کی آوازوں سے کرتا ہوں اگر چہ دن میں میں نے ان کی رہائش گاہیں نہیں دیکھی ہوتیں۔''

ان کی مجالس قرآن سے معمور رہتیں، اور یاد الٰہی کے لیے قرآن مجید کی تلاوت سے ہی دلوں کو آباد کرتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب جناب ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے:

ذَكِّرْنَا رَبَّنَا، ہمارے پروردگار کی یاد تازہ کیجیے۔

فيقرأ عنده القرآن تو وہ قرآن کی تلاوت فرماتے۔❷

ظاہر ہے رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کی موجودگی میں، مسجد نبوی کے حلقات میں قرآن سمجھنے والے صحابۂ کرام، اور رات کے قیام میں رب کے حضور قرآن کی تلاوتوں سے حظ اٹھانے والے یہ نفوس قدسیہ، ان کی تفسیرات وتشریحات سے کوئی مفسر کیسے مستغنی رہ سکتا ہے؟

⑦ صحابۂ کرام ہدایت یافتہ ہیں

صحابۂ کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہونے کی ضمانت دی جا چکی ہے۔

(والذين اهتدوا زادهم هدى و آتاهم تقواهم)❸

---

❶ صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب غزوة خيبر، حديث ۴۲۳۳۔ صحيح مسلم، فضائل الصحابه، باب من فضائل الأشعريين، حديث ۲۴۹۹۔

❷ سنن الدارمی، ۳۴۹۳۔

❸ محمد، ۴۷:۱۷۔

Marfat.com

⑧ صحابۂ کرام ہدایت کے درخشندہ ستارے ہیں

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((صلينا المغرب مع رسول الله ﷺ ، فقلنا: لو جلسنا حتى نصلي معه العشاء ، فجلسنا فخرج علينا ، فقال: مازلتم ههنا؟ فقلنا: يا رسول الله ﷺ صلينا معك المغرب، ثم قلنا نجلس حتى نصلي معك العشاء ، قال: أحسنتم و أصبتم ، ورفع رأسه الى السمآء وكان كثيراً ما يرفع رأسه الى السمآء ، فقال: النجوم أمنة للسمآء ، فاذا ذهبت النجوم أتى السمآء ماتوعد وأنا أمنة لأصحابي فاذا ذهبت اتى أصحابي ما يوعدون ، وأصحابي أمنة لأمتي ، فاذا ذهب أصحابي أتى أمتي ما يوعدون۔))❶

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح آسمان پہ چمکنے والے ستارے اہل زمین کے لیے روشنی فراہم کرتے ہیں، اسی طرح صحابہ بھی ہدایت کے روشن ستارے ہیں۔ظاہر ہے فہم قرآن میں بھی وہ اس صفت سے متصف ہیں اور عمومی طور پر فہم دین میں بھی۔❷

⑨ صحابہ کی تفسیر گمراہی سے بچاؤ کی ضمانت ہے

درج بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا وجود مسعود صحابہ کے لیے باعث امان ہے۔اور صحابہ کا وجود مسعود امت کے لیے باعث امان ہے۔جس طرح نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا وجود بابرکات اور آپ کے ارشادات وفرمودات شر وفساد سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں، اسی طرح امت کے لیے صحابہ کے اقوال بھی ضلالت وغوایت سے تحفظ کا ذریعہ ہیں۔تفسیر قرآن میں بھی اقوال صحابہ کی رہنمائی گمراہ تفاسیر سے بچاؤ کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔❸

⑩ صحابہ کا علم زیادہ معتبر ہے

جس طرح صحابہ کا ایمان بعد والوں کے ایمان سے زیادہ پختہ ہے،صحابہ کا انفاق بعد والوں کے انفاق

---

❶ صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب بيان أن بقاء النبي ﷺ أمان لأصحابه ، وبقاء أصحابه، أمان لأمته، حديث ۲۵۳۱۔

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:اعلام الموقعين، ۵۷۶۵۔

❸ دیکھیے:اعلام الموقعين، ۵۷۶۵۔

Marfat.com

سے بہت قیمتی ہے۔حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:((فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه))❶

اس طرح صحابہ کا علم وفہم بھی بعد والوں کے علم وفہم سے زیادہ بھاری اوروزنی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشادفرماتے ہیں:

((والله لو أن علم عمر وضع فى كفة ميزان، وجعل علم اهل الأرض فى كفتة لرجح علم عمر))❷

اللہ کی قسم! اگر عمر رضی اللہ عنہ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور سب اہل زمین کا علم دوسرے پلڑے میں،تو عمر رضی اللہ عنہ کا علم بھاری ہوگا۔

اسی طرح صحابہ کے تفسیری اقوال بھی بعد والوں سے زیادہ معتبر اوروزنی ہیں۔

یہ ساری تفصیلات صحابہ کے فقہی اقوال کی حجیت کے بارے میں نقل کی گئی ہے۔اورزیادہ تر اصول فقہ میں ان ہی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔جہاں تک صحابہ کے تفسیری اقوال کا مسئلہ ہے تو وہ بالاً ولیٰ حجت ہیں۔

***

❶ صحيح بخارى، كتاب فضائل اصحاب النبى، باب لو كنت متخذاً خليلاً، حديث نمبر (٣٦٧)، سنن ابن ماجه، كتاب الايمان وفضائل الصحابه، باب فضل اهل بدر، حديث: ١٦١ـ جامع الترمذى، كتاب المناقب، باب فى فضل من بايع تحت الشجرة، حديث ٣٨٦١ـ

❷ اعلام الموقعين، ١٢٦ـ

Marfat.com

صحابہ کے تفسیری اقوال کی حجیت

① کیونکہ فقہی اقوال میں صحابہ کے اجتہاد کا حصہ زیادہ ہے، جب کہ تفسیری اقوال میں صحابہ کے عینی مشاہدات، اسباب نزول، ملابسات کلام اور لغوی درایت کا عنصر غالب رہتا ہے اور یہ عنصر ان کے تفسیری اقوال کی اہمیت فقہی اقوال کی بہ نسبت دوچند کر دیتا ہے۔

② صحابۂ کرام تفسیر میں زیادہ محتاط تھے، بلکہ وہ تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اقوال کی روایت بالمعنی میں ہی بہت محتاط واقع ہوئے تھے۔ جب کہ تفسیر اللہ تعالیٰ سے روایت بالمعنی ہے، اس میں بدرجہ اتم ان کے یہاں احتیاط پائی جاتی تھی۔ تفسیر میں کوئی صحابی تب ہی لب کشائی کرتا تھا جب کہ یہ تفسیر اس کے نزدیک یقینی حد تک صحیح ہو۔

دلائل

منہج تفسیر بالماثور میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تفسیری افادات واقوال کو اپنانا صرف یہی نہیں کہ بہتر اور احسن ہے، بلکہ صحابہ کا منہج ہی فہم قرآن کی اساس اور بنیاد ہے۔ اس کے شرعی وعقلی دلائل درج ذیل ہیں:

① صحابۂ کرام نے تفسیر قرآن رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہے:

((حدثنا الذین کانوا یقرؤوننا۔ عثمان بن عفان۔ وعبداللہ بن مسعود وغیرھما۔ أفھم کانوا اذا تعلموا مع النبی ﷺ عشر آیات لم یجاوزوھا حتی یتعلموا ما فیھا من العلم والعمل۔))[1]

حضرت عثمان بن عفان، عبداللہ بن مسعود و دیگر ہمارے اساتذہ صحابہ جو ہمیں قرآن پڑھایا کرتے تھے، انہوں نے ہمیں بتلایا کہ جب وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے دس آیات سیکھ لیتے تو آگے نہ بڑھتے جب تک کہ ان آیات میں موجود علم و عمل کی بھی تعلیم حاصل نہ کر لیتے۔

② اگر صحابہ کرام کسی مقام کو سمجھنے میں دقت محسوس کرتے تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے استفسار فرماتے۔

---

[1] بغیة المرتاد ، ص۳۳۔

Marfat.com

جناب مسروق تلمیذ رشید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جناب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت ذیل کے بارے میں پوچھا:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ ❶

تو وہ گویا ہوئے: ((أما انا قد سألنا عن ذالك رسول الله ﷺ فقال: أرواحهم فى جوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاء ت ثم تأوى الى تلك القناديل)) ❷

ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کی روحیں سبز پرندوں میں منتقل ہو جاتی ہیں اور وہ پرندے عرش کی قنادیل سے لٹکے ہوتے ہیں۔ جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے رہتے ہیں پھر واپس ان ہی قندیلوں کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

③ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول مکرم ﷺ سے (من يعمل سوء أ يجزبه) ❸ کی تفسیر پوچھی۔ ❹

④ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے "فسوف يحساب حسابا يسيراً" ❺ کی وضاحت طلب کی تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے تشریح فرمائی۔ ❻

⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کلالہ کے بارے میں سوال کیا۔ ❼

اس لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وأما التفسير الثابت عن الصحابة والتابعين ، فذالك انما قبلوه لأفهم قد

---

❶ آل عمران ۳: ۱۶۹۔

❷ صحیح مسلم ، کتاب الجهاد، باب بيان ان ارواح الشهدآء فى الجنة ، وأنهم أحياء عند ربّهم يرزقون ، حديث (۱۸۸۷)، ص۸۴۵، الطبقات الكبرىٰ، ابن سعد، ۲ ۳۱۲، تفسیر طبری، ۸۰۱،

❸ النساء، ۴: ۱۲۳۔

❹ جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب تفسیر سورۃ النساء، حدیث نمبر: ۳۰۳۹۔

❺ الانشقاق، ۸۴: ۸۔

❻ صحيح بخارى ، كتاب العلم ، باب من سمع شيئا فرجع ، حديث۴۹۳۹ ، صحيح مسلم ، كتاب الجنة ، باب إثبات الحساب ، ۲۸۷۶ ۔

❼ صحيح مسلم ، كتاب الفرائض ، باب ميراث الكلالة ، حديث ۱۶۱۷۔

Marfat.com

علموا أن الصحابة بلغوا عن النبی لفظ القرآن و معانیه جمیعا کما ثبت ذالك عنهم))

((فقولنا بتفسیر الصحابة والتابعین لعلمنا بأنهم بلغوا عن الرسول ﷺ ما لم یصل الینا الا بطریقهم ، وأنهم علموا معنی ما أنزل الله علی رسوله ﷺ تلقیا عن الرسول فیمتنع أن نکون نحن مصیبین فی فهم القرآن وهم مخطئون وهذا یعلم بطلانه عادة و شرعاً))❶

② قرآن مجید کا تدریجی نزول فہم اور عمل کی خاطر ہوتا رہا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید تیئس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا۔❷ تا کہ اسے بخوبی سمجھا جا سکے اور اس کی ہر ہر آیت پر عمل بھی ہو جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ ﴾❸

''اور ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور یہ بھی حق کے ساتھ اترا، ہم نے آپ کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے اتارا ہے، کہ آپ اسے بہ مہلت لوگوں کو سنائیں اور ہم نے خود بھی اسے بتدریج نازل فرمایا۔''

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''انزال قرآن سے مقصود اصلی مطلب سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے جسے تدبر و تذکر کہتے ہیں۔لیکن اس کے نفس الفاظ وحروف بھی نور و برکت سے خالی نہیں۔'' (کتاب أنزلناه الیك مبارك لیدبروا آیاته ولیتذکر أولوا الألباب) (صٓ ، رکوع ۳) اس لیے سورتیں اور آیتیں جدا جدا رکھیں تا کہ وظیفہ کے طور پر تلاوت کرنا بھی سہل ہو اور سننے والوں کے لیے حفظ وفہم میں بھی آسانی رہے اور آہستہ آہستہ اس لیے اتارا کہ جیسے حالات پیش آئیں ان کے مناسب ہدایات حاصل کرتے رہیں تا کہ وہ جماعت جسے آگے چل کر تمام دنیا کا معلم بننا تھا، ہر آیت وحکم کے موقع محل کو بخوبی ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکے اور آنے والی نسلوں کے لیے کسی آیت کے

---

❶ بغیة المرتاد ، ص۳۳۲۔

❷ قول ابن عباس ، مستدرك حاکم ، ۲۶۸۲ ، قال صحیح الاسناد ، ووافقه الذهبی

❸ سورة الاسراء ، ۱۷: ۱۰۵- ۱۰۶۔

Marfat.com

بے موقع استعمال کی گنجائش نہ چھوڑے۔ ❶

اگر قرآن مجید کی تفسیر اور اس کے مطالب و معانی کو عہد نبوی میں بذریعہ جماعت صحابہ طے کرنا مقصود نہ ہوتا تو یکبارگی ہی نازل کر دیا جاتا اور یہ کفار کا مطالبہ بھی تھا۔ اگر اس واضح حقیقت کے باوجود تفسیر صحابہ اور فہم صحابہ کی کوئی اہمیت نہیں تو آخر تیئس سالہ مدت نزول کا تکلف چہ معنی دارد؟

③ صحابۂ کرام تنزیل وحی کے عینی شاہد ہیں

① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((والذی لا الہ غیرہ ، ما نزلت آیة من کتاب الله ، الا و أنا أعلم فیمن نزلت ، وأین نزلت ، ولو أعلم مکان أحد أعلم بکتاب الله منی تناله المطایا لأتیته)) ❷

''اس معبود برحق کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں! کتاب الٰہی کی ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ کس کے بارے میں اور کہاں نازل ہوئی؟ اگر میں اپنے سے زیادہ کتاب الٰہی کے بڑے عالم کے بارے جانتا ہوتا تو اسفار طویلہ کے بعد بھی میں اس تک ضرور پہنچتا۔''

② ابو طفیل سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ ارشاد فرمایا:

((سلونی عن کتاب الله ، فوالله ما من آیة الا وأنا اعلم أم بلیل نزلت أم بنهار ، أم فی سهل ، أم فی جبل۔)) ❸

''کتاب الٰہی کے بارے مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہو سو پوچھو! واللہ! میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ دن میں نازل ہوئی یا رات میں، میدان میں اتری یا پہاڑ میں۔''

ظاہر ہے جو شخص کسی گفتگو اور کلام کا عینی شاہد ہو، کلام کے دوران ہونے والے اشارات و ملابسات سے آگاہ ہو، قرائن و احوال سے بخوبی واقف ہو، اسباب و علل پر بھی اس کی نظر ہو اور وہ خود صاحب دیانت و امانت اور متقی بھی ہو تو ایسا شخص اس کلام کی جو وضاحت پیش کر سکتا ہے کسی بھی دوسرے شخص سے اس طرح کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

④ تفسیرات صحابہ کی اتباع باعث رضوان الٰہی ہے

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

❶ تفسیر عثمانی ص ۳۹۱۔ ، بذیل آیت مذکورہ

❷ تفسیر طبری ، ۱/ ۸۰

❸ تفسیر عبدالرزاق ، تفسیر سورة الذاریات ، ۲/ ۱۹۵ الجرح والتعدیل ، ابن ابی حاتم ، ۶/ ۱۹۱

Marfat.com

بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [1]

''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی اتباع کرنے والے شخص سے اپنی رضامندی اور جنت کا وعدہ کیا ہے اور اتباع کو مطلق رکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے اقوال، اعمال وافعال اور صحابہ کے نظریات یہ سب قابل اتباع ہیں۔ [2]

⑤ صحابہ کرام خیر القرون ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم)) [3]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بجا طور پر فرمایا ہے:

((كلما كان العهد بالرسول أقرب كان الصواب أغلب)) [4]

جیسے جیسے کوئی دور عہد رسول کے زیادہ قریب ہوگا، اسی نسبت سے اس میں صحت غالب رہے گی۔

اس لحاظ سے حدیث رسول کی روشنی میں خیر القرون مطلقاً بہتر ہیں۔ ان کا علم بھی سب سے بہتر ہے اور ان کا عمل بھی سب سے بہتر ہے۔ ان کی فقہی بصیرت بھی سب سے اعلیٰ ہے اور ان کی تفسیر بھی سب سے افضل ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ امت اسلامیہ کو قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر اپنے بہترین عہد میں تو سمجھ نہ آسکی ہو اور بعد میں آنے والوں کو سمجھ آ گئی ہو!

⑥ عہد صحابہ کے منہج تفسیر کا اپنانا وصیت رسول ہے

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

❶ التوبہ، ۹:۱۰۰۔ ❷ ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین، ۵/۵۶۲-۵۶۴۔

❸ صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۳۶۵۱، نیز دیکھیے حدیث ۶۴۲۸-۶۴۲۹۔

❹ اعلام الموقعین، ۵/۴۴۵

Marfat.com

وعظنا رسول الله ﷺ یوما بعد صلاة الغداة موعظة بليغة ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب ، فقال رجل: ان هذه موعظة مودِّع ، فماذا تعهد الينا يا رسول الله ﷺ ؟ قال ((أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة ، وان عبد حبشي ، فانه من يعش منكم يرى اختلافا كثيرا۔ واياكم و محدثات الأمور فانها ضلالة فمن أدرك ذالك منكم فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين ، عضوعليها بالنواجذ))[1]

''ایک روز رسول اکرم ﷺ نے ہمیں بعداز نماز فجر فصیح و بلیغ وعظ و نصیحت فرمائی، جس سے دل خوفزدہ ہوگئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، ایک صحابی نے عرض کی: یہ نصیحت ایسی ہے جیسے کوئی رخصت ہونے والا الوداعی پیغام دے رہا ہو، یارسول اللہ! آپ ہمیں کیا وصیت فرمانا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے خوف اور سمع و طاعت کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ تمہارا امیر ایک حبشی غلام ہی ہو، جو زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف کا مشاہدہ کرے گا، نئے نئے امور (دین) سے بچتے رہنا، بے شک وہ باعث گمراہی ہیں۔ جسے اس قسم کی صورت حال کا سامنا ہو، تو میری سنت، خلفائے راشدین مھدیین کی سنت کو تھام لینا، اس پر اپنی داڑھیں مضبوطی سے رکھ لینا۔''

اس حدیث مبارکہ میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے خلفاء راشدین مھدیین کے طریقہ کو لازم پکڑنے کی وصیت اور اسے انتہائی مضبوطی سے تھامنے کی تاکید فرمائی ہے۔ نیز سنت خلفاء راشدین کی اتباع کو مطلقاً لازم قرار دیا ہے۔ جس سے واضح پتہ چلتا ہے کہ فہم قرآن میں بھی خلفائے راشدین اور ان کے عہد مبارک کی اتباع ضروری ہے۔

(۷) صحابہ اہل زبان ہیں

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اکتساباً نہیں بلکہ طبعاً عربی زبان کے ماہر تھے، ان کی زبان دانی بر سبیل تعلم نہیں بلکہ بر سبیل سلیقہ وفطرت تھی۔ لغت کے اسالیب و رموز سے بخوبی آگاہ تھے اور لغت کے شانہ بشانہ ادلۂ شرعیہ سے بھی پوری طرح آشنا تھے۔ عربی لغت اور شریعت سے بیک وقت آگاہی صحابہ کی طرح نہ پہلے ہی کسی کو حاصل ہوسکی اور نہ بعد میں، اس حوالے سے بھی صحابہ کے تفسیری اقوال حجت لغویہ ہیں۔

---

[1] جامع الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع، حدیث ۲۶۷۶، ص ۶۰۷، قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح، ابو داؤد، کتاب السنة ، باب فی لزوم السنة، حدیث ۴۶۰۷، - ابن ماجه، المقدمه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین، ۴۲، صحیح ابن ماجه، البانی، حدیث ۴۰۔

Marfat.com

⑧ تفسیر صحابہ میں سماع ومشاہدات کے قوی احتمالات

اگر کوئی صحابی کسی آیت کی تفسیر پیش کرتا ہے تو اس میں درج ذیل امکانات ہو سکتے ہیں:[1]

① ممکن ہے صحابی نے وہ تفسیر براہ راست نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے سنی ہو۔

② ممکن ہے کسی دوسرے صحابی سے سنی ہو، اور اس صحابی نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے سنی ہو۔

③ یہ بھی امکان ہے کہ اسالیب لغت کی معرفت اور فطری لغوی صلاحیت کی بنا پر صحابی نے وہ تفسیر سمجھی ہو۔

④ صحابہ نزول وحی کے عینی شاہد تھے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی رفاقت مخورہ سے متصف تھے، اسباب نزول سے خوب آگاہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی قرینہ حالیہ اور مقتضائے کلام سے آگاہی کی بنیاد پر صحابی نے تفسیر کی ہو، جب کہ ہم عہد نبوت سے بُعد کی بنا پر ان قرائن واحوال سے اچھی طرح آگاہ نہ ہو سکے ہوں۔

⑤ یہ بھی امکان ہے کہ صحابہ کے ہاں وہ تفسیر معروف ہو، البتہ ہم تک اس شہرت کے ساتھ نہ پہنچ سکی ہو۔

⑥ ممکن ہے صحابی کا اجتہاد ہو جو خطا پر مبنی ہو۔ اس صورت میں وہ قول حجت نہیں ہوگا۔

درج بالا چھ احتمالات میں سے پہلے پانچ احتمالات ظن غالب کی حیثیت رکھتے ہیں اور ظن غالب شریعت میں حجت ہے۔ چھٹے احتمال کی صورت میں دیگر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں خطا واضح ہو سکتی ہے، جب کہ متاخرین کی تفاسیر میں یہ امکانات ناپید ہوتے ہیں۔

⑨ منہج صحابہ کی اہمیت خود اقوال صحابہ کی روشنی میں

① حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

((أیها الناس قد سننت لکم السنن، وفرضت لکم الفرائض، ترکتم علی الواضحة، الا أن تضلوا بالناس یمینا وشمالا وصفق باحدی یدیه علی الأخری، ثم قال :ایاکم أن تهلکوا عن آیة الرجم، أن یقول قائل: لا نجد حدین فی کتاب الله فقد رجم رسول الله ﷺ ورجمنا))[2]

لوگو! میں نے تمہارے لیے کچھ طریقے طے اور فرائض متعین کر دیئے ہیں، اور تمہیں ایک روشن راستہ دے کر جا رہا ہوں، دیکھنا کہیں دائیں بائیں ہو کر لوگوں کے ساتھ گمراہ نہ ہو جانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہاتھ دوسرے پر تالی کی طرح رکھتے ہوئے فرمایا:

دیکھنا! آیت رجم کو چھوڑ کر تباہ نہ ہو جانا، کوئی قائل یہ نہ کہہ دے:

---

[1] دیکھیے اعلام الموقعین، ۲۰۶/۱-۲۱، امام موصوف نے یہ احتمالات صحابی کے اجتہادات فقہیہ کے بارے میں وارد کیے ہیں۔

[2] الاعتصام، للشاطبی، ۵۹۱، صححه الشاطبی

Marfat.com

ہمیں کتاب اللہ میں دو حدیں نہیں ملیں، یاد رکھو! رسول اللہ ﷺ نے حد رجم جاری کی اور ہم نے بھی اسے جاری کیا۔

۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((یا معشر القراء ! اسلکوا الطریق فلئن سلکتموھا لقد سبقتم سبقا بعیداً ولئن أخذتم یمینا و شمالا لقد ضللتم ضلالا بعیداً)) ❶

اے علما قرآن کی جماعت! طے شدہ راستے پر گامزن رہو تو سبقت لے جاؤ گے! اور اگر تم نے دائیں بائیں چلنا شروع کر دیا تو دور کی گمراہی میں جا پڑو گے۔ صحیح بخاری میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول مختصراً مروی ہے۔

((یا معشر القراء استقیموا فقد سبقم سبقا بعیداً)) ❷

۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

ا۔ ((اتبعوا آثارنا و لا تبتدعوا فقد کفیتم۔)) ❸

"ہمارے نشانات راہ پر چلو! بدعات جاری نہ کرو، تمہارے حصے کا کام کیا جا چکا (یعنی نشان راہ تو متعین ہو چکا، تمہارے لیے بس اب چلنا باقی ہے۔"

نیز آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے۔

ب۔ ((علیکم بالعلم قبل أن یقبض ، وقبضه بذهاب اهله ، علیکم بالعلم فان أحدکم لا یدری متی یفتقر الی ما عنده ، وستجدون أقواما یزعمون أنهم یدعون الی کتاب الله وقد نبذوه وراء ظهورهم فعلیکم بالعلم وایاکم والتبدع التنطع والتعمق وعلیکم بالعتیق)) ❹

"علم کے رخصت ہونے سے پہلے علم حاصل کر لو، اہل علم کی وفات سے یہ رخصت ہو جاتا ہے، علم حاصل کرو، نا معلوم تمہیں کس موڑ پر اس کی ضرورت پیش آ جائے، عنقریب کچھ لوگ خیال کریں گے کہ وہ قرآن کے داعی ہیں، حالانکہ وہ قرآن مجید کو پس پشت ڈال چکے ہوں گے، لہٰذا علم سیکھو! نئی نئی اشیاء، بال کی کھال اتارنے، تعمقات و تکلفات سے بچو اور قدیم راستے پر گامزن رہو۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بار بار حصول علم کی ترغیب دے رہے ہیں، سیاق و سباق سے واضح طور پر محسوس

❶ کتاب الزهد، ابن المبارك، حدیث نمبر٤٦،

❷ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء، بسنة رسول الله ﷺ ، حدیث ٧٢٨٢،

❸ سنن دارمی، المقدمة، باب فی کراهیة أخذ الرأی، حدیث ٢٠٥ ، شرح السنة بغوی، باب رد البدع والأهواء، ١٨٦١۔

❹ سنن دارمی، مقدمه، باب من هاب الفتیا وکره التنطع والبدع، حدیث ١٤٢۔

Marfat.com

ہوتا ہے کہ وہ احادیث وآثار کو ہی علم کا نام دے رہے ہیں۔انہی کو علم حقیقی سمجھتے ہیں، تفسیر قرآن کی بنیاد بھی اس پر رکھنے کے قائل ہیں۔

ج۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک اور مقام پر انتہائی خوب صورت انداز میں آثار صحابہ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

((من كان منكم مستناً فليستن بمن قدمات ، فان الحى لاتؤمن عليه الفتنة ، أولئك أصحاب محمد ﷺ ، كانوا أفضل هذه الأمة ، أبرها قلوبا ، وأعمقها علماً ، وأقلها تكلفا ، قوم اختارهم الله لصحبة نبيه ، واقامة دينه ، فاعرفوا لهم فضهلم ، واتبعوهم فى آثارهم ، وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم ودينهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم)) ❶

تم میں سے جو بھی کوئی طریقہ اپنانا چاہتا ہے تو وہ اسلاف کا طریقہ اپنائے۔زندوں پر فتنوں کا خطرہ ہے، اسلاف وہ ہیں جو محمد ﷺ کے رفقا ہیں، وہ اس امت کے افضل ترین لوگ تھے، دل کے پاکیزہ، علم کے عمیق، تکلف سے بالا، وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت اور اقامت دین کے لیے پسند فرمایا، ان کا مقام ومرتبہ پہچانو۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج سے مناظرے کے دوران ان سے فرمایا تھا:

((جئتكم من عند المهاجرين والأنصار أصحاب رسول الله ﷺ وليس فيكم منهم أحد ، ومن عند صهر رسول الله ﷺ على ، ومن عند ابن عم رسول الله ﷺ وعليهم نزل القرآن ، وهم أعلم بتأويله)) ❷

”میں تمہاری طرف مہاجرین وانصار، اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آرہا ہوں، تم میں سے کسی کو شرف صحابیت حاصل نہیں، میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کے داماد علی اور رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد کی طرف سے آیا ہوں۔ان کے سامنے قرآن نازل ہوا، وہی لوگ اس کی تفسیر سب سے زیادہ جانتے ہیں۔“

کس خوبصورتی سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خوارج کو تفسیر صحابہ کی اہمیت سمجھا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ خوارج عہد صحابہ میں موجود تھے، لیکن اپنے فہم قرآن پر اعتماد اور خود ساختہ تفسیرات کی وجہ سے خطرناک گمراہی کا شکار ہو چکے

❶ جامع بيان العلم وفضله ، ابن عبدالبر ، ۲ ۱۱۹ ، مشكاة المصابيح ، كتاب الايمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ، حديث ۱۹۳ ،

❷ ابن عبدالبر ، جامع البيان العلم و فضله ، باب اثبات المناظره والمجادلة واقامة الحجة ، ۱۰۴۲۔

Marfat.com

تھے۔اس صورت حال میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں ایک اصولی موقف کی طرف دعوت دی کہ قرآن کو صحابہ سے سمجھیں، صحابہ ہی اسے سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔

⑤ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔"عليكم بالسبيل والسنة" ❶ صحابہ کے راستے اور سنت کو لازم پکڑو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل و دیگر صحابۂ کرام سے بھی اس طرح کے آثار مروی ہیں جن سے صحابۂ کرام کے آثار واقوال کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ❷

ان تمام آثار سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر قرآن یا فہم دین میں ایسے ایسے معانی ومفاہیم ایجاد کرنا، جو سلف صالحین یعنی صحابہ کرام کے اقوال اور مجموعی طور پر ان کے فہم دین سے معارض ہوں، بلاشبہ گمراہ کن بدعات کے زمرے میں آتے ہیں۔اگرچہ وہ تاویلات بعیدہ کے ذریعے قرآن مجید سے ہی کیوں نہ کشید کیے گئے ہوں۔

⑩ تابعین وائمہ دین کے نزدیک اقوال صحابہ کی حجیت

① حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا معروف قول ہے، جسے امام مالک و دیگر ائمہ سنت بہت پسند فرماتے تھے کہ:

((سن رسول الله ﷺ وولاة الأمر من بعده سننا ، الأخذبها تصديق لكتاب الله ، واستكمال طاعة لله ، وقوة على دين الله ، ليس لأحد تغييرها ولا تبديل ، ولا النظر في شئى خالفها ، من عمل بها مهتد ، ومن انتصر بها منصور ، ومن خالفها اتبع غير سبيل المؤمنين ، وولاه الله ما تولى ، وأصلاهٗ جهنم ، وساء ت مصيراً)) ❸

"رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد کے خلفاء نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں۔انہیں اپنانا کتاب الٰہی کی تصدیق، اطاعت الٰہی کی تکمیل اور دین الٰہی کی تقویت ہے۔کسی کو ان میں تبدیلی اور ترمیم کا حق حاصل نہیں، نہ ہی کسی کے لیے اس کے خلاف غور وفکر جائز ہے۔ان پر عمل پیرا ہونے والا راہ ہدایت پر ہے، ان کے ذریعے مدد حاصل کرنے والا منصور ہے اور ان کی خلاف ورزی کرنے والا سبیل المؤمنین سے ہٹا ہوا ہے۔جدھر وہ رخ کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف پھیر دیں گے، نیز اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ کتنا ہی برا ٹھکانا ہے۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوال صحابہ کو اپنانا کتاب الٰہی کی تصدیق کو مستلزم ہے۔

---

❶ كتاب الزهد ، ابن المبارك ، ص۳۹۷ ، حديث ۸۷ ، شرح السنة بغوى ، ۱۸۳۱۔

❷ ملاحظہ ہو:الاعتصام ، للشاطبى ، ۹۵ ، ۴۶۔ ❸ الاعتصام ، للشاطبى ، ۶۷۔

Marfat.com

⑩ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

"مالم یعرفه البدریون فلیس بالدین الدین"❶

جسے بدری صحابہ نہیں پہچانتے وہ دین ہی نہیں ہے۔

⑪ امت کا اجماعی تعامل

اقوال صحابہ پر بحث کرتے ہوئے امام شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وذالك أن السلف والخلف من التابعين ومن بعدهم يهابون مخالفة الصحابة ويكثرون بموافقتهم۔)) ❷

سلف وخلف میں سے تمام تابعین اور ان کے بعد آنے والے سب صحابہ کی مخالفت سے ڈرتے ہیں اور بکثرت ان کی موافقت چاہتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کا موقف

امام ابن القیم قول صحابی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، صحابی کا ایسا قول جو مشہور نہ ہو، یا جس بارے قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکے آیا کہ وہ مشہور تھا یا نہیں، لیکن کسی دوسرے صحابی سے اس کے مخالف قول معلوم نہ ہو، تو اس بارے میں علما کا اختلاف ہے لیکن فرماتے ہیں:

((فالذى عليه جمهور الأمة أنه حجة ، هذا قول جمهور الحنفية ، صرح به ابن محمد الحسن ذكرهٗ عن أبى حنيفة نصا ، وهو مذهب مالك وأصحابه وتصرفه فى موطئه دليل عليه ، وهو قول اسحاق بن راهويه وأبى عبيد ، وهو نص الامام أحمد فى غير موضع ، واختيار جمهور أصحابه ، وهو منصوص الشافعى فى القديم والجديد ، أما القديم فأصحابه مُقِرُّون به ، وأما الجديد فكثير منهم يحكى عنه فيه أنه ليس بحجة وفى هذه الحكاية عنه نظر ظاهر جداً ، فانه لا يحفظ عنه فى الجديد حرف واحد أن قول الصحابى ليس بحجة)) ❸

جمہور امت کے مطابق قول صحابی حجت ہے، جمہور احناف کا یہی قول ہے، جیسا کہ امام محمد بن الحسن نے

---

❶ الموافقات فی اصول الشریعۃ، شاطبی، ۳/۵۵۴۔

❷ الموافقات فی أصول الشریعۃ، ۳/۵۴۴،

❸ اعلام الموقعین، ۵/۵۱۰۔

Marfat.com

صراحت کی ہے اور اس بارے میں امام ابوحنیفہ سے ایک نص بھی ذکر کی ہے۔ امام مالک اور اصحاب مالک کا بھی یہ مسلک ہے، مؤطا میں خود امام مالک کا طریقہ کار بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ امام اسحاق بن راھویہ اور ابوعبید کا بھی یہی قول ہے، امام احمد سے متفرق مقامات پر ایسے ہی منصوص ہے، امام احمد کے جمہور تلامذہ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام شافعی کا بھی قدیم و جدید قول یہی ہے۔ قدیم قول کو تو ان کے سب تلامذہ تسلیم کرتے ہیں، البتہ جدید قول اکثر کے نزدیک عدم حجیت منقول ہے، جبکہ قول جدید کا ایسے منقول ہونا بلحاظ نقل بہت زیادہ محل نظر ہے، کیونکہ جدید میں امام صاحب سے عدم حجیت کے بارے ایک حرف نہیں ملتا۔

البتہ متاخرین فقہا کے نزدیک اس بارے میں شدید اختلاف ہے۔ [1] لیکن ان کا یہ اختلاف اس لیے قابل اعتبار نہیں کہ یہ خیر القرون کے متفقہ تعامل کے خلاف ہے۔ بلکہ ظن غالب یہی ہے کہ متاخرین فقہاء کا یہ موقف علم الکلام اور فلسفہ و منطق سے متاثر ہونے کا شاخسانہ ہے۔

(۱۴) تفسیر صحابہ ہی سے قرآن کے بنیادی مفاہیم متعین ہوسکتے ہیں

اہل علم کے ہاں یہ بات معروف ہے کہ قرآن مجید ذوالوجوہ والمعانی ہے۔ اس کے الفاظ میں ایک وسعت اور لچک ہے، کلمات و تراکیب میں متعدد احتمالات کا حامل ہے۔ جہاں تک کلمات کی وسعت سے استنباطات علمیہ واستخراجات تحقیقیہ کا تعلق ہے، تو ان کا دروازہ کھلا ہے۔ اور اس حوالے سے عجائبات قرآنی کبھی ختم نہیں ہو پائیں گے۔ یہ ہمیشہ سے ایک بحر بیکراں کی طرح متفرق استنباطات واستخراجات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

لیکن اگر الفاظ کی اس لچک سے بنیادی مفاہیم ہی متزلزل کر دیے جائیں اور عقائد و ایمانیات تک کی بنیادیں ہلا کے رکھ دی جائیں تو پھر ہر متکلم اور فلسفی کا ایک اپنا ہی قرآن اور اپنی ہی تفسیر ہوگی، ہر معتزلی، قدری اور جبری یقیناً لغت کے شواہد اور اپنی زبان دانی کے بل بوتے پر ہر عقیدہ قرآن سے ثابت کر دکھائے گا، ہر نیچری اور ملحد بھی اپنے افکار کے لیے قرآن سے سہارے تلاش کرے گا، بلکہ اور تو اور یہود و نصاریٰ بھی اپنے عقائد باطلہ کے اثبات کے لیے قرآن پیش کریں گے۔

ایسی صورت حال میں امت کے پاس فہم قرآن کا بنیادی معیار آخر کیا ہوگا؟ اس مرض کا مداوا نہ نظم قرآن سے ممکن ہے کہ وہ ایک خفی چیز ہے اور ذوق پر مبنی ہے اور نہ ہی لغت عرب اور اشعار جاہلیت سے کہ لغت میں بھی مشترکات و مترادفات اور اضداد کی بھرمار ہے۔ اس کا واحد حل صحابہ کا واضح فہم قرآن ہے۔ کیونکہ صحابہ کا معاشرہ ہی وہ واحد معاشرہ ہے جسے قرآن کی عملی تصویر کہا جا سکتا ہے۔ انہی کے اقوال و ارشادات، اور انہی کے افعال و احوال میں ہر بدعت کی تردید اور ہر الحاد کا ابطال ہے، انہی کا فہم قیامت تک کے لیے معیار صحت و سقم اور میزانِ حق و باطل

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البحر المحیط ، زرکشی ، ٦٦ ، ارشاد الفحول شوکانی ، ص۲۴۳۔

Marfat.com

ہے۔ مجموعی طور پر ان نفوس قدسیہ کی نشست و برخاست اور عادات و اطوار بھی ایک حوالے سے تفسیر قرآن ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((والقرآن ینزل علی رسول اللہ ﷺ وھو یعرف تأویله فما عمل به من شئی عملنا به)) ❶

رسول اللہ ﷺ پر نزول قرآن ہوتا تھا، آپ اس کی تفسیر جانتے تھے، سو جیسے آپ عمل فرماتے ویسے ہی ہم بھی عمل کرتے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" فمستندھم فی معرفة مراد الرب تعالیٰ من کلامه ما یشاھدونه من فعل رسوله وھدیه الذی ھو یفصل القرآن و یفسره فکیف یکون أحد من الأمة بعدھم أولیٰ بالصواب منھم فی شئی من الأشیاء؟ ھذا عین المحال۔"

رسول اللہ ﷺ کے افعال وسنن جو کہ قرآن مجید کی تفصیل و تفسیر ہیں، صحابہ کرام نے ان کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، کلام الٰہی سے مرادِ الٰہی پہچاننے کے لیے صحابہ کے پاس یہی حقیقی اور مستند بنیاد تھی، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے بعد امت میں سے کوئی فرد کسی تفسیر میں ان سے زیادہ صائب الرائے ہو؟! یہ تو بالکل ناممکن ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

((فاذا لم یجز تفسیر القرآن و اثبات مادل علیه ، وحصول العلم الیقین ، بسنن رسول اللہ ﷺ الصحیحة الثابتة ، وکلام الصحابة وتابعیھم ، أفیجور أن یرجع فی معانی القرآن الی تحریفات جھم و شیعة ، وتأویلات العلاف النظام ، والجبائی ، والمریسی ، وعبدالجبار ، وأتباعھم من کل أعمی ، أعجمی القلب واللسان ، بعید عن السنة والقرآن ، ومغمور عند اھل العلم والایمان...... ۔)) ❷

"جب قرآن مجید کی تشریحات اس کے مدلولات کا اثبات اور علم یقینی کا حصول احادیث صحیحہ، کلام صحابہ و تابعین کی روشنی میں جائز نہیں، تو کیا پھر جہم اور اس کے ہمنواؤں کی تحریفات، علاف نظام، جبائی، مریسی، عبدالجبار اور ان کے متبعین، یہ اندھے لوگ، جن کی زبان بھی عجمی ہے اور دل و دماغ بھی عجمی، قرآن وسنت سے کوسوں دور اہل ایمان کے یہاں مجہول، تو کیا پھر یہ فہم قرآن کا مرجع قرار پائیں

❶ صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب فی حجة النبی ﷺ ، حدیث ۱۲۱۸

❷ مختصر الصواعق المرسلة ، ص:۴۵۶۔

Marfat.com

گے؟!! کیا اس کا کوئی جواز ہے۔''؟

درج بالا حقائق سے تفسیر صحابہ کی اہمیت اس لحاظ سے بھی مبرہن ہو جاتی ہے کہ:

① تفسیر صحابہ سے ہی قرآن مجید کے بنیادی مفاہیم منضبط ہو سکتے ہیں۔

② تفسیر صحابہ ہی سے بدعات کی تردید ممکن ہے۔

③ تفسیر صحابہ خارجی مؤثرات ومعتقدات سے پاک ہے۔

④ تفسیر صحابہ سے انحراف بدعت وضلالت کے دروازے کھولنے کے مترادف ہے۔

⑤ امت اسلامیہ میں فرق مبتدعہ خوارج وغیرہ کا ظہور تفسیراتِ صحابہ سے انحراف کی وجہ سے ہے۔

⑫ تفسیرات صحابہ انتہا درجہ حزم واحتیاط پر مبنی ہیں

صحابۂ کرام علم صحیح کے بغیر کبھی بھی تفسیر کی جسارت نہیں فرماتے تھے۔کلام الٰہی کی توضیح وتبیین درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف براہ راست نسبت اور مراد الٰہی کی تعیین کا نام ہے،صحابہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے۔

ابن ابی ملیکۃ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

((ان ابن عباس سئل عن آية لو سئل عنها بعضكم لقال فيها ، فأبى أن يقول فيها)) ❶

''حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک آیت کے بارے پوچھا گیا،اگر تم میں سے کسی سے پوچھا جاتا تو کچھ نہ کچھ کہہ دیتا،لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کچھ کہنا قبول نہ کیا۔''

اس درجہ احتیاط کے باوجود اگر صحابہ سے تفسیری اقوال منقول ہیں،تو یقیناً ان کی بنیاد میں منقول،ماثور فہم یا لغوی معرفت کارفرما ہے۔

***

❶ تفسير الطبرى ، ٨٦١- تفسير ابن كثير ، ١٢١-

Marfat.com

فصل رابع

منہج تفسیر بالمأثور پر بعض اعتراضات کا جائزہ

تعارف

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ منہج تفسیر بالمأثور پر اٹھائے جانے والے بعض سوالات واشکالات کا ایک عمومی جائزہ پیش کیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان اشکالات کی حقیقت کیا ہے؟ مثلاً ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ تفسیر بالمأثور پر کلی انحصار سے تدبر وتفکر کی راہیں مسدود ہوتی ہیں۔ یہ سوال بھی جنم لیتا ہے کہ سلف صالحین سے مأثور تفسیر عصری تقاضے ایفا کرنے سے قاصر ہے۔ اس فصل میں منہج تفسیر بالمأثور پر چند اہم اشکالات واعتراضات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

***

Marfat.com

① تفسیر بالماثور تدبر فی القرآن کے منافی ہے

قرآن مجید تفسیر و تدبر پر بہت زور دیتا ہے، ایک مقام پہ یوں ارشاد ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا﴾ ❶

دوسری جگہ یوں فرمایا گیا ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا﴾ ❷

یہ اور اس طرح کی دیگر کئی آیات مبارکہ قرآن مجید میں غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اگر تفسیر بالماثور کا منہج اختیار کیا جائے تو آیات میں تدبر کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں، تفسیر بالماثور پر یہ اعتراض شد و مد سے اٹھایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کلام اللہ علوم و معارف کا ایک متلاطم سمندر ہے، جس میں علم و حکمت کے جواہر پوشیدہ ہیں۔ تفسیر بالماثور کا منہج اس بحر بیکراں کی وسعتوں کو محدود کرنے کا نام نہیں بلکہ اس کی وسعت سے محظوظ اور مستفید ہونے کے صحیح طریقہ کار کا تعین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ کے ذریعے اور صحابہ نے اپنے آثار کے ذریعے کلام اللہ کو محصور و مقید نہیں کر دیا، بلکہ اسے سمجھنے کے لیے وہ رخ دیا اور وہ سمت متعین کی ہے جس کے بغیر فہم انسان منتشر ہو سکتا تھا اور کسی ایسی سمت پر جا سکتا تھا جو کہنے والے کا مقصود ہی نہ ہو۔

احادیث رسول ﷺ و آثار صحابہ کو اخذ کر لینے سے تدبر فی القرآن کی وہ شاہ کلید انسان کو حاصل ہوتی ہے جو وسعت فکری کے ساتھ ساتھ سلامت فکری کی بھی ضامن ہوتی ہے۔

کتاب اللہ کے فہم کے معاملے میں اگر یہ اصولی منہج نہ اپنایا جائے تو پھر ہر شخص اپنا اپنا ''تدبر'' خود اپنی ''تحقیق'' سے سمجھے گا اور اس کے نتیجے میں چاہے پھر وہ جہاں بھی پہنچے وہ صرف اپنی ہی ''تحقیق'' اور اپنے ہی ''تدبر'' کو حق ماننے کا پابند ہو گا، نہ صرف یہ بلکہ جس خلوص سے وہ اپنے ''تدبر'' کو برحق سمجھے، اس ''خلوص'' کے ساتھ دوسرے کے ''تدبر'' کو غلط جاننے کا بھی مکلف ٹھہرے گا۔

کیا سب لوگ قرآن مجید کو ایک ہی طرح سمجھ سکتے ہیں؟ کیا انسانی عقول میں اس حد تک اتفاق و اتحاد کی گنجائش ہے کہ قرآن مجید میں سب کو ایک جیسا ہی ''نظم و تناسب'' نظر آنے لگے؟ سب کا تدبر ایک جیسے نتائج کا حامل ہو؟ ایک چیز ایک کے لیے جائز ہے تو دوسرے کے لیے ناجائز کیوں؟ آخر اس بات کی ضمانت ہی کیا ہے کہ لازماً فلاں شخص کا تدبر ہی برحق ہے اور دوسرے نے جو سمجھا ہے وہ ضرور ہی غلط ہے؟ معاملہ اگر اس کے برعکس ہو تو؟ اگر ان سب کے لیے تفسیر مرفوع، حدیث اور صحابہ کا فہم قرآن حجت و معیار نہیں تو پھر حیرانی و سرگردانی کا سلسلہ آخر کیسے رک پائے گا؟!

---

❶ النساء، ٤:٨٢۔ ❷ محمد، ٤٧:٢٤۔

Marfat.com

منہج تفسیر بالمأثور وحی کی تلقی کا جو انداز طے کرتا ہے، یہ وہی انداز ہے جو خود صاحب وحی کے زیر نگاہ اور اس کے زیر ہدایت پروان چڑھا ہے، اور جس کی تراش خراش خود صاحب وحی کے ہاتھ سے ہوئی ہے۔ کتاب مبین کو نازل فرمانے والی علیم و حکیم ہستی خود مطالبہ کرتی ہے کہ جس کے سینۂ اطہر اور قلب امین پر میں نے قرآن نازل کیا ہے اس کی تشریحات کی روشنی میں سب انسان تفکر و تدبر کے پابند ہوں، ملاحظہ کیجیے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ❶

''اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تا کہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔''

صاحب وحی اور مخاطبین وحی کو نظر انداز کر کے یا ثانوی حیثیت دے کر مصحف شریف اٹھا کر اس پر تدبر شروع کر دینا، یقیناً قرآن مجید کے طریقہ نزول اور مقصود نزول دونوں ہی کے منافی ہے۔ احادیث و آثار سے قطع نظر صرف مصحف شریف سے استنباط و استدلال کے ذریعے تو بعض دفعہ منافق انسان بھی اپنی زبان آوری کی بنیاد پر اپنے فہم کا سکہ منوا لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کیا خوب فرمایا ہے:

((لا تجادلوا بالقرآن ، ولا تكذبوا كتاب الله بعضهٔ ببعض ، فوالله ! ان المؤمن ليجادل بالقرآن فيُغْلَبُ ، وان المنافق ليجادل بالقرآن فَيَغْلِبُ)) ❷

''قرآن مجید کو اپنے بحث و تکرار کا ذریعہ نہ بناؤ نہ ہی کتاب الٰہی کی کچھ آیات کو بہانہ بنا کر دوسری آیت کی تکذیب کرو، اللہ کی قسم! بلا شبہ بعض دفعہ مؤمن صادق قرآن کی روشنی میں بحث کرتا ہے، لیکن شکست کھا جاتا ہے۔ اور بلا شبہ بعض دفعہ منافق قرآن کے ذریعہ بحث کرتا ہے اور مؤمن کو شکست دے دیتا ہے۔''

② منہج تفسیر بالمأثور عصری تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا

ایک اعتراض یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ تفسیر بالمأثور کا منہج آج کے تغیر پذیر حالات کے شانہ بشانہ چلنے سے قاصر ہے۔ آج کی دنیا میں سائنسی و عمرانی علوم اپنے تمام شعبہ جات میں افکار و نظریات سے تجربات و مشاہدات تک انتہا درجہ ترقی حاصل کر چکے ہیں۔ صحابہ و تابعین کی بزرگی و تقدس اپنی جگہ مسلم، لیکن ترقی و تطور کی اس بدلتی اور ہنگامہ خیز دنیا میں، آخر ہم ان کی انگلی پکڑ کر کہاں تک چل سکیں گے؟

فہم قرآن میں بالخصوص اور فہم دین میں بالعموم عہد سلف کی اتباع اور اس کا تسلسل بننے کی دعوت کا یہ قطعی مطلب نہیں ہے کہ اب ہر ''نئی'' بات اور ہر ''نیا'' کام کرنے پر پابندی لگ جائے گی اور یہ کہ اپنے عہد کے حوادث اور پیش آمدہ فقہی و سماجی معضلات کا حل تلاش کرنے پر قدغن عائد ہو جائے گی حتی کہ اجتہاد کرنا شجر ممنوعہ اور اپنی

❶ النحل، ١٦: ٤٤۔ ❷ سلسلة الأحاديث الصحيحة ، البانی ، حديث (٣٤٤٧)۔

Marfat.com

رائے پیش کرنا جرم قرار پائے گی، اس کا یہ مطلب بھی ہر گز نہیں کہ قرآن سمجھا جا چکا ہے اور اب اس کے فہم کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔

یہ خدشات تو خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعامل اور خلفائے راشدین کے طرز خلافت اور اسالیب اجتہادات سے رفع ہو جاتے ہیں۔ خود صحابہ کرام نے ایک دوسرے سے اختلاف رائے کیا اور دلیل کی بنیاد پر اپنا موقف پیش کیا۔ خلافت اسلامیہ کی حد درجہ وسعت سے پیش آمدہ قضایا وحوادث کے کامیاب حل بھی پیش کیے۔ صحابہ کے فیض یافتگان تابعین نے انہی کے نہج پر چلتے ہوئے، انہی کے طے کردہ خطوط پر اپنے دور کے تقاضوں کو بکمال خوبی پورا کیا اور سلف کے فکر وعمل کو زبردست تطبیق دی۔ اتباع تابعین نے تو سلف کے ورثے کو باقاعدہ مدون علوم کی شکل دے دی۔ لیکن یہ سب کچھ ایک سلسلہ تھا، ایک دائرہ تھا اور ایک بنیاد پر تھا...... نہ کہ ہر ذہین شخص کی اپنی ذہنی اپج اور ہر فصیح اللسان کی اپنی اختراع......

اس گراں قدر علمی وعملی کاوش کے باوصف اور تنوع واختلاف کے باوجود، اصول وعقائد میں یکسانیت تھی، مصادر تفسیر کی بات ہو یا فہم دین کا مسئلہ، منابع طے شدہ تھے...... قرآن، حدیث، آثار صحابہ، سلف کا تعامل اور بس......

نئے کا امکان بھی ختم نہ ہو، عجائبات قرآن کے دروازے بھی مقفل نہ ہوں اور سلف سے رشتہ بھی ٹوٹنے نہ پائے، یہی منہج تفسیر بالماثور ہے۔

تفسیر قرآن کی راہ میں احادیث رسول اور آثار صحابہ وتابعین درحقیقت ہمیں بہت سی غیر ضروری محنت اور تضیع اوقات سے بچاتے ہیں۔ یہ فہم قرآن کی ایسی مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں، جس پر معاشروں کی ایک مستحکم اور طویل (المیعاد) عمارت استوار کی جا سکی۔ اصول اور مسلمات جنہیں چھیڑنا تک روا نہ ہو، جس پر معاشرہ کامل یقین وایمان رکھتا ہو، جن پر چلتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن ہوا جا سکے اور پھر غوایت وضلالت کا کوئی اندیشہ نہ رہے اور قدم قدم پر رکنا نہ پڑے، یہ تو ہماری بنیادی ضرورت ہے اور سلف کا راستہ اس درد کا مداوا......اس کے علاوہ اور ہمیں کیا چاہیے؟ محض چلنا رہ جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے ہمیں خود ہی چلنا ہے۔

کتنا فرق ہے اس منہج میں جس میں راستے کی نشاندہی ہو اور درست ہونے کی بھی ضمانت حاصل ہو...... اور اس منہج میں جس میں راستہ کی تلاش بھی ابھی باقی ہو......!! اور ایک ایک قدم کی بابت طویل بحثیں کرنا بھی......!! یہ حقیقت ہے کہ آج کی پرآشوب دنیا نئے نئے مسائل کا شکار ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کی دنیا کے ایک ایک صفحہ پر جدید مسائل رقم ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ عمرانی علوم آسمان سے باتیں کر رہے ہیں...... یہ سب حقیقت...... لیکن اس میں آخر پریشانی کی بات ہی کیا ہے؟ فہم قرآن میں احادیث رسول ﷺ اور روایت صحابہ کا التزام آخر اس بات ہی کی تو ضمانت ہے کہ ہمارا فہم قرآن خالص ہے، ''وحی'' پر مبنی ہے، اور ہم نے ''وحی'' کو اس کی اصلی شکل میں سمجھا ہے، وہ وحی جو ازلی ہے...... ابدی ہے...... جو نور ہے...... اور جس کی روشنی اس قدر ضیا بار ہے کہ قیامت

Marfat.com

تک پیش آمدہ مسائل کا حل اس میں دیکھا جا سکتا ہے۔

بس اس کے بعد اپنے دور کو سمجھنے کی ضرورت باقی ہوگی، اپنے دور کے علوم سے آگاہ ہونا ہوگا، اور وحی کو ان پر منطبق کرنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ آج کے تقاضوں کے مطابق وحی کو کیسے منطبق کرنا ہے؟!

بصورت دیگر ہر دور کے ذہین انسان، ازلی وابدی وحی پر اپنے افکار وتدبرات کا ''فانی'' رنگ چڑھاتے رہیں گے اور ہم چند قدم بھی نہیں چل پائیں گے کہ فانی رنگ فنا ہو جائے گا اور ہمیں رک کر پھر جائزہ لینا پڑے گا کہ آیا جسے ہم سمجھے تھے وہ وحی کی روشنی تھی یا کسی ''مجدد'' کا فکر وفلسفہ!!

......وحی اپنی اصلی اور خالص شکل میں۔

......وحی کا صحیح مفہوم اور اس سے تعامل کا وہی درست طریق کار، جو شارع کے زیر اثر قرن اول میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

......اپنے دور سے واقف، باشعور انسان

......انہی تین امور کا اجتماع ہر دور کے ہر مسئلہ کا حل بتانے کے لیے کافی ہے۔ ❶

مغالطے کی ایک اور وجہ

بسا اوقات اثری منہج کے بارے یہ اشکالات اس وجہ سے بھی جنم لیتے ہیں کہ الحاد ودہریت اور اباحیت اپنے عروج پر ہیں، تہذیب مغرب کی چکا چوند سے مسلم معاشرے مرعوب ومغلوب ہیں۔ اس صورت حال میں بعض افراد اور بعض مناہج کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ''اسلامی'' بھی رہیں اور ''عصری'' بھی، ''آزاد خیال'' بھی رہیں اور ''اسلام وقرآن'' کا سرٹیفکیٹ بھی انہیں حاصل رہے اور ان کی اباحیت پسندی اور اتباع اھواء کو قرآن حکیم کی سند توثیق میسر آ جائے!! ظاہر ہے کہ تفسیر بالمأثور کا منہج ان تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔

اس معنی میں یہ منہج زمانے سے ہم رنگ ہونا جانتا ہی نہیں، اس کی بنیاد ہی اس فکر پر ہے کہ یہ ''وحی'' کا رنگ نہیں بدلے گا۔

③ تفسیر القرآن بالحدیث پر بعض اشکالات کا جائزہ، مرفوع تفسیری روایات بہت کم ہیں

تفسیر القرآن بالحدیث کے بارے بعض مصنفین برصغیر کئی طرح کے اشکالات کا شکار ہوئے ہیں، بالخصوص دو اشکال کثرت سے عائد کیے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ مرفوع تفسیری روایات کی تعداد بہت کم ہے۔ دوسرا یہ اعتراض بھی اٹھایا جاتا ہے: کہ تفسیری روایات اکثر وبیشتر بے اصل ہیں اور پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں، جب ایک چیز سرے سے غیر ثابت ہو تو تفسیر قرآن

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟ حامد کمال الدین۔ اس موضوع پر یہ کتابچہ مختصر مگر بہت جامع ہے۔

Marfat.com

میں ہم اس پر اعتماد کیسے کر سکتے ہیں؟ آئندہ سطور میں ان دونوں اشکالات کا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔

مرفوع تفسیری روایات سے مراد وہ احادیث مبارکہ ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تفسیر کی ہو، دوسرے لفظوں میں ہم اس اشکال کو اس طرح زیر بحث لا سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے بہت کم مقامات کی تفسیر فرمائی ہے۔

اگر دلائل پر غور کیا جائے تو اس اشکال میں کوئی وزن نہیں، ذیل میں چند ایسے دلائل پیش کیے جارہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تفسیر قرآن کا خصوصی اہتمام فرمایا ہے۔

① رسول اللہ ﷺ کا فریضہ تبلیغ قرآن

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے فرائض نبوت میں قرآن مجید کی تبلیغ کو سرفہرست رکھا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ ...... ﴾ ❶

امت کا اس پر اجماع بلکہ ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تبلیغ میں اپنا فرض پوری طرح ادا فرمایا ہے، ظاہر ہے قرآن مجید کو امت تک پہنچانے میں دو ہی چیزیں شامل ہیں:

① قرآن مجید کے ظاہری الفاظ پہنچانا، آپ ﷺ اس فریضہ سے بھی سبکدوش ہوئے۔ ② قرآن مجید کے مفاہیم سکھانا اور پہنچانا، یقیناً آپ نے یہ فرض بھی بدرجۂ اتم ادا فرمایا۔

اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو قرآن کے ظاہری الفاظ پہنچانے پر اکتفا کیا اور معانی و مفاہیم نہیں پہنچائے تو نعوذ باللہ منصب رسالت پر حرف آتا ہے!!

② رسول اللہ ﷺ کا منصب تشریح قرآن

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے مقاصد بعثت میں ﴿ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ ﴾ ❷ یعنی تعلیم قرآن کا ذکر فرمایا ہے، نیز ﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ ﴾ ❸ کہہ کر قرآن مجید کی تبیین وتشریح کی ذمہ داری آپ کو تفویض فرمائی ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوئے ہوں؟!

③ صحابہ کرام کی شہادت

صحابہ کرام کے بیانات واضح کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے قرآن کے محض الفاظ

---

❶ المائدة، ٥:٦٧۔ ❷ البقرة، ٢:١٢٩۔، آل عمران، ٢:١٦٤، الجمعة، ٢:٦٢۔

❸ النحل، ١٦:١٤

Marfat.com

حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ہر ہر آیت کے معانی ومفاہیم اور اس پر عمل کا انداز بھی سیکھا۔

جناب ابوعبدالرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں:

((لقد حدثنا الذين كانوا يقرؤوننا القرآن كعثمان بن عفان و عبدالله بن مسعود وغيرهما أنهم كانوا اذا تعلموا من النبی ﷺ عشر آيات لم يجاوزوها حتى يتعلموا ما فيها من العلم والعمل به ، قالوا: فتعلمنا القرآن والعلم والعمل جميعاً))❶

''ہمیں ان لوگوں (صحابہ) نے بتایا جو ہمیں قرآن پڑھایا کرتے تھے، یعنی عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود وغیرہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے دس آیات سیکھتے، اور جب تک ان دس آیات میں پائے جانے والے علم وعمل کے پہلو سیکھ نہ لیتے آگے سبق حاصل نہ کرتے، صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن، علم اور عمل تینوں کی تعلیم بیک وقت حاصل کی ہے۔''

صحابہ کرام کس قدر صاف الفاظ میں وضاحت فرما رہے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید کی آیات، ان کے مفاہیم اور ان پر عمل کا طریقہ ایک ساتھ سیکھا اور یہ بات تو ایک ادنیٰ طالبعلم پر بھی واضح ہے کہ صحابہ دین کی تعلیم کو آگے پہنچانے پر مامور تھے۔ دین کی تعلیم میں قرآن مجید کی تعلیم سے زیادہ اہم کون سی چیز ہو سکتی ہے؟ کیا صحابہ نے قرآن سیکھنے کے بعد اسے آگے پہنچانے میں کوتاہی کی یا نعوذ باللہ اس فرض کی ادائیگی میں ذمہ داری کا ثبوت فراہم نہ کیا؟! یہ تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے صحابہ کے سامنے قرآن مجید کے مفاہیم واضح فرمائے اور صحابہ نے تابعین تک وہ مفاہیم بطریق احسن پہنچائے۔

ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے:

((رأيت مجاهدا يسأل ابن عباس عن تفسير القرآن ، معه ألواحه ، فقال ابن عباس: اكتب ، حتى سأل عن التفسير كله))❷

میں نے مجاہد کو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر کے بارے پوچھ رہے تھے، ان کے پاس تختیاں موجود تھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لکھتے جاؤ حتی کہ مجاہد نے ان سے مکمل تفسیر پوچھ لی۔

ابن الندیم نے الفہرست میں ایسے واضح قرائن ذکر کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین اپنے اساتذہ صحابہ کرام کے افادات کو تحریر کیا کرتے تھے اور ان سے آگے تفسیری مجموعے تیار کرتے تھے۔❸

---

❶ مقدمه فی أصول التفسير ، لابن تيميه ، ص٦۔ ❷ تفسير طبری ، ۱؍۹۰۔

❸ الفهرست ، ص٥١ ، الطبقات الكبرىٰ ، ابن سعد ، ٦ ٢٥٨ ، تاريخ التراث العربی ، فؤاد سيزگين ، ١٨٤١۔

Marfat.com

④ حصول علم میں انسان کی شہادت

خود بنی نوع انسان کا کسی بھی تعلیم کے حصول میں رو یہ بتلاتا ہے کہ انسان بالعموم جب طب، ہندسہ، حساب یا جغرافیہ وغیرہ کی کوئی کتاب پڑھتا ہے، تو اس کا فہم بھی حاصل کرتا ہے اور اسے سمجھنے کا شائق بھی ہوتا ہے۔

کتاب اللہ اور کلام رب العالمین...... جو دستور زندگی ہے اور منشور حیات، جو باعث نور وہدایت ہے اور میزان حق و باطل، کیا سوچا جا سکتا ہے کہ صحابہ اسے بلا فہم حاصل کرتے جا رہے ہوں گے؟!

⑤ تدبر وفہم قرآن کا حکم الٰہی

خود قرآن مجید اپنے تدبر وفہم پر زور دیتا ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝﴾ ❶

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝﴾ ❷

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ ❸

ان واضح احکام الٰہیہ کے ہوتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے یہ نہیں سوچا جا سکتا ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے تدبر فی القرآن اور فہم قرآن کی تعلیم نہ دی ہوگی!!

مذکورہ دلائل کی روشنی میں قطعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن مجید کی تفسیر وتشریح پیش فرمائی۔

مغالطے کی اصل وجہ

ان دلائل کے باوجود کچھ لوگوں کو اس وجہ سے مغالطہ ہوا ہے کہ وہ موجودہ تفسیری کتب اور موجودہ طرز تفسیر کی روشنی میں مرفوع حدیث میں یہ تلاش کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آیت کی تلاوت فرما رہے ہوں، اس کے بعد ایک ایک لفظ کی لغوی تشریح بیان فرما رہے ہوں، پھر اس کا اجمالی مفہوم اور پھر اس کی تفصیلات پیش فرما رہے ہوں، تو یہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی تفسیر شمار ہوگی۔

ظاہر ہے کہ نہ تو یہ اس وقت کا تقاضا تھا اور نہ ہی صحابہ کرام کو عرب ہونے کی بنا پر اس طرز تفسیر کی ضرورت تھی، نہ ایسے ہوا، اور نہ ہی ایسی احادیث ہم تک پہنچیں۔

---

❶ ص، ۳۸:۲۹۔

❷ محمد ۴۷:۲۴۔

❸ النساء، ۴:۸۲۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کا اسلوب تفسیر

رسول اللہ ﷺ کا ایک اپنا اسلوب تھا، جس کے مطابق آپ نے اپنی پوری حیات طیبہ میں قرآن مجید کی علمی وعملی تفسیر فرمائی، رسول اللہ ﷺ کے اسلوب تفسیر کا خلاصہ درج ذیل نکات کی روشنی میں پیش کیا جا سکتا ہے:

① بہت قلیل احادیث ایسی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی مفہوم بیان فرما کر اس کے متعلقہ آیت تلاوت فرمائی یا کوئی آیت تلاوت فرما کر اس کی تفسیر پیش فرمائی۔

علی سبیل المثال:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے دولت دی، اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ نکالی، اس کی دولت گنجے سانپ کی شکل میں اس کے سامنے لائی جائے گی، اس کے دو نقطے ہوں گے۔ اور روز قیامت اس (دولت کو) مالدار کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، سانپ اس کی دونوں باچھوں سے پکڑ کر کہے گا:

((أنا مالك ، أنا كنزك))

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔ ❶

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾ ❷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

"جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: یہاں تک کئی لوگ اپنے ہی پسینے میں نصف کان تک ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ ❸

② بعض قلیل مواقع پر صحابہ کرام کو اشکال ہوا، انہوں نے استفسار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے آیت مبارکہ کی تشریح فرمائی، جیسے ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝﴾ ❹ کی تفسیر میں وارد حدیث ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر (٤٥٦٥) ❷ آل عمران، ۳:۱۸۰۔

❸ صحیح بخاری، ، کتاب التفسیر، باب: یوم یقوم الناس، لرب العالمین، حدیث نمبر (٤٩٣٨)، صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فی صفة یوم القیامة ، حدیث(٢٨٦٢)۔

❹ الأنعام، ٦:٨٢۔

Marfat.com

یا ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ﴾ ❶ کی تفسیر میں حدیث ملتی ہے:

یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں انہوں نے ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا آتَوا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ ❷ کی وضاحت چاہی۔

اسی طرح حضرت عدی رضی اللہ عنہ کو ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ❸

میں اشکال محسوس ہوا، تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی وضاحت فرما دی۔ ❹

(۳) قرآن مجید کی بہت ساری آیات اپنے آپ میں خود اتنی واضح ہیں کہ عربی آدمی کے لیے ان کی تشریح و تفسیر کی ضرورت ہی نہیں۔ مثلاً سورۃ یوسف، سورۂ کہف، سورۂ بقرہ، میں بنی اسرائیل کے بارے کئی آیات اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات میں نازل شدہ آیات۔

(۴) احکام و مسائل اور فقہیات سے متعلقہ تمام آیات کی نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قولی، فعلی اور تقریری احادیث کے ذریعے وضاحت فرمائی۔

لیکن اس میں بھی آپ ﷺ کا اسلوب یہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ ایک ایک آیت کی الگ الگ تشریح فرمائیں۔ یہ مفسر کی ذمہ داری ہے کہ احادیث الاحکام میں گہری بصیرت پیدا کرے اور جس جس آیت قرآن کی جو حدیث تفسیر بنتی ہے وہاں اسے چسپاں کرے۔

(۵) دیگر تمام آیات کی تفسیر کے بارے میں بھی آپ ﷺ کا یہی اسلوب رہا، کہ قرآن مجید کے تمام محتویات ومضامین اور مقاصد و اہداف کو سامنے رکھتے ہوئے آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مختلف مقامات پر اپنی احادیث مبارکہ کے ذریعے ان کی تفصیل و تشریح فرمائی۔

ایک اہم اصول

جس طرح تفسیر القرآن بالقرآن کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود قرآن مجید اپنی کچھ آیات کو دوسری آیات کے لیے تفسیر قرار دے بلکہ یہ مفسر کا فرض ہے کہ وہ ایک موضوع پر مشتمل تمام آیات قرآنیہ کو دیکھے اور پھر اپنے اجتہاد

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الأبیض، حدیث(٤٥١٠)، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب بیان أن الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر، حدیث(١٠٩٠)

❷ سلسله احادیث صحیحه، البانی، حدیث (١٤٢٠)

❸ التوبة، ٩:٣١۔ ❹ تفسیر ابن کثیر، ٥١٨١۔

Marfat.com

سے بعض آیات کی تفسیر دوسری آیات کے ذریعے پیش کرے۔

بالکل اس طرح تفسیر القرآن، بالحدیث کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ اپنی کسی حدیث کو کسی آیت کی تفسیر قرار دیں، بلکہ یہ مفسر کا فریضہ ہے کہ زیر تفسیر آیت سے متعلقہ احادیث کو جمع کرے اور وہ احادیث، آیت مبارکہ کے جس پہلو کو واضح کر رہی ہوں، ان کی روشنی میں اس گوشے کو واضح کرے۔ اس لحاظ سے بسا اوقات تفسیر القرآن بالحدیث میں بھی مفسر کے ذاتی اجتہاد کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

دوسرا اشکال: احادیث تفسیر بے اصل ہیں

ایک یہ اشکال شدومد سے کئی حلقوں میں پیش کیا جاتا ہے کہ خود امام اہل الحدیث، امام اہل السنۃ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جو کہ صاحب البیت کی حیثیت رکھتے ہیں، فرمایا ہے:

((ثلاثة أمور ليس لها اسناد: التفسير والملاحم والمغازى))

① امام احمد کے الفاظ

اس سلسلے میں سب سے پہلے امام احمد رحمہ اللہ کے الفاظ کا تتبع کرنا چاہیے، تاکہ حقیقت تک پہنچا جا سکے۔

امام احمد کا یہ قول خطیب بغدادی نے باسند نقل کیا ہے اور اس کی تین قسم کی عبارات متفرق مصادر سے ملتی ہیں:

① ایک عبارت یوں ہے:

((ثلاثة أمور ليس لها اسناد: التفسير، والملاحم، والمغازى)) [1]

"تین امور بے سند ہیں، تفسیر، ملاحم اور مغازی۔"

② دوسری عبارت اس طرح مروی ہے:

((ثلاثة أمور ليس لها "أصل")) [2]

"تین امور بے اصل ہیں۔"

③ تیسری عبارت کے الفاظ یہ ہیں:

((ثلاثة علوم لا اسناد لها: التفسير والملاحم والمغازى)) [3]

"تین علوم بے سند ہیں: تفسیر ملاحم اور مغازی۔"

ان تینوں عبارات کو ملانے سے مفہوم یہ اخذ ہوتا ہے۔

"تین علوم کی اسناد نہیں ہے: تفسیر، ملاحم اور مغازی"

---

[1] الجامع لأخلاق الراوى و آداب السامع، الخطيب البغدادى، ١٦٢٢۔

[2] مقدمة اصول التفسير، ابن تيميه، ص٢٠۔ [3] منهاج السنة، ابن تيميه، ٤٣٥٧۔

Marfat.com

خطیب بغدادی کی توجیہ

اس قول کے ناقل علامہ خطیب بغدادی کے نزدیک امام احمد رحمہ اللہ نے یہ عبارت مخصوص کتب کے بارے میں کہی ہے نہ کہ مطلقاً ان علوم کے بارے میں۔ یعنی تفسیر، ملاحم، اور مغازی کی چند کتب بالکل بے سند ہیں۔ ❶

ڈاکٹر مساعد الطیار کی توجیہ

علوم القرآن پر کئی جید کتب کے مصنف ڈاکٹر مساعد کے نزدیک اس قول کو چند کتب پر محمول کرنے کا کوئی قرینہ نہیں، لہٰذا اس سے مخصوص کتب مراد نہیں لی جاسکتیں۔ موصوف کے نزدیک اس سے تینوں علوم کی مرسل روایات مراد ہیں۔ بالخصوص تفسیر میں اسباب النزول سے متعلقہ روایات مراد ہیں، کیونکہ اسباب النزول میں اکثر تابعی یا تبع تابعی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش آمدہ کوئی واقعہ بیان کردیتا ہے۔

تابعی اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں انقطاع اور فاصلے کی وجہ سے تابعی کا بیان کردہ سبب النزول بے سند اور مرسل قرار پاتا ہے۔

موصوف کے نزدیک ایک اور توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اسناد سے مرفوع احادیث مراد لے رہے ہیں، کہ تینوں علوم میں مرفوع احادیث باسند نہیں ہیں۔ ❷

تجزیہ

مقالہ نگار کے نزدیک امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول کو ان کی باقی زندگی اور خدمات حدیث سے الگ کرکے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کسی شخصیت کے اتنے بڑے دعوے کو سمجھنے کے لیے اس شخصیت کے باقی نظریات کو بھی سامنے رکھنا چاہیے اور دیگر ثابت شدہ حقائق کو بھی:

(ا) امام احمد، مسند احمد جیسی عظیم کتاب کے مصنف ہیں، جس میں وہ باسند احادیث تفسیر اور احادیث ملاحم و مغازی لے کر آئے ہیں۔

(ب) امام احمد علی بن ابی طلحہ کی سند سے مروی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تفسیری اقوال کے بارے میں فرماتے ہیں:

"بمصر صحیفة فی التفسیر، رواھا علی ابن ابی طلحة عن ابن عباس لو رحل رجل فیھا الی مصر ما کان کثیراً"

---

❶ الجامع لأخلاق الراوی، الخطیب البغدادی، ۱۶۲۲۔

❷ شرح مقدمة أصول التفسیر، لابن تیمیة، مساعد الطیار، ص۱۶۷۔ ۱۶۹۔

Marfat.com

"مصر میں تفسیر کا ایک کتابچہ ہے جسے علی ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اگر کوئی شخص اس کے حصول کے لیے مصر تک سفر کرے تو یہ کوئی زیادہ سفر نہیں۔"[1]

(ج) صحیح بخاری میں امام بخاری نے اس صحیفہ پر اعتماد کیا ہے۔[2]

(د) کتب احادیث میں تفسیر اور مغازی کے بارے میں مسند احادیث کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔

اس کے پس منظر میں اگر امام احمد کے اس قول کو دیکھا جائے تو ان کے اس قول کی یہی توجیہ ہو سکتی ہے کہ امام صاحب اپنے اس قول سے علم مغازی، علم ملاحم، اور علم تفسیر کی وہ تفصیلات مراد لے رہے ہیں جو بے سند ہیں، تو اس معنی میں یہ قول اپنی جگہ حقیقت ہے۔ سیر و مغازی کی بہت ساری تفصیلات، مثلاً شرکاء جنگ کی تعداد، مقتولین کی تعداد، شہدا کی تعداد، تلواروں کی تعداد، گھوڑوں اور نیزوں کی تعداد اور کچھ پیش آنے والے واقعات میں راویوں کا بھرا ہوا رنگ بتلاتا ہے کہ واقعۃً ہی اس طرح کی کئی تفصیلات کی متصل سند موجود نہیں ہے۔

اس طرح علم تفسیر میں بعض واقعات کی رنگ آمیز تفصیلات، متعدد اسرائیلی روایات و حکایات، ہر سورت کے فضائل میں احادیث اور روافض کے ہاں اہل بیت کے فضائل میں من گھڑت روایات کی ایک کثیر تعداد، جسے وہ بعض آیات کی تفسیر میں لے آتے ہیں، اس طرز کی تفسیری روایات واقعۃً بے اصل ہیں۔

امام صاحب اس طرح کی روایات اور ان تینوں علوم میں مدوّن بعض رطب و یابس مواد کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے ہیں کہ ان تینوں علوم کی اس نوعیت کی تفصیلات بے سند ہیں۔

امام احمد کے صرف اس قول کو پکڑ لینا، اس کی بے سروپا توجیہات پیش کرنا اور دیگر علمی حقائق چھپانا یقیناً بہت بڑی جسارت اور خیانت ہے۔

***

---

1. امام احمد کے اس قول کو ابو جعفر النحاس نے اپنی کتاب "الناسخ" میں باسند ذکر کیا ہے۔ بحوالہ: الاتقان، سیوطی، ص ۸۸۰۔
2. ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب التفسیر۔

Marfat.com

فصل خامس

منہج تفسیر بالماثور کے اثرات

تعارف

گزشتہ فصول میں واضح ہو چکا ہے کہ منہج تفسیر بالماثور امت اسلامیہ کا اولین اور بنیادی منہج ہے۔ جسے امت نے عہد بہ عہد سینے سے لگائے رکھا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے دلکش مناہج وجود پذیر ہوئے اور بے چارگی سے معدوم ہوتے دیکھے گئے، اس کی ضرورت واہمیت پر جو تفصیلی بحث گزر چکی ہے، اس سے اس کے اثرات کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس فصل میں اثرات کا زیادہ واضح تصور پیش کیا جائے گا۔

***

Marfat.com

① ایمانیات کا صحیح شعور

اسلامی معاشروں میں ایمانیات کا صحیح شعور اسی منہج کی بدولت پختہ بنیادوں پر قائم ہے۔ اگر تفسیر بالماثور کے منہج سے صرف نظر کر لیا جائے تو خود ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات بھی فلسفیانہ موشگافیوں اور منطقی بحثوں میں نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ وحی کا تصور اور انبیاء و ملائکہ پر ایمان بھی اس منہج کی عطا ہے، بصورت دیگر انحرافی مناہج میں وحی بذات خود ایک معمہ بن جاتی ہے؟

قرآن مجید کی جمع و تدوین سے لے کر اس کے معانی و مفاہیم تک، اس کے ایک ایک حرف پر ایمان کی جو کیفیت معاشرے میں نظر آتی ہے وہ بھی اس منہج کی مرہون منت ہے۔

یوم آخرت کا خوف اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا احساس، عذاب قبر اور پل صراط کے مرحلے، حساب و میزان کے احوال اور حوض کوثر کے پر کیف مناظر، یہ سب تصورات اور اسلامی معاشروں میں ان کی ایمان افروز عکاسی، یہ سب کچھ منہج تفسیر بالماثور کے دم قدم سے ہی ہے۔

تفسیر بالماثور سے ذرا بھی ہٹ کر دیکھا جائے تو ان تمام تصورات پر ایمان بھی متزلزل نظر آنے لگتا ہے، خشک قسم کی بحثیں امکان و عدم امکان پر طویل مناقشے ہی نظر آتے ہیں۔ اور بس!!

② ارکان اسلام کا حقیقی مفہوم اور عملی تشکیل

توحید و رسالت کی گواہی، نماز کی ادائیگی اور اس کے فرائض و سنن و مستحبات، زکاۃ کی فرضیت و اہمیت اور اس کے نصابات و معارف، رمضان کے روزے اور تراویح کا قیام، حج اور اس کے مناسک، یہ تمام تر ارکان اسلام اس منہج تفسیر بالماثور کی بدولت ہی اپنی عملی شکل میں معاشرے کے اندر نظر آتے ہیں۔

تفسیر قرآن میں اگر اس منہج کو غائب کر دیا جائے تو اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکاۃ، صوم رمضان اور حج بیت اللہ کے لفظی قالب تو شاید باقی رہ جائیں گے، لیکن ان کے بنیادی مفاہیم ہر مفسر کی اپنی افتاد طبع کے مطابق تشکیل پائیں گے، کیونکہ ان پر عمل کا نقشہ حدیث رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی عملی زندگیوں سے ہی بنتا ہے، اگر ان دونوں چیزوں کو راہ سے ہٹا دیا جائے، تو پھر تاویل و تحریف کے لیے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس راہ کی رکاوٹ معدوم ہو جاتی ہے۔

③ قرآنی نص کی تفسیر میں تقدس کا عنصر شامل ہوا

منہج تفسیر بالماثور کے مطابق قرآن مجید کی نصوص انتہائی تقدس و عظمت کی حامل ہیں، یہ باری تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت کا مظہر ہے۔

Marfat.com

اس منہج کی رو سے قرآنی تفسیر وتشریح میں ایک تقدس، ایک عظمت اور انتہا درجہ احتیاط کا عنصر شامل ہوا۔ جسارت، بے احتیاطی اور لاپروائی کی بیخ کنی ہوئی۔ ادبار واسفال کے اس دور میں بھی اکثر لوگ قرآن کی ''من مانی تشریح'' کرتے ہوئے، اور بے عملی کے ساتھ اسے موضوع بحث بناتے ہوئے ایک خوف محسوس کرتے ہیں۔

منہج تفسیر بالماثور کے بغیر نصوص قرآن کی تشریح میں تقدس کا یہ عنصر باقی نہیں رہتا کہ پہلے تفسیر رسول اور تفسیر صحابہ کو دیکھا جائے اور پھر خود کوئی نتیجہ اخذ کیا جائے۔ بلکہ اس کے برعکس ہر کسی کے لیے تاویل وتحریف اور من چاہی تعبیر کا دروازہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

④ علم تفسیر پر وسیع ذخیرۂ کتب

اس منہج کی وساطت سے تفسیر طبری، قرطبی، ابن کثیر جیسی عظیم الشان تفاسیر منظر عام پر آئیں۔ تفسیر مواہب الرحمٰن، ترجمان القرآن، احسن التفاسیر جیسی وقیع اردو تفاسیر سے امت متعارف ہوئی اور ایک دنیا ان تفاسیر سے متاثر ہوئی۔

⑤ دیگر علوم اسلامیہ کی تشکیل

ایمان وعقیدہ، حدیث وسیرت، فقہ واصول فقہ، قصص وتاریخ اور دیگر اسلامی علوم اس منہج کے مطابق متشکل ہوئے۔ منہج تفسیر بالماثور کے مطابق ہی کتب توحید وعقیدہ میں ایمانیات کے مسائل مآخذ ومصادر سے مستنبط کیے گئے۔

حدیث وسیرت میں اس منہج کی جھلک دکھائی دیتی ہے، فقہ میں بھی اس کا رنگ غالب ہے اور قصص و تاریخ میں اس کی عکاسی ہے۔ اس لحاظ سے منہج تفسیر بالماثور اور دیگر علوم اسلامیہ میں ایک خوبصورت ہم آہنگی اور یک رنگی پائی جاتی ہے۔ قرآن وحدیث اور فقہ میں ایک ربط دکھائی دیتا ہے۔

⑥ کتب حدیث میں ابواب التفسیر

اس منہج کی بدولت کتب احادیث میں ابواب التفسیر مختص ہوئے۔ جن میں سے بالخصوص جامع ترمذی، مستدرک حاکم اور صحیح بخاری قابل ذکر ہیں۔

صرف مستدرک حاکم میں ایک ہزار یک صد سولہ (1116) احادیث کتاب التفسیر میں مروی ہیں۔ ❶ صحیح بخاری میں مفردات قرآنی کی تشریح میں منقول اقوال صحابہ وتابعین واہل لغت اور جامع ترمذی میں جمع کردہ تفسیری افادات اس پر مستزاد ہیں۔

---

❶ دیکھیے، مستدرك حاكم، ۲/ ۵۹۳، ۳/ ۳۔۴۰۶ (حدیث نمبر ۲۹۲۷ تا ۴۰۴۳)۔

Marfat.com

⑦ متجددین ومتاولین کی بروقت تردید

اس منہج کی بدولت کسی غالی معتزلی یا خارجی جبریہ وقدریہ کے کسی فرقے یا ان کے علاوہ کسی فرقہ ضالہ نے جب بھی تفسیری آڑ میں تاویل وتحریف کی کوشش کی تو علمانے بروقت تردید کی اور امت کے اجتماعی ضمیر نے اسے کبھی قبول نہ کیا۔

حتیٰ کہ ہمارے اس عہد زوال میں جب قادیانی، نیچری، پرویزی یا کسی بھی دوسرے گمراہ کن فرقے نے قرآن کی منحرف تاویلات پیش کیں، تو امت نے اسے فوراً مسترد کیا۔

⑧ گزشتہ تفسیروں کے حوالے سے اور ان سے استفادہ

منہج تفسیر بالماثور میں اگرچہ بنیادی اہمیت تو قرون اولیٰ ثلاثہ کو حاصل تھی۔ لیکن اس اہمیت سے بہر حال ایک گونہ اسلاف کی عظمت کا تاثر پیدا ہوا۔ اور نتیجتاً جس درجہ کوئی قدیم تفسیر سامنے آئی، اس درجہ اس کی اہمیت مسلم ہوئی اور عہد بہ عہد قدیم مفسرین اور تفسیروں کے حوالے منہج تفسیر بالماثور اور اس کے زیر اثر تفاسیر کا ایک امتیازی نشان بن گیا۔

منہج تفسیر بالماثور میں ضعف کے اسباب اور منفی اثرات

منہج تفسیر بالماثور کی درج بالا ضرورت واہمیت اور اہم اثرات کے باوجود، اس کے کچھ منفی اثرات بھی مرتب ہوئے، منہج تفسیر بالماثور میں چونکہ روایت کو خاص مقام حاصل تھا، اس سے بعض مفسرین میں روایت، روایت تک محدود رہنے کی بجائے ''روایت پرستی'' کی ایک شکل اختیار کرگئی۔ نتیجتاً موضوع اور من گھڑت روایات، افسانوں پر مبنی، خلاف عقل ونقل اسرائیلی روایات اور ضعیف ترین روایات بھی کتب تفاسیر میں ''پوری شان'' سے نظر آنے لگیں اور بعض دفعہ اصل تفسیر اور روح قرآن پر بھی حاوی ہوگئیں۔ ذیل میں ان روایات کے منفی اثرات و اسباب کا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔

① موضوع روایات

مذہبی وسیاسی اختلافات، فقہی وکلامی موشگافیوں، قصہ گو واعظوں کی ضرورتوں اور بعض جاہل صوفیوں کی بڑھتی ہوئی ''صالحیت پسندی'' نے موضوع روایات کا سلسلہ شروع کیا اور ان کا ایک معتدبہ حصہ علم تفسیر میں بھی در آیا، جس سے قرآن مجید کے بعض مفاہیم مسخ ہوئے اور اس کی حقیقی تعلیمات روپوش ہوئیں۔ [1]

---

[1] الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفاسیر، محمد احمد عیسیٰ، ۱/ ۱۹

Marfat.com

② اقوال صحابہ وتابعین

اسی طرح صحابہ کرام کی طرف بھی کچھ ایسے اقوال منسوب کردیے گئے جو حقیقتاً ان کے نہیں تھے اور یہی حال تابعین کرام کی طرف منسوب کئی اقوال کا ہے۔ جن کی حقیقت محض یہی ہے کہ کسی بندۂ حرص وہوٰی نے اپنی رائے کی ترویج کے لیے اسے کسی معروف صحابی یا تابعی کی طرف منسوب کردیا۔ ❶

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اقوال

بالخصوص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بڑی بے دردی سے تفسیری اقوال منسوب کیے گئے۔ اسی وجہ سے بسا اوقات ایک ہی آیت کی تفسیر میں ان سے متناقض اقوال مروی ہوتے ہیں۔ ❷

③ اسرائیلی روایات

بعض اسرائیلی روایات بالخصوص تفسیر بالماثور کے لیے بہت بڑی آفت ثابت ہوئیں۔ اگر غور کیا جائے تو تفسیر قرآن میں اسرائیلیات کی دخل اندازی کے تین بڑے اسباب نظر آتے ہیں:

ا پہلا سبب: عرب لوگوں کی امیت

پہلا سبب امام ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ بعض اسرائیلی روایات کے بارے میں امام موصوف کا بیان کردہ سبب واقعۃً صحیح صورت حال کی ترجمانی کرتا ہے۔

انہوں نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے۔

''متقدمین نے جب تفسیر کی کتابوں کو مدون کیا تو ان کے سامنے روایات کا جو ذخیرہ تھا وہ سب کا سب بلا تحقیق صحت اپنی کتابوں میں لے لیا، اس کی ایک خاص وجہ تھی اور وہ یہ کہ اہل عرب نہ تو کبھی اہل کتاب رہے اور نہ کبھی ان میں علم ہی رہا، ان پر ہمیشہ بدویت وامیت غالب رہی جس طرح بے پڑھے لکھے لوگوں کو کائنات کے بارے میں جاننے کا شوق اور معلومات حاصل کرنے کا جذبہ ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی یہ جاننا چاہتے تھے کہ یہ دنیا کیسے پیدا ہوئی؟ یہ سورج یہ چاند یہ ستارے کیا ہیں؟ یہ زمین وآسمان کب اور کیسے بنائے گئے وغیرہ وغیرہ، عربوں کے پڑوس میں پڑھا لکھا طبقہ اہل کتاب یہودیوں اور نصرانیوں کا تھا، عام یہودی بھی عربوں کے ساتھ بدویانہ زندگی ہی گزارتے تھے، اس لیے ان کی معلومات ویسی ہی تھیں جیسی عوام کی معلومات ہوسکتی ہیں، ان میں اہل حمیر کو

---

❶ الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفاسیر، محمد احمد عیسٰی، ۱/ ۱۹

❷ الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، محمد احمد عیسٰی، ۱/ ۴۱

Marfat.com

البتہ خصوصیت حاصل تھی جو دین یہودیت قبول کر چکے تھے۔

پھر اسلام آیا اور ان تمام لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے ذہنوں اور حافظوں میں جو پہلے کے سنے سنائے قصے پڑے ہوتے تھے علیٰ حالہ باقی رہے کیونکہ ان کا تعلق احکام شرعیہ سے نہیں تھا، یہ تخلیق عالم کی داستانیں، بادشاہوں کی جنگوں اور عربوں کی آپسی لڑائیوں کی کہانیاں تھیں یا اس طرح دین وشریعت سے غیر متعلق دوسرے قصے اور واقعات تھے، اسلام لانے کے بعد ان لوگوں نے اپنی مجلسوں میں اپنے آباواجداد سے سنے ہوئے قصوں کو مسلمانوں میں بیان کرنا شروع کر دیا، اس بیان کا باعث فساد عقیدہ نہیں تھا بلکہ قدیمی داستان کے طور پر اس کو بیان کرتے تھے۔

بعد میں جب تفسیر کی کتابیں مرتب ہونے لگیں تو یہی قصے اور داستانیں اور موقعوں پر درج کر دی گئیں جہاں قرآن نے واقعات نہیں وقصص کو مجمل طور پر بیان کیا ہے، چونکہ ان واقعات کا احکام سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے اس کی صحت کی زیادہ تحقیق نہیں کی گئی کیونکہ ان پر اعتقاد رکھنا یا ایمان لانا، ان پر عمل کرنا ضروری نہیں تھا اس لیے مفسرین نے اسے قبول کر لیا اور کتابوں میں درج کر دیا حالانکہ ان تمام روایتوں کا سرچشمہ درحقیقت وہی یہودی ہیں جو بدویانہ زندگی گزار رہے تھے، ان واقعات کے سلسلہ میں بیان کرنے والوں اور سننے والوں کو کچھ پتہ نہ تھا کہ حقیقت کیا ہے؟ اور کہاں تک یہ صحیح ہیں، اس کے باوجود یہ روایتیں مشہور ہوگئیں کیونکہ وہ خود مسلمان ہونے کے بعد قابل عزت سمجھے جاتے رہے اس لیے ان کی روایتوں کو قبول کر لیا گیا۔ ❶

ب دوسرا سبب: منافقوں کی سازش

علامہ ابن خلدون نے اسرائیلی روایات کی ایک خاص قسم کے بارے میں مذکورہ بالا رائے لکھی ہے یہ قسم ان روایتوں کی ہے جن کا منبع اور مخرج تو ضرور یہودیت ہی ہے لیکن ان کے بیان کرنے والوں اور مسلمانوں کی مجلسوں میں اس کا ذکر کرنے والوں کی نیتوں میں کوئی فتور نہیں تھا، ان کا مقصد بھی برا نہ تھا انہوں نے بطور قصہ و کہانی اس کا ذکر کیا ہے۔ جیسے گاؤں کی چوپال میں ہر ملک میں کچھ کہانیاں کہی اور سنی جاتی ہیں کوئی نہ ان کو سچ جانتا ہے اور نہ سنانے والا اس نیت سے سناتا ہے کہ لوگ ان کو صحیح اور سچی کہانیاں سمجھیں۔ یہ وقت گزاری کا ایک مشغلہ ہوتا ہے، یہ کوئی خاص معیوب بات نہ تھی۔

مگر ان سادہ دل لوگوں کی روایتوں کے علاوہ ان روایتوں کا بھی بہت بڑا انبار تھا جو بدنیتی اور اسلام دشمنی کے زیر اثر لوگوں کے ذریعہ پھیلائی گئیں۔ یہ ان لوگوں کا کارنامہ تھا جو اسلام اور بانی اسلام سے دلی بغض و

---

❶ مقدمہ ابن خلدون ص ۴۹۰-۴۹۱ نیز دیکھیے، تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی، ۲٤۱٦، تفسیروں میں اسرائیلی روایات، مولانا اسیر ادروی (استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس)، ص ۱۸-۱۹۔

Marfat.com

عداوت رکھتے تھے، مگر وہ اپنی اسلام دشمنی میں کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور منافقوں کی زندگی اختیار کر کے ایک زبردست خفیہ سازش کی کہ اسلام کے اندر ایسے توہمات بعید از عقل واقعات اور خلاف تجربہ ومشاہدہ قصوں کو رواج دے دیا جائے جو اسلام کی ساری تعلیم کو بے وزن بنا دیں، اسلام کے تاریخی تسلسل کو دیو مالائی سلسلہ واقعات کی ایک کڑی بنا دیں، ان کی ساری روایات مضحکہ خیز اور توہم پرستی کا ثمرہ کہی جانے لگیں، ایسے لوگ بدنیتی کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے اور انہوں نے اس محاذ پر بڑے زور شور سے کام شروع کر دیا، چونکہ خاندان رسالت سے اپنی شیفتگی کا اظہار کرتے تھے اس لیے عام لوگ ان کہانیوں پر دھیان دیتے تھے اور ان کا اعتبار کرتے تھے اس طرح ان کی روایتوں کو قبولیت عامہ حاصل ہو جاتی تھی۔ ❶

ج تیسرا باب: قصہ گو واعظین

مسلمانوں میں ان روایتوں کے پھیلنے کی ایک وجہ قصہ گو واعظین بھی تھے جو عوام کی عجوبہ پسند طبیعتوں کو مدنظر رکھ کر عجیب وغریب، حیرت ناک اور محیر العقول واقعات بیان کرتے تھے، ان کو ان روایتوں کے سچے اور جھوٹے ہونے سے کوئی سروکار نہیں تھا، ان کو اپنی فتوحات اور نذرانوں سے مطلب تھا وہ عوام کی دلچسپی کے لیے ان جھوٹے اور اسرائیلی قصوں کو لوگوں کے سامنے مذہبی رنگ میں بیان کرتے تھے اور لوگ بڑی دلچسپی سے ان کو سنتے تھے، جب اس فتنہ نے زور پکڑا تو مختلف عہدوں میں ان قصہ گو واعظوں کو بہ جبر مسجدوں سے نکالا گیا ان پر پابندیاں عائد کی گئیں کہ ذہنوں کو خراب کرنے والی ان روایتوں کی سمیّت سے عام مسلمانوں کو محفوظ رکھا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اور عبداللہ بن عمر نے ایسے بے بنیادی اور فرضی واقعات بیان کرنے والوں کو مسجدوں سے نکلوایا ہے۔ ❷ معتضد باللہ عباسی خلیفہ نے بھی ایسے لوگوں کو مسجدوں سے نکلوانے کا حکم دے رکھا تھا اور ان پر حکومت کی طرف سے پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ ❸

ان قصہ گو اور فسانہ تراش واعظوں کا عوام پر کتنا اثر تھا؟ اور ان کے دلوں پر ان کی گرفت کتنی مضبوط تھی؟ اس کا اندازہ مشہور محدث عامر شعبی کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک دن عبدالملک بن مروان کے پاس شام کے سربرآوردہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، خلیفہ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس وقت عراق میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ سب لوگوں نے متفقہ طور پر کہا کہ اس وقت عراق میں عامر شعبی سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔ انہی حضرت عامر شعبی کا واقعہ ہے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مسجد کی ایک سمت ایک لمبی داڑھی والا شخص بیٹھا ہوا ہے، لوگوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، وہ شخص ان لوگوں کے سامنے حدیث بیان کر رہا تھا، اس نے کہا حدثنی فلان عن

❶ تفسیروں میں اسرائیلی روایات، مولانا اسیر ادروی، ص۱۹۔۲۰

❷ احیاء العلوم غزالی، ج ۱ ص ۵۸۔۵۹۔ ❸ تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۲۴۶۔

Marfat.com

فلان اور حضور ﷺ تک سند بیان کر کے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے دو صور پیدا کیے ہیں اور ہر صور دو بار پھونکا جائے گا۔ ایک صور پھونکا جائے گا تو ساری دنیا کے لوگ مر جائیں گے اور جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو میدان حشر میں حساب کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔

حضرت شعبی کہتے ہیں کہ میں اس کی اس غلط بات پر ضبط نہ کر سکا، میں نے اپنی نماز ذرا ہلکی کر کے جلدی ختم کر دی اور اس شخص کے پاس گیا اور اس سے کہا یا شیخ! اللہ سے ڈر اور جھوٹی حدیثیں مت بیان کر، اللہ نے صرف ایک صور پیدا کیا ہے، اسی ایک صور کے دو نفخ (پھونک) ہیں، پہلی بار لوگ مر جائیں گے اور دوسری بار جی اٹھیں گے۔ شیخ نے گرم ہو کر مجھ سے کہا بد معاش! میں فلان عن فلان سے حدیث بیان کرتا ہوں اور تو میری تردید کرتا ہے، یہ کہہ کر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جوتا اٹھایا اور تڑاتڑ مجھ پر برسانے لگا، اور جب شیخ کو لوگوں نے یہ کرتے ہوئے دیکھا تو سب نے مل کر میری خوب پٹائی کی اور اس وقت تک میری پٹائی بند نہیں کی جب تک مجھ سے یہ نہ کہلوایا کہ اللہ نے تین صور پیدا کیے ہیں اور ہر صور کے لیے ایک نفخہ ہے، جب میں نے اقرار کر لیا تو انہوں نے مجھے چھوڑا، میں فوراً وہاں سے چل پڑا اور دمشق پہنچا اور عبدالملک کے پاس گیا، جب سلام کر کے بیٹھ گیا تو اس نے کہا کہ سفر کیسا رہا؟ اگر کوئی خاص واقعہ ہو تو بتائیے، میں نے اس کو اپنی پٹائی کا سارا واقعہ سنا دیا تو وہ بڑی دیر تک پیر پٹک پٹک کر ہنستا رہا۔ ❶

د چوتھا سبب: فرضی سند

ان قصوں کی مقبولیت کی وجہ یہ بھی ہوئی کہ جعلسازوں نے اپنی تمام جھوٹی اور لغو روایتوں کو کسی نہ کسی بڑی مذہبی شخصیت، بزرگ عالم یا محدث کی طرف منسوب کر رکھا تھا اور بلا جھجک ان روایتوں کو حضور اکرم ﷺ کے نام سے بیان کرتے تھے تاکہ سننے والوں کے نزدیک ان روایتوں کو مرفوع حدیث کا درجہ حاصل ہو جائے، اگر بہت نیچے اترتے تھے تو اسے کسی نہ کسی صحابی کی طرف منسوب کر دیتے تھے، تاکہ ان روایتوں کو موقوف روایتوں ہی کا درجہ حاصل ہو جائے، لوگ ان روایتوں کو سنتے تھے اور ان کی صحت پر یقین کر لیتے تھے، اس طرح یہ بے بنیاد روایتیں مسلمانوں میں رواج پا گئیں۔ ❷

اسرائیلی روایات کے نقصانات

اسرائیلی روایات کا ایک معتدبہ حصہ اوہام وخرافات پر مبنی تھا، جن کو بعض واعظین نے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کی، اور بعض مفسرین نے ان روایات کو تفسیر قرآن میں درج کر دیا، جس سے تباہ کن نتائج برآمد ہوئے۔ ❸

---

❶ بحوث فی علوم التفسیر، الذھبی، ص ۲۹۔ ❷ تفسیروں میں اسرائیلی روایات۔ ص ۲۲

❸ بحوث فی علوم التفسیر والفقہ والدعوۃ، دکتور محمد حسین الذھبی، ص ۳۰

Marfat.com

① عقائد کی خرابی

ایک اہم اور بنیادی نقصان یہ ہوا کہ مسلمانوں کے صافی عقائد میں ذات باری تعالیٰ اور حضرات انبیاء کرام کی عصمت تک کے بارے میں خرابیاں درآئیں۔

② اوہام وخرافات پر ایمان

بعض اسرائیلی روایات سے مسلمانوں میں خلاف عقل ونقل محض اوہام وخرافات پھیل گئے۔ مثلاً حضرت آدم کے بارے ایک اسرائیلی روایت میں آتا ہے کہ ان کا سر بادلوں اور آسمانوں تک پہنچتا تھا، اس وجہ سے وہ آسمان سے ٹکراتا تھا اور ان کے سر کے بال جھڑ گئے، اور جب وہ زمین پر اتارے گئے تو اس قدر روئے کہ ان کے آنسو سمندر کی شکل دھار گئے اور اس میں کشتیاں چلنے لگیں۔ ❶

تفسیر قرطبی میں عرش الٰہی کی تفصیل میں یہ اسرائیلی روایت بیان ہوئی ہے:

جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا، تو عرش نے کہا، مجھ سے بڑی کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ پیدا نہیں فرمائے گا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اردگرد ایک سانپ لپیٹ دیا۔ اس سانپ کے ستر ہزار بازو تھے، ہر بازو میں پرے تھے، ہر پرے کے ستر ہزار چہرے تھے، ہر چہرے میں ستر ہزار منہ تھے، ہر منہ کے اندر ستر ہزار زبانیں تھیں۔

اس سانپ سے روزانہ بارش کے قطروں، درختوں اور پتوں، کنکر اور مٹی، ایام دنیا اور فرشتوں کی تعداد کے برابر سبحان اللہ کی آوازیں آتی تھیں۔ وہ سانپ عرش سے لپٹ گیا، وہ اس قدر بڑا ہے کہ عرش اس کے نصف حصے تک پہنچتا ہے اور وہ بدستور اس کے ساتھ لپٹا ہوا ہے۔ ❷

③ اسلاف پر اتہام والزام

ان اسرائیلی روایات کی بنا پر بعض ہمارے گرامی قدر اسلاف کو موردالزام ٹھہرایا گیا، بلکہ بعض منکر اسرائیلی روایات چونکہ صحابہ وتابعین کی طرف منسوب ہوئیں، لہٰذا بعض مستشرقین اور ان کے مقلدین بعض مسلمان مصنّفین کے زہر آلود قلم سے ہمارے جلیل القدر صحابہ محفوظ نہ رہ سکے۔ ❸

---

❶ تاویل مختلف الحدیث، ابن قتیبة، ۳۳۵، بحوث فی علوم التفسیر، محمد حسین الذهبی ص۳۲۔

❷ تفسیر قرطبی، ۱۵/ ۲۹٤، بحواله: بحوث فی علوم التفسیر، محمد حسین الذهبی۔ ص۳۲۔

❸ اس الزام پر اس کی تفصیلی تردید کے لیے ملاحظہ ہو: بحوث فی علوم التفسیر، محمد حسین الذیبی، ص۳۳۔

Marfat.com

④ قرآن کے اصل مقصد سے اعراض

بعض قصہ گو اور قصہ پسند طبائع ایسی بھی واقع ہوئیں، جو تفسیر قرآن میں اسرائیلی روایات سے شدید تاثر اور دلچسپی کی بنا پر قرآن کے اصل مقصد سے غافل رہ گئیں۔

علی سبیل المثال: وہ اصحابِ کہف کے کتے کا رنگ ڈھونڈتے رہے، اس کا نام تلاش کرتے رہے، عصائے موسیٰ پر تحقیق کرتے رہے، وہ کس درخت کا تھا؟ اس بحث و مباحثہ میں الجھے رہے، خضر کا مقتول بچہ کون تھا اور سفینۂ نوح کا طول و عرض کیا تھا، اس طرح کے مباحث میں سرگرداں رہے، لیکن ان واقعات میں مضمر احکام و عبر اور پند و نصائح سے یکسر غافل رہے اور اس مقصد تک ان کی نگاہ بلند ہی نہ ہو سکی، جس کے پیش نظر قرآن مجید نے ان واقعات کا تذکرہ فرمایا تھا۔[1]

***

[1] بحوث فی علوم التفسیر، محمد حسین الذهبی، ص۳۳۔

Marfat.com

نتائج تحقیق باب دوم
(تفسیر بالمأثور: ضرورت واہمیت، اثرات)

① لفظ مأثور کے مادہ "أثــر" میں نشانِ راہ، علامت، باقی ماندہ چیز، منقول علم اور اتباع کا مفہوم پایا جاتا ہے۔اس لحاظ سے لغوی طور پر بھی تفسیر بالمأثور سے وہی تفسیر مراد ہے جو منقول، متوارث اور انہی راہوں پر ہو، جن پر اسلاف نشان متعین کر گئے ہیں۔

② اصطلاحی لحاظ سے تفسیر بالمأثور سے مراد وہ تفسیر ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ، صحابہ یا تابعین کی طرف ہو۔

③ تفسیر قرآن میں اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے، تو اس کا کیا حل ہے؟ کس کا فہم قرآن صحیح قرار پائے اور کس کا غلط؟ اس معاملے میں ایک متعین کسوٹی اور واضح معیار کی ضرورت ہے۔تفسیر بالمأثور کا منہج درحقیقت تفسیری اختلافات کی صحت جانچنے کے لیے ایک واضح معیار پیش کرتا ہے، یعنی: رسول اللہ ﷺ کے اقوال واعمال، تقریرات، اور خیر القرون کا مجموعی طور پر فہم قرآن۔

④ تفسیر بالمأثور ہی اتحاد امت کا ذریعہ ہے۔اس منہج کے بغیر ایمان واسلام کے بنیادی تصورات بھی طے نہیں ہو سکتے۔

⑤ منہج تفسیر بالمأثور کے نزدیک قرآن مجید کی تشریح وتعبیر عہد نبوی وصحابہ میں علمی ونظریاتی اور عملی واطلاقی سطح پر طے ہو چکی ہے۔بنیادی تشریح امت میں ایک تسلسل کے ساتھ چلی آ رہی ہے۔اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہی "پہلا" شخص ہے، جو "پہلی دفعہ" قرآن کو سمجھنے چلا ہے اور باقی "ساری" امت، اپنی پوری تاریخ میں صحیح فہم قرآن سے نا آشنا رہی ہے، تو ایسا دعویٰ، بہر صورت کوئی ادنی سی بھی علمی بنیاد نہیں رکھتا۔

⑥ تفسیر بالمأثور کو قانونی نظائر کا درجہ حاصل ہے۔

⑦ لغوی لحاظ سے بھی تفسیر بالمأثور کو حجت کا درجہ حاصل ہے، کیونکہ اس میں عربی لغت کے عصر احتجاج سے

Marfat.com

تعلق رکھنے والے عرب صحابہ وتابعین کے اقوال منقول ہوتے ہیں۔

⑧ منہج تفسیر بالمأثور نزول قرآن کے بنیادی مقاصد سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے، اس منہج کو اپنانے سے سیرت النبی ﷺ وحیات صحابہ سے ایمان وعمل کے بہترین نمونے فراہم ہوتے ہیں نیز فکر آخرت اور زہد وتقویٰ کی اعلیٰ کیفیات صرف اسی منہج کی بدولت پیدا ہوسکتی ہیں۔

⑨ منہج تفسیر بالمأثور میں حدیث کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس کے بغیر قرآن مجید پر ایمان لانا بھی ممکن نہیں۔ نیز قرآن مجید کی اپنی تصریح کے مطابق تشریح قرآن، رسالت مآب ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔

⑩ منہج تفسیر بالمأثور سے رہنمائی لیے بغیر غزوات واقعات اور بعض مبہمات پر مشتمل آیات کی تفسیر ممکن ہی نہیں ہے۔

⑪ احادیث رسول درحقیقت نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے فہم قرآن اور تدبر فی القرآن کا ماحصل ہیں۔

⑫ صحابۂ کرام کے تفسیری اقوال عدم اختلاف کی صورت میں حجت ہوتے ہیں۔

⑬ صحابۂ کرام کے تفسیری اقوال فقہی اقوال کی بنسبت زیادہ اہم ہیں۔ کیونکہ فقہی اقوال میں درایت و اجتہاد کا زیادہ دخل ہوسکتا ہے، جب کہ تفسیری اقوال میں زبان دانی، عرب اسالیب سے کامل آگاہی اور نزول قرآن کے احوال وواقعات کا عینی مشاہدہ اور حددرجہ حزم واحتیاط جیسے عناصر شامل ہوتے ہیں۔

⑭ جس طرح صحابۂ کرام ایمان وتقویٰ میں سب سے فائق ہیں، بعینہٖ اس طرح وہ علم دین اور فہم قرآن میں بھی سب سے آگے ہیں۔

⑮ منہج تفسیر بالمأثور کے بارے یہ مغالطہ کہ وہ تدبر واجتہاد کے منافی ہے، درست نہیں، کیونکہ تفسیر بالمأثور تدبر واجتہاد کو روکتا نہیں بلکہ تدبر واجتہاد کو صحیح سمت اور رخ فراہم کرتا ہے۔

⑯ اسرائیلیات، ضعیف وموضوع روایات اور منحول اقوال منہج تفسیر بالمأثور میں ضعف واضمحلال کے بنیادی اسباب ہیں۔

⑰ عقائد اسلام، ارکان اسلام اور اسلامی معاشری اقدار منہج تفسیر بالمأثور ہی کی بدولت محفوظ ہیں اور آج تک اسلامی معاشروں میں فکری وعملی سطح پر ایک متعین شکل میں پائے جارہے ہیں۔

⑱ منہج تفسیر بالمأثور کی بدولت قرآنی نص کو ایک خاص تقدس کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لیے منہج تفسیر بالماثور سے وابستہ مفسرین تفسیر قرآن میں انتہادرجہ احتیاط اور تورع سے کام لیتے ہیں۔

❊❊❊

Marfat.com

Marfat.com

باب سوم

منہج تفسیر بالماثور کے اصول و قواعد

فصل اول: تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول وقواعد

فصل ثانی: تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول وقواعد

فصل ثالث: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین کے اصول وقواعد

فصل رابع: تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ کے اصول وقواعد

فصل خامس: دیگر مآخذ سے استفادہ کے اصول وقواعد

***

Marfat.com

تعارف باب سوم

اثری مکتبِ فکر کے نزدیک تفسیرِ قرآن کے کل چھ ماخذ ومصادر ہیں۔

① خود قرآن کریم

② احادیث نبویہ

③ اقوال صحابہ

④ اقوال تابعین

⑤ لغت عرب

⑥ عقل واجتہاد ❶

منہج تفسیر بالمأثور پر مبنی تفاسیر، چاہے وہ قدیم ہوں یا جدید، برصغیر میں رقم کی گئی ہوں یا اسلامی دنیا کے کسی بھی کونے میں، بنیادی طور پر انہی چھ مآخذ پر انحصار کرتی ہیں اور اسی ترتیب کے ساتھ جس ترتیب سے اوپر مذکور ہے۔ ان میں سے ہر ایک ماخذ سے استفادہ واستنباط کے اصول وضوابط کیا ہیں؟ ہر ماخذ کی حجیت، مقام ومرتبہ اور حیثیت کیا ہے؟ اس باب میں ان سوالات کو زیر بحث لایا جائے گا۔ اس باب کے آخر میں یہ بھی واضح کیا جائے گا کہ برصغیر کے اثری مکتب نے کس طرح منہج تفسیر بالماثور کے بنیادی مصادر و مآخذ سے مکمل ہم آہنگی اور تعارف کا اظہار کیا ہے؟

***

❶ دیکھیے: علوم القرآن مولانا ''تقی عثمانی''، ص ۳۲۷، علوم القرآن مولانا گوہر رحمان، ۲/ ۲۷۰۔ ۳۷۹

Marfat.com

فصل اول

تفسیر القرآن بالقرآن

تعارف

قرآن کی تلاوت اور اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے بعض حقائق کو ذہن نشین کرانے کے لیے متعدد مقامات پر ان کا اعادہ کیا ہے، لیکن ہر مقام پر انداز بیان جداگانہ ہے۔ ایک مقام پر اگر اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اس کو تفصیل سے بیان فرما دیا ہے، بعض آیات میں اگر اطلاق ہے تو دوسری آیات میں اس کی تفسیر فرما دی ہے اور ایک مقام پر اگر عموم ہے تو دوسرے مقام پر تخصیص فرما دی ہے۔ قرآن کے اس پیرایہ بیان و اسلوب کلام کے پیش نظر علما نے لکھا ہے:

"اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا"

''قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی وضاحت کرتا ہے۔''

اس فصل میں اس اصول کی وضاحت اور مثالیں پیش کی جائیں گے۔

***

Marfat.com

علمائے تفسیر بالماثور نے اپنی تفسیر، تفسیری مقدمات، اور کتبِ اصولِ تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن کو بنیادی حیثیت دی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر اس اصل پر زور دیا ہے، مقدمہ اصولِ تفسیر میں لکھتے ہیں:

((فان قال قائل: فما احسن طرق التفسير ؟ فالجواب ان اصح الطرق فی ذالك ان يفسر القرآن بالقرآن)) ❶

''اپنے فتاویٰ میں بھی انہوں نے اس اصل پر زور دیا ہے۔'' ❷

امام ابن کثیر نے بھی مقدمہ تفسیر میں اسی اصل کو بہترین کہا ہے۔ ❸

علمائے برصغیر بھی اسی اصل پر متفق ہیں۔ ❹

علامہ شنقیطی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تفسیری منہج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" بيان القرآن لاجماع العلماء على ان اشرف انواع التفسير واجلها تفسير كتاب الله بكتاب الله ، اذ لا أحد أعلم بمعنى كلام الله وعلا من الله جل و علا " ❺

حجیت اور عدم حجیت کے لحاظ سے تفسیر القرآن بالقرآن کی اقسام

تفسیر القرآن بالقرآن بذاتِ خود ایک اہم اصول ہے، لیکن تطبیق کے لحاظ سے اس کی کئی اقسام ہیں۔ ❻

پہلی قسم

خود قرآن مجید نصاً اپنے کسی مقام کی تفسیر پیش کرے، جس کے بعد قطعی طور پر نتیجہ اخذ کیا جا سکے کہ یہ تفسیر

❶ مقدمه فی أصول تفسير، ص٤٢۔ ❷ فتاویٰ ابن تیمیه، ۳۶۳۱۳۔

❸ مقدمه تفسير ابن كثير، ٢٤١۔

❹ دیکھیے: علوم القرآن، مولانا تقی عثمانی، ص۳۲۸۔ ، علوم القرآن، مولانا گوهر رحمان، ٢٢٦٢ ، فهم قرآن کے بنیادی اصول، مولانا عبده الفلاح، ص ٤

❺ أضواء البيان، ٧١۔ ❻ دیکھیے: قواعد التفسير ، خالد بن عثمان السبت، ١٠٩١۔

Marfat.com

القرآن بالقرآن ہے۔ ❶

مثال نمبر 1: سورۂ طارق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ٥ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ ٥ النَّجْمُ الثَّاقِب﴾ ❷

اس کی روشنی میں ہم قطعی طور پر ''النجم الثاقب'' کو ''الطارق'' کی قرآنی تفسیر قرار دیں گے۔

مثال نمبر 2: اس طرح ''یوم الدین'' کی تفسیر خود نص قرآنی سوال وجواب کے انداز میں کرتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ٥ ثُمَّ مَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ٥ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ٥﴾ ❸

مثال نمبر 3: سورۂ بقرہ میں فرمایا:

﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥﴾ ❹

اوران کلمات کی تفسیر خود قرآن مجید نے فرمادی:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ٥﴾ ❺

دوسری قسم

تفسیر القرآن بالقرآن کی دوسری قسم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی آیت کی تفسیر اپنی زبانِ اقدس سے دوسری آیت کے ذریعے فرمادیں۔ صحیحین ❻ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت مبارک نازل ہوئی:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ ❼

''تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا مطلب وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو۔''

---

❶ شرح مقدمة فی اصول تفسیر، دکتور مساعد، ص۲۷۱۔

❷ سورة الطارق، ۸۶: ۲۔۳۔ ❸ سورة الانفطار، ۸۲: ۱۷۔۱۹۔

❹ سورة البقرة، ۲: ۳۷۔ ❺ سورة الاعراف، ۷: ۲۳۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء باب واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا، حدیث ۳۳۶۰، ص، ۵۶۰۔۵۶۱ کتاب التفسیر باب "ولم یلبسوا ایمانھم بظلم، حدیث ۴۶۲۹ ص، ۷۹۲، صحیح مسلم کتاب الایمان، باب صدق الایمان، واخلاصه، حدیث ۱۹۷ "

❼ سورة الانعام، ۶: ۸۲۔

Marfat.com

﴿ "لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" بِشِرْكٍ ﴾

کیا تم نے لقمان کا قول نہیں سنا جو اس نے اپنے بیٹے کو کہا:

﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ٥ ﴾ ❶

تیسری قسم

تفسیر القرآن بالقرآن کی تیسری قسم یہ ہے کہ کوئی صحابی قرآن مجید کی کسی آیت کو دوسری آیت کی تفسیر قرار دے اور اس باب میں کسی دوسرے صحابی اس کی مخالفت بھی ثابت نہ ہو۔

مثلاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ ﴿ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ٥ ﴾ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان ہے، پھر اپنے قول کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ پیش کرتے ہیں:

﴿ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ٥ ﴾ ❷

چوتھی قسم

تفسیر القرآن بالقرآن کی چوتھی قسم یہ ہے کہ علمائے امت متفقہ طور پر کسی آیت کو دوسری آیت کی تفسیر قرار دیں۔

پانچویں قسم

تفسیر القرآن بالقرآن کی پانچویں قسم یہ ہے کہ کوئی مفسر اپنے ذاتی اجتہاد واستنباط سے کسی آیت کو دوسری آیت کی تفسیر قرار دے، یا کسی مضمون قرآنی کی تفسیر دوسرے مقامات سے پیش کرے۔ اس صورت میں مفسر کا مدلول اگرچہ قرآن مجید ہی ہے، اس کا مبدأ و اصول بھی صحیح اور مسلّم ہے لیکن کیا وہ آیت واقعۃً دوسری آیت کی تفسیر ہے یا نہیں؟ اور آیا وہ مضمون واقعۃً قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے ثابت ہے یا نہیں؟ یہ بہرحال اس کا ذاتی اجتہاد شمار ہوگا، جو صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔

مثلاً: ﴿ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾ ❸ میں اختلاف ہے کہ یہاں ''قرء'' سے مراد طہر ہے یا حیض، کیونکہ عربی زبان میں ''قرء'' دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ علامہ شنقیطی لکھتے ہیں کہ یہاں ''قرء'' بمعنی طہر ہے، کیونکہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ ﴿ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ ❹ ''یہاں پر نص نبوی کے مطابق عدت سے مراد طہر ہے، لہٰذا ثابت ہوا "ثلثة قروء" کی مطلوبہ عدت از روئے طہر ہے۔'' ❺

---

❶ سورۃ لقمان، ۳۱: ۱۳۔ ❷ سورۃ الانبیاء، ۲۱: ۳۲ ❸ سورۃ البقرہ، ۲: ۲۲۸۔

❹ سورۃ الطلاق، ۶۵: ۱۔ ❺ سورۃ اضواء البیان، ۸۱۔

Marfat.com

علامہ شنقیطی آیت کی تفسیر دوسری آیت کی روشنی میں فرمار ہے ہیں، لیکن بہر حال یہ ان کا اجتہاد ہے جو کہ محل خطاو صواب دونوں ہو سکتا ہے۔

آیات الأحکام کی تفسیر میں مفسرین کا دیگر آیات سے استدلال عموماً اس طرح کی اجتہادی نوعیت کا ہے۔ ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' مولانا ثناء اللہ امرتسری، تفسیر ''تدبر قرآن'' مولانا امین احسن اصلاحی، اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔

چھٹی قسم

یہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کی جائے لیکن دونوں کو ملا کر جو نتیجہ نکالا جا رہا ہو وہ احادیث نبویہ، اقوال صحابہ یا اجماع امت کے مخالف ہو۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ اصول بذات خود ٹھیک اور مسلّم ہے لیکن اس کی تطبیق غلط کی گئی ہے۔ اہل بدعت وضلالت کا یہی طرزِ عمل ہے۔

قدیم معتزلہ سے لے کر جدید عقل پرستی کی تحریکات تک اکثر ''معتزلہ ومتجددین'' اس قسم کی تفسیریں پیش کرتے رہے ہیں۔

مثلاً: مسٹر پرویز اور محمد علی لاہوری کو اس پر اصرار ہے کہ قرآن میں جس آدم کا ذکر ہے، وہ اولین فرد انسان نہیں ہیں، بلکہ نوع انسانی کے وجود پذیر ہونے کے بعد، کسی قبیلے کا ممتاز فرد تھا۔ اس موقف کی دلیل میں، یا یوں کہہ لیجئے کہ آیات تخلیق انسان کی تفسیر میں وہ دیگر قرآنی آیات سے ''مزعوم استدلالات'' پیش کرتے ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن نے سجدۂ آدم کا ذکر کرتے ہوئے، جب بھی، ابلیس کی طرف سے انسانوں کو گمراہ کرنے کی انتقامی کارروائی کا ذکر کیا ہے، تو وہاں جمع کے صیغے کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً:

﴿ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝﴾ ❶

﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ ﴾ ❷

﴿ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ﴾ ❸

ان آیات میں ''ھـم'' کی ضمیر، جو خواہ جری حالت میں ہے، یا مفعولی حالت میں، جمع ہی کی ضمیر ہے، اس سے یوں استدلال کیا گیا ہے:

---

❶ سورۃ الحجر، ۱۵: ۳۹۔ ❷ سورۃ الاعراف، ۷: ۱۶۔

❸ سورۃ الاعراف، ۷: ۱۷۔

Marfat.com

''یہاں "ھم" جمع کی ضمیر ہے، جس کا معنی تمام انسان ہیں، اور پھر لفظ "اجمعین" نے اس کی مزید وضاحت کر دی ہے کہ یہ ایک فرد (آدم) یا ایک جوڑے (آدم وحوا) کا قصہ نہیں، تمام انسانوں کی داستان ہے۔'' ❶

پرویز صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ...... ﴾ ❷

''یقیناً ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت گری کی اور پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو۔''

یہاں پرویز صاحب کی بنائے استدلال یہ ہے کہ آدم کے ذکر سے قبل، بنی نوع انسان کی تخلیق کا ذکر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خلق آدم سے قبل یہ لوگ پیدا ہو چکے تھے، لہٰذا آدم اول البشر اور ابوالبشر نہیں تھے۔ ❸

***

❶ تفسیر مطالب الفرقان، پرویز، ۶۲۲۔

❷ سورۃ الاعراف، ۷: ۱۱۔

❸ تفصیل وتردید کے لیے دیکھیے: تفسیر مطالب الفرقان کا علمی وتحقیقی جائزہ، ڈاکٹر محمد دین قاسمی، ۲۲،۷۔

Marfat.com

تفسیر القرآن بالقرآن کی چند اہم صورتیں

① قرآنی استعمالات کے ذریعے مفردات القرآن کی تشریح کرنا

تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک صورت یہ ہے کہ قرآنی الفاظ وکلمات کو خود قرآن مجید کے استعمالات کی روشنی میں سمجھا جائے۔ مثلاً

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ﴾ ❶

یہ آیت قوم لوط کے بارے میں ہے، ایک دوسری آیت میں قوم لوط پر عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ﴾ ❷ جس سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ "سجیل" سے کیا مراد ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً﴾ ❸

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَ تَرَی الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ﴾ ❹

جس سے واضح ہوتا ہے کہ "خاشعة" اور "هامدة" مترادف ہیں اور ایک دوسرے کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

---

❶ سورة هود، ۱۱:۸۲۔

❷ سورة الذاريات، ۵۱:۳۳۔

❸ سورة حم السجدة، ۴۱:۳۹۔

❹ سورة الحج، ۲۲:۵۔

Marfat.com

عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَo يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَo﴾ ❶

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْاَمُوْنَ o﴾ ❷

ان آیات کو ملانے سے استحسار، فتر اور سئم ایک دوسرے کی بہترین وضاحت پیش کرتے ہیں۔

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَاكَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ ❸

ایک دوسری آیت میں یوں ہے:

﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَo﴾ ❹

ان دونوں آیات کو ملانے سے ظلم وفسق اور ارسال وانزال کی تفسیر سامنے آتی ہے اور ان کے معانی کا تعین ہو جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے: ﴿ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ﴾ ❺ دوسری جگہ: ﴿فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ ❻ اس سے انفجار اور انبجاس کی تشریح معلوم ہوتی ہے۔

اس طرح کے استنباطات اور تشریحات کی بنیادی رہنمائی خود شارحِ اول ومفسرِ اول صاحبِ قرآن ﷺ کے بعض ارشادات سے مترشح ہوتی ہے۔

مثلاً: ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ o﴾ ❼

پڑھ کر ارشاد فرمایا: ((الدعاء هو العبادة)) ❽ ”دعا عبادت ہے۔“

❶ سورة الانبياء، ۲۱: ۲۰-۱۹۔
❷ سورة حم السجدة، ۴۱: ۳۸۔
❸ سورة البقرة، ۲: ۵۹۔
❹ سورة الاعراف، ۷: ۱۶۲۔
❺ سورة البقرة، ۲: ۶۰۔
❻ سورة الاعراف، ۷: ۱۶۰۔
❼ سورة المؤمن، ۴۰: ۶۰۔
❽ سنن ابو داوٗد، كتاب الوتر، باب الدعاء، حديث (۱۴۸۱)، سنن ابن ماجه، كتاب الدعاء، باب فضل الدعاء، حديث (۳۸۲۸)، جامع ترمذى، ابوب تفسير القرآن، باب تفسير سورة البقرة، حديث (۲۹۶۹)۔

Marfat.com

گویا آپ کا طرز استدلال یہ تھا کہ آیہ مبارکہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے ''ادعونی'' کہہ کر دعا کا حکم فرمایا اور آیت کے دوسرے حصہ میں اس حکم سے استکبار وانحراف کرنے والوں کو ﴿یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ﴾ فرما کر جہنم کی وعید سنائی، جس سے یہ معلوم ہوا کہ اس مقام پر عبادت سے مراد دعا ہے۔

② قرأت کے ذریعے تفسیر

تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک اہم صورت یہ بھی ہے کہ قراءت کی روشنی میں مفردات کی تشریح کی جائے اور بعض مفاہیم کی تعیین کی جائے۔ اس بارے میں منہج تفسیر بالماثور کا ایک اہم قاعدہ یہ ہے: ((القراءات یبین بعضها بعضا)) ❶ یعنی بعض قراءات دوسری قراءات کی تفسیر کرتی ہیں۔

قرآن مجید میں حائضہ خواتین کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى یَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ﴾ ❷

''یَطْهُرْنَ'' میں دوسری قراءت طاء اور باء کی تشدید کے ساتھ ''یَطَّهَّرْنَ'' ہے، جس سے طہارت میں مبالغہ کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ جب کہ ''یَطْهُرْنَ'' مطلق طہارت پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا ''یَطْهُرْنَ'' کو ''یَطَّهَّرْنَ'' یعنی خوب طہارت کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ ❸

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ ❹

((الصلاة الوسطی)) درمیانی نماز کون سی ہے؟ اس کا جواب حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی قراءت سے ملتا ہے، ان کی قراءت ایسے ہے: ((حافظوا علی الصلوات والصلاة الوسطی صلاة العصر)) ❺

---

❶ أضواء البیان، شنقیطی، ۲ /۱۲۰، فصول فی أصول التفسیر، مساعد بن سلیمان الطیار، ص۱۲۹، قواعد التفسیر، خالد بن عثمان، السبت، ۱ /۹۰۔

❷ سورة البقرہ، ۲:۲۲۲۔

❸ أضواء البیان، شنقیطی، ۲ /۱۲۰، قواعد التفسیر، خالد بن عثمان السبت، ۱ /۹۱۔

❹ سورة البقرہ، ۲:۲۳۸۔

❺ فضائل القرآن، لابی عبید، ص۲۹۳۔ (بحوالہ: قواعد التفسیر، ۱/۹۱)

Marfat.com

سورۂ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾ ❶

لیکن ہاتھوں کے کاٹنے کی تعیین موجود نہیں کہ دایاں ہاتھ کاٹا جائے یا بایاں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت میں دائیں ہاتھ کی تعیین موجود ہے، ان کی قراءت ایسے ہے:

((السارقون والسارقات فاقطعوا ايمانهم)) ❷

ایلاء کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o﴾ ❸

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ اضافہ ہے: ((فان فاء وافيهن)) ❹ اس قراءت سے رجوع کی صورت ومدت متعین ہوگئی ہے۔

سورہ مائدہ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ......﴾ ❺

ایک دوسری قراءت میں باب مفاعلہ سے الف کے اضافہ کے ساتھ ((عاقدتم)) جب کہ ایک اور قراءت میں تشدید کے بغیر ((عقدتم)) پڑھا گیا ہے۔ بلاتشدید والف ((عقدتم)) والی قراءت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق ''عقد'' مراد ہے۔ ❻

③ بیانات قرآنیہ کے ذریعے قرآن مجید کے مجملات کی توضیح اور مبہمات کی تعیین کرنا

عربی لغت میں ''مجمل'' مجموعے کو کہتے ہیں، ''جملہ'' بھی کسی چیز کے مجموع کو کہتے ہیں۔ اصطلاحی لحاظ سے مجمل کی تعریف یہ ہے:

---

❶ المائدہ، ۳۸:۵

❷ فضائل القرآن، لابی عبید، ص ۲۹۳، (بحوالہ: قواعد التفسیر، ۹۲۱)

❸ سورۃ البقرہ، ۲۲۶:۲۔

❹ سورۃ البقرہ، ۲۲۶:۲۔

❺ سورۃ المائدہ، ۸۵:۵۔

❻ اضواء البیان، شنقیطی، ۲ ۱۲۰، مزید امثلہ اور تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: فصول فی أصول التفسیر، مساعد، ص ۱۱۹، ۱۲۰۔ قواعد التفسیر، خالد السبت، ۹۳۱-۹۹۔

Marfat.com

((هو ما احتمل شيئين او اكثر من غير ترجيح لواحد منهما او منها على غيره))
مراقی السعود میں مجمل کی تعریف یوں کی گئی ہے:
((وذو وضوح محكم ، والمجمل هو الذى المراد منه يجهل))
''مجمل وہ ہے جس کی مراد میں دو یا دو سے زیادہ معانی کا احتمال ہو اور کسی ایک معنی کی ترجیح اس میں نہ پائی جائے۔''[1]

مبہم: مبہم مجمل سے زیادہ وسعت کا حامل ہے۔ ہر مجمل مبہم ہے لیکن ہر مبہم مجمل نہیں: مثلاً: آپ اپنے نوکر سے کہتے ہیں: ((تصدق بهذا الدرهم على رجل)) ''یہ درہم کسی آدمی پر صدقہ کرآؤ'' اس کا معنی بالکل واضح ہے۔ وہ کسی پر بھی صدقہ کرآئے تو آپ کے حکم کی تعمیل بجا ہوگی۔ اس لحاظ سے یہ مجمل نہیں، کیونکہ معنی واضح ہے اور زیادہ احتمالات موجود نہیں ہیں۔ لیکن یہ مبہم ہے کیونکہ واضح نہیں کہ متعین طور پر کس آدمی کو صدقہ دیا جائے۔[2]

قرآن مجید میں مجمل تعبیرات بھی ہیں اور مبہم اشیا بھی، لیکن خود قرآن مجید اپنے بہت سارے اجمالات کو کھول دیتا ہے اور جہات کی تعیین کر دیتا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾[3] ''حضرت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے۔'' یہ کلمات کیا تھے؟ اس میں ابہام ہے، جسے خود باری تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر دور فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝﴾[4]

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا﴾[5]

یہاں وضاحت نہیں کہ کلمۂ حسن کیا تھا، دوسرے مقام پر وضاحت ہے:

﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ۝﴾[6]

---

1. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اضواء البیان، شنقیطی، ۱: ۲۴-۲۵۔
2. ایضاً
3. سورة البقرہ، ۲: ۳۷۔
4. سورة الاعراف، ۷: ۲۳۔
5. سورة الاعراف، ۷: ۱۳۷۔
6. سورة القصص، ۲۸: ۵-۶۔

Marfat.com

ایک جگہ یوں فرمایا: ق ❶ دوسرے مقام پر کلمہ عذاب کی تعیین فرمادی:

﴿ وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○﴾ ❷

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ......﴾ ❸

یہاں "اشدہ" مجمل ہے کہ کس عمر کو "اشدہ" سے تعبیر کیا گیا ہے؟ کیونکہ عربی استعمالات کے لحاظ سے "اشدہ" میں کئی معانی کا احتمال ہے، بلوغ کے معنی میں بھی مستعمل ہے، تیس سال، چالیس سال بلکہ پچاس سال کی عمر پر بھی بعض عرب شعراء نے "اشد" کا اطلاق کیا ہے۔ ❹

لیکن ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمادی کہ مال یتیم کے باب میں اس سے مراد بلوغت کی عمر ہے، فرمایا:

﴿ حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ......﴾ ❺

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ○ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ○ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○﴾ ❻

یہاں ابہام ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے باغات وغیرہ کا وارث بنایا وہ کونسی قوم تھی؟ ایک دوسرے مقام پر اس ابہام سے کچھ پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ ......﴾ ❼

جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ انتہائی کمزور قوم تھے، جسے اللہ تعالیٰ نے باغات کا وارث بنادیا۔ ایک اور مقام پر بالکل وضاحت سے بتلا دیا کہ اس قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں:

---

❶ سورة الزمر، ٩:٧_

❷ سورة السجدة، ١٣:٣٢_

❸ سورة الانعام، ١٥٢:٦_

❹ أضواء البيان، شنقيطى، ١٠١_

❺ سورة النساء، ٦:٤_

❻ سورة الدخان، ٤٤:٢٥_٢٨_

❼ سورة الاعراف، ١٣٧:٧_

Marfat.com

﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ o وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ o كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنَاهَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ o ﴾ ❶

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ ﴾ ❷

اس میں حصے کی تعیین نہیں کی گئی۔ چند آیات کے بعد اس کی تفصیل پیش فرمائی:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ......﴾ ❸

④ خود قرآن مجید کی روشنی میں اطلاقات قرآنیہ کی تقیید کرنا

مطلق کی لغوی تعریف

''مطلق'' کا مادہ عربی زبان میں آزادی، چھوٹ اور کشادگی پر دلالت کرتا ہے۔ ❹ کھلے ہاتھ والے سخی انسان کو ''طلق الیدین'' کہتے ہیں۔ ❺ وہ اونٹنی جسے قبیلہ بھر میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہو، اور کہیں سے بھی چارہ کھا سکتی ہو اسے عرب لوگ ''طالقة'' کہتے ہیں۔ ❻ بے لگام اونٹنی کو بھی ''ناقة طالق'' کہتے ہیں۔ ❼ قیدی کو آزاد کر دیا جائے تو اسے ''طلیق'' کہتے ہیں۔ ❽ حلال چیز کو ''طلق'' کہتے ہیں، کیونکہ اسے پابندی لگائے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ❾

مطلق کی اصطلاحی تعریف

((هو اللفظ المتناول لواحد لا بعينه ، باعتبار حقيقة شاملة لجنسه)) ❿

''وہ لفظ معین جو ایک فرد کی بجائے، اپنی جنس پر بطور ایک حقیقت شاملہ دلالت کرے اسے ''مطلق'' کہتے ہیں۔''

امام سیوطی نے مطلق کی یہ تعریف کی ہے: ((المطلق الدال على الماهية بلا قيد)) ⓫

''مطلق وہ ہے جو کسی ماہیت وحقیقت پر بلا قید دلالت کرے۔''

---

❶ سورة الشعراء، ۲۶: ۵۷۔ ۵۹۔ ❷ سورة النساء، ٤: ۷۔

❸ النساء، ٤: ١١ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: البرھان، للزرکشی، ص۳۴۸ تا ۳۵۳

❹ معجم مقاييس اللغة، ابن فارس، ۳: ٤٢٠ ، (مادہ ''طلق'')

❺ القاموس المحيط، فيروز آبادی، ۲: ۱۲۰٠ـ

❻ ايضاً ❼ ايضاً ❽ ايضاً

❾ معجم مقاييس اللغة، ٤٢٠ـ

❿ ارشاد الفحول ، شوکانی ، ص١٦٤ ـ المفردات، راغب اصفهانی، ص۲۵۳ـ

⓫ الاتقان، ص٥٤ـ (النوع التاسع والاربعون، فی مطلقه، مقیده)

Marfat.com

مطلق ومقید کے بارے میں دو اہم قواعدِ تفسیر

① پہلا قاعدہ:

مطلق کے بارے میں پہلا قاعدہ یہ ہے:

((ابقاء المطلق علی اطلاقه حتی یرد مایقیده)) ❶

کہ مطلق الفاظ اپنے شیوع وذیوع پر ہی محمول کیے جاتے ہیں، اس پر کوئی قید یا تخصیص وتعیین صرف اسی صورت میں جائز ہوگی جب اس کی دلیل موجود ہو۔ ❷

مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ﴾ ❸

''جو شخص مریض یا مسافر ہو وہ دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے۔ اس آیۃ مبارکہ میں ''ایام آخر'' دوسرے دن جن میں رمضان کے روزوں کی قضاء دینی ہے، مطلقاً استعمال ہوا ہے۔ صرف تعداد کی شرط لگائی گئی ہے کہ قضا شدہ روزوں کی تعداد کے مطابق ہو۔''

اس بنیاد پر رمضان کے روزوں کی قضا میں تسلسل اور لگا تار قضا کی شرط لگانا مجروح ہے، کیونکہ اس سے بلا دلیل مطلق کی تقیید ہوتی ہے۔ ❹

② دوسرا قاعدہ

((اذا ثبت دلیل المقید وجب ان یحمل علیه المطلق عند توافر الشروط فی ذالك)) ❺

جب مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی شرط پوری ہو اور تقیید کی دلیل بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو مطلق کو

---

❶ تفسیر جریر ابن جریر، ۱۰ ۵۵۵، ۵٦۱، فتح الباری، ابن حجر، ۹ ۲۹۲، ۳۱۳، ۱۵۸٤، ۳٤٦۵، ۳۸۳۔ ۱۸۱۲۔

❷ قواعد التفسیر، ۱٦۲۱۔ ❸ سورۃ البقرہ، ۲: ۱۸۰۔

❹ الاتقان، سیوطی، ص ۵٤، (النوع التاسع والاربعون، فی مطلقه و مقیده)

❺ قواعد التفسیر، خالد عثمان السبت، ۱۹٦۲، نیز ملاحظہ ہو: اضواء البیان، شنقیطی، ۱۹٦۱، ۱۹۷، ۲٦٤، ۲۸۱-۷۲، ۳۰، ۱۲۷، ۱۳۸،

Marfat.com

مقید پر محمول کرنا واجب ہوتا ہے۔

① قرآن مجید میں طلاق اور رجوع پر دو گواہوں کا حکم دیا گیا ہے اور گواہوں کا مطلق ذکر نہیں فرمایا، بلکہ مقید کیا ہے کہ وہ گواہ عادل ہوں، ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ...... ﴾❶

تجارت و دیگر مالی معاملات میں گواہوں کا مطلق ذکر ہے:

﴿وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ﴾❷

﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ﴾❸

مؤخر الذکر مطلق کو سابق الذکر مقید پر محمول کیا جائے گا، اس بنیاد پر نکاح و طلاق، رجوع و فراق اور بیع و تجارت سب میں گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔❹

② قرآن مجید میں تقسیم وراثت کا کئی مقامات پر مطلقاً ذکر ہے، ارشاد ہے:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ...... ﴾❺

جب کہ بعض مقامات پر تقسیم وراثت کو تنفیذ وصیت اور ادائے قرض کے ساتھ مقید کیا گیا ہے:

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِیْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ﴾❻

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰی بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ﴾❼

اس صورت حال میں تمام مطلق مقامات کو بھی مقید کیا جائے گا اور تمام قسم کی تقسیم وراثت میں تنفیذ وصیت اور ادائے قرض کو مقدم رکھا جائے گا۔❽

③ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾❾

---

❶ سورۃ الطلاق، ۶۵:۲۔ ❷ سورۃ البقرہ، ۲۸۲:۲۔ ❸ سورۃ النساء، ۶:۴۔

❹ الاتقان، سیوطی، ص۵۴۱۔، (النوع التاسع والاربعون فی مطلقه و مقیده)

❺ سورۃ النساء، ۱۱:۴۔ ❻ سورۃ النساء، ۱۱:۴۔

❼ سورۃ النساء، ۱۲:۴۔ ❽ الاتقان، ص۵۴۱۔

❾ سورۃ البقرہ، ۱۷۳:۲۔

Marfat.com

اس آیت مبارکہ میں محرمات کی اباحت کے لیے مطلق اضطرار کا تذکرہ ہے، چاہے وہ کسی وجہ سے بھی ہو، اضطرار کو مقید نہیں کیا گیا، اسی طرح سورۃ انعام میں بھی اضطرار کو مطلق رکھا گیا ہے:

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ ❶

سورۂ نحل میں بھی مطلق اضطرار کا تذکرہ ہے:

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ ❷

ان تینوں مقامات پر سبب اضطرار کا تذکرہ نہیں، البتہ سورۂ مائدہ میں مذکور اضطرار کو انتہا درجہ کی بھوک کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ ❸

امام طبری نے "مخمصة" سے استدلال کرتے ہوئے اس مقام پر اضطرار کو بھوک کی شدت کے ساتھ مقید کیا ہے۔ ایسی بھوک جس میں انتہا درجہ کی نقاہت ہو اور بھوک کی شدت سے پیٹ بھی سکڑ جائے۔ ❹

جمہور مفسرین نے سورۂ مائدہ میں "فی مخمصة" کی اضافی قید سے مطلق اضطرار کو مقید کیا ہے۔

علامہ شنقیطی کے نزدیک اضطرار میں ''اکراہ'' داخل نہیں، اگرچہ اکراہ کی صورت میں بھی جواز ہی کا حکم ہے، لیکن وہ بطریق قیاس یا دیگر دلائل سے ماخوذ ہے۔ ❺

⑤ آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں عمومات قرآنیہ کی تخصیص کرنا

عام تعریف:

((العام هو ما يستغرق جميع ما يصلح له بحسب وضع واحد دفعة بلا حصر)) ❻

''یعنی عام سے مراد وہ لفظ ہے جو لغوی وضع کے اعتبار سے اپنے تمام معانی کا بلا حصر وقید بیک وقت احاطہ کر رہا ہو۔''

---

❶ سورة الانعام، ٦: ١٤٥۔
❷ سورة النحل، ١٦: ١١٥۔
❸ سورة المائده، ٥: ٣۔
❹ تفسیر طبری، ٩: ٥٣٢۔ ٥٣٣۔
❺ اضواء البیان ١: ٨٧۔
❻ تفصیلات کے لیے دیکھیے: ارشاد الفحول، شوکانی، ص١١٢، الاحکام ابن حزم، ١: ٣٩١؛ قواعد التفسیر، ٢: ٥٤٧، مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص٢٢١۔

Marfat.com

قرآنِ مجید میں بعض دفعہ ایک عام حکم بیان ہوتا ہے اور کسی دوسرے مقام پر اس کی استثناءات یا تخصیصات مذکور ہوتی ہیں۔ اس طرح کے مقامات پر قرائن و دلائل سے عمومات کی خود قرآن مجید کی روشنی میں تخصیص کرنا تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک اہم پہلو ہے۔

مثال نمبر ①: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ...... ﴾ ❶

اس آیت میں مطلّقہ خواتین کی عدت کے بارے میں ایک عمومی قاعدہ بیان فرمایا کہ تین طہر یا تین حیض ہے۔ عموم کے لحاظ سے ہر طلاق یافتہ عورت اس حکم میں شامل ہے، چاہے وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ لیکن دوسرے مقامات پر قرآن مجید نے دو قسم کی عورتوں کو اس عام حکم سے مستثنیٰ قرار دیا:

① حاملہ عورت کی عدت وضع حمل قرار دی جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ ❷

② غیر مدخولہ عورتیں، یعنی جنہیں ازدواجی تعلقات سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو، ان پر عدت کی پابندی سرے سے عائد ہی نہیں ہوتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ ﴾ ❸

مثال نمبر ②: رؤیت باری تعالیٰ کے بارے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ○ ﴾ ❹

اس آیت مبارکہ میں دیدار الٰہی کی عمومی نفی کی گئی ہے، لیکن دیگر آیات میں اہل جنت کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ ﴾ ❺

⑥ قرآنِ مجید کی روشنی میں قرآنی اصطلاحات و مفاہیم کا تعین

قرآن مجید نے ایک سے زائد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ وہ حقائق و معارف کا تذکرہ مختلف پیرایوں میں کرتا ہے۔ اس لیے تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک بہترین اور اساسی تصور یہ ہے کہ ایک موضوع کے بارے میں تمام آیات کا استقصا کیا جائے، پھر انہیں باہم دیگر ملا کر ان میں غور و فکر کے ذریعے مفاہیم کا تعین کیا جائے۔

---

❶ سورة البقرة، ۲۲۸:۲۔
❷ سورة الطلاق، ۴:۶۵۔
❸ سورة الأحزاب، ۴۹:۳۳۔
❹ سورة الانعام، ۱۰۳:۶۔
❺ سورة القيامة، ۲۲:۷۵۔

Marfat.com

مثال نمبر ①: سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم کا ذکر ہوا ہے جس کا ابتدائی معنی ''سیدھا راستہ'' ہے۔اب اگر صراطِ مستقیم کے ذکر پر مشتمل تمام آیات کو اکٹھا کیا جائے تو اس ''راہِ راست،صراطِ مستقیم'' کی ایک ایک حقیقت کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے۔

① قرآن مجید خود واضح کرتا ہے کہ صراطِ مستقیم ،عبادت الٰہی کا راستہ ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ٥﴾ ❶

② قرآن مجید یہ تعین کرتا ہے کہ صراط مستقیم شیطان کی عبادت سے اجتناب والا راستہ ہے۔

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ٥ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ٥﴾ ❷

③ قرآن صراحت کرتا ہے کہ صراط مستقیم ملت ابراہیمی والا راستہ ہے، یہ اس ابراہیم کا راستہ ہے جو مشرکین میں سے نہیں تھا۔

﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ٥﴾ ❸

④ قرآن مجید واشگاف الفاظ میں بتلاتا ہے کہ صراط مستقیم کی طرف چلانے والی چیز کتاب الٰہی ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ......﴾ ❹

مثال نمبر ②: حقیقت ''ختم علی القلوب''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ٥﴾ ❺

اس آیت کے فہم میں کئی طرح کے سوالات جنم لیتے ہیں، مہر لگانے کا کیا مطلب ہے؟ کیا مہر فطری طور پر لگی ہوتی ہے؟ اگر فطری طور پر لگی ہوتی ہے تو اس میں ان کا کیا قصور؟ اگر یہ فطری نہیں تو کب اور کیوں لگتی ہے؟ قرآن مجید اپنی عربی مبین میں ان تمام سوالات کے واضح اور دوٹوک جوابات فراہم کرتا ہے جن میں غور وفکر اور تدبر سے مہر لگنے کا مفہوم کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

① قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو فطرت سلیمہ دے کر دنیا میں بھیجتا ہے۔

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ ❻

---

❶ سورۃ آل عمران، ۳:۵۱۔
❷ سورۃ یس، ۳۶:۶۰۔
❸ سورۃ الانعام، ۶:۱۶۱۔
❹ سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷:۹۔
❺ سورۃ البقرۃ، ۲:۷۔
❻ سورۃ الروم، ۳۰:۳۰۔

Marfat.com

(۲) قرآن مجید بتلاتا ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ حق کو سننے، سمجھنے، دیکھنے اور قبول کرنے کے لیے مکمل آزادی فراہم کرتا ہے۔

﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ ❶

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا o اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا o ﴾ ❷

(۳) قرآن مجید یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ بہت سے جن وانس دل، کان اور آنکھیں ملنے کے باوجود، حق کو سمجھنے، سننے اور دیکھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے:

﴿ وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ...... ﴾ ❸

(۴) قرآن صراحۃً کہتا ہے کہ جب لوگ اپنے بغض وعناد اور اتباع ہویٰ کی وجہ سے مسلسل کفر کی روش اختیار کرتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے رہتے ہیں، تو ان کے اس ناروا رویے کی وجہ سے آخر کار ان کے دلوں اور کانوں پر مہریں لگ جاتی ہیں، آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ بہرے، گونگے اور اندھے بنا دیے جاتے ہیں، دل ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے قبولِ حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون کی تمام آیاتِ مبارکہ پر غور کرنے سے یہ مفہوم بڑی حد تک قدرواضح اور متعین ہو جاتا ہے۔

مثلاً:

﴿ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ...... ﴾ ❹

﴿ كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ o ﴾ ❺

﴿ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ﴾ ❻

﴿ اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ o ﴾ ❼

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ

---

❶ سورہ الکهف، ۱۸:۲۹۔
❷ سورة الدهر، ۷۶:۲۔۳۔
❸ سورة الاعراف، ۷:۱۷۹۔
❹ سورة النساء، ٤:١٥٥۔
❺ سورة المطففين، ۸۳:۱٤۔
❻ سورة الصف، ٦١:٥۔
❼ سورة الجاثيه، ٤٥:٢٣۔

Marfat.com

أُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا أُوْلَئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْا أَهْوَاءَ هُمْ ○﴾ ❶

﴿ أُوْلَئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ ○ أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا ○﴾ ❷

﴿ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ ❸

⑦ قرآن مجید اپنے واقعات کی تفصیلات پیش کرتا ہے

قرآن مجید میں انبیاء سابقین، عباد صالحین کا بھی تذکرہ ہے اور بعض طواغیت و کفار اور فجار و فساق کا بھی، امم ماضیہ کی عبرت انگیز داستانیں بھی ہیں اور اقوام صالحہ پر انعامات الٰہیہ کی تفصیلات بھی۔ ان میں سے کئی واقعات کو قرآن مجید نے مختلف اہداف کے پیش نظر مکرر بیان فرمایا ہے۔ اس تکرار میں کہیں ایجاز ہے اور کہیں اطناب، بعض مقامات پر اختصار و اجمال ہے اور دیگر مقامات پر بیان و تفصیل۔

مجمل واقعات کی مفصل مقامات کی روشنی میں تفسیر و توضیح پیش کرنا بھی تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک اسلوب ہے۔

⑧ قرآن مجید اپنی آیات کا حوالہ دیتا ہے

بعض مقامات پر قرآن مجید اپنے حوالہ جات پیش کرتا ہے۔

① بعض مقامات پر قرآن مجید اپنا حوالہ دے کر کہتا ہے کہ یہ حکم پہلے دیا جا چکا ہے۔

② اور بعض مقامات پر قرآن مجید اپنا حوالہ دے کر کہتا ہے کہ اس حکم کی وضاحت تمہیں دی جائے گی۔

مثال نمبر ①: ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ ......﴾ ❹

اس میں درج ذیل سابق النزول آیت کا حوالہ ہے:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ ......﴾ ❺

مثال نمبر ②: حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

---

❶ سورة محمد، ٤٧: ١٦۔
❷ سورة محمد، ٤٧: ٢٣-٢٤۔
❸ سورة المنافقون، ٦٣: ٣۔
❹ سورة النساء، ٤: ١٤٠۔
❺ سورة الانعام، ٦: ٦٨۔

Marfat.com

﴿ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝﴾ ❶

یہ سابق الذکر آیت مبارکہ میں حضرت یعقوب کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

﴿ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝﴾ ❷

مثال نمبر ③: سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ ......﴾ ❸

اور ایک آیت کے بعد اس حوالہ کی وضاحت کر دی، اور متلو کو کھول دیا:

﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ ......﴾ ❹

مثال نمبر ④: سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

﴿ وَ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا۝﴾ ❺

جس راہ کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا وہ سورۂ نور میں بیان کردہ نظامِ حدود ہے:

﴿فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ ......﴾ ❻

⑨ قرآن مجید اپنے اختصارات وایجازات کی تشریحات کرتا ہے

قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایک چیز مختصراً ذکر کی جاتی ہے اور دوسرے مقام پر اس چیز کو قدرے تفصیل سے ذکر کر دیا جاتا ہے۔ یہ اختصار بعض دفعہ مفاعیل ومتعلقات کے حذف کی صورت میں ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر محذوفات کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ ایک مقام پر اسباب وعلل کی وضاحت نہیں ہوتی، دوسرے مقام پر اس کی تفصیلات مذکور ہوتی ہیں۔ اس نوع کی تمام آیات میں موجود ایجاز واختصار کو دیگر آیات قرآنیہ کی روشنی میں واضح اور منکشف کرنا تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک اہم صورت ہے۔ ذیل میں اس کی مزید تفصیل اور مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں۔

① محذوفات کا تعین

ایجاز کی ایک صورت یہ ہے کہ قرآن مجید اسلوب میں موجود قرائن وآثار کے پیش نظر کلام کے بعض

❶ سورة يوسف، ١٢: ٩٦۔
❷ سورة يوسف، ١٢: ٨٦۔
❸ سورة المائده، ٥: ١۔
❹ سورة المائده، ٥: ٣۔
❺ سورة النساء، ٤: ١٥
❻ سورة النور، ٢٤: ٢۔

Marfat.com

حصوں کو ساقط کر دیتا ہے، اسے ماہرین علوم القرآن "اسلوب الحذف" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ علوم القرآن میں اس پر بڑی دقیق اور دلچسپ تحقیقات موجود ہیں۔ جس میں خدام قرآن نے حذف کا معنی ومفہوم، اس کے اسباب وعلل، شروط اور فوائد ومقاصد پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ ❶

تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں صرف ان محذوفات کی چند مثالیں پیش کرنا ہے جن کے الفاظ و کلمات، مفاعیل ومتعلقات وغیرہ خود قرآن مجید میں نے دوسرے مقامات پر کھول دیے ہیں۔

مثال نمبر ①: محذوف معنوں کا تعین

فرعون کی غرقابی کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝﴾ ❷

اس میں "یَخْشَی" کا مفعول محذوف ہے، سورۂ ہود میں فرعون کے قصہ میں یہ مفعول ذکر کر دیا گیا ہے:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۝﴾ ❸

سورۂ ذاریات میں بھی مفعول کا تعین موجود ہے:

﴿وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝﴾ ❹

مثال نمبر ②: محذوف مفعول کا تعین

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ﴾ ❺

"پھر تم نے بچھڑے کو بنالیا"...... کیا بنالیا؟ یہ مذکور نہیں، یعنی مفعول محذوف ہے۔ صرف ایک مقام پر اس کی طرف بنی اسرائیل ہی کی زبانی اشارہ فرمایا ہے کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۵ فَنَسِيَ ۝﴾ ❻

مثال نمبر ③: محذوف متعلقات کی تعیین:

سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا......﴾ ❼

"مومنین کو ابھاریے!" کس چیز پر ابھاریے؟ یہاں متعلق محذوف ہے۔ سورۂ انفال میں اس کا تعین کر دیا گیا ہے: ﴿حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ......﴾ ❽ "مومنین کو قتال پر ابھاریے۔"

---

❶ دیکھیے، البرهان، للزرکشی، ص۵۴۳-۶۰۶، الاتقان، للسیوطی، ۶۰۰-۶۰۷، الفوز الکبیر، ۵۶-۶۰

❷ سورة النازعات، ۲۶:۷۹۔ ❸ سورة هود، ۱۰۳:۱۱۔ ❹ سورة الذاريات، ۳۷:۵۱۔

❺ سورة البقرة، ۵۱:۲۔ ❻ سورة طٰهٰ، ۸۷:۲۰-۸۸۔ ❼ سورة النساء، ۸۴:۴۔

❽ سورة الأنفال، ۶۵:۸۔

Marfat.com

(ب) اسباب و وجوہات کی وضاحت

قرآن مجید کئی مقامات پر اسباب کی وضاحت کیے بغیر ایک چیز کا تذکرہ کرتا ہے اور پھر دیگر مقامات پر اس کے اسباب و علل کی وضاحت پیش فرماتا ہے: ❶

مثال نمبر ①: بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے ان کی قساوت قلبی کا تذکرہ کیا ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً......﴾ ❷

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ......﴾ ❸

نیز فرمایا: ﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ......﴾ ❹

مثال نمبر ②: سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ......﴾ ❺

”چہروں کی سیاہی کا تذکرہ فرمایا، سیاہی کے سبب کی طرف اشارہ بھی فرمایا، سورۂ زمر میں زیادہ وضاحت کے ساتھ چہروں کی اس سیاہی کا سبب بیان فرمایا:

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ......﴾ ❻

مثال نمبر ③: ختم علی القلوب بھی اس کی ایک نمایاں مثال ہے، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(ج) فلسفہ و حکمت کی وضاحت

قرآن مجید احکام و مسائل کا تعین کرتا ہے، فرائض و واجبات کے احکام و مسائل بیان کرتا ہے، نوافل و مستحبات کی ترغیب دیتا ہے اور آیات کونیہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ بعض مقامات پر ان کا تذکرہ مختصر ہوتا ہے اور بعض دیگر مقامات پر ان احکام و مسائل، فرائض و واجبات، آفاقی و نفسی آیات کی خوبصورت توجیہات اور ان میں مضمر حکم و مصالح کی وضاحت ہوتی ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک گراں قدر صورت یہ ہے کہ ان تمام آیات کو ملا کر قدرت الٰہیہ اور شریعت سماویہ میں پوشیدہ فلسفہ و حکمت کی تشریح پیش کی جائے۔

---

❶ دیکھیے، اضواء البیان، شنقیطی، ۱۴۱۔
❷ سورة البقرة، ۲:۷۴۔
❸ سورة المائدة، ۵:۱۳
❹ سورة الحديد، ۵۷:۱۶۔
❺ سورة الزمر، ۹:۶۰۔
❻ سورة الفرقان، ۲۵:۳۲-۳۳۔

Marfat.com

مثال نمبر ①: قرآن مجید کئی مقامات پر اپنے انزال وتنزیل کا مختصر تذکرہ کرتا ہے اور کئی دیگر مقامات پر اپنے نزول کی کیفیت، مقاصد، نزول، عربی زبان میں نزول کی حکمت اور تدریجاً نزول کے مصالح بیان کرتا ہے۔ مثلاً

تدریجی نزول کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ٥ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ٥﴾ ❶

مثال نمبر ④: قرآن مجید میں بعض مقامات پر بعثتِ انبیا کا اجمالی تذکرہ ہے اور دیگر کئی مقامات پر بعثتِ انبیا کی حکمتیں واضح کی گئی ہیں۔

عمومی طور پر انبیا کی بعثت اور مقاصد کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥﴾ ❷

زکوٰۃ وصدقات، صیام رمضان، حج بیت اللہ کے بارے میں قرآن مجید کا یہی انداز بیان ہے۔

مثال نمبر ⑤: آفاقی وانفسی آیات

آفاق وانفس میں پھیلی ہوئی آیاتِ الٰہیہ کے بارے میں قرآن مجید کا یہی اسلوب ہے۔ کہیں بطورِ اجمال ان کا تذکرہ ہے اور کہیں ان کے اہداف ومقاصد اور حکم ومصالح پر مختلف مقامات پر مختلف اسالیب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

ارض وسماء، بحر وبر، اختلاف لیل ونہار، تسخیر ریاح، انزالِ ماء، اشجار ونباتات، اور تخلیقِ حیوان وانسان کے بارے تمام آیات کی خوبصورت مثالیں یہ ہیں:

قرآن مجید میں کہیں ستاروں کا بطورِ نعمتِ الٰہیہ ایک عمومی تذکرہ ہے:

﴿ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ......﴾ ❸

﴿ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ......﴾ ❹

ستاروں کی حکمت بیان کرتے ہوئے سورۃ انعام میں فرمایا:

---

❶ سورۃ الفرقان، ۲۵: ۳۲، ۳۳۔
❷ سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۱۳۔
❸ الاعراف، ۷: ۵۴
❹ النحل، ۱۶: ۱۲

Marfat.com

﴿ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ...... ﴾ ❶

سورۂ ملک میں ہے:

﴿ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُوْمًا لِلشَّیَاطِیْنِ...... ﴾ ❷

سورہ صافات میں ارشاد ہے:

﴿ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ ﴾ ❸

***

❶ الانعام، ٦:٩٧

❷ الملك، ٦٧:٥

❸ الصافات، ٣٧:٦-٧

Marfat.com

فصل ثانی

تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول وقواعد

تعارف

منہج تفسیر بالماثور کے نزدیک خود قرآن مجید کے بعد حدیثِ نبوی تفسیرِ قرآن کا سب سے بڑا مصدر ہے۔ اس فصل میں جائزہ پیش کیا جائے گا کہ حدیثِ رسول ﷺ کیونکر شارحِ قرآن ہے؟ نیز تفسیرِ قرآن میں حدیث کی کیا انواع واقسام ہیں؟

عمومات قرآنیہ کی تخصیص، اطلاقات کی تقیید، الفاظ وکلمات کی تشریح اور احکام و مسائل کی تفصیل پر کتب حدیث سے مثالیں بھی پیش کی جائیں گی۔

***

Marfat.com

باعتبار مضمون قرآن وحدیث کا باہمی تعلق

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں باعتبار مضامین ومفاہیم باہمی تعلق کی نوعیت کیا ہے؟
اس بارے میں ہمارے اسلاف نے خوب داد تحقیق دی ہے۔ اسلاف کے نتائج تحقیق کا خلاصہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الرسالة" میں تفصیل کے ساتھ پیش فرمایا ہے اور اس کی مثالیں بھی درج کی ہیں۔
امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لم أعلم من أهل العلم مخالفا فی أن سنن النبی ﷺ من ثلاثة وجوه"[1]

"نبی ﷺ کی سنن تین اقسام پر مشتمل ہیں، اس بارے میں مجھے کسی صاحب علم کا اختلاف معلوم نہیں۔"

امام شافعی رحمہ اللہ کے درج بالا اقتباس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین کے نزدیک قرآن و حدیث کے مضامین باہمی تعلق کے لحاظ سے تین اقسام پر مشتمل ہیں۔ امام شافعی جیسے صاحب بصیرت اور متبحر فی العلم کا یہ کہنا کہ "اس بارے میں مجھے کسی صاحبِ علم کا اختلاف معلوم نہیں۔" اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس پر متقدمین کا اجماع ہے۔ متقدمین کے نزدیک تین اقسام درج ذیل ہیں:

1. نصوصِ قرآن پر مشتمل احادیث: یعنی وہ احادیث جن میں بعینہ وہی مضمون ہے جو نص قرآن میں موجود ہے۔
2. قرآنی آیات کی شارح احادیث: یعنی وہ احادیث جن میں قرآن کے اجمالات کی تشریحات یا قرآنی آیات پر عمل کی کیفیات واضح کی گئی ہیں۔
3. مستقل اضافی احادیث: یعنی ایسی احادیث جن کے بارے میں کتاب اللہ خاموش ہے اور قرآن مجید کی کسی نص میں وہ مضمون مذکور نہیں ہے۔

پہلی دو قسموں کے بارے میں سب متقدمین متفق ہیں کہ وہ احادیث کتاب اللہ کی مؤید وشارح احادیث ہیں، تیسری قسم کے بارے میں بھی اس حد تک متقدمین متفق ہیں کہ وہ حجت ہیں۔
البتہ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایسی احادیث کا مصدر تلقّی کیا ہے۔

---

[1] الرسالة، ص۱۲۱، الفقرة:۲۹۹

Marfat.com

اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے علما کے چار اقوال ذکر کیے ہیں: ❶

① بعض کے نزدیک ایسی تمام احادیث جو زائد از قرآن مضامین پر مشتمل ہیں، وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے تشریعی اختیارات کا مظہر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہے اور آپ کو حق دیا ہے کہ آپ کتاب اللہ میں مخصوص احکام کے علاوہ بھی شرعی تفصیلات متعین کر سکتے ہیں۔

② بعض علما کے نزدیک ایسی احادیث نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے تدبر فی علوم القرآن کا حاصل ہیں اور ان کی کوئی نہ کوئی بنیاد کتاب اللہ میں ضرور موجود ہے، جس تک ہم اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے نہیں پہنچ سکے۔

③ کچھ علما یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایسی احادیث کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارسال کردہ پیغام یعنی وحی خفی ہے۔

④ دیگر علما کے نزدیک ایسی احادیث کا ماخذ وہ الہامات ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے قلب اطہر پر وارد کیے جاتے تھے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی قرآن وحدیث کے مضامین میں باہمی تعلق کے لحاظ سے حدیث کی درج بالا تین اقسام ہی بیان کی ہیں۔ ❷

ان تینوں قسم کی احادیث کی کچھ تفصیل اور مثالیں حسب ذیل ہیں:

پہلی قسم: قرآنی آیات کی مترادف احادیث

ایسی احادیث جو قرآنِ مجید کی نصوص وعبارات، الفاظ وکلمات اور ان کی مخصوص ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ قدرے مختلف ہوں، لیکن معنی ومفہوم کے لحاظ سے ان میں بالکل یکسانیت ہوتی ہے۔ ایمانیات اور اخلاقیات سے متعلق بہت سی روایات اس ذیل میں آتی ہیں۔

مثال نمبر ①: ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴾ ❸

بالکل یہی مضمون کئی احادیث میں وارد ہے، جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف مقامات پر قرآن مجید کے اس مضمون کو صحابہ کے سامنے مختلف اسالیب میں بیان فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تو اپنے خالق کا شریک ٹھہرائے، سائل نے کہا: اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟

❶ الرسالة، ص۱۲۲، الفقرة۔ ۳۰۰-۳۰۵

❷ اعلام الموقعین، ۱/ ۴۱

❸ الفرقان، ۲۵: ۶۸

Marfat.com

آپ نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس بنیاد پر قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی، سائل نے پوچھا: اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: اس کے مصداق اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ یہ آیت ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ ......﴾ ❶

حضرت سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

((ألا انما هی أربع فما أنا بأشح علیهن منذ سمعتهن من رسول اللهﷺ، لا تشركوا بالله شيئاً ، ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق، ولا تزنوا، ولا تسرقوا۔)) ❷

سنو! یہ صرف چار باتیں ہیں: صحابی کہتے ہیں جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ چار باتیں سنی ہیں، مجھے ان سے زیادہ کسی کی فکر نہیں۔

* اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرو
* اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ جان کو ناحق قتل نہ کرو
* زنا نہ کرو
* چوری نہ کرو

ایک اور موقع پر آپ نے ایک صحابی سے یوں فرمایا:

((ان الله ینهاك أن تعبد المخلوق وتدع الخالق ، وینهاك أن تقتل ولدك ، وتغذو كلبك ، وینهاك أن تزنی بحلیلة جارك))❸

”(اے میرے صحابی) بے شک اللہ تعالیٰ تجھے اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تو خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرے، اور اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تو اپنے کتے کو کھلاتا پھرے لیکن اپنی اولاد کو قتل کر دے، اور تجھے منع کرتا ہے کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔“

مذکورہ تینوں احادیث میں غور و فکر کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام بعض دفعہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحدود، المحاربین، من أهل الكفر والردّة، باب اثم الزناة، حديث (٦٨١١)، ص١١٧٣، صحیح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب وبيان أعظمها بعده، حديث (٨٦)، تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو: ارواء الغليل، ألبانی، (٢٣٣٧)

❷ سلسلة الاحاديث الصحيحه، البانی، حديث (١٧٥٩)، اس مضمون کی دیگر احادیث کے لیے ملاحظہ ہو: سنن نسائی، كتاب المحاربة، باب تحريم الدم، باب ذكر الكبائر اور باب ذكر اعظم الذنب

❸ ابن ابی حاتم، بحواله تفسير ابن كثير، ٣/ ٤٤٩

Marfat.com

قرآن مجید کے بیان کردہ مضمون کو انتہائی خوبصورت انداز میں حسب موقع اور بلحاظِ سامعین اپنی احادیث مبارکہ میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

مثال نمبر ②: سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ ❶

بعینہٖ یہی مضمون نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے واضح کرتے ہوئے فرمایا:

((ما من نفس تموت ، لا تشرك بالله شيئاً الا حلت لها المغفرة ان شآء الله عذبها وان شآء غفرلها))

''جب کوئی بھی انسان شرک کے بغیر فوت ہو جاتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش جائز ہو جاتی ہے۔ (باقی گناہوں کے بارے) اللہ تعالیٰ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرما دے۔'' پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ❷

مثال نمبر ③: قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ ❸

اور بالکل یہی مضمون رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے دہراتے ہوئے فرمایا:

((من أطاعنی فقد أطاع الله۔)) ❹

مثال نمبر ⑤: ((توبوا الی الله واستغفروا)) (صحيحة 1452)

دوسری قسم: شارحِ قرآن احادیث

ایسی احادیث جو قرآن مجید کے کسی ابہام کا تعین کرتی ہیں، اجمال کی تشریح کرتی ہیں، اطلاق کی تقیید کرتی ہیں، ایجاز کی تفصیل پیش کرتی ہیں یا قرآن میں مذکورہ احکام و مسائل کی عملی تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ ایسی تمام احادیث ﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ❺ کے تحت قرآن مجید کی شارح احادیث ہیں، اس قسم کی احادیث کی مثالیں اور مزید تفصیلات تفسیر القرآن بالحدیث کی وجوہ و اسالیب میں پیش کی جائیں گی۔

---

❶ سورة النسآء۔ ٤:٤٨ ❷ تفسرابن ابی حاتم ، بحواله تفسير ابن كثير ١/١٠١

❸ سورة النساء ٤:٨٠

❹ صحيح بخاری ، كتاب الجهاد والسير ، باب : يقاتل من وارء الامام و يتقى به ، حديث ، (٢٩٥٧) صحيح مسلم ، كتاب الامارة ، باب وجوب طاعة الامراء ، حديث (١٨٣٥)،

❺ النحل ٤٤

Marfat.com

تیسری قسم: قرآن مجید سے زائد احکام ومضامین پر مشتمل احادیث

بہت ساری احادیث مستقل بالذات ہیں، بظاہر وہ کسی آیت قرآنی کی شرح وتفسیر یا تائید وتقویت میں وارد نہیں ہوئیں۔ ان احادیث کا ماٰخذ ومصدر کیا ہے؟ اس بارے میں علما کے چار اقوال ذکر کیے جا چکے ہیں۔

کئی اہل علم ایسی احادیث کے بارے میں بھی یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایسی احادیث کے اصول وضوابط بنیادی طور پر قرآن مجید سے ماٰخوذ ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ بعض اہل علم کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((ومنهم من قال ليس سنة قط الا ولها أصل فی الكتاب۔)) ❶

"یعنی نبی ﷺ نے جو بھی سنت جاری فرمائی ہے اس کی اصل کتاب اللہ میں موجود ہے۔"

علامہ شاطبی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"سنت معنوی اعتبار سے کتاب اللہ ہی کی طرف راجع ہے۔ دراصل یہ کتاب الٰہی کے اجمالات کی تفصیل، مشکلات کی توضیح اور اختصارات کی بسط وتفصیل ہے، کیونکہ سنت قرآن کی شرح وتفسیر ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی دلالت کررہا ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ﴾ ❷

لہٰذا سنت میں جو چیز بھی ہے، قرآن مجید اس کے معنی پر اجمالاً یا تفصیلاً دلالت کرتا ہے۔ ❸

علامہ ابن برجان نے اس موضوع پر ایک گراں قدر کتاب "الارشاد" کے نام سے تصنیف کی، جس میں وہ لکھتے ہیں۔

((ما قال النبی ﷺ من شئی فهو فی القرآن وفيه أصله، قرب أو بعد، فهمه من فهمه، وعمه عنه من عمه۔)) ❹

"نبی ﷺ نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا ہے وہ قرآن مجید میں موجود ہے، اور قرآن ہی کے اندر اس کی اصل واساس پائی جاتی ہے۔ قریب یا بعید، جس کا نصیب تھا اس نے سمجھ لیا ہے، اور جو اس سے بے بہرہ رہا ہے سو وہ بہرہ رہا ہے۔"

قرآن سے زائد احکام ومضامین پر مشتمل احادیث کا مصدرِ تلقّی جو بھی ہو، بہر صورت واجب الاتباع ہیں، کیونکہ ہمیں مطلقاً اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے۔ ❺

---

❶ الرسالة، ص۱۲۲ ❷ النحل ❸ الموافقات، الشاطبی، ٤/ ٩

❹ الارشاد، ابن برجان، بحواله: البرهان، للزركشي ج/ ۱ ، ص۳۲۰۔

❺ الرسالة، شافعی، ص۱۳۱۔

Marfat.com

شارح قرآن احادیث کی انواع واقسام

گزشتہ صفحات میں واضح ہو چکا ہے کہ بعض احادیث قرآن مجید کی مترادف ہیں، بعض شارح اور بعض زائد از قرآن مضامین پر مشتمل ہیں۔ تفسیر القرآن بالحدیث کے ضمن میں اب یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کس طرح پیش کرتی ؟

① قرآنی الفاظ وکلمات کی تشریح

بعض احادیث مبارکہ قرآن مجید کے الفاظ، کلمات کی تشریح پیش کرتی ہیں:

مثال نمبر ①:

اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرماتے ہیں:﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ...... ﴾❶

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں نبی ﷺ نے واضح طور پر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"الوسط : العدل"یعنی امت وسط سے مراد امت عدل ہے۔❷

مثال نمبر ②:

قرآن مجید میں مصارف زکاۃ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک مصرف ''مساکین'' متعین فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ''مسکین'' کا معنی ومفہوم واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

((لیس المسکین الذی ترده التمرة والتمرتان ، ولا اللقمة واللقمتان۔ انما المسکین الذی یتعفف ، اقرء وا ان شئتم۔ یعنی قوله تعالیٰ۔ ﴿لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾)) (البقرہ:273:2)❸

---

❶ البقرة، ۱٤۳:۲

❷ صحیح بخاری کتاب التفسیر ، باب و کذالك جعلنا کم امة وسطا ، حدیث: ٤٤٨٧

❸ صحیح بخاری ، کتاب التفسیر ، باب "لا یسألون الناس الحافا"۔ حدیث (٤٥٣٩)، ص٧٧٢ ، صحیح مسلم کتاب الزکاۃ ، باب المسکین الذی لا یجد غنی ولا یفطن له فیتصدق علیه ، حدیث (١٠٣٩) ، ص٤١٨

Marfat.com

مسکین وہ نہیں جو ایک یا دو کھجوریں لے کر پلٹ جاتا ہے، نہ ہی وہ جو ایک یا دو نوالے حاصل کر کے لوٹ جاتا ہے۔ حقیقی مسکین تو وہی ہے جو ہاتھ پھیلانے سے بچتا ہے۔ چاہو تو پڑھو، یعنی فرمان باری تعالیٰ:

﴿لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ ❶

مثال نمبر ③:

قرآن مجید میں جنت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "وسدر مخضود" ❷ درج ذیل حدیث سے لفظ "مخضود" کی وضاحت ہوتی ہے۔

حضرت سلیم بن عامر بیان کرتے ہیں کہ: صحابہ کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ ہمیں اعراب اور ان کے سوالات کے ذریعے فائدہ پہنچا دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! جنت میں ایک تکلیف دہ درخت کا تذکرہ ہے!

رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا: کونسا درخت؟ اس نے کہا:

بیری کا درخت، اس کے تو تکلیف دہ کانٹے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے وضاحت نہیں فرمائی؟ (فی سدر مخضود)

((خضد الله شوكه، فجعل مكان كل شوكة ثمرة، فانها لتنبت ثمرا تفتق الثمرة منها عن اثنين وسبعين لونا من طعام، ما فيها لون يشبه الآخر)) ❸

اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے توڑے ہوئے ہیں اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل پیدا فرما دیا ہے۔ اس بیری پر ایسے پھل اگتے ہیں کہ اس کے ایک ایک پھل سے بہترین ذائقے نمودار ہوتے ہیں اور ہر ذائقہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

اس حدیث میں "مخضود" کی نہ صرف لغوی تشریح ہے، بلکہ غیبیات پر مشتمل ایسی تفسیر بھی ہے جو صرف حدیث ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

② عموماتِ قرآنیہ کی تخصیص

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف "الرسالۃ" میں اس پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ ((باب ما نزل عاما دلت السنة خاصة على أنه يراد به الخاص)) اور اس کے تحت عموماتِ قرآنیہ کی حدیث کے ذریعے تخصیص کی کئی امثلہ پیش کی ہیں۔ ❹

---

❶ البقرہ: ۲۷۳ ❷ الواقعۃ، ۲۸:۵۶

❸ تفسیر ابن کثیر، ۴/ ۳۷۷۔ تخریج کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح الترغیب والترهيب، ألبانی، حدیث ۳۷۴۲۔ ❹ الرسالۃ۔ ص ۹۷

Marfat.com

امام ابن حجرؒ کی تصریح کے مطابق جمہور عمومِ قرآن کی خبر آحاد کے ذریعے تخصیص کے قائل ہیں۔ ❶
علامہ آمدی رحمہ اللہ نے بھی ائمہ اربعہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔ ❷

مثال نمبر ①: قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ۝﴾ ❸

اس آیت مبارکہ میں لفظ ''ظلم'' ہے جو بطور نکرہ وارد ہوا ہے۔ لیکن نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اس عام لفظ ظلم کی تخصیص فرماتے ہوئے واضح کیا کہ اس سے عام ظلم مراد نہیں، بلکہ ظلم کی وہ انتہائی شکل مراد ہے جسے شرک کہا جاتا ہے۔ ❹

اور جسے قرآن مجید نے ''ظلم عظیم'' قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۝﴾ ❺

مثال نمبر ②: تقسیم وراثت کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ...... ﴾ ❻

یہ ایک عمومی حکم ہے، جس کی رو سے ہر وارث، ہر صورت میں وراثت کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ نے، قاتل، کافر اور غلام کو وراثت سے محروم قرار دے کر اس آیت کی تخصیص فرمائی ہے، نیز آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی حدیث نے انبیاء کی وراثت کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ❼

مخصص احادیث درج ذیل ہیں:

⊙ قاتل کے بارے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((ليس للقاتل من الميراث شئى)) ❽

---

❶ فتح الباري، ٥/ ٢٨١، ٩/ ١٦٢

❷ الأحكام، ٢/ ٤١٣-٤١٩، نیز ملاحظہ ہو: المستصفىٰ، الغزالی، ٢/ ١١٤ البحر المحيط، زركشى، ٣/ ٣٦٢-٣٦٨ ارشاد الفحول، شوكانى، ٥١٩-٥٢٢۔

❸ الانعام، ٦:٨٢

❹ صحيح بخارى كتاب التفسير، باب ولَمْ يَلْبِسُوْا ايمانهم بظُلمٍ، حديث (٤٦٢٩)

❺ سورة لقمان، ٣١:١٣ ❻ سورة النسآء ٥:١١

❼ ملاحظہ ہو: الرسالة، شافعى، ص٩٨، اعلام الموقعين، ابن القيم، ٢/ ٣١٥ قواعد التفسير، ١/ ١٤٣

❽ سنن ابى داوٗد، كتاب الديات، باب ديات الأعضاء، حديث (٤٥٦٤)، سنن نسائى الكبرىٰ، كتاب باب حديث (٦٣٦٧) تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو: ارواء الغليل، ألبانى، ٦/ ١١٨۔ امام ابن قدامہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (المغنى، ٧/ ١٦١)

Marfat.com

- کافر کے بارے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم)) ❶
- غلام کے بارے اجماع ہے کہ چونکہ اس کی اپنی ملکیت ہی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:
((عبدا مملوکا لا یقدر علی شئی)) ❷
لہٰذا اس کا وراثت میں حصہ نہیں ہے۔ ❸
- انبیا کی وراثت کے بارے آپ ﷺ کا فرمان ہے: ((لا نورث ما ترکناہ صدقة)) ❹

مثال نمبر ③: اللہ تعالیٰ نے محرماتِ نکاح (یعنی جن خواتین سے نکاح کرنا حرام ہے) کا تذکرہ کرنے کے بعد ایک عمومی حلت بیان کرتے ہوئے کہا:

((وأحل لکم ماوراء ذالکم)) ❺ یعنی تمہارے لیے مذکورہ عورتوں کے سوا باقی سب عورتیں حلال کی گئی ہیں، تو اس آیت مبارکہ کی رو سے باقی تمام عورتیں بہر صورت حلال ہیں۔

لیکن نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اس عموم سے بھانجی اور خالہ، اسی طرح بھتیجی اور پھوپھی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے سے صراحۃً منع فرمایا اور اس طرح اس آیت کے عمومی حکم کی تخصیص فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((نهی النبی ﷺ أن تنکح المرأة علی عمتها والمرأة علی خالتها)) ❻

"یعنی نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے بھتیجی کے ساتھ پھوپھی اور بھانجی کے ساتھ خالہ کو نکاح میں لانے سے منع فرمایا۔"

مثال نمبر ④: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

❶ صحیح بخاری مع الفتح، ۱۲/ ۵۰، صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب ((لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم،) حدیث (١٦١٤)

❷ النحل١٦: ٧٥۔

❸ المغنی، ابن قدامه، ٧/ ١٣٠، ١٣١۔ حاشیه رد المحتار، ابن عابدین، ٦/ ٧٦٦۔

❹ صحیح البخاری مع فتح الباری، ١٢/ ١٦، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب قول النبی ﷺ: ((لا نورث ما ترکنا فهو صدقة)) حدیث(١٧٥٩، ١٧٦٠، ١٧٦١)، ص٧٧٩، ٧٨١

❺ النسآء ٤: ٢٤

❻ صحیح البخاری مع الفتح، ٩/ ١٦٠، صحیح مسلم، کتاب النکاح، ((باب تحریم الجمع بین المرأة و عمتها أو خالتها فی النکاح۔)) (١٤٠٨)

Marfat.com

﴿حرمت علیکم المیتة﴾

''تم پر مردار کو حرام کیا گیا ہے۔''

بظاہر تو یہ مردار کے تمام اجزاء پر حاوی ہے۔ لہٰذا اس عموم کی رو سے مردار کے کسی حصے سے استفادہ کی کوئی صورت جائز نہیں۔

لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردار کے چمڑے کو نصاً اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔ ❶

③ اطلاقات کی تقیید

قرآن مجید کئی مقامات پر ایک حکم مطلقاً بیان فرماتا ہے اور اس کی شرائط کی تقیید رسول اللہ ﷺ پر چھوڑ دیتا ہے، قرآن مجید کے ایسے اطلاقات کی تقیید حدیث کی رو سے کی جائے گی۔

مثال نمبر ①: چوری کی شرعی حد بیان کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا﴾ ❷

''یعنی چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔''

اگر حدیث رسول ﷺ سے اس آیت کی تقیید نہ کی جائے تو ہر قسم کی چھوٹی، بڑی چوری پر ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً "السارق والسارقة" کی یہ حد بیان کی ہے۔ لیکن جمہور امت کے نزدیک بخلاف اہل ظاہر قطع ید کی سزا مخصوص نصابِ سرقہ ونوعیتِ سرقہ کی صورت میں عائد ہوگی۔ اگرچہ نصاب سرقہ کی تعیین میں فقہی اختلافات موجود ہیں۔ ❸

مثال نمبر ②: اللہ تعالیٰ نے تجارت کے بارے عمومی اصول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ ❹

آپس کے اموال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے

---

❶ المائدة، ٥:٦٣ ملاحظه هو: فتح الباری، لابن حجر، ٦٥٨/٩۔

❷ سورة المائدة، ملاحظه هو: فتح الباری، لابن حجر ٦٥٨/٩

❸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری، ابن حجر، ٩٦/١٢، عون المعبود، شرح سنن ابی داوٗد، عظیم آبادی، ٣/ ٨٤١، تحفة الأحوذی، شرح جامع ترمذی، مبارکپوری، ٢/ ٣٣٠، مصنف عبدالرزاق، ١/ ٢٢٣، ٢٣٥، المغنی، لابن قدامه، ٨/ ٢٤٢۔ تفسیر ابن کثیر، ٢/ ٧٩۔٨١۔

❹ سورة النسآء ٤:٢٩

Marfat.com

خرید و فروخت ہو۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ❶

”اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام۔“

مذکورہ دونوں آیاتِ مبارکہ میں ”تجارت کو مطلقاً حلال کہا گیا ہے، اس آیت کے اطلاق کی رو سے ہر قسم کی تجارت جس میں باہمی رضامندی ہو جائز ہے۔“

امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((دلت السنة على أن الله جل ثناؤه أراد باحلال البيع ما لم يحرم منه ، دون ما حرم على لسان نبيه))

حدیث بتاتی ہے کہ بیع و تجارت کی حلت سے مراد وہ صورتیں ہیں جو حرام نہیں کی گئیں۔ تجارت کی جو صورتیں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیں وہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ ❷

مثال نمبر ③: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ...... ﴾ ❸

”یعنی (تم پر حرام ہیں) تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا عمومِ آیت کی رو سے رضاعت قلیل، یا کثیر، بہر صورت موجب حرمت ہوگی اور بعض ائمہ کی یہی رائے ہے جب کہ جمہور علما احادیث کی بنا پر اس بات کے قائل ہیں کہ رضاعت کی حرمت چند صورتوں کے ساتھ مقید ہے، اگرچہ اس کی تفصیل میں فقہی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ❹

④ مبہمات کی تعیین

قرآن مجید میں بعض افراد اور اشیا کا عمومی ذکر ہوتا ہے، مطلب تو واضح ہوتا ہے لیکن اس سے کون سا خاص فرد یا شے مراد ہے؟ اس میں ابہام پایا جاتا ہے، حدیث شریف اس ابہام کا ازالہ کر دیتی ہے۔

مثال نمبر ①: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ﴾ ❺

❶ سورة البقرة، ٢: ٢٧٥ ❷ الرسالة، ص، ١٨٩۔ ❸ سورة النسآء، ٤: ٢٣

❹ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسير ابن كثير ١/ ٦٤٤ ❺ الرعد، ١٣: ١٣

Marfat.com

اور پڑھتا ہے گرجنے والا خوبیاں اس کی اور سب فرشتے اس کے ڈر سے۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)۔ ❶

"الرعد" بادل کی گرج کو بھی کہتے ہیں اور مخصوص فرشتے کا بھی نام ہے۔ ❷

بعض مفسرین نے درج ذیل حدیث سے اس ابہام کی توضیح کی ہے یہودی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آئے اور انہوں نے پوچھا: ((أخبرنا عن الرعد ما هو؟)) ہمیں بتائیں "رعد" کیا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ملك من الملائكة موكل بالسحاب معه مخاريق من نار يسوق بها السحاب حيث شآء الله))

"بادلوں پر مقرر ایک فرشتہ ہے جس کے ہاتھ میں آگ کے کوڑے ہیں، جن کے ذریعے وہ بادلوں کو جہاں اللہ تعالیٰ چاہے ہانک کر لے جاتا ہے۔ یہودیوں نے مزید پوچھا: یہ آواز جو ہمیں سنائی دیتی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ بادل کو چلانے کی آواز ہے، جب فرشتہ اسے چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مامور بہ جگہ تک پہنچ جائے...... الخ" ❸

مثال نمبر ②: بنی اسرائیل کے منفی رویے اور احکام الٰہی سے استہزاء کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ٥﴾ ❹

"اور جب ہم نے کہا اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جو کچھ یہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے "حطہ" کہو، ہم تمہاری خطائیں معاف فرمادیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے اس

---

❶ اس آیت پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر و تفسیر انتہائی عمدہ، جامع و مانع اور ضعیف العقیدہ، جدید سائنس سے مرعوب ذہن کے لیے قابل مطالعہ ہے۔ ملاحظہ ہو: تفسیر عثمانی ص ۳۳۲۔ فائدہ نمبر ۱

❷ مفردات القرآن راغب اصفہانی (ترجمہ مولانا عبدہ الفلاح) ۱/ ۳۵۸

❸ جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب: و من سورة الرعد، حدیث، (۳۱۱۷)، ص ۷۰۴، قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح غریب، نیز ملاحظہ ہو: سلسلہ صحیحہ، البانی، حدیث نمبر (۱۸۷۲)

❹ البقرة، ۲: ۵۸۔۵۹۔

Marfat.com

بات کو بدل کر کوئی اور ہی قول کہہ دیا جو اس کے خلاف تھا، جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی۔
ہم نے بھی ان ظالموں پر فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔"

وہ بات کیا تھی جو بنی اسرائیل نے کہی؟

اس میں ابہام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں اس ابہام کا ازالہ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل نے کہا: "حبة فی شعرة" یعنی گندم بالی سمیت۔ (1)

⑤ قرآن مجید کے علوم خمسہ کی تفصیلات

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تقسیم کے مطابق قرآن مجید اپنی نصوص و عبارات کے لحاظ سے پانچ علوم پر منقسم ہے۔ قرآنی آیات میں غور کیا جائے تو واضح دکھائی دیتا ہے کہ ان پانچوں علوم میں بہت سارے مقامات پر قرآن مجید نے اپنی جامعیت و اختصار کے پیشِ نظر اجمال سے کام لیا، نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث مبارکہ قرآن مجید کے مقاماتِ اجمال کو بسط و تشریح اور تفصیل کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ (2)

① علم الأحکام

قرآن مجید کا پورا علم الأحکام، اس کی فقہی تفصیلات، عملی زندگی میں اطلاق کی کیفیت، ہیئت، ہر ہر حکم کی اہمیت، فرضیت، فضیلت، یہ سب وہ تفصیلات ہیں جن کی رہنمائی حدیث اور صرف حدیث ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید کے اجمالی طور پر بیان کردہ فرائض وواجبات، مندوبات و مستحبات، محرمات و مکروہات اور مباحات کی مکمل تشریح ذخیرۂ حدیث میں محفوظ ہے۔ صحاح ستہ اور دیگر تمام کتبِ حدیث کی کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب النکاح تک، اور کتاب النکاح سے کتاب الأطعمہ والأشربۃ تک، اور کتاب الجہاد والسیر سے کتاب الحدود والدیات تک درحقیقت قرآن مجید کی آیات الأحکام کی تشریحات و تفصیلات ہیں۔ ان آیات الأحکام پر انسانی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے معلم قرآن و مزکّی انسان نے اوامر پر ابھارنے کے لیے احادیثِ ترغیب بیان فرمائی ہیں اور نواہی سے بچانے کے لیے احادیثِ ترہیب سنائی ہیں۔

---

(1) جامع ترمذی، کتاب التفسیر، باب: و من سورة البقره، حدیث(۲۹۵۶)، قال الترمذی: حدیث حسن صحیح، صحیح الترمذی، البانی، حدیث (۲۳۵٦)

(2) اگر ان میں سے ہر علم پر الگ الگ مثالیں پیش کی جائیں تو موضوع انتہائی طوالت اختیار کر جائے گا۔ علوم خمسہ کے اجمالات کی جس طرز پر تفصیلات و تشریحات احادیث، میں وارد ہوئی ہیں ان کی طرف انتہائی اختصار کے ساتھ اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان اشارات سے محض سرسری اندازہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حدیث کس طرح تفسیر قرآن ہے۔

Marfat.com

② علم المخاصمة

قرآن مجید کا دوسرا اہم علم مشرکین، منافقین اور یہود ونصاریٰ کے غلط عقائد ونظریات اور فاسد افعال و اعمال کی تردید ہے۔ وہ تمام احادیث جن میں شرک کی مذمت ہے، شرک کی انواع واقسام کا ذکر ہے، منافقت کی تردید ہے اور اس کی علامات کی وضاحت ہے، بنی اسرائیل کی تاریخ پر تبصرہ ہے، ان کی ہلاکت کی وجوہات اور ان میں در آنے والے فتنوں اور کج بحثیوں کی طرف اشارات ہیں۔ ایسی تمام احادیث قرآن مجید کے اس علم کی تفسیر پیش کرتی ہیں۔

③ علم التذکیر بآلاء اللہ

قرآن مجید میں آسمان وزمین کی تخلیق، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر جو آیات مشتمل ہیں، انہیں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے علم التذکیر بآلاء اللہ کا نام دیا ہے۔ ان آیات میں کئی مقامات پر اجمالات کی تشریح احادیث طیبہ سے ہوتی ہے۔ محدثین نے اپنے مجموعہ ہائے حدیث میں کتاب بدء الخلق، کتاب الذکر، کتاب التوحید اور کتاب الأسماء والصفات کے نام سے جو عناوین قائم کیے ہیں یا ان موضوعات پر مستقل اجزاء ورسائل میں جو احادیث جمع کی ہیں، ایسی تمام احادیث قرآن مجید کے اس علم کی تفسیر ہیں۔ ❶

④ علم التذکیر بأیام اللہ

قرآن مجید نے اپنے ایک معتد بہ حصہ میں سابقہ اقوام کے حالات وواقعات پر روشنی ڈالی ہے، ان کی اعتقادی واخلاقی خرابیوں پر مؤاخذہ کیا ہے۔ انبیاء کرام اور ان کے متبعین کی تعریف وستائش کرتے ہوئے ان کی خدمات کی تحسین فرمائی ہے اور ان کے حالات وواقعات کو بطورِ اسوہ ذکر فرمایا ہے۔ اولیاء الشیطان اور اولیاء الرحمٰن میں برپا معرکۂ حق وباطل پر جاندار تبصرہ کیا ہے۔ مطیعین پر انعامات واکرامات کی بارش اور فاسقین ومجرمین پر نازل ہونے والے عذابات وآفات کی تفصیل پیش کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبات وبیانات میں، مسجد نبوی کے حلقہ ہائے تعلیم میں اور اس کے علاوہ مختلف مواقع پر اس موضوع پر رہنمائی فرمائی ہے۔ وہ احادیثِ مبارکہ جو قرآنِ مجید میں مذکور اس علم کے کسی پہلو کی وضاحت بالتفصیل پیش کریں، "علم التذكير بأيام الله" کی تفسیر میں ان سے کام لیا جائے گا۔

⑤ علم التذكير بالموت و ما بعده:

قرآن مجید میں انسان کی موت وفنا کا تذکرہ بھی ہے، اور موت کے وقت پیش آمدہ عذابات وآفات

❶ اس علم کے تخلیق کائنات والے حصے میں صحیح مرفوع احادیث بہت کم اور اسرائیلی روایات زیادہ ملتی ہیں۔

Marfat.com

بھی، قبر وحشر، حساب ومیزان، پل صراط اور جنت وجہنم کا بھی، کہیں تبشیر مقصود ہے، کہیں انذار، کسی مقام پر ترغیب کا اسلوب ہے اور کسی مقام پر ترہیب کا انداز، ایک طرف قرآن مجید آخرت کی قدر و قیمت جتاتا ہے تو دوسری طرف دنیا کی حقارت ودناءت واضح کرتا ہے۔

ان تمام موضوعات میں کبھی قرآن مجید نے اجمال سے کام لیا ہے اور کبھی تفصیل سے۔

احادیثِ مبارکہ ان موضوعات میں قرآنی اجمالات کی ایسی خوبصورت تفصیلات پیش کرتی ہیں کہ انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى o ﴾[1]

علی سبیل المثال: قرآن مجید موت کے وقت فرشتوں کی بشارت یا تہدید کا اجمالی تذکرہ کرتا ہے، جب کہ احادیث میں موت کے وقت مؤمن اور کافر کی کیفیات کا ایمان افروز تفصیلی تذکرہ ہے۔

قرآن مجید عذابِ قبر کی طرف اجمالی اشارہ پر اکتفا کرتا ہے اور برزخ کی زندگی میں شہدا پر انعاماتِ الٰہیہ کا سرسری ذکر کرتا ہے، جب کہ احادیث میں قبر و برزخ کی تفصیلات ہیں۔ اس طرح قرآن وحدیث میں اجمال و تفصیل کا یہ سلسلہ موت سے لے کر قبر وحشر، پھر جنت وجہنم اور دیدار الٰہی کے کمال وجمال تک پھیلا ہوا ہے۔

***

[1] النجم، ٣، ٤

Marfat.com

فصل ثالث

تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین کے اصول وقواعد

تعارف

منہج تفسیر بالماثور میں خود قرآنِ مجید کے بعد حدیث نبوی ﷺ تفسیر کا بنیادی مصدر ہے اوران دونوں کے بعد اقوالِ صحابہ وتابعین کو تفسیر قرآن میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔

اس فصل میں صحابہ وتابعین کے تفسیری اقوال کی مختلف انواع واقسام اوران کے تفصیلی احکام پیش کیے جائیں گے۔

***

Marfat.com

① تفسیر صحابہ کی مختلف انواع اور ان کے احکام

صحابۂ کرام بلاشبہ مدرسۂ نبویہ کے اولین فیض یافتگان ہیں۔ جس طرح کسی مستند تعلیمی ادارے کے فضلا کو عام قسم کی درس گاہوں کے فضلا پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اور ماہر ترین معلم کے تلامذہ کو دوسروں پر برتری حاصل ہوتی ہے، اسی طرح مسجد نبوی کے حلقاتِ قرآنیہ میں، خود رسول اکرم ﷺ کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرنے والوں سے زیادہ مستند تفسیر آخر کس کی ہوسکتی ہے؟

لیکن صحابۂ کرام بھی فہم قرآن میں متفاوت مراتب کے حامل تھے، ان سے منقول آثار کی بھی مختلف اقسام ہیں اور ہر قسم کا حکم اس حساب سے مختلف ہے۔ یہ اقسام اجمالی طور پر درج ذیل ہیں:

① مرفوع حکمی

وہ صحابی جو اسرائیلیات سے اخذ نہ کرتا ہو، اگر ایسی تفسیر پیش کرے جو عقل واجتہاد سے نہ معلوم کی جاسکتی ہو، بلکہ محض نقل پر مبنی ہو، تو صحابی کا ایسا اثر ''مرفوع حکمی'' کہلاتا ہے۔ یعنی ایسے قول کو حکماً وہی مرتبہ حاصل ہوگا، جو مرفوع حدیث کا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب وہ بات عقل وقیاس سے معلوم نہیں ہوسکتی تو اسے صحابی کی رائے نہیں کہا جاسکتا۔ مزید برآں وہ صحابی اہلِ کتاب سے بھی روایت نہیں کرتا، وگرنہ سمجھا جاتا کہ اس نے اسرائیلی روایت پیش کی ہے۔ اس کے بعد دو صورتیں ہی ممکن ہیں:

ایک یہ کہ نعوذ باللہ صحابی نے خود ساختہ بات کہی ہو، صحابی کے حق میں یہ محال ہے، اور دوسری یہ کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، یہ دوسرا احتمال ہی غالب ہے اور ماننا پڑے گا کہ یہ بات دراصل ارشادِ رسول ﷺ ہے، جسے صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا حوالہ دیے بغیر نقل کر دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

((والحق أن ضابط مایفسره الصحابی رضی الله عنه ان کان مما لا مجال للاجتهاد فیه ، ولا منقولا عن لسان العرب ، فحکمه الرفع ، والا فلا))[1]

---

[1] النکت علی مقدمة ابن الصلاح ص ۱۹۲۔

Marfat.com

''حق کے مطابق اصول یہ ہے کہ اگر صحابی ایسی تفسیر پیش کرے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو اور نہ ہی وہ لغتِ عرب سے منقول ہو، تو اسے مرفوع روایت کا درجہ حاصل ہے، بصورت دیگر نہیں۔''

علیٰ سبیل المثال:

① مقادیر اشیاء، بدء الخلق
② علاماتِ قیامت
③ احوالِ برزخ
④ احوالِ قیامت، صفتِ جنت وجہنم
⑤ تاریخ امم ماضیہ وقصص الانبیا
⑥ احوالِ مستقبل، ملاحم وفتن
⑦ مخصوص عبادت پر مخصوص اجر وثواب
⑧ مخصوص گناہ پر مخصوص وعید وعذاب
⑨ دیگر انباء الغیب
⑩ اسبابِ نزول

درج بالا تمام امور سے متعلقہ صحابی کی تفسیری روایات ''مرفوع حکمی'' کہلائیں گی اور اسے مستند حدیث سمجھا جائے گا۔

طحاوی، ابن مردویہ، بیہقی اور ابن عبدالبر ایسے کبار ائمہ کا یہی موقف ہے۔ ❶

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اس طرح کی روایات کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی باللفظ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں اور کبھی بالمعنی، اسی طرح تفسیر قرآن بھی صحابہ بعض دفعہ باللفظ نقل فرماتے ہیں اور بسا اوقات بالمعنیٰ۔ ❷

مرفوع حکمی کی مثالیں

① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝﴾ ❸ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((رأى رفرفا أخضر قد سد الأفق)) ❹

''آپ نے سبز پردیکھے جو افق کو ڈھانپے ہوئے تھے۔''

② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝﴾ ❺ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((رأى جبريل له ستمائة جناح)) ❻

---

❶ النكت، ابن حجر، ص۱۹۳ ❷ اعلام الموقعین، ۶/ ۳۲-۳۳ ❸ النجم، ۱۸:۵۳

❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب لقد رأى من آيات ربه الكبرىٰ، حدیث ۴۸۵۳، نیز دیکھیے حدیث ۳۲۳۳ ❺ النجم، ۱۰:۵۳

❻ صحیح بخاری کتاب التفسیر، باب فكان قاب قوسين أو أدنى " حدیث ۴۸۵۶، ۴۸۵۷۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرة المنتهىٰ، حدیث ۱۷۴

Marfat.com

آپ نے جبریل علیہ السلام کو چھ سو پروں میں دیکھا۔

③ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((أنزل الله القرآن الى السمآء الدنيا فى ليلة القدر ، فكان الله اذا أراد يوحى منه شيئاً أوحاه ، أو أن يحدث منه فى الأرض شيئاً أحدثه)) ❶

اللہ تعالیٰ نے شب قدر میں مکمل قرآن مجید آسمانِ دنیا پر نازل فرما دیا، پھر اس سے جب کوئی چیز وحی فرمانے کا ارادہ فرماتے تو وحی فرما دیتے ہیں یا اس میں سے زمین پر کچھ اتارنا چاہتے تو اتار دیتے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((أنزل القرآن جملة واحدة الى السمآء الدنيا فى ليلة القدر ، ثم أنزل بعد ذالك بعشرين سنة (ولا يأتونك بمثل الاجئناك بالحق وأحسن تفسيراً) ، (وقرآنا فرقناه لتقرأ على الناس على مكث و نزلناه تنزيلا)) ❷

مرفوع حکمی کے بارے ایک اہم حقیقت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ،تقویٰ و ورع کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف بات منسوب کرتے ہوئے انتہائی حزم واحتیاط اختیار فرماتے تھے۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیرات کا ایک معتد بہ حصہ درحقیقت نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے فرامین سے ماخوذ ہے، لیکن مرفوعاً روایت نہیں ہے۔ معمولی غور وفکر سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے وقت کے جانثاروں اور رفقاء نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے دینِ اسلام اور تفسیرِ قرآن کے بارے میں کیا کیا نکات سنے ہوں گے؟

کیسے کیسے رموزِ قرآن ان گراں قدر ہستیوں نے خود صاحبِ قرآن سے سماعت کیے ہوں گے؟ پھر ان کے علاوہ ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم، جیسے ممتاز قرا وفقہا نے حامل شریعت سے کیا کچھ نہ سنا ہوگا؟ یہ سب کہاں ہے؟

اس بارے میں امام ابن القیم رحمہ اللہ کا درج ذیل اقتباس بہت قابل غور ہے، وہ لکھتے ہیں:

---

❶ مستدرك حاكم، كتاب التفسير ، باب أنزل القرآن جملة واحدة فى ليلة القدر الى السمآء الدنيا ، قال الحاكم ، هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه ، حديث (٢٩٣٢) ، ٢/ ٥٩٤ ، المعجم الأوسط ، طبرانى ، (١٢٢٤٣) ، المعجم الكبير ، طبرانى ، (١٢٣٨١)۔ مسند البزار ، ٢/ ٢١٠ ، مجمع الزوائد هيثمى ، ٧/ ١٤٠ ، ٤/ ١٥٧

❷ مستدرك حاكم، ٢/ ٥٩٤ قال الحاكم ، "هذا حديث صحيح الاسناد، لم يخرجاه"

Marfat.com

((أن الصحابي اذا قال قولا ، وحكم بحكم أو أفتا بفتيا ، فله مدارك ينفرد بهـا عنا۔ ومدارك نشاركه فيها ، فأما ما يختص به فيجوز أن يكون سمعه من رسول الله ﷺ شفاها أو من صحابي آخر عن رسول الله ﷺ فان ما انفردوا بـه مـن المسلم عنا أكثر من أن يحاط به ، فلم يرو كل منهم كل ما سمع ، و أيـن ما سمعه الصديق رضي الله عنه والفاروق وغيرهما من كبار الصحابة رضـي الـلـه عـنهـم ؟...... فـانهـم كانوا يهابون الرواية عن رسول الله ﷺ و يعظمو نها ويقللونها خوف الزيادة والنقص ، ولا يصرحون بالسماع ، ولا يقولون قال رسول الله ﷺ))❶

''صحابی جب کوئی قول، فیصلہ یا فتویٰ صادر فرمائے، تو اس بارے میں صحابی کے کچھ مصادر و مآخذ ایسے ہیں جو صرف اسی کا خاصہ ہے، اور کچھ مصادر و مآخذ ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں۔ صحابی کا ایک منفرد اور خصوصی مصدر یہ امکان ہے کہ اس نے وہ بات نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے براہِ راست یا کسی دوسرے صحابی کے واسطے سے سنی ہو۔ کیونکہ صحابہ کا انفرادی علم احاطہ سے باہر ہے، ہر صحابی اپنی تمام مسموعات روایت نہیں کر سکا، صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر کبار صحابہ کی سب، مسموعات کہاں ہیں؟...... درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی بات کی نسبت کرتے ہوئے ان پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی، اسے بہت عظیم اور گراں امر گردانتے تھے۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں کمی بیشی نہ ہو جائے روایت عن رسول اللہ پر کم ہی اقدام کرتے تھے۔ ایک چیز انہوں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے کئی مرتبہ سنی ہوتی تو اسے بیان کرتے ہوئے بھی نہ سماع کی صراحت کرتے اور نہ ہی یہ قال رسول اللہ ﷺ کہتے۔''

امام ابن القیم کی درج بالا رائے کی تائید کئی اقوالِ صحابہ سے ملتی ہے، بعض تفسیری اقوال ایک صحابی سے موقوفاً مروی ہیں، جب کہ وہی اقوال و مفاہیم دیگر صحابہ سے مرفوعاً مروی ہیں۔ درج ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں:

① حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کی سیڑھیوں پر گری ہوئی لاشیں دیکھیں تو فرمایا:

"کـلاب النار ، شر قتلى تحت أديم السمآء ، خير الناس من قتلوه ، ثم قرأ۔ (يوم تبيض وجوه وتسود وجوه)"

''جہنم کے کتے ہیں، زیرِ آسمان بدترین مقتولین ہیں، ان کے قاتلین بہترین انسان ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی: اس روز کئی چہرے سفید اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے۔''

❶ اعلام الموقعین، ۶/ ۱۹

Marfat.com

ابو غالب راوی کہتے ہیں میں نے ابوامامہ سے پوچھا: کیا آپ نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ ابو امامہ نے کہا:

"لو لم أسمعه الامرة أو مرتين أو ثلاثا ، أو أربعا ، حتى عد سبعا ما حدثتكموه۔"[1]

"اگر میں نے صرف ایک، دو، تین یا چار دفعہ، انہوں نے سات تک شمار کیا، سنا ہوتا تو میں یہ تمہارے سامنے بیان نہ کرتا۔"

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوامامہ نے صراحۃً نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے ایک بات سات یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ سنی، لیکن اسے بیان کرتے ہوئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف نسبت نہیں فرمائی، البتہ سائل کے پوچھنے پر وضاحت فرما دی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے:

"ان لكل شئى سناما وان سنام القرآن سورة البقرة۔"[2]

"ہر چیز کا ایک بڑا اور نمایاں حصہ ہوتا ہے، اور قرآن کا بڑا اور نمایاں حصہ سورۃ بقرہ ہے۔"

یہی قول حضرت سہل بن سعد نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔[3]

(۳) عن ابن الديلمي قال:

وقع في نفسي شئى من هذا القدر ، فخشيت أن يفسد علي ديني و أمري ، فأتيت أبي بن كعب فقلت: يا أبا المنذر! انه قد وقع في نفسي شئى من هذا القدر ، ولو فخشيت على ديني و أمري ، فحدثني من ذالك بشئى لعل الله أن ينفعني به ، فقال : لو أن الله عذب أهل سماواته ، وأهل أرضه لعذبهم ، وهو غير ظالم لهم ، ولو رحمهم لكانت رحمته خيرا لهم من أعمالهم ، ولو كان مثل جبل أحد ذهبا ، أو مثل جبل أحد تنفقه في سبيل الله ما قبل منك حتى تؤمن بالقدر ، فتعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك وأن ما أخطأك لم يكن ليصيبك ، وأنك ان مت على غير هذا دخلت النار۔ ولا عليك أن تأتي أخي عبدالله بن مسعود فتسأله۔ فأتيت عبدلله فسألته فذكر

---

[1] جامع الترمذي ، كتاب التفسير ، باب ومن سورة آل عمران ، وقال هذا حديث حسن ، حديث (۳۰۰۰) ، صحيح الترمذي ، الباني ، حديث (۲۳۹۸)

[2] مسند دارمي ، سلسله صحيحه ، الباني ، ۲/ ۱۳۵

[3] تفسير ابن كثير ، ۱/ ٦٧ ، صحيح الترغيب ، والترهيب ، الباني ، حديث (١٦٤٢)

Marfat.com

مثل ما قال أبی، وقال لی: ولا علیك أن تأتی حذیفة، فأتیت حذیفة، فسألته، فقال مثل ما قال، وقال: ائت زید بن ثابت، فاسأله، فأتیت زید بن ثابت فسألته، فقال: سمعت رسول الله ﷺ یقول:

لو أن الله عذب اهل السماواته و أهل أرضه لعذبهم وهو غیر ظالم لهم، ولو رحمهم لكانت رحمته خیراً لهم من أعمالهم، ولو كان لك مثل أحد ذهبا، أو مثل جبل أحد ذهبا تنفقه فی سبیل الله ما قبله منك حتی تؤمن بالقدر كله، فتعلم أن ما أصابك لم یكن لیخطئك و ما أخطأك لم یكن لیصیبك، و أنك ان مت علی غیر هذا دخلت النار۔"❶

ابن دیلمی کہتے ہیں:

میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ ایسے خیالات پیدا ہوئے، مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ میرا دین اور میرا کام نہ بگڑ جائے، میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ابالمنذر! میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ خیالات ہیں، مجھے تو اپنے دین وایمان کا خطرہ ہے، لہٰذا آپ مجھے کچھ بتائیں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس کے ذریعے فائدہ پہنچادیں۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب نے فرمایا:

اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان وزمین والوں کو عذاب میں مبتلا کردے، تو اس کا عذاب دینا ظلم نہیں ہوگا، اگر وہ ان پر مہربانی فرمادے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال سے بہت بہتر ہوگی۔

اگر تیرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو یا فرمایا احد پہاڑ جتنا (مال ہو) اسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کردے، جب تک تو تقدیر پر ایمان نہ لائے، وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، جب تک تیرا یہ ایمان نہ ہو کہ جو کچھ تجھے حاصل ہوا ہرگز تجھ سے چوکنے والا نہیں تھا، اور جو کچھ تجھے نہیں مل سکا وہ تجھے ملنے والا نہیں تھا، اگر تو اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر مرے گا تو آگ میں جائے گا۔

اگر آپ میرے بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر ان سے بھی پوچھ لو تو اس میں کیا مضائقہ ہے، تو میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، ان سے پوچھا، انہوں نے بھی حضرت ابی رضی اللہ عنہ ہی کی طرح کہا، نیز انہوں نے کہا: زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کے پاس جاؤ اور ان سے بھی پوچھ لو، لہٰذا میں زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کے پاس گیا اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ارشاد فرمارہے تھے: "اگر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین میں رہنے والے سب کو عذاب دے تو اس کا عذاب دینا ظلم نہیں ہوگا،

❶ سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فی القدر، حدیث، (۷۷)، صحیح ابن ماجه، البانی، ۱۹/۱۔

Marfat.com

اگر وہ ان پر رحمت فرمادے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال سے بہتر ہوگی، اگر تمہارے پاس احد پہاڑ کے برابر مال یا احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور اسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے، تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائیں گے جب تک کہ تم مکمل تقدیر پر ایمان نہ لاؤ، یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ جو کچھ تمہیں ملا ہے، وہ تم سے خطا نہیں ہو سکتا تھا، اور جو کچھ تمہیں نہیں مل سکا۔ وہ تمہیں کبھی مل نہیں سکتا تھا۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر مرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔''

اس طویل حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو بات ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم نے موقوفاً کہی، بعینہ وہی بات تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان کی۔

جب کہ سائل بھی ایک ہی ہے جس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ ابی رضی اللہ عنہ بن کعب، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ بن ثابت نے وہ بات نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سن رکھی تھی، لیکن اسے آگے روایت کرتے ہوئے آپ کی طرف نسبت نہیں فرمائی، جب کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے سنی تھی اور انہوں نے صراحتہً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرمادی۔

اسی حوالے سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محدثِ شہیر خطیب بغدادی کا ایک اقتباس نقل کردوں، جس سے مرفوع وموقوف کے بعض پہلو واضح ہو جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

((اختلاف الروايتين في الرفع والوقف لا يؤثر في الحديث ضعفا، لجواز أن يكوني الصحابي يسند الحديث مرة، و يرفعه الى النبي صلى الله عليه وسلم، ويذكره مرة أخرى على سبيل الفتوى ولا يرفعه، فحفظ الحديث عنه على الوجهين جميعا۔ وقد كان سفيان بن عيينة يفعل هذا كثيرا في حديثه، فيرويه تارة مسنداً مرفوعاً ويقفه مرة أخرى قصداً واعتماداً ......))❶

''کسی روایت کو مرفوع اور موقوف بیان کرنے میں اختلاف حدیث کی تضعیف پر اثر انداز نہیں ہوتا، کیونکہ صحابی بعض دفعہ حدیث کو مرفوع و مسند بیان کر سکتا ہے اور وہی بات بطور فتویٰ بھی بیان کر سکتا ہے۔ تو حدیث دونوں طرح صحابی سے منقول ہو جاتی ہے۔ امام سفیان بن عیینہ اس طرح بکثرت کیا کرتے تھے، ایک حدیث کو مرفوعاً مسنداً بیان کرتے اور اس حدیث کو موقوفاً بھی بیان کر دیتے اور قصداً ایسا کرتے۔''

❶ الكفاية في علم الرواية، الخطيب بغدادي، باب في الحديث يرفعه الراوي تارة و يقفه أخرى، ما حكمه۔، ص٤٤٧۔

Marfat.com

② صحابہ کے تفسیری اجماعات

اگر کچھ صحابۂ کرام سے تفسیری اقوال منقول ہوں اور دیگر صحابہ سے کسی قسم کا کوئی اختلاف منقول نہ ہو، تو ایسے تفسیری اقوال بدرجہ اجماع حجت ہوں گے اور اصولِ فقہ میں حجیتِ اجماع کی تمام ادلہ اس پر بالاَولیٰ صادق آئیں گی۔ ❶

③ صحابی کا مشہور تفسیری قول

اگر کسی آیت کی تفسیر میں ایک صحابی کا قول مل جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ قول مشہور ہے، جب کہ اس کے مخالف کسی صحابی کا قول منقول نہ ہو تو جمہور علما کے نزدیک اسے ''اجماع سکوتی'' کا درجہ حاصل ہے اور یہ قول حجت ہوگا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وأما أقوال الصحابة فان انتشرت ولم تنكر فى زمانهم فهى حجة عند جماهير العلماء)) ❷

''اقوال صحابہ اگر معروف ہو جائیں اور اپنے عہد میں ان پر کوئی اعتراض بھی نہ کیا جائے، تو وہ جمہور علما کے نزدیک حجت ہیں۔''

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فان اشتهر فالذى عليه جماهير الطواف من الفقهاء أنه اجماع وحجة، وقالت طائفة منهم: هو حجة و ليس باجماع قالت شر ذمة من المتكلمين وبعض الفقهاء المتاخرين لا يكون اجماعا و لا حجة)) ❸

''اگر (قول صحابی) مشہور ہو تو جمہور فقہا کے نزدیک اجماع اور حجت ہے، بعض فقہا کے نزدیک حجت ہے، لیکن اجماع نہیں، متکلمین کے ایک قلیل گروہ اور بعض متاخرین فقہا کے نزدیک نہ حجت ہے اور نہ ہی اجماع۔''

④ صحابی کا غیر مشہور قول

اگر کسی آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں صحابی کا ایسا قول ملتا ہے جو غیر مشہور ہے، یا اس کے بارے میں بالتحقیق

---

❶ ملاحظہ ہو: اعلام الموقعين، ۵/۵۴۸، قو اعدالتفسير، خالد عثمان السبت، ۱/ ۱۸۲۔

❷ مجموع الفتاویٰ، ۲۰/ ۱۴ ❸ اعلام الموقعين، ۵/ ۵۴۹۔۵۵۰

Marfat.com

شہرت یا عدمِ شہرت کا علم ہی نہیں ہے، تو ایسے قول کی حجیت کے بارے میں اختلاف ہے۔

① جمہور ائمہ امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔[1]

② متاخرینِ احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ، اور جمہور متکلمین کے نزدیک حجت نہیں ہے، کیونکہ صحابی بہر حال مجتہد ہے اور مجتہد سے خطا وصواب دونوں کا امکان ہوتا ہے۔ ان کے فضل وشرف اور مقام ومرتبہ سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ ان کے اقوال حجت ہوں۔[2]

متقدمین اور متاخرین کے نزدیک یہ اختلاف تعجب خیز ہے، شاید فقہا کے موقف میں یہ تبدیلی متاخرینِ فلاسفہ اور متکلمین سے شدید تاثر کی بنا پر ہے۔[3]

⑤ صحابہ کے اختلافی اقوال

صحابہ کرام سے اگر ایسے تفسیری اقوال منقول ہوں جو باہم متعارض اور متصادم ہوں، تو ایسی صورت حال میں دیگر دلائل کی روشنی میں اقرب الی الصواب کو ترجیح دی جائے گی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وان تنازعوا رد ما تنازعوا فيه الى الله والرسول ، ولم يكن قول بعضهم حجة مع مخالفة بعضهم له باتفاق العلماء))[4]

یہ تمام تر تقسیمات زیادہ تر کتبِ اصولِ فقہ کی روشنی میں وضع کی گئی ہیں، جو کہ اصول تفسیر میں بھی مشعلِ راہ ہیں۔ تاہم اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ قولِ صحابی پہ کتبِ تفاسیر کی روشنی میں مستقلاً تحقیق کی جائے۔ تمام اقوال صحابہ کو یکجا کر کے، اسنادی تحقیق وتنقیح کے بعد تحلیل وتجزیہ ہو اور پھر اس کی روشنی میں نتائج مرتب کیے جائیں۔

⑥ صحابی کی لغوی تشریح

صحابی اگر قرآن مجید کے کسی کلمہ، ترکیب یا محاورہ کی لغوی تشریح پیش کر رہا ہو، تو وہ بھی حجت ہے، کیونکہ صحابہ خود اہل زبان ہیں۔[5]

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث وتفسیر میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

---

1. مجموع الفتاویٰ ، ابن تیمیه ، ۲۰/ ۱۴ ، اعلام الموقعین ۵/ ۵۵۰
2. ایضاً ، ۵/ ۵۵۵_۵۵۶
3. حاشیه اعلام الموقعین ، ابو عبیده مشهور بن حسن آل سلمان ، ۵/ ۵۵۵ ، بذیل حاشیہ نمبر ۳۔
4. مجموع فتاویٰ ، ۲۰/ ۱۴
5. المـوافقات ، شاطبی ، ۳/ ۲۳۸ ، البرهان للزرکشی ، ۲/ ۱۷۲ قواعد التفسیر ، السبت ، ۱/ ۱۸۱

Marfat.com

⑦ حجیتِ قولِ صحابی کی نوعیت اور صحابی کا شاذ قول

1- تفسیرِ قرآن میں قولِ صحابی حجتِ مستقلہ نہیں ہے، بلکہ حجت بالغیر ہے، اس کی حجیت دیگر دلائل وقرائن کی بنیاد پر ہے۔ اس لیے انفرادی طور پر کسی صحابی کا غیر معروف قول درج ذیل شروط کے ساتھ حجت ہوگا۔

① اس میں کسی نصِ شرعی کی مخالفت نہ ہو۔

② کسی دوسرے صحابی سے اس کے خلاف کوئی قول ثابت نہ ہو، کیونکہ دوسرے تمام صحابہ کی خاموشی اور ان سے عدمِ نقل اس بات کی دلیل ہے کہ اس خاص منقول عنہ صحابی کی رائے صائب ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ تمام صحابہ کی جماعت میں سے صرف ایک ہی صحابی کا قول منقول ہو اور وہ بھی خلافِ حق ہو!!

2- البتہ انفرادی طور پر کسی ایک صحابی کی رائے میں غلطی ممکن ہے، کیونکہ وہ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں۔ اس صورت میں دیگر نصوصِ شرعیہ اور اقوالِ صحابہ کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا اور وہ مخصوص انفرادی قول شاذ اور مرجوح شمار کیا جائے گا۔ ❶

⑧ صحابی کا اسرائیلیات سے مستفاد قول

جو بات کسی صحابی نے اہلِ کتاب کے علما سے یا ان کی کتابوں سے نقل کی ہو، تو وہ نہ صحابی کی رائے سمجھی جائے گی اور نہ ہی مرفوع روایت۔ اس طرز کے اقوالِ صحابہ کا وہی حکم ہے جو اسرائیلی روایات کا ہے۔ ❷

❊❊❊

---

❶ اعلام الموقعين ، ٦/ ٣٣

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قواعد التفسير ، ١/ ١٦٦-١٨١ ، فصول في أصول التفسير ، مساعد ، ص ٣٣۔

Marfat.com

② تفسیر القرآن بأقوال التابعین

تابعی کی تعریف:

امام حاکم کے نزدیک تابعی کی تعریف یہ ہے:

((التابعی من صحب الصحابی))❶

''یعنی تابعی وہ ہے جسے صحابی کی رفاقت حاصل ہوئی ہو۔''

امام حاکم رحمہ اللہ کے نزدیک تابعی ہونے کے لیے صحابی کی طویل رفاقت ضروری نہیں، بلکہ صحابی سے سماع یا ملاقات بھی کافی ہے۔ نیز امام حاکم رحمہ اللہ نے تابعین کو پندرہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔❷

عراقی نے کہا ہے:

((والتابعی اللاقی لمن قد صحبا ۔ وللخطیب حده أن یصحبا))❸

''تابعی وہ ہے جس کی صحابی سے ملاقات ثابت ہو، جبکہ خطیب بغدادی کے نزدیک تابعی وہ ہے جسے صحابی کی رفاقت حاصل رہی ہو۔''

تفسیر تابعین کی اہمیت

① تابعین نے تفسیر براہ راست صحابۂ کرام سے سیکھی ہے۔

② تابعین خیر القرون میں شامل ہیں۔

③ تابعین کی زبان دانی اور اسالیب عرب سے واقفیت بعد والوں کی بہ نسبت بہتر ہے۔❹

---

❶ مقدمة ابن الصلاح، النوع الموفی اربعین، معرفة التابعین، ص ٤٠٥۔

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: معرفة علوم الحدیث، الحاکم، ص٤٢، مقدمه ابن الصلاح ص ٤٠٥۔

❸ التبصره والتذکره، ٣/ ٤٥

❹ قواعد التفسیر، خالد عثمان السبت، ١/ ١٨٨

Marfat.com

تفسیر تابعین کے احکام

تفسیر تابعین کی مختلف انواع واقسام ہیں اور ہر قسم کا اپنا ایک مخصوص حکم ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

① تفسیر مرسل

تابعی اگر اسبابِ نزول، قصصِ انبیاء، فتن وملاحم اور دیگر ایسے غیبی امور کی تفسیر کرے جو عقل واجتہاد پر مبنی نہیں ہوتے، تو ایسی تفسیر کا حکم وہی ہے جو مرسل حدیث کا ہے۔ قبولِ مرسل کی شروط جو اہل علم کے ہاں طے ہیں، تفسیر کے باب میں بھی وہی شروط عائد ہوں گی۔

علی سبیل المثال: حضرت مجاہد ﴿عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ [1] کی تفسیر میں کہتے ہیں: ((اقعاده علی العرش)) [2] یہ تفسیر مرسل ہے۔

اور واضح طور پر مرسل ضعیف ومردود ہے، کیونکہ مرفوع تفسیر کے مخالف ہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت ہے کہ آپ نے مقام شفاعت کو مقام محمود قرار دیا ہے۔ [3]

② اجماعِ تابعین

یہ بلاشبہ حجت ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((أما اذا اجتمعوا علی الشئی فلا یرتاب فی کونه حجة)) [4]

''جب (تابعین) کسی چیز پر متفق ہو جائیں، تو وہ بلاشبہ حجت ہے۔''

③ اسرائیلیاتِ تابعین

تابعین اگر تفسیر میں اسرائیلی روایات پیش کریں، تو ان کا حکم وہی ہوگا جو اسرائیلی روایات کا ہے۔

④ تابعین کے اختلافی تفسیری اقوال

اگر تابعین سے مختلف تفسیری اقوال منقول ہوں تو وہ یقیناً حجت نہیں ہیں، بلکہ اس صورت حال میں خود قرآن مجید، احادیث، اقوال صحابہ اور لغت عرب کی روشنی میں تفسیر متعین کی جائے گی۔

---

[1] الاسراء، ۱۷:۷۹ [2] تفسیر الطبری، ۱۵/ ۱۴۵

[3] فصول فی أصول التفسیر، الطیار، ص ۴۰، مقدمه فی أصول التفسیر، ص ۵۰

[4] قواعد التفسیر، ۱/ ۱۹۶، فصول فی أصول التفسیر، ص ۴۰۔

Marfat.com

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((قال شعبة بن الحجاج وغيره: أقوال التابعين فى الفروع ليست حجة ، فكيف تكون حجة فى التفسير ، يعنى أنها لا تكون حجة على غيرهم ممن خالفهم وهذا صحيح ، أما اذا اجتمعوا على الشئى فلا يرتاب فى كونه حجة ، فان اختلفوا فلا يكون قول بعضهم حجة على بعض ولا على من بعدهم ، ويرجع فى ذالك الى لغة القرآن أو عموم لغة العرب أو أقوال الصحابة فى ذالك۔)) ❶

''شعبہ بن حجاج کہتے ہیں: تابعین کے اقوال فقہی فروع میں حجت نہیں ہیں، تفسیر میں کیونکر حجت ہو سکتے ہیں، یعنی وہ دیگر تابعین پر حجت نہیں ہیں، البتہ اگر وہ کسی چیز پر مجتمع ہو جائیں، تو بلاشبہ حجت ہیں، اگر وہ باہم مختلف ہوں تو اس صورت میں حجت نہیں ہیں، نہ ایک دوسرے کے لیے اور نہ ہی بعد والوں کے لیے۔ بلکہ اس صورت حال میں لغت قرآن، عام لغتِ عرب یا اقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔''

⑤ کسی ایک تابعی کا قول جب کہ اس کے مخالف کوئی دوسرا قول نہ ہو

اگر کسی آیت کی تفسیر میں ایک تابعی سے قول منقول ہے، جب کہ دیگر تابعین سے اس بارے میں کوئی قول منقول نہیں تو کیا وہ حجت ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دونوں قسم کی آراء پائی جاتی ہیں۔

① جمہور کے نزدیک وہ حجت نہیں ہے۔
② بعض حنابلہ اور شوافع کے نزدیک وہ حجت ہے بشرطیکہ کسی قول صحابی کے مخالف نہ ہو۔
③ امام احمد، امام شافعی سے حجیت و عدم حجیت دونوں اقوال منقول ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فان قيل: فبعض ما ذكرتم من الأدلة (أى على قبول قول الصحابى اذا قال قولا ولم يعلم له مخالف) يقتضى أن التابعى اذا قال قولا ولم يخالفه صحابى ولا تابعى أن يكون قوله حجة ؟

فالجواب أن التابعين انتشروا انتشارا لا ينضبط لكثرتهم ، وانتشرت المسائل فى عصرهم ، فلا يكاد يغلب على الظن عدم المخالف لما أفتى به الواحد منهم۔ فان فرض ذالك فقد اختلف السلف فى ذالك ، فمنهم من

❶ ايضاً مقدمة فى أصول التفسير ، ص٥٠

Marfat.com

يقول: يجب اتباع التابعي فيما أفتى به، ولم يخالفه فيه صحابي ولا تابعي، وهذا قول بعض الحنابلة والشافعية...... والأكثرون يفرقون بين الصحابي والتابعي، ولا يخفى ما بينهما من الفروق، على أن في الا حتجاج بتفسير التابعي عند الامام أحمد روايتين، ومن تأمل كتب الائمة ومن بعدهم وجدها مشحونة بالاحتجاج بتفسير التابعي))

مندرجہ بالا اقتباس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقوالِ تابعین کے بارے سلف میں اختلاف ہے، وہاں یہ اہم حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلاف تابعین کے فقہی اقوال اور تفسیری اقوال میں فرق کرتے تھے۔ تابعین کے تفسیری اقوال کو بالخصوص زیادہ اہمیت دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ائمہ مفسرین کی کتب اقوالِ تابعین سے بھری ہوئی ہیں۔

راجح بات یہی ہے کہ تابعی کے تفسیری قول کو حجت قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اس کے حجتِ شرعیہ ہونے کے دلائل قوی نہیں ہیں۔ لیکن بہرحال تابعی کا قول بعد والوں کے اقوال سے بہتر ہے اس لیے کہ انہوں نے تفسیر صحابہ سے سیکھی ہے اور عربی سلیقہ سے بھی نسبتاً بہتر واقف ہیں۔

بالخصوص مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عطا ابن ابی رباح، حسن بصری، مسروق، سعید بن المسیب، ابو العالیہ، ربیع، قتادۃ اور ضحاک جیسے کبار تابعین کے اقوال، جب کہ سندِ صحیح سے ثابت ہوں، مفسرین کے ہاں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ❶

تفسیرِ صحابہ وتابعین کے بارے بعض اہم اصول

① تفسیرِ صحابہ وتابعین کی اسانید پر تحقیق انتہائی اہمیت کی حامل ہے، بصورت دیگر اس کی حیثیت محض ایک تفسیری قول کی ہوگی۔

② صحابہ وتابعین سے منقول تفاسیر کے تمام طرق اور الفاظ کو جمع کرنا ضروری ہے، اس صورت میں معانی و مفاہیم زیادہ واضح صورت میں معلوم ہوجاتے ہیں۔

③ صحابہ وتابعین کے کئی اقوال باہم متضاد ہوتے ہیں، بلکہ خود ایک ہی صحابی اور ایک ہی تابعی سے متضاد اقوال منقول ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو روایت و درایت کی روشنی میں راجح قول اختیار کیا جائے گا۔

④ صحابہ وتابعین کے اکثر ثابت شدہ تفسیری اقوال میں تناقض وتضاد بالکل نہیں ہوتا، محض تعبیرات میں

❶ دیکھیے، مقدمة فی اصول التفسير، ابن تيميه، ص۴۸۔۴۹، فصول فی أصول التفسير، الطيار، ص۴۰۔

Marfat.com

ظاہری اختلاف ہوتا ہے، جسے اختلاف تنوع کہا جاتا ہے۔

⑤ صحابہ وتابعین کے ثابت شدہ قول سے انحراف کرتے ہوئے کوئی ایسا نیا قول اختیار نہیں کیا جاسکتا، جو اقوالِ سلف سے معارض ہو اور جسے اختیار کرنے سے سلف کی تردید لازم آتی ہو۔

⑥ صحابہ وتابعین سے ہٹ کر قرآن مجید سے نکات ولطائف، استنباطات وتعریفات اور ایسے اقوال جن سے اسلاف کی تردید نہ ہورہی ہو بیان اور اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں تدبر وتفکر کے دروازے قیامت تک کے لیے کھلے ہیں اور اس کے عجائبات لامتناہی ہیں۔ [1]

***

[1] دیکھیے۔ فصول فی أصول التفسیر، مساعد، ص ٤٠۔٤١

Marfat.com

فصل رابع

تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ کے اصول وقواعد

تعارف

قرآن مجید عربی مبین میں نازل ہوا ہے، اس لیے عربی زبان کے مفردات اور اسالیب وتعبیرات سے آگہی کے بغیر تفسیرِ قرآن ممکن ہی نہیں۔ صحابہ وتابعین تفسیر قرآن کے لیے عربی زبان وادب سے خوب استفادہ کرتے اور جابجا اشعارِ عرب بطور استشہاد پیش فرماتے۔ بعض ائمہ نے عربی لغت سے تفسیر قرآن کے جواز پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ ❶

امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے:

((لا أوتى برجل يفسر كلام الله وهو لا يعرف لغة العرب الا جعلته نكالا)) ❷

''جو شخص عربی زبان کی معرفت رکھے بغیر کلام الٰہی کی تفسیر کرتا ہے، اگر میرے پاس لایا جائے تو میں اسے نشان عبرت بنادوں۔''

لیکن عربی زبان کے مختلف اقسام کے الفاظ ہیں اور متنوع اسالیب ومحاورات بھی، کہیں مشترکات ہیں اور کہیں مترادفات، کہیں اضداد ہیں اور کہیں متباین کلمات، کہیں حقیقت ومجاز کا مسئلہ، اور کہیں تشبیہ واستعارہ کا، ان متنوع وجوہ واسالیب کو پیشِ نظر رکھا جائے تو آیات مبارکہ میں کئی احتمالی معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس صورت حال میں کون سے معانی مراد لیے جائیں اور کسے ترک کیا جائے؟

یہ انتہائی اہم اور نازک سوال ہے۔ مکتب تفسیر بالمأثور سے وابستہ ائمہ وعلمانے اس کے لیے قواعد وضوابط تحریر کیے ہیں، اس فصل میں ان میں سے چند اہم قواعد مثالوں کے ساتھ پیش کیے جائیں گے۔

❊❊❊

---

❶ بحواله: فصول فى أصول التفسير ، دكتور مساعد، ص۴۲

❷ تفسير البسيط ، واحدى ، ۱/ ۲۱۹

Marfat.com

عربی لغت سے تفسیر کے اصول وقواعد

① کثیر الاستعمال افصح معانی مراد لینا، قلیل اور شاذ کو ترک کرنا

قرآن مجید افصح الکلام ہے اور یہ عربوں کے معروف معانی کے مطابق نازل ہوا ہے، اس لیے اس سے افصح اور معروف معانی ہی مراد لیے جائیں گے، شاذ اور قلیل استعمالات ترک کر دیئے جائیں گے۔

مثال: فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ○﴾ ❶

''نہ اس میں ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پانی کا۔''

امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں درج بالا قاعدے کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

بعض علمانے کلام عرب سے استشہاد کرتے ہوئے، یہاں ''بردا'' سے نیند مراد لی ہے۔ اس طرح آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جہنمی نہ تو وہاں نیند چکھیں گے اور نہ پینے کی کوئی چیز...... (مزید لکھتے ہیں)...... نیند اگرچہ پیاس کی شدت کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اس وجہ سے اسے ''برد'' کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ لفظ ''برد'' نیند کے لیے معروف نہیں......

((وتأويل كتاب الله على الأغلب من معروف كلام العرب دون غيره)) ❷

کتاب اللہ کی تفسیر کلام عرب کے معروف اور کثیر الاستعمال معنی سے کی جائے، نہ کہ دیگر (شاذ و نادر) معانی سے۔''

مزید برآں سیاق وسباق سے بھی کثیر الاستعمال معنی کی ہی واضح تائید ہو رہی ہے، کیونکہ زیر تشریح آیت سے متصل دوسری آیت میں ''الا حميما و غساقا'' کا استثناء موجود ہے۔ اس استثنا میں گزشتہ دو الفاظ

---

❶ سورة النبأ ٧٨:٢٤

❷ تفسير طبرى، ٣٠/ ١٣ التحرير والتنوير، ابن عاشوره، ٣٠/ ٣٧، قواعد التفسير، ١/ ٢١٣، فصول فى أصول التفسير، الطيار، ص٤٤

Marfat.com

"برداً ، شراباً" کے بالمقابل "حمیماً ، غساقاً" کو لایا گیا ہے۔ جس سے یہ معنی کھل کر سامنے آتا ہے کہ اہل جہنم کی برداً (ٹھنڈک) کی بجائے حمیماً (گرم کھولتا ہوا پانی) اور "شراباً" (مشروب) کی بجائے "غساقاً" (پیپ) سے "تواضع" کی جائے گی۔ ❶

قدیم مفسرین کے نزدیک مشہور و متبادر الی الذہن معانی کو چھوڑ کر، نادر اور دور دراز کے معانی مراد لینا، کبھی بھی علما و راسخین کا طریقہ نہیں رہا ہے۔ ❷

② لغوی معانی بنیادی طور پر صحابہ اور تابعین سے حاصل کیے جائیں گے

صحابۂ کرام خالص عربی النسل ہیں، ان ہی کو براہ راست قرآن مجید نے مخاطب کیا ہے اور انہی کی لغت میں قرآن نازل ہوا ہے۔ تابعین نے ان سے علم حاصل کیا اور صحابہ و تابعین خالصۃً لغوی لحاظ سے بھی اس دور سے تعلق رکھتے ہیں، جب عرب لوگوں کی زبان خالص تھی اور ہر خالص عربی کا بولا ہوا لفظ قابل حجت تھا، یعنی صحابہ و تابعین "عصر الاحتجاج اللغوی" سے وابستہ ہیں۔ اس لیے ان کی تشریحات ائمہ لغت، اصحاب قوامیس و معاجم پر خالصۃً لغوی لحاظ سے بھی فائق ہیں۔ اس بنا پر صحابہ و تابعین کی تفسیرات کے دو اہم پہلو ہیں:

① ایک پہلو کے لحاظ سے ان کی تفسیر "تفسیر بالماثور" ہے کہ ان کے اقوال خالصۃً شرعی نقطۂ نظر سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

② دوسرے پہلو کے لحاظ سے ان کی تفسیر "تفسیر باللغۃ" کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، کیونکہ وہ عربی لغت کے دور احتجاج میں زندگی بسر کرنے والے خود اہل زبان لوگ ہیں۔

اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ دیگر شعراءِ عرب اور ائمہ لغت کا سرے سے کوئی مقام ہی نہیں، لیکن یہ مطلب ضرور ہے کہ فہم قرآن میں شعراءِ عرب اور ائمہ لغت کی طرف دوسرے درجہ میں رجوع کیا جائے اور پہلے درجہ میں صحابہ و تابعین کی طرف۔

مثال: غزوہ بدر کے پس منظر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَ یُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝﴾ ❸

❶ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: قواعد التفسیر ، خالد عثمان السبت ، ۱/ ۲۱۴

❷ ملاحظہ ہو: تفسیر طبری ، ۳/ ۱۴۹-۱۵۳ ، محاسن التأویل ، قاسمی ، ۱/ ۲۶۲ ، علوم القرآن ، مولانا گوہر رحمان ، ۲/ ۶۴۰

❸ سورۃ الانفال ۸:۱۱

Marfat.com

''اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اپنی طرف سے چین دینے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعے سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جمادے۔''

لغت کے معروف امام ابوعبیدہ نے "ویثبت به الأقدام" کو مجازی معنی پر محمول کیا ہے اور لکھا ہے: ((مجازه: یفرغ لهم الصبر وینزله علیهم فیثبتون لعدوهم)) ''یعنی ثابت قدمی مجازی معنی میں ہے: اور اس سے مراد ہے بھرپور صبر کا نزول تاکہ وہ دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں۔'' جب کہ صحابہ کرام جن پر احسانات کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں مخاطب کر رہا ہے اور جو خود اس واقعہ کے عینی شاہد اور شرکاء معرکہ ہیں ان کے نزدیک ''ثابت قدمی'' سے حقیقی معنی مراد ہے۔

ابوعبیدہ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے امام طبری لکھتے ہیں:

((وذالك قول خلاف لقول جميع اهل التأويل من الصحابة والتابعين، وحسب قول خطأً أن يكون خلفاً لقول من ذكرنا وقد بينا أقوالهم فيه، وأن معناه: ويثبت أقدام المؤمنين بتلبيد المطر الرمل حتى لا تسرح أقدامهم وحوافر دوابهم)) ❶

''اور ابوعبیدہ کا قول تمام مفسرین صحابہ وتابعین کے مخالف ہے، اور کسی قول کے غلط ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ مذکورہ لوگوں کے مخالف ہو، اس بارے ابھی ہم ان کے اقوال واضح کر چکے ہیں اور یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک ثابت قدمی کا مفہوم یہ ہے کہ بارش کے نزول سے ریت گیلی اور تر ہوگئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے پاؤں جمادیے تاکہ نہ ان کے اپنے پاؤں پھسلیں اور نہ ہی ان کے جانوروں کے۔''

اگر مزید غور وفکر کیا جائے تو صحابہ وتابعین کا بیان کردہ معنی سبب نزول، سیاق وسباق اور خود آیت کی اندرونی ترتیب کے لحاظ سے بھی راجح قرار پاتا ہے۔ تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک پہلو پر غور کرنے سے ہی صحابہ کا مفہوم راجح نظر آنے لگتا ہے، مثلاً: اگر ثابت قدمی سے مجازی معنی مراد لیا جائے، تو تکرار غیر مفید ماننا پڑے گا، کیونکہ صبر وثبات کا تذکرہ تو "ولیربط علی قلوبکم" کہہ کر پہلے ہی سے کیا جا چکا ہے جو کہ نزول صبر کی خوبصورت پیرائے میں تصویر کشی کر رہا ہے، لہٰذا دوبارہ اس کے تذکرے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

---

❶ تفسير الطبري، ٩/ ١٩٧، تفسير ابن عطيه، ١٣/ ٢٤٥، ٩/ ٤٢٩، معاني القرآن، ٤/ ٣٠٩، فصول في أصول التفسير، الطيار، ص٤٦-٤٧

Marfat.com

③ تفسیرِ صحابہ وتابعین کے مخالف لغوی تفسیر مردود ہوگی

گزشتہ مثال سے یہ اصول بھی واضح ہوتا ہے کہ اصحابِ تفسیر بالماثور کے نزدیک صحابہ وتابعین کی متفقہ تفسیر قطعی طور پر حجت ہے، اس کے مخالف لغوی تفسیر مردود ہے، اگرچہ ظاہر لغت کے اعتبار سے قابلِ قبول ہو اور محاوراتِ عرب بھی اس کی تائید کرتے ہوں۔ امام طبری کے درج ذیل الفاظ اس اصول کو آشکارا کرنے میں بہت اہم ہیں:

((وحسب قول خطأً أن يكون خلافاً لقول من ذكرنا)) ❶

کسی قول کے غلط ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہمارے مذکورہ لوگوں (صحابہ وتابعین) کے قول سے متعارض ہو۔''

اس بنا پر مکتب تفسیر بالماثور کے نزدیک یہ قاعدہ ہے:

((فهم السلف للقرآن حجة يحتكم اليه لا عليه))

''سلف کا فہمِ قرآن حجت ہے، ان کے فہم سے فیصلہ حاصل کیا جائے گا، نہ کہ ان کے فہم پر فیصلہ چسپاں کیا جائے گا۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((الواجب أن تعرف اللغة والعادة والعرف الذى نزل فى القرآن والسنة، وما كان الصحابة يعرفون من الرسول عند سماع تلك الألفاظ، فبتلك العادة واللغة، والعرف، خاطبهم الله ورسوله)) ❷

''قرآن وسنت میں نازل ہونے والے عرف وعادت اور لغت کو پہچاننا ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ سے الفاظ سنتے ہوئے صحابہ کرام جو مفہوم مراد لے لیتے تھے، اسے پہچاننا بھی ضروری ہے، کیونکہ انہی کے عرف وعادت اور لغت کے مطابق اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ ان سے مخاطب ہوئے۔''

④ تفسیرِ قرآن عرب امیین کے ہاں معروف معانی واسالیب کے مطابق ہوگی، نہ کہ جدید اصطلاحات کے مطابق

بعض لوگ قرآن مجید کی تفسیر میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ فلسفہ وعلم الکلام کی جدید اصطلاحات، سائنس و ٹیکنالوجی کی ایجادات اور اس طرح کے دیگر علوم بھی ان کے نزدیک فہم قرآن کے لیے ضروری ہیں۔ تفسیرِ قرآن بنیادی طور پر مرادِ الٰہی کی تعیین کا نام ہے، جو کہ حقیقۃً عہد نبوی میں طے ہو چکی ہے۔ اب مزید استنباطات واستخراجات

---

❶ تفسير الطبرى، ٩/ ١٧٩ ❷ مجموع الفتاوىٰ، ٧/ ١٠٦

Marfat.com

اور لطائف ومعارف کا دروازہ تو کشادہ ہے، اور وہ بھی اس حد تک کہ صحابہ وتابعین کے مخالف نہ ہو، لیکن بنیادی معنی اور منشاءِ ربانی کے تعین کے لیے جدید اصطلاحات اور پیچ در پیچ موشگافیوں کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

کیا فہمِ قرآن کے لیے فلسفہ وعلم الکلام جاننا ضروری ہے یا نہیں؟ اس پر فریقین کی آراذکر کرنے کے بعد امام شاطبی رحمہ اللہ تبصرہ فرماتے ہیں:

((و شاهد ما بين الخصمين شأن السلف الصالح فى تلك العلوم ، هل كانوا آخذين فيها أم كانوا تاركين لها أو غافلين عنها؟ مع القطع بتحققهم بفهم القرآن ، يشهد لهم بذالك النبى ﷺ ، والجم الغفير ، فلينظر امرؤ أين يضع قدمه ؟)) ❶

فلسفہ وعلم الکلام کی ضرورت وعدم ضرورت پر) فریقین کے درمیان ان علوم کے حوالے سے سلف صالحین کی صورتِ حال فیصلہ کن ہے۔ کیا سلف نے ان علوم کو حاصل کیا تھا، یا انہیں چھوڑا ہوا تھا یا ان سے بے خبر تھے؟! جب کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور امت کا جم غفیر گواہ ہے، کہ وہ سب یقینی طور پر صحیح معنی میں قرآن مجید کو سمجھتے تھے، ہر انسان کو غور کرنا ہوگا کہ وہ اپنا پاؤں کہاں رکھ رہا ہے؟''

اس لیے تفسیرِ قرآن کرتے ہوئے یہ بات ہر وقت ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ قرآن اولین طور پر ان لوگوں سے مخاطب ہوا، یہ حقیقت نصِ قرآن سے ثابت ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ ❷

''وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا۔''

ارشادِ نبوی ہے:

((انى بعثت الى أمة أميين)) ❸

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((انا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب ، الشهر هكذا و هكذا)) ❹

''ہم اُمی امت ہیں، ہم لوگ حساب کتاب نہیں جانتے، مہینہ اس طرح اور اس طرح شمار ہوتا ہے (یعنی انتیس اور تیس)''

اس اصول کو قواعد تفسیر بھی اس طرح بیان کیا گیا ہے:

---

❶ الموافقات، ۳/ ۲۶۱

❷ سورة الجمعة، ۶۲:۲

❸ جامع الترمذی، ابواب القراء ات ، باب ما جآء نزل القرآن على سبعة احرف۔

❹ صحیح بخاری كتاب الصيام ، باب قول النبى ﷺ لا نكتب ولا نحسب

Marfat.com

((تُحمل نصوص الكتاب على معهود الاميين فى الخطاب))❶

فلسفہ وکلامیات تو کجا، شرعی علوم کی وہ اصطلاحات جو عہد صحابہ وتابعین کے بعد علوم کے ارتقا کے ساتھ تشکیل پاتی رہیں، ان پر بھی قرآن مجید کو محمول نہیں کیا جائے گا۔

اس بارے تفسیری قاعدہ یہ ہے کہ

((لا يجوز حمل الكتاب على اصطلاح حادث))❷

کتاب اللہ کو کسی جدید اصطلاح پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

اس حوالے سے سید رشید رضا لکھتے ہیں:

((ان كثيراً من الألفاظ كانت تستعمل فى زمن التنزيل لمعان، ثم غلبت على غيرها بعد ذالك بزمن قريب أو بعيد، من ذالك لفظ "التأويل" اشتهر بمعنى التفسير مطلقاً أو على وجه مخصوص، لكنه جاء فى القرآن بمعان أخرى، كقوله تعالىٰ: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ﴾ (الاعراف۷:۵۳) فما هذا التأويل ؟ يجب على من يريد الفهم الصحيح أن يتتبع الاصطلاحات التى حدثت فى الملة ليفرق بينها و بين ما ورد فى الكتاب، فكثيرا ما يفسر المفسرون كلمات القرآن بالاصطلاحات التى حدثت فى الملة بعد القرون الثلاثة الأولىٰ ......فعلى المدقق أن يفسر القرآن بحسب المعانى التى كانت مستعملة فى عصر النزول))❸

مثالیں:❹

① ''تاویل'' کا لفظ کتاب اللہ میں زمانہ نزولِ وحی میں ایک خاص معنی میں مستعمل تھا، لیکن متاخرین کے نزدیک راجح مفہوم کو چھوڑ کر مرجوح معنی مراد لینے کو تاویل کہتے ہیں۔

② ''الحکمۃ'' کا مفہوم سلف کے ہاں اور تھا، بعض متاخرین کے نزدیک فلسفہ پر بھی حکمت کا اطلاق ہوتا ہے۔

③ قرآن مجید میں ''قریہ'' اور ''مدینہ'' ایک ہی معنی میں مستعمل ہے، جبکہ متاخرین کے نزدیک بڑے شہر کو

---

❶ قواعد التفاسير، ۱/ ۲۱۷ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الموافقات، شاطبی، ۳-۲۶۰-۲۷۴، الفوز الكبير، شاه ولى الله، ص۳۷

❷ قواعد التفسير ۱/ ۲۳۰ ❸ تفسير المنار، ۱/ ۲۳

❹ مزید مثالوں اور تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: قواعد التفسير، السبت، ۱/ ۲۳۰-۲۳۵

Marfat.com

''مدینہ'' اور بستی، قصبہ وغیرہ کو ''قریہ'' کہتے ہیں۔

④ سلف کے ہاں اور لغت قرآنی میں ''صدقہ'' کا مفہوم وسیع ہے، جس میں نفلی صدقات اور فرضی زکوٰۃ دونوں شامل ہیں، جب کہ بعض متاخرین کے نزدیک ''صدقہ'' کا اطلاق صرف نفلی انفاق پر ہوتا ہے۔

⑤ قرآنی استعمالات میں ''فرض'' وضاحت، انزال وغیرہ اور حلت کے معنی میں ہے۔[1] جب کہ متاخرین اصولیین کے نزدیک یہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کا خاص اصطلاحی مفہوم ہے۔

⑤ تفسیر قرآن میں شرعی معنی کو مقدم رکھا جائے گا

شرعی معنی سے مراد یہ ہے کہ شریعت بعض الفاظ کو خاص مفہوم میں لے آتی ہے، یا لغت میں مستعمل الفاظ پر نئی شروط و قیود اور اوصاف کا اضافہ کر کے اسے ایک بالکل نیا پیرہن دے دیتی ہے۔ اگر کوئی ''مفسر'' قرآن کے اس طرز کے شرعی اصطلاحی الفاظ کو محض لغت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرے تو اسے دماغی خلل ہی کہا جا سکتا ہے۔

مثال: لغت میں ''صلاۃ'' بمعنی الیتین کو حرکت دینا، زکوٰۃ بمعنی نمو، صوم بمعنی مطلق امساک، حج بمعنی مطلق قصد ہے، لیکن شریعت نے ان کو خاص اصطلاحی معانی میں ڈھال دیا ہے۔ ان پر مخصوص شروط و قیود کا اضافہ کر دیا ہے اور انہیں ایک بالکل نئی شکل دے دی ہے۔ لہٰذا مراد شریعت سے بے نیاز رہ کر ان الفاظ کا مفہوم محض لغت سے متعین نہیں کیا جا سکتا۔[2]

❊❊❊

---

[1] فتح القدیر، شوکانی، ۳/ ۳۱۸

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: مجموع الفتاویٰ، علامہ ابن تیمیہ، ۷/ ۲۹۸-۲۹۹، البلغة فی أصول اللغة، نواب صدیق حسن خان، ص ۳۹-۴۰، محاسن التأویل، قاسمی، ۱/ ۲۵۰-۲۵۴، تفہیم القرآن، سید مودودی، ۶/ ۱۷۰۔

Marfat.com

فصل خامس

دیگر مآخذ سے استفادہ کے اصول وقواعد

تعارف:

قرآن، حدیث، اقوال صحابہ وتابعین، لغتِ عرب کے بعد منہج تفسیر بالماثور میں درج ذیل مآخذ سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے:

① عقل واجتہاد
② اسباب النزول
③ اسرائیلیات

اس فصل میں مذکورہ تینوں مآخذ سے استفادہ کے اصول وضوابط پیش کیے جائیں گے اور واضح کیا جائے گا کہ اثری مکتبِ فکر مذکورہ مآخذ سے کس حد تک اور کس ترتیبی حیثیت سے استفادہ کا قائل ہے؟

❋❋❋

Marfat.com

① تفسیر القرآن بالرائی

رائے کا لغوی مفہوم:

لغوی طور پر ''الرائی'' باب رای یری سے مصدر اور حاصلِ مصدر ہے۔ اس باب سے چھے مصادر عربی زبان میں مستعمل ہیں: ❶

① رَأْیٌ	② رُؤْیَةٌ
③ رِءْیَةٌ	④ رَاءَةٌ
⑤ رَأْیَةٌ	⑥ رِئْیَانٌ

اس کی جمع کے لیے بھی چھے اوزان مستعمل ہیں: ❷

① آرَاءٌ	② أَرْءَاءٌ
③ أَرْيٌ	④ رُيٌّ
⑤ رِيٌ	⑥ رَئِيٌّ

امام لغت فیروز آبادی لکھتے ہیں:

((الرؤية: النظر بالعين والقلب)) ❸

''آنکھ اور دل سے کسی چیز کو دیکھنا رویت کہلاتا ہے۔''

یعنی ظاہری مشاہدہ کے لیے بھی لفظ ''رویت'' مستعمل ہے اور قلبی مشاہدہ کے لیے بھی۔ نیز لکھتے ہیں: ((الرأی الاعتقاد)) عقیدہ و نظریہ کو رائے کہتے ہیں۔ ❹

خواب میں کسی چیز کے مشاہدے کو ''رؤیا'' کہتے ہیں، جس میں انسان اپنے چہرے کا مشاہدہ کرے اسے ''مِرْءَاةٌ'' (آئینہ) کہتے ہیں۔ ❺

---

❶ القاموس المحيط، فيروز آبادی، ص ١٦٨٦-١٦٨٧۔

❷ ایضاً ❸ ایضاً ❹ ایضاً ❺ ایضاً

Marfat.com

گویا لغوی طور پر رائے میں مندرجہ ذیل معانی مضمر ہیں:

① مشاہدہ
② غوروفکر
③ نظریہ وعقیدہ

اصطلاحی مفہوم:

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

((هو اعتقاد النفس أحد النقيضين عن غلبة الظن))❶

''دو متناقض چیزوں میں غوروفکر کرنے کے بعد غلبۂ ظن کی بنیاد پر جب نفسِ انسانی میں کوئی نظریہ قائم ہو جائے تو اسے ''رائے'' کہتے ہیں۔''

امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ما يراه القلب بعد فكر و تأمل ، طلباً لمعرفة وجه الصواب مما تتعارض فيه الأمارات))❷

''متناقض علامات والی اشیا میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے غوروفکر کرنے کے بعد دل میں جو بات آ جائے اسے رائے کہتے ہیں۔''

عقل واجتہاد اور غوروفکر کے ذریعے مطالبِ قرآنی کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور انہیں واضح کرنا تفسیر بالرأی ہے۔❸

***

❶ المفردات، ۱/ ۳۲۰

❷ اعلام الموقعین، ۱/ ٦٦

❸ علوم القرآن، گوہر رحمان، ۱/ ۳۸۱ ، علوم القرآن، تقی عثمانی، ص۳۴۳

Marfat.com

فہم قرآن میں عقل واجتہاد کی ضرورت واہمیت

① قرآن مجید غور وفکر کی دعوت پیش کرتا ہے

قرآن مجید جہاں تمام انسانوں کے لیے صحیفۂ رشد وہدایت اور دستورِ زندگی ہے، وہاں مضامین ومعانی اور اسرار وحکم کا بحرِ زخار بھی ہے، جس طرح قدرت کی بنائی ہوئی تمام چیزوں میں غور وفکر کرنے سے جدید انکشافات اور نت نئے منافع وفوائد حاصل ہوتے رہتے ہیں اور ایک سے ایک پرت کھلتی رہتی ہے۔ اس طرح قرآن مجید میں غور وفکر کرنے سے بھی نئے نئے حقائق معلوم ہوتے رہیں گے، زمانہ علم وعقل کی خواہ کسی بھی معراج تک پہنچ جائے، مگر قرآن مجید ہر مقامِ معراج پر زندگی کے نئے پیدا شدہ مسائل کی عقدہ کشائی کرتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے خود قرآن مجید اپنی آیاتِ مبارکات میں غور وفکر اور عقل واجتہاد کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے، بلکہ اس کی تائید کرتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

① ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾ [1]

’’ہم نے آپ پر ایک مبارک کتاب نازل کی ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں۔‘‘

② ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝﴾ [2]

’’بھلا وہ قرآن میں کیوں غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں۔‘‘

③ ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ [3]

’’اور ہم نے تمہاری طرف قرآن اتارا، تاکہ جو لوگوں کے لیے اتارا گیا ہے، اسے بیان کردو اور تاکہ لوگ غور وفکر کریں۔‘‘

② احادیثِ رسول قرآن مجید میں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں

آنحضرت ﷺ قرآن مجید میں غور وفکر کے لیے مؤثر الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو شوق دلایا کرتے تھے،

---

[1] سورة ص، ۲۹:۳۸ [2] سورة محمد، ۲٤:٤۷ [3] سورة النحل، ٤٤:۱٦

Marfat.com

مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا:

((ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله ، یتلون کتاب الله ، ویتدارسونه بینهم ، الا نزلت علیهم السکینة ، وغشیتهم الرحمة ، وحفتهم الملائکة وذکرهم الله فیمن عنده)) ❶

''جو لوگ کسی جگہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں اور باہم مذاکرۂ قرآن کی مجالس قائم کرتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین اور رحمت اترتی ہے، ملائکہ ان کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے سامنے ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔''

③ صحابہ قرآن مجید میں عقل واجتہاد اور تدبر سے کام لیتے تھے

صحابۂ کرام نے جہاں اپنی زندگیوں کو قرآن کی روشنی میں سنوارا اور حضور کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت میں تزکیہ و تطہیر کی منزلیں طے کیں، وہاں وہ فہم قرآن اور تدبر فی القرآن میں بھی کوشاں رہتے تھے۔

قرآن مجید فصیح عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ صحابۂ کرام کی زبان بھی عربی تھی، وہ اس کی فصاحت و بلاغت کے رموز سے آشنا تھے، جن حالات و واقعات میں نزولِ قرآن ہوا، اس سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ جن نظریات وعقائد اور اعمال و افعال پر قرآن نے بحث کی وہ زیادہ تر ان کے اپنے تھے، ان کی قوم کے تھے یا ان کی اپنی تاریخ میں بیتی اقوام کے تھے، یہود و نصاریٰ کے عقائد و اطوار کی طرف قرآن نے جو اشارے کیے، ان سے بھی وہ گوناگوں تعلقات کی بنا پر آگاہ تھے۔

لیکن اس کے باوجود وہ برسوں قرآن حکیم پر غور و فکر اور تدبر کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسلسل آٹھ برس تک سورۂ بقرہ پر تدبر فرماتے رہے۔ ❷

''ظاہر ہے یہ اس لیے تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ قرآن میں تبحر حاصل کریں، اسبابِ نزول اور احکام میں نئے نئے استخراج کریں۔''

④ تابعین اور تفسیر قرآن میں عقل واجتہاد

صحابۂ کرام کے حلقات دروس سے استفادہ کرنے والے تابعینِ عظام بھی تفسیرِ قرآن میں خوب تحقیق اور عقل واجتہاد سے کام لیتے۔

① اس بارے میں امام مجاہد سب سے آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ امام مجاہد نے

❶ سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، باب فی ثواب قراءة القرآن، حدیث(١٤٥٧)

❷ مؤطا امام مالک، بحواله: مقدمة فی أصول التفسیر، ابن تیمیة، ص٦۔

Marfat.com

تفسیر بالماثور میں عقل واجتہاد کا دروازہ کھولا۔ ❶

نہ صرف وہ خود رائے اور اجتہاد سے کام لیتے بلکہ اس کی ترغیب بھی دیتے۔ ان کا معروف قول ہے:

((أفضل العبادة الرأى الحسن)) ❷

''اچھے طریقے سے غور وفکر بہترین عبادت ہے۔''

اس اجتہادی توسع کی بنا پر ان سے بعض عجیب وغریب اقوال منقول ہیں جن پر ائمہ نے مؤاخذہ بھی کیا ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((لمجاهد أقوال و غرائب فى العلم والتفسير تستنكر)) ❸

''علم وتفسیر میں مجاہد کے بعض اقوال وتفردات منکر سمجھے جاتے ہیں۔''

بلکہ امام مجاہد کے ان تفردات سے بعض گمراہ فرقے دلائل پکڑتے ہیں۔ ❹

② حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دوسرے شاگرد رشید جناب عکرمہ بھی تفسیر بالرائے سے کام لیتے تھے، بلکہ اس قدر غور وفکر سے کام لیتے تھے کہ فرمایا کرتے:

((انى لأخرج الى السوق ، فأسمع الرجل يتكلم بالكلمة فينفتح لى خمسون بابا من العلم)) ❺

''میں بازار جا رہا ہوتا ہوں، کسی شخص سے ایک بات سنتا ہوں، اور میرے لیے علم کی پچاس راہیں کشادہ ہو جاتی ہیں۔''

البتہ ان کی بھی بعض آرا اور تفردات ائمہ کے نزدیک قابلِ رد تھے۔ ❻

③ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تابعین کے بارے میں فرماتے ہیں:

((والمقصود أن التابعين تلقوا التفسير عن الصحابة كما تلقوا عنهم السنة ، وان كانوا يتكلمون فى بعض ذالك بالاستنباط والاستدلال كما يتكلمون فى بعض السنن بالاستنباط والاستدلال)) ❼

---

❶ تفسير التابعين ، الخضيرى ، ١/ ١٣٣

❷ تأويل مختلف الحديث ، ابن قتيبه ، ص٦٩ ، البداية والنهايه ، ابن كثير ، ٩/ ٢٥٩۔

❸ سير اعلام النبلاء ، ٤/ ١٥٥ ❹ تفسير التابعين ، الخضيرى ، ١/ ١٣٤

❺ الطبقات الكبرىٰ ، ابن سعد ، ٥/ ٢٨٨ ، تهذيب الكمال ، مزى ، ٢٠/ ٢٧٤ تذكره الحفاظ ، ذهبى ، ١/ ٩٦۔

❻ الجرح والتعديل ، رازى ، ٧/ ٩ ، هدى السارى ، ابن حجر ، ص٤٢٧

❼ مقدمة فى أصول التفسير ، ص٧-٨

Marfat.com

''غور وفکر اور عقل واجتہاد کی مذکورہ بالا اہمیت کے باوجود تفسیر قرآن میں رائے کے استعمال کی مذمت بھی کی گئی۔ اس بارے میں بھی احادیث وآثار اور ائمہ کے اقوال جابجا بکھرے پڑے ہیں۔''

احادیث میں رائے کی مذمت

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من قال فی القرآن برأیه فلیتبوا مقعده من النار۔))❶

② حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من قال فی القرآن برأیه فأصاب فقد أخطأ))❷

③ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان الله لا ینزع العلم من الناس انتزاعا، ولکن یقبض العلماء فیرفع العلم معهم، ویبقی فی الناس رؤوس جهال، یفتونهم بغیر علم، فیضلون و یضلون))

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((فیفتون برأیهم فیضلون و یضلون))❸

وہ اپنی رائے سے فتویٰ جاری کریں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ علم کو انسانوں سے اچانک نہیں اٹھائیں گے، بلکہ علما فوت ہو جائیں گے، ان کے جانے سے علم

---

❶ جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه، حدیث (۲۹۵۰)، مسند احمد، ۱/ ۲۳۳، ۲۶۹، ۳۲۳ المعجم الکبیر، طبرانی، حدیث (۱۲۳۹۲)، الابانه، ابن بطة، ۷۹۹۔ قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح۔

❷ جامع الترمذی، التفسیر، باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه حدیث (۲۹۵۲) سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب الکلام فی کتاب الله بغیر علم، حدیث (۳۶۵۲)، مسند ابی یعلی، ۹۰۱۳، حدیث ۱۵۲۰، قال الترمذی، هذا حدیث غریب و قد تکلم بعض اهل الحدیث فی سهیل ابن ابی حزم۔

❸ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، حدیث، ۱۰۰، کتاب الاعتصام، باب ما یذکر فی ذم الرأی، حدیث ۷۳۰۷، صحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم و قبضه، حدیث ۶۲۷۳

Marfat.com

بھی رخصت ہو جائے گا، اور لوگوں میں جاہل پیشوا باقی رہ جائیں گے، وہ علم کے بغیر فتویٰ صادر کریں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

صحابۂ کرام اور رائے کی مذمت:

① حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أی أرض تقلنی ، وأی سماء تظلنی ، اذا قلت فی کتاب الله برأی أو بما لا أعلم))

''زمین کا کونسا قطعہ مجھے پناہ دے گا، اور آسمان کا کونسا گوشہ مجھے سایہ فراہم کرے گا، اگر میں کتاب اللہ میں اپنے رائے سے یا بے علمی سے کچھ کہوں تو۔!!''❶

② حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ملہم من اللہ ہونے کے باوجود اپنی رائے کے بارے میں یہ تبصرہ فرماتے:

((یا أیها الناس ان الرأی انما کان من رسول الله ﷺ مصیباً ان الله کان یریه ، وانما هو منّا الظن والتکلف))❷

''لوگو! بے شک رائے تو رسول اللہ ﷺ ہی کی صائب ہوتی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔ ہماری رائے تو محض ظن اور تکلف پر مبنی ہوتی ہے۔''

تابعین اور رائے کی مذمت:

① امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:☆

((ما جاء کم به هؤلاء عن أصحاب رسول الله ﷺ فخذوه وما کان رأیهم فاطرحوه فی الحش))❸

---

❶ تفسیر طبری، ۱/ ۷۸ جامع بیان العلم وفضله، ابن عبدالبر، ۲/ ۸۳۳، حدیث (۱۵۶۱)، فتح الباری، ابن حجر، ۱۳/ ۲۷۱، سنن سعید بن منصور، حدیث ۳۹، مصنف ابن ابی شیبه، حدیث (۱۰۱۵۲)۔ حسن اسناده الشیخ ابو عبیده مشهور بن حسن آل سلمان، اعلام الموقعین، ۲/ ۱۰۰، حاشیه، نمبر ۲

❷ جامع بیان العلم وفضله، ابن عبدالبر، ۲۰۰۰

☆ امام شعبی: کبار تابعین میں سے ہیں، اپنی زندگی میں پانچ صد صحابہ کا عہد مبارک پایا۔ مکمل نام عامر بن شراحیل الشعبی ہے۔ ۱۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ (دیکھیے تهذیب الکمال، مزی، ۱۴/ ۲۸۔۴۰)

❸ الاحکام فی أصول الأحکام، ابن حزم، ۶/ ۵۴ سنن دارمی، ۱/ ۶۷

Marfat.com

"یہ لوگ جو کچھ اصحاب رسول ﷺ کے حوالے سے پیش کریں اسے حاصل کرلو، اور جو ان کی اپنی آراء ہوں انہیں بیت الخلاء میں پھینک دو۔"

(۲) ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ان سے مروی ہیں کہ انہوں نے اپنے شاگرد سے کہا:

((ما حدثوك عن أصحاب رسول الله ﷺ فخذ به ، وما قالوا برأيهم فحبل عليه)) ❶

(۳) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مازال أمر بني اسرائيل معتدلا حتى نشأفيهم المولدون [أبناء سبايا الأمم] ، فأخذوا فيهم بالرأى ، فأضلوهم))

"بنی اسرائیل راہِ اعتدال پر تھے، جب ان میں نومولود لوگ [دوسری امتوں میں سے قیدیوں کے بیٹے] اٹھے، تو انہوں نے رائے پر عمل کرنے کی طرح ڈالی اور اس طرح ان کو گمراہ کردیا۔" ❷

(۴) حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے سب لوگوں کے نام تحریری طور پر حکمنامہ صادر فرمایا:

((انه لا رأى لأحد مع سنة سنها رسول الله ﷺ)) ❸

"بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی جاری کردہ سنت کی موجودگی میں کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔"

(۵) بعض کبار تابعین فقہ وافتاء میں درجۂ امامت پر پہنچنے کے باوجود تفسیر قرآن میں اظہار رائے سے گریز کرتے تھے، حالانکہ ان کی زبان دانی اور اسالیب عربی سے واقفیت میں بھی کوئی شک نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں سے حضرت عطاء بن ابی رباح اس بارے میں بالخصوص معروف ہیں، فقہ وافتاء میں ان کا ایک مقام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اہل مکہ سے فرمایا کرتے تھے:

((تجتمعون على وعندكم عطاء ؟)) ❹

"تمہارے پاس عطاء موجود ہے اور تم میری طرف چلے آتے ہو۔!!"

---

❶ مصنف عبدالرزاق ، ١١/ ٢٦٥ ، (٢٠٤٧٦)، جامع بيان العلم ، ابن عبدالبر ، ١٤٣٨ ، صحيح اسناده الشيخ مشهور ، (اعلام الموقعين ، ٢/ ١٣٨)

❷ سنن دارمى ، مقدمه ، ١/ ٥٠ ، ابن حزم ، الاحكام فى أصول الاحكام ، ٦/ ٥٥۔ صحيح اسناده الشيخ مشهور (اعلام الموقعين ، ٢/ ١٤٠)

❸ جامع بيان العلم ، ابن عبدالبر ، ص٧٨١ ، حديث ١٤٥٦۔

❹ تذكرة الحفاظ ، ذهبى ، ١/ ٩٨ ، تهذيب الكمال ، مزى ، ٢٢/ ٧٧ ، سير اعلام النبلاء ، ذهبى ، ٥/ ٨١

Marfat.com

لیکن تفسیرِ قرآن میں رائے دینے سے گریز کرتے تھے۔ عطاء کے شاگرد رشید ابن جریج کے بقول:

((کنت أسأل عطاء عن کل شئی یعجبنی ، فلما سألته عن البقرة ، وآل عمران ، أو عن البقرة ، قال أعفنی هذا ، أعفنی عن هذا)) ❶

میں جناب عطاء☆ سے ہر اچھی چیز کے بارے پوچھ لیا کرتا تھا۔ لیکن جب میں ان سے سورۃ بقرۃ اور آل عمران یا بقرہ کے بارے پوچھتا تو فرماتے: اس بارے مجھے معاف رکھیے۔ مجھے معاف رکھیے!!

⑥ اس بارے میں دیگر تابعین عظام اور ائمہ سلف سے کثرت کے ساتھ اقوال منقول ہیں۔ ❷

معروف تابعی مفسر قتادہ السدوسی☆ بھی تفسیر قرآن میں بالخصوص رائے سے اجتناب کرتے تھے، معمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے قتادہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

((ما فی القرآن آیة الا قد سمعت فیها بشئ)) ❸

"قرآن کی ہر آیت کے بارے میں نے کچھ نہ کچھ سن رکھا ہے۔"

ایک موقع پر انہوں نے فرمایا:

((ما قلت برأیی منذ أربعین سنة)) ❹

"میں نے گزشتہ چالیس سال سے محض اپنی رائے سے کچھ نہیں کہا۔"

تفسیرِ قرآن میں اکثر کوئی نہ کوئی حدیث پیش کرتے۔ تفسیر طبری میں ان سے منقول تفسیری اقوال میں دو صد پانچ روایات مذکور ہیں۔ ❺ اور یکصد سے زیادہ روایات میں انہوں نے قول صحابی پر اعتماد کیا ہے۔ ❻

***

---

❶ العلل ، احمد ، ۲/ ۱۳۱

☆ عطاء بن ابی رباح، کبار تابعین میں سے ہیں، دو صحابۂ کرام کی حیات مبارکہ کو پایا ہے، مکہ کے معروف تابعی فقیہ ہیں۔ (۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ تهذیب الکمال ، ۲۰/ ۷۷ ، تهذیب التهذیب ، ۷/ ۲۰۰ ، التاریخ الکبیر ، بخاری ، ۶/ ٤٦٤۔

❷ ملاحظہ ہو، مقدمة فی أصول التفسیر ، ابن تیمیه ، ۵۰۔۵۵

☆ قتادہ: قتادہ بن دعامہ السدوسی البصری، صغار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت انس کے شاگرد رشید (تهذیب التهذیب ، ابن حجر ، ۸/ ۳۵۵) انہوں نے کبار تابعین سعید بن المسیب، حسن بصری، عکرمہ، شعبی، سے استفادہ کیا (تهذیب الکمال ، ۲۳/ ٤۹۹)، ۱۱۷ھ میں وفات پائی (تهذیب الکمال ، ۲۳/ ۵۱۷)

❸ جامع ترمذی ، کتاب تفسیر القرآن ، باب ما جآء فی الذی یفسر القرآن برأیه ،

❹ سنن دارمی ، ۱/ ٤۷ ، طبقات الکبریٰ ، ابن سعد ، ۷/ ۲۲۹ ، سیر اعلام النبلاء ، ذہبی، ۵/۲۷۳۔

❺ تفسیر التابعین ، الخضیری ، ۱/ ۲۵٦ ❻ تفسیر التابعین ، الخضیری ، ۱/ ۲۵٦

Marfat.com

تفسیر بالرائے کے بارے متضاد اقوال اور ان کی توجیہ

گزشتہ صفحات سے یہ بات مبرہن ہو کر سامنے آچکی ہے، کہ احادیث و آثار اور اقوال تابعین میں عقل و اجتہاد کی مدح و تعریف بھی ہے اور دیگر احادیث و آثار اور اقوالِ تابعین میں رائے کی خوب مذمت بھی کی گئی ہے۔ اس ظاہری تعارض اور تضاد کو کیسے زائل کیا جاسکتا ہے؟ اور اس بارے میں راہ حق و انصاف اور سبیلِ وسط و اعتدال کیا ہے؟ اس کی مختلف توجیہات درج ذیل ہیں:

① ابن الأنباری کی توجیہہ

مشہور نحوی امام و ماہر لغت ابن الأنباری رائے کی مذمت پر ((من قال فی القرآن برأیه فأصاب فقد أخطا)) کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((حمل بعض اهل العلم هذا الحديث على أن الرأى معنى به الهوى ، من قال فى القرآن قولا يوافق هواه ، لم يأخذ عن ائمة السلف فأصاب فقد أخطاء ، لحكمه على القرآن بما لا يعرف أصله و لا يقف على مذاهب اهل الأثر و النقل فيه)) ❶

بعض اہل علم نے اس حدیث کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ رائے سے خواہش مراد ہوتی ہے، یعنی قرآن کی ایسی تفسیر جو اپنی خواہش نفس کے مطابق ہو، ائمہ سلف سے مأخوذ نہ ہو، اگر وہ صحیح ہو تو بھی خطا ہے، کیونکہ اس نے اصل بنیاد کو پہچانے بغیر قرآن مجید میں رائے زنی کی ہے اور اس نے اس بارے میں منقولات و مأثورات سے واقفیت حاصل نہیں کی۔

امام قرطبی کی توجیہ

امام قرطبی نے تفسیر بالرائے کی مذمت کو درج ذیل دو صورتوں میں سے ایک پر محمول کیا ہے: ❷

---

❶ تفسیر القرطبی ، ۱/ ۳۳ ❷ ایضاً

Marfat.com

① پہلی صورت یہ ہے کہ کسی معاملہ میں آدمی کی خود اپنی ایک رائے ہو، خواہشِ نفس کی بنا پر اس کی طرف طبعی میلان بھی رکھتا ہو، پھر وہ اپنی خواہش اور رائے کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرے تا کہ وہ اپنی غرض کے جواز کے لیے حجت پکڑ سکے، اگر اس کا طبعی میلان اور خواہشِ نفس نہ ہوتی تو خود اس کے سامنے بھی قرآن کا وہ معنی نہ آسکتا۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ظاہری عبارت کو دیکھ کر تفسیر قرآن میں جلد بازی سے کام لے، غرائب قرآن سے متعلق منقول ومسموع روایات کو بالائے طاق رکھ دے...... سو جو شخص بھی ظاہر تفسیر میں پختگی حاصل کیے بغیر محض عربی لغت کی بنیاد پر معانی کا استنباط کرے، وہ کثرت سے غلطیوں کا مرتکب ہوگا اور تفسیر بالرائی کی مذمت میں داخل ہوگا، کیونکہ ظاہری تفسیر میں بنیادی طور پر منقول ومسموع روایات پر تکیہ ضروری ہے، تا کہ اغلاط سے بچا جا سکے، اس کے بعد فہم واستنباط میں بڑی وسعت ہے۔

امام راغب اصفہانی کی توجیہ

امام راغب اصفہانی نے افراط وتفریط پر مبنی دو آراء ذکر کی ہیں:❶

① کچھ لوگ صرف ماثور پر اکتفا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بھی کہنے سے منع کرتے ہیں۔

② کچھ دیگر ہر ادیب اور زبان سے کچھ واقفیت رکھنے والے کو تفسیر کی اجازت دیتے ہیں۔

اس کے بعد بعض محققین کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وذكر بعض المحققين أن المذهبين هما الغلو والتقصير ، فمن اقتصر على المنقول اليه فقد ترك كثيرا مما يحتاج اليه ، ومن أجاز لكل أحد الخوض فيه فقد عرضه للتخليط))❷

"بعض محققین کہتے ہیں کہ دونوں مذاہب میں ہی غلو وتقصیر اور افراط وتفریط ہے، جو صرف منقول پر ہی اکتفا کرتے ہیں یقیناً تفسیر قرآن میں بہت ضروری اشیاء کو ترک کر دیتے ہیں اور جو ہر ایک کو تفسیر میں غوطہ زنی کی اجازت دیتا ہے، وہ تفسیر کو حق وباطل میں آمیزش کا باعث بنا تا ہے۔" ان کے نزدیک اہل لوگ، جو لغت وآثار اور دیگر لوازماتِ تفسیر سے واقف ہوں، اگر تفسیر قرآن پیش کریں تو مذمت سے مستثنٰی ہیں، بصورتِ دیگر تفسیر بالرائے مذموم ہے۔

③ ابن عطیہ کی توجیہہ

ابن عطیہ لکھتے ہیں:

---

❶ مقدمة التفسير ، راغب اصفهانی ، ص ۱۸۰ ❷ ایضاً ، ص ۱۸۰-۱۸۲

Marfat.com

((ومعنى هذا أن يسأل الرجل عن معنىً فى كتاب الله عزوجل فيتسور عليه برأيه دون نظر فيما قال العلماء واقتضية قوانين العلم كالنحو والأصول......))❶

''اس کا (تفسیر بالرائے کی مذمت کا) معنی یہ ہے کہ کسی نے کتاب الٰہی کا کوئی مفہوم پوچھا تو وہ جھٹ سے اپنے خیالات کے ذریعے اس پر چڑھائی کر دے، یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کرے کہ علما اس بارے میں کیا کہتے ہیں، نحو واُصول وغیرہ کے قوانین وعلوم کیا تقاضا کرتے ہیں؟

④ امام ابن تیمیہ کی توجیہہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فأما تفسير القرآن بمجرد الرأى فحرام ...... [وذكر أقوال السلف ثم قال]...... فهذه الآثار الصحيحة وماشا كلها عن ائمة السلف محمولة على تحرجهم عن الكلام فى التفسير بما لا علم لهم به ، فأما من تكلم بما يعلم من ذالك لغة و شرعاً، فلا حرج عليه ، ولهذا روى عن هؤلاء وغيرهم أقوال فى التفسير ، ولا منافاة ، لأنهم تكلموا فيما علموه وسكتوا عما جهلوه وهذا هوالواجب على كل أحد......))❷

جہاں تک محض رائے اور خیال کی بنیاد پر تفسیر کا معاملہ ہے سو یہ تو حرام ہے۔[اس کے بعد امام صاحب نے تفسیر بالرأی کی مذمت پر سلف کے اقوال نقل کیے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: صحیح آثار اور اس طرح ائمہ سلف کے دیگر اقوال کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ بغیر علم کے تفسیر میں کلام کرنے میں گناہ محسوس کرتے تھے اور بچتے تھے۔ لیکن جو شخص تفسیر میں لغت اور شرعی علم کی بنیاد پر گفتگو کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ انہی اسلاف اور دیگر بزرگوں سے تفسیری اقوال منقول ہیں، اور اس میں کوئی تعارض والی بات نہیں، کیونکہ جہاں انہیں علم تھا انہوں نے گفتگو کی، اور جس چیز کا علم نہیں تھا اس میں سکوت اختیار کیا، اور یہی ہر ایک کا فرض بنتا ہے۔

ائمہ سلف کے نزدیک علم سے کیا مراد ہے؟

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''اسلاف کو جہاں علم تھا وہاں انہوں نے کلام کیا اور جہاں علم نہیں تھا خاموشی اختیار کی۔'' لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہمارے اسلاف کے نزدیک لغت و درایت حقیقی علم نہیں

❶ الجامع الاحکام القرآن ، قرطبی ، ۱/ ۳۳

❷ مقدمه فی اصول التفسیر ، ص۵۵

Marfat.com

ہے، بلکہ بنیادی طور پر آیات واحادیث اور آثار کو ہی وہ علم سمجھتے تھے۔امام ابن القیم رحمہ اللہ رائے کی مذمت پر صحابہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

((فهؤلاء من الصحابة: أبوبكر الصديق ، و عمر بن الخطاب ، وعثمان بن عفان ، و علی بن ابی طالب ، وعبدالله بن مسعود ، وعبدالله بن عباس ، وعبدالله بن عمرو زيد بن ثابت ، وسهل بن حنيف ، ومعاذ بن جبل ، و معاوية خال المؤمنين ، وأبو موسىٰ الاشعرى يخرجون الرأى عن العلم ويذمونه و يحذرون منه ، وينهون عن الفتيابه......)) ❶

"یہ صحابہ کرام، ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، ابن عباس، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، سہل بن حنیف، معاذ بن جبل، مؤمنین کے ماموں معاویہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم رائے کو علم سے خارج سمجھتے تھے، رائے کی مذمت کرتے، اس سے خبردار کرتے اور اس کی بنیاد پر فتویٰ دینے سے منع فرماتے تھے۔"

تجزیہ:

اس بارے میں امام غزالی، ❷ امام ابن تیمیہ ❸ امام ابن القیم ❹ امام ابن کثیر، ❺ رحمہم اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

درج بالا تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک تفسیر قرآن مجید میں رائے کا استعمال دو قسم کا ہوتا ہے:

① فہم قرآن میں عقل واجتہاد اور غور وفکر سے کام لینا، احادیث وآثار، اُقوالِ سلف اور عربی لغت کی اوضاع کو پیش نظر رکھتے ہوئے، یہ تفسیر بالرأی المحمود ہے۔

② تفسیر قرآن میں محض عربی لغت پر اعتماد کرتے ہوئے، یا محض نظریات وخواہشات کی تائید کے لیے احادیث وآثار اور اقوالِ سلف سے صرفِ نظر کرتے ہوئے رائے کو استعمال کرنا یہ تفسیر بالرأی المذموم ہے۔ ❻

❁❁❁

❶ اعلام الموقعين ، ۲/ ۱۱۳

❷ احياء علوم الدين ، غزالی ، ۱/ ۲۶۱

❸ مقدمه فى أصول التفسير ، ۵۰_۵۵

❹ اعلام الموقعين ، ۲/ ۷۳_۱۱۶

❺ تفسير ابن كثير ، (المقدمة)

❻ ملاحظہ ہو: قواعد التفسير ، السبت ، ۱/ ۲۴۲_۲۴۴ ، فصول فى اصول التفسير ، الطيار ، ۴۸_۵۳

Marfat.com

اسباب النزول

قرآن مجید انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ اس کا ایک حصہ تو وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتداءً محض ہدایت وارشاد کے لیے اتارا گیا اور زیادہ تر حصہ اسی طرح ہی نازل ہوا ہے۔ ایسا حصہ اپنے آپ میں خود واضح اور مبین ہے، اس کی گہرائی میں اترنے کے لیے وقتِ نزول کے حالات وواقعات پہچاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن مجید کا کچھ حصہ ایسا ہے، جو عہد نبوت کے کسی واقعہ سے مرتبط ہے، اس واقعہ کی طرف کہیں تلمیح اور کہیں اشارہ، کہیں اس واقعہ پر تبصرہ اور کہیں مستقبل کے لیے راہنمائی۔ اس طرح کی آیات کو کما حقہ سمجھنے کے لیے ان اسباب وعلل اور وقائع وحوادث کا جاننا ضروری ہے، جو ان آیات کے پس منظر میں کارفرما ہیں۔

اس بنا پر جمہور کے اصولِ تفسیر میں اسباب النزول کی ایک خاص اہمیت ہے اور علوم القرآن کی فہرست میں اسے ایک مستقل علم کی حیثیت حاصل ہے۔

امام بخاری کے استاذِ گرامی علی بن المدینی نے اس موضوع پر ایک یادگار تصنیف چھوڑی، الواحدی ☆، ابن حجر ☆ اور سیوطی ☆ جیسے اصحابِ علم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور مستقل تصنیفات لکھی ہیں۔ ❶

دیکھنا یہ ہے کہ مکتب تفسیر بالماثور کے نزدیک اسباب النزول کا کیا مفہوم ہے؟ اس کی کس حد تک اہمیت ہے؟ کس طرح کی آیات میں اسباب النزول کا پہچاننا ضروری ہے اور اس حوالے سے اس کی اہمیت کے مراتب کیا ہیں؟ نیز ایک ابدی ودائمی پیغام وحی میں اسباب النزول کیوں اہم ہیں؟

اسباب النزول کی تعریف:

((هو ما نزلت الآية أو الآيات متحدثة عنه أو مبينة حكمه أيام وقوعه))❷

☆ متوفی ۴۲۷ھ ان کی کتاب ''اسباب النزول'' مطبوع ہے۔

❶ ملاحظہ ہو: الاتقان، سیوطی، ص ۸٤، مناهل العرفان، زرقانی، ۱/ ۸۹

☆ ابن حجر العسقلانی، متوفی ۸۲۵ھ، ان کی کتاب، العجاب فی بیان الأسباب، ہے۔

☆ سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، ان کی کتاب ''لباب النقول فی أسباب النزول'' معروف ومتداول ہے۔

❷ مناهل العرفان، زرقانی، ۱/ ۸۹

Marfat.com

جس واقعہ کے ایام میں کوئی آیت یا آیات نازل ہوں اوران میں اس واقعہ کا حکم بیان ہو، یا اسے زیر بحث لایا گیا ہو، اسے سبب النزول کہتے ہیں۔

تفسیر قرآن میں اسباب النزول کی اہمیت:

تفسیر قرآن میں اسبابِ نزول کی معرفت کس حد تک ضروری ہے؟ اس بارے میں بھی افراط وتفریط ہے، بعض لوگوں کے نزدیک اسباب النزول کی بالکل کوئی اہمیت ہی نہیں، جب کہ بعض دوسرے لوگ ہر ہر آیت کا کوئی نہ کوئی سببِ نزول تلاش کرتے ہیں۔ نہ ملے تو کسی جھوٹے واقعہ، ضعیف ومنکر روایت پر ہی اعتماد کر لیتے ہیں۔ ❶

اسباب نزول کی معرفت کیوں ضروری ہے؟

جہاں تک کہ عمومی طور پر اسبابِ نزول کی اہمیت کا نظریہ ہے، سو یہ اصحابِ تفسیر بالمأثور کے نزدیک ایک مسلمہ اصول کی حیثیت رکھتا ہے، بنیادی طور پر اس کی دو وجوہات سامنے آتی ہیں۔

پہلی وجہ:

کلامِ الٰہی اس حوالے سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، بلاشبہ مکان وزمان کی حدود سے بالاتر ہے اور رہتی دنیا تک کے لیے ایک عالم گیر پیغام ہے۔ لیکن اس کی عملی تعبیر بہر حال ایک خاص زمانے میں، ایک خاص گروہ کے اندر براہِ راست صاحبِ پیغام کی زیر نگرانی تشکیل پائی ہے۔ اس لحاظ سے کوئی بھی کلام اس وقت تک فصیح وبلیغ نہیں ہوسکتا جب تک اس میں مخاطب کی نفسیات، اس کی ذہنی سطح، اس کی صورت حال کے عملی تقاضے پیش نظر نہ رکھے جائیں۔

اسے ہی علم بلاغت میں ((مطابقة الكلام لمقتضى الحال)) کا نام دیا گیا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ ایک ہی لفظ ایک صورت حال میں ایک معنی دیتا ہے اور وہی لفظ کسی دوسری صورتحال میں یکسر مختلف معنی پیش کر رہا ہوتا ہے۔

علی سبیل المثال: استفہام کے لیے جو الفاظ مستعمل ہیں ان کے معانی میں تغیر وتنوع مقتضی الحال سے طے ہوتا ہے، ایک ہی کلمۂ استفہام کہیں استفسار کے لیے ہوتا ہے اور کہیں انکار کے لیے، ایک مقام پر استعجاب کا

---

❶ أسباب النزول، واحدی، ص۸ بحواله الاتقان، ص۱۸۹۔ مختلف نقطہ ہائے نظر کی تفصیل کے لیے دیکھیے: شان نزول اور فہم قرآن، نجات اللہ صدیقی، خصوصی اشاعت، ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ''قرآنی علوم بیسویں صدی میں'' جنوری ۲۰۰۴ تا دسمبر ۲۰۰۵ء ص ۷۷۔۸۹

Marfat.com

مفہوم دے رہا ہوتا ہے، اور دوسرے مقام پر زجر وتوبیخ کا۔

اس طرح صیغۂ امر کسی موقع پر اباحت کا مفہوم دیتا ہے اور کہیں فرض و وجوب کا۔

ایک ہی کلمہ اور ایک ہی اسلوب میں معانی کا یہ تغیر مقتضی الحال سے سمجھا جاتا ہے، متکلم کا اندازِ کلام اور اشارات، مخاطب کی صورتِ حال اور نفسیات کا فہمِ کلام میں بہت بڑا حصہ ہوتا ہے، ظاہر ہے یہ ساری صورت حال خود کلام کے اندر منتقل نہیں ہوتی بلکہ یہ صورت حال نفس کلام سے ایک خارجی اور بیرونی چیز ہوتی ہے۔
اسبابِ نزول درحقیقت مفسرین کی طرف سے مقتضی الحال کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کی ایک اہم کاوش ہے، کیونکہ بعض اجزاءِ کلام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ اگر قرائن اور مقتضی الحال کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو فہمِ کلام کی صحیح راہیں معدوم یا محدود ہوسکتی ہیں یا کم از کم اس کے مخصوص اجزاء پوری طرح واضح نہیں ہو پاتے ہیں۔

امام شاطبی رحمہ اللہ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے اسباب نزول کی اہمیت پر لکھتے ہیں:

((فهی من المهمات فی فهم الكتاب بلا بد ، و معنی معرفة السبب هو معنٰی معرفة مقتضى الحال وينشأ من هذا الوجه))[1]

یہ (اسباب نزول) کتابِ الٰہی کے فہم میں اہم حیثیت رکھتے ہیں، ان کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، سببِ نزول کی پہچان کا مطلب مقتضی الحال کو پہچاننا ہے، اس وجہ سے اس کی اہمیت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

دوسری وجہ:

اسبابِ نزول سے عدمِ واقفیت کی بنا پر کئی قسم کے شبہات، اشکالات اور احتمالات پیدا ہوجاتے ہیں، یہی چیزیں اختلاف کا سبب بن جاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان درج ذیل مکالمہ اسبابِ نزول کے اس پہلو کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتا ہے۔

((خلا عمر ذات يوم فجعل يحدث نفسه : كيف تختلف هذه الأمة و نبيها واحد وقبلتها واحدة؟ فقال ابن عباس: يا أمير المومنين ، انا أنزل علينا القرآن فقرأناه ، و علمنا فيم نزل ، وانه سيكون بعدنا أقوام يقرؤن القرآن ولا يدرون فيم نزل ، فيكون لهم رأى ، فاذا كان لهم رأى اختلفوا ، فاذا اختلفوا اقتتلوا ، قال: فزجره عمر و انتهره ، فانصرف ابن عباس ، ونظر عمر فيما قال: فعرفه ، فأرسل اليه ، فقال: أعد على ما قلت ؟ فأعاده عليه ، فعرف عمر قوله وأعجبه......))[2]

---

[1] الموافقات ، شاطبی ، ۳/ ۲۴۱
[2] الموافقات ، شاطبی ، ۳/ ۲۴۲

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن دل ہی دل میں سوچنے لگے: ایک نبی اور ایک قبلہ کے ہوتے ہوئے آخر اس امت میں اختلاف کیسے رونما ہوں گے؟ حضرت ابن عباس نے کہا: امیر المؤمنین! قرآن ہمارے درمیان اترا، ہم نے اسے پڑھا، اور جس صورت حال میں اترا اسے بھی سمجھا، ہمارے بعد آنے والے کئی لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن اسباب نزول کو نہیں جانتے ہوں گے، لہٰذا وہ اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ جب رائے کا اظہار ہوگا (تو آراء مختلف ہو جائیں گے) اور اختلاف رونما ہوگا، جب اختلاف رونما ہوگا تو وہ ایک دوسرے سے لڑیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ پلائی، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ چلے گئے، لیکن حضرت مسلسل ان کی توجیہ پر غور کرتے رہے، بالآخران کے ذہن میں بات آئی، تو انہوں نے ابن عباس کو بلا بھیجا اور فرمایا: وہی کچھ دوبارہ بیان کرو؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ویسے ہی دہرایا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حقیقت پہچان گئے اور انہیں وہ توجیہہ اچھی لگی۔

② نافع سے ان کے شاگرد بکر نے پوچھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا حروریوں کے بارے کیا موقف تھا؟ نافع نے جواب دیا:

((یراهم شرار خلق الله، انهم انطلقوا الى آيات أنزلت فى الكفار فجعلوها على المؤمنين))❶

"وہ انہیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے، وہ آیات جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، حروری لوگ ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیا کرتے تھے۔"

③ امام شاطبی نے اس بارے میں کئی شواہد اور واقعات نقل کیے ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لوگ کس کس طرح اسباب نزول سے عدم واقفیت کی بنا پر آیاتِ قرآنیہ کی غلط تعبیرات کرتے رہے اور اپنے مفاہیم کشید کرتے رہے۔❷

***

❶ الموافقات، ٣/ ٢٤٢

❷ ایضاً، ٣/ ٢٤١-٢٤٤

Marfat.com

اسبابِ نزول کی ترتیبی اہمیت

اسبابِ نزول کی درج بالا اہمیت اپنی جگہ پر بجا اور حقیقت، لیکن بہر حال ان کی اہمیت تمام آیاتِ قرآنیہ کے لیے یکساں نہیں ہے، اور اسبابِ نزول کی اہمیت کے بارے میں افراط اور تفریط کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اس فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا کہ کچھ آیات کا فہم اسبابِ نزول کے بغیر ممکن ہی نہیں جبکہ بعض دیگر آیات کے لیے اسبابِ نزول کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کس طرح کی آیات کے لیے اسبابِ نزول کا کیا مقام ہے؟ اور اس کی ترتیبی حیثیت کیا ہے؟ اس لحاظ سے اسباب نزول کی درج ذیل بنیادی اقسام ہیں۔ [1]

پہلی قسم

وہ اسبابِ نزول جو مقصود بالذات ہیں اور قرآن مجید میں براہِ راست انہی کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، ظاہر ہے اس طرح کے اسبابِ نزول کو پہچانے بغیر ایسی آیات کی تفسیر ممکن ہی نہیں۔ مثلاً:

واقعۂ افک، غزوۂ بدر، غزوۂ حنین وغیرہ پر قرآن مجید نے تفصیلی تبصرہ پیش کیا ہے، جب تک ان واقعات کی تفصیلات اور پس منظر ایک مفسر کے ذہن میں نہ ہو، ایسی آیات کی صحیح تفسیر نہیں ہو سکے گی۔

دوسری قسم

کچھ اسبابِ نزول ایسے ہیں، جن کی طرف قرآن مجید نے قیدِ واقعی یا شرطِ واقعی کے طور پر واضح اشارہ کیا ہے، ایسی آیات کی بھی صحیح توجیہ اسبابِ نزول کو پہچانے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ اس نوعیت کے شانِ نزول کو اگر مد نظر نہ رکھا جائے تو بعض آیاتِ قرآنیہ کے ایسے مفاہیم بھی اخذ ہو سکتے ہیں، جو احکام و مصالحِ شرعیہ کے بالکل خلاف ہوں۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التحریر والتنویر، ابن عاشور، ۱/ ۴۷-۵۴، الفوز الکبیر، ص ۴۸-۵۵۔ یہ اقسام ان دونوں کتابوں سے مستفاد ہیں۔

Marfat.com

مثال نمبر ①: سورۂ مائدہ کی آیتِ مبارکہ:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ❶

اس آیتِ مبارکہ کی ظاہری عبارت سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ ایماندار، نیک اور تقویٰ شعار لوگوں پر کھانے پینے کی کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن یہ مفہوم خلافِ شرع ہے۔ اس لیے کہ شریعت نے حلال وحرام کی حدود وقیود مقرر کر دی ہیں، ان سے کسی کو مفر نہیں، یہاں شانِ نزول کی معرفت سے آیتِ مبارکہ کا صحیح مفہوم متعین ہوتا ہے۔ قطعی حرمتِ خمر کے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت فرمایا تھا کہ قبل از حرمت متوفیان کا کیا حال ہے؟ اس پر یہ آیات اتریں۔ ❷

سببِ نزول کی روشنی میں مفہوم یہ ہوگا کہ اہلِ ایمان اور صالح لوگوں پر بوقت اباحت کسی مباح چیز کو کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ غزوۂ احد میں کئی صحابہ کرام شراب پی کر شریک جہاد ہوئے اور انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ❸

مثال نمبر ②: صفا ومروہ کے درمیان سعی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ ❹

”صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، اس لیے بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں کوئی گناہ نہیں، اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ قدر دان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے۔“

صفا ومروہ کی سعی فرض ہے، لیکن قرآن کے الفاظ (کوئی گناہ نہیں) سے بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں، حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں استفسار کیا اور کہا: میرے خیال میں تو سعی چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

---

❶ سورة المائده، ۵:۹۳

❷ تفسیر الطبری، ۱۰/ ۵۷۶، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سوره المائده، باب: لیس علی الذین آمنوا جناح فیما طعموا، حدیث ۴۶۲۰، تفسیر ابن کثیر، ۲/ ۱۳۵

❸ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب لیس علی الذین آمنوا جناح فیما طعموا...... حدیث (۴۸۱۸)

❹ سورة البقرة، ۲:۱۵۸

Marfat.com

((کلا ، لو کانت کما تقول کانت: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾))

قطعاً نہیں! اگر آیت کا یہی مفہوم ہوتا جیسے تم کہہ رہے ہو تو یہ آیت اس طرح ہوتی: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شانِ نزول بیان فرمائی اور اس کی روشنی میں صحیح مطلب واضح کیا۔ ❶

تیسری قسم

عہد نبوی ﷺ میں کچھ خاص واقعات پیش آئے، جن پر تفصیلی احکام ومسائل قرآن مجید میں بیان کیے گئے۔ایسے واقعات بھی مفسرین اسباب النزول کے تحت ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح کے اسباب النزول اگرچہ آیات کی تفسیر میں بنیادی حیثیت نہیں رکھتے، ان کی معرفت سے تفسیر کے فہم اور تطبیق میں مزید انشراح پیدا ہوتا ہے۔

اس قسم کے بارے میں عاشور لکھتے ہیں:

((وهذا القسم لا يفيد البحث فيه الا زيادة تفهم فى معنى الآية و تمثيلاً محكماً)) ❷

اس قسم کی تحقیق کا بس یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آیت کے فہم میں اضافہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے شرعی حکم کی ایک مثال سامنے آجاتی ہے۔

مثال نمبر ①: آیۃ اللعان ❸ کی تفسیر میں عویمر العجلانی اور ہلال ابن امیہ کا واقعہ ❹

مثال نمبر ②: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ﴾ ❺ کی تفسیر میں حضرت کعب بن عجرہ کا واقعہ ❻

مثال نمبر ③: آیتِ ظہار ❼ کی تفسیر میں اوس بن صامت کا واقعہ ❽

چوتھی قسم

مفسرین کچھ ایسے اسباب النزول کا تذکرہ بھی فرماتے ہیں، جو حقیقتاً اسباب النزول نہیں ہیں بلکہ آیات کے مصداقات اور امثلہ ہیں۔ اس طرح کے اسباب النزول کی معرفت یا عدم معرفت کا تفسیر پہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب وجوب الصفا والمروة، حدیث ۱٦٤۳۔ صحیح مسلم کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ "ان الصفاء والمروة من شعائر الله" حدیث (٤٤٩٥)

❷ التحریر والتنویر، ابن عاشور، ۱/ ٤۸۔

❸ سورة النور ٢٤:٦:١٠

❹ تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲٦٦۔۲٦۹

❺ سورة البقرة، ٢:١٩٦

❻ دیکھیے، تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۳۳۰

❼ المجادلة، ٥٨:٢-٤

❽ ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر، ٤/ ٤١٣

Marfat.com

مثال:

① قرآن مجید کے کئی مقامات میں نیک بخت لوگوں اوران کی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے، بعض اسباب النزول میں ان کی تعیین کی گئی ہے۔

② قرآن مجید کے کئی مقامات میں بد بخت لوگوں اوران کی صفاتِ بد کا تذکرہ ہے، اسباب النزول میں ان کی تحدید وتعیین کی گئی ہے۔

اس طرح کی آیات مبارکہ میں اعمال صالحہ اوران کے عاملین کی مدح وتوصیف مقصود ہوتی ہے یا پھر اعمال سیۂ اوران کے مرتکبین کی تقبیح وتحقیر، کوئی مخصوص شخص اصلاً مراد ہی نہیں ہوتا۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وعلى هذا الأسلوب كثيرا ما يذكر في القرآن العظيم صورتان: صورة سعيد يذكر فيها بعض أوصاف السعادة، وصورة شقي يذكر فيها بعض أوصاف الشقاوة، ويكون الفرض من ذالك بيان أحكام تلك الأوصاف والأعمال لا التعريض بشخص معين))[1]

پانچویں قسم: ضعیف وموضوع اسباب النزول

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((و أما افراط محمد بن اسحاق، والواقدی، والكلبی و ما ذكروا تحت كل آية من قصة فأكثره غير صحيح عند المحدثين و في اسناده نظر ـ ومن الخطأ البين أن يعد ذالك من شروط التفسير ـ والذی يری أن تدبر كتاب الله متوقف علی حفظه فقد فات حظه من كتاب الله))[2]

''محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی کی مبالغہ آمیز روایات اور ہر آیت کے ذیل میں ذکر کردہ واقعات اکثر و بیشتر محدثین کے نزدیک غیر صحیح ہیں اوران کی اسانید محل نظر ہیں، اس طرح کے اسباب نزول کو شروطِ تفسیر میں شامل کرنا واضح غلطی ہے۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ کتاب الٰہی میں تدبر ان واقعات کو ازبر کرنے پر موقوف ہے یقیناً وہ کتاب الٰہی میں اپنے نصیب سے محروم رہ جاتا ہے۔'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ضعیف وموضوع اسباب نزول نہ صرف یہ کہ تفسیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان میں الجھنے والا حقیقی تفسیر سے محروم رہ جاتا ہے۔

---

1. الفوز الكبير، ص ٥٠ـ٥١
2. مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص ٣٥٤ـ٣٥٥

Marfat.com

اسرائیلیات

یہودیت کی ایک دینی ثقافت ہے اور عیسائیت کی اپنی مستقل ثقافت، ایک کا سرچشمہ توراۃ ہے اور دوسری کا سرچشمہ انجیل ،ظہور اسلام کے بعد بہت سارے یہود ونصاریٰ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

قرآن مجید میں انبیا سابقین کے احوال، امم ماضیہ کے اخبار اور کچھ دیگر ایسی چیزیں مذکور ہیں جو تورات و انجیل کا بھی موضوع رہی ہیں۔قرآن میں ان واقعات کو مجملاً بیان کیا گیا ہے اور تورات وانجیل میں تفصیلاً۔

اہل کتاب جب اسلام میں داخل ہوئے تو اپنی سابقہ ثقافت، معاملات اور انبیا کے حالات و واقعات جو کتب سابقہ میں موجود تھے، ہمراہ لیتے آئے۔ یہ لوگ اپنی کتبِ سابقہ اور ثقافتِ دینیہ کی روشنی میں قرآن مجید کے مجملات کی تفصیلات بیان کیا کرتے تھے، اس طرح کی روایات کو تفسیری ادب میں ''اسرائیلیات'' کہا جاتا ہے۔ ❶

صحابۂ کرام ایسی روایات کے بارے توقف سے کام لیتے تھے، کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے انہیں تعلیم دی گئی تھی:

((لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم)) ❷

''اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب۔''

بلکہ اگر یہ روایات عقائد واحکام سے متعلق نہ ہوں تو انہیں آگے بھی بیان کر دیتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرما رکھی ہے۔((حدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج)) ❸

عہدِ صحابہ کے بعد یہ سلسلہ مزید آگے بڑھتا رہا اور کتبِ تفسیر بالماثور میں بالخصوص اسرائیلیات کی بھرمار ہوگئی۔ جمہور علما تفسیر بالماثور کے نزدیک اسرائیلیات کی تحقیق وتنقیح کے بعد تین اقسام ہیں اور ہر قسم کا حکم الگ الگ ہے۔

---

❶ مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص ۳۵۴۔۳۵۵

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولوا آمنا بالله وما انزل الينا، حدیث(٤٤٨٥)

❸ ایضاً

Marfat.com

اسرائیلیات کی اقسام

پہلی قسم: وہ روایات ہیں، جن کے مضامین کی صحت اور سچائی قرآن وسنت سے ثابت ہو۔ جیسے توحید اور رسالت محمدی کی تصدیق کرنے والی روایات، ایسی روایات کو استشہاد کے لیے نقل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مفید ہے، لیکن یہ نقل کرنا بطور دلیل نہیں، بلکہ بطور استشہاد ہے، اس لیے کہ قرآن وسنت کی موجودگی میں کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ❶

دوسری قسم: وہ روایات ہیں، جن کے مضامین کا بطلان اور کذب قرآن وسنت سے ثابت ہو اور وہ صریحاً قرآن وسنت کے معارض ہوں، جیسے شان الوہیت، شان رسالت، عصمتِ انبیاء اور عصمتِ ملائکہ کے خلاف اسرائیلی خرافات، سوان کا نقل کرنا، تردید وتکذیب کے لیے تو جائز ہے۔ اس لیے کہ کفر وشرک اور اباطیل و اکاذیب کی تردید وتکذیب ان کے نقل کے بغیر نہیں کی جاسکتی، اس بنا پر خود قرآن وحدیث میں کفریہ وشرکیہ عقائد نقل کیے گئے ہیں اور معاً ان کی تردید کی گئی ہے۔ تردید کے بغیر ایسی خرافات کا نقل کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس طرح جھوٹ کی اشاعت ہوتی ہے جو کہ بجائے خود ایک گناہ ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین نے اس میں تساہل سے کام لیا ہے، لیکن محققین مفسرین یا تو ایسی خرافات نقل ہی نہیں کرتے یا پھر نقل کر کے ان کی تردید اور تکذیب کرتے ہیں۔ جیسے ابن عطیہ اور ابن کثیر، تاہم بعض مقامات پر ان سے بھی سہو ونسیان ہو گیا ہے۔

تیسری قسم: وہ اسرائیلی روایات ہیں جن کی قرآن وسنت میں نہ تصدیق کی گئی ہے اور نہ تکذیب، اس قسم کی روایات میں توقف ہی بہتر ہے، بطور حکایت نقل کرنا جائز ہے۔ کسی خارجی دلیل کی بنیاد پر ایسی روایات کی تصدیق یا تکذیب کی جاسکتی ہے۔ ❷

اسرائیلیات کے بارے دو اہم قاعدے

① صحابۂ کرام سے منقول اسرائیلی روایات کی بھی درج بالا تینوں اقسام اور احکام ہیں۔ صحابۂ کرام چونکہ اسرائیلیات کو نقل کرنا مباح سمجھتے تھے، اس لیے صحابی کے نقل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ اس کے نزدیک حجت بھی ہے۔ ❸

---

❶ علوم القرآن، مولانا گوہر رحمان، ۲/ ۲۰۵

❷ ملاحظہ ہو: مقدمہ فی اصول التفسیر، ابن تیمیہ، ص ۱۸-۱۹، مقدمہ تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۲۶، فتح البیان، ابن حجر، ۸/ ۱۷۰، ۱۳/ ۲۹۱، ۳۳۳، ۴۹۶، ۵۱۶، فتاویٰ ابن تیمیہ، ۳/ ۳۶۶-۳۶۷

❸ قواعد التفسیر، السبت، ۱/ ۱۸۱

Marfat.com

(۲) مسکوت عنہ اسرائیلی روایات کو بیان کرنا اور بات ہے، اور ان کی روشنی میں تفسیر قرآن پیش کرنا بالکل الگ چیز ہے!!

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ اس فرق پر توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

((ان اباحة التحدث عنهم فيما ليس عندنا دليل على صدقه ولا كذبه، شئى، وذكر ذالك فى تفسير القرآن و جعله قولا أو رواية فى معنى الآيات، أو فى تعيين ما لم يعين فيها، أو فى تفصيل ما أجمل فيها شئى آخر!! لأن فى اثبات مثل ذالك بجوار كلام الله ما يوهم أن هذا الذى لا نعرف صدقه ولا كذبه مبين لمنى قول الله سبحانه، ومفصل لماأجمل فيه! و حا شا لله و كتابه من ذالك۔

وان رسول الله ﷺ اذ أذن بالتحدث منهم۔ أمرنا أن لا نصدقهم، ولا نكذبهم، فأى تصديق لروايتهم و أقاويلهم أقوى من أن نقرنها بكتاب الله، ونضعها منه موضع التفسير، أو البيان؟ اللهم غفراً............))❶

ایسی اسرائیلی روایات جن کی تصدیق وتکذیب کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، انہیں محض بیان کرنا اور چیز ہے!! اور انہیں تفسیر قرآن میں ذکر کرنا، آیات کے مفہوم میں ایک قول یا روایت کے طور پر پیش کرنا اور ان کی روشنی میں مبہمات کی تعیین اور مجملات کی تفصیل بیان کرنا بالکل الگ چیز ہے!!

کیونکہ ان اسرائیلی روایات کو کلام الٰہی کے ساتھ ساتھ رکھنے سے یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ روایات جن کی تصدیق وتکذیب ہمیں معلوم نہیں، کلامِ الٰہی کی وضاحت کر رہی ہیں اور اجمالات کی تفصیل پیش کر رہی ہیں! اللہ اور اس کی کتاب اس سے محفوظ ہے!

رسول اللہ ﷺ نے بیان کرنے کی اجازت دیتے ہوئے ہمیں تصدیق وتکذیب نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے بڑھ کر تصدیق کیا ہوگی کہ ہم ان روایات کو کتاب اللہ کے ساتھ لے آئیں اور انہیں تفسیر وتشریح کا درجہ دے دیں؟!!

***

❶ نقلا من "قواعد التفسير، السبت، ١/ ١٦٦

Marfat.com

فصل سادس

برصغیر میں تفسیر بالماثور کے اصولوں کی اتباع

تعارف

گزشتہ فصول سے واضح ہو چکا ہے کہ عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں تفسیر قرآن کے لیے کیا اصول کارفرما تھے، اور خیر القرون کے یہ عظیم لوگ کن مصادر سے اور کس ترتیبی حیثیت کے ساتھ استفادہ کرتے تھے؟ اس حوالے سے یہ طے ہو چکا ہے کہ خیر القرون میں تفسیر قرآن کے درج ذیل بنیادی مصادر تھے:

① تفسیر القرآن بالقرآن
② تفسیر القرآن بالحدیث
③ تفسیر القرآن بأقوال الصحابہ
④ تفسیر القرآن بأسباب النزول
⑤ تفسیر القرآن بأقوال التابعین
⑥ تفسیر القرآن باللغہ
⑦ تفسیر القرآن بالرأی والاجتہاد

اس بارے میں یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ خیر القرون میں تفسیر قرآن کرتے ہوئے بنیادی طور پر احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور أسباب النزول وغیرہ پر اعتماد کیا جاتا تھا، اور محض رائے اور عقل بالخصوص اگر وہ احادیث وآثار سے معارض ہو، تو اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس صورت میں اس کی شدید مذمت کی جاتی تھی۔

برصغیر میں جمہور مفسرین کے اصول خیر القرون سے ہی مستفاد ہیں اور ان اصولوں کو اکثر مفسرین نے پیش نظر رکھا ہے۔ اس میں یہ دیکھنا مقصود ہے کہ خیر القرون کے مسلّمہ اصولِ تفسیر برصغیر کے مکتبِ فکر میں کس تسلسل کے ساتھ نظر آتے ہیں؟ نظریاتی و اصولی طور پر ان اصولوں کو مفسرینِ برصغیر نے کیا اہمیت دی ہے؟

***

Marfat.com

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور مسلمہ اصول تفسیر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شخصیت ان اوصاف وکمالات سے عبارت تھی، جن سے علم وفن کا ایک جہان تازہ آباد ہوتا ہے۔ اس نابغۂ روزگار شخصیت نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی وہ کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ہیں جن سے آج بھی خاکِ برصغیر منور ہے۔ ان کا ترجمہ وتحشیہ قرآن ''فتح الرحمٰن'' ان کے ایسے ہی عظیم کارناموں میں سے ایک ہے۔

اس وقت سے آج تک یہ اہلِ علم ودانش اور اربابِ نگاہ کی توجہ التفات کا مرکز رہا ہے۔ خود شاہ صاحب کے عہد میں علمانے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا۔ [1] ماضی قریب وحال کے اہل علم محققین اور مفسرین میں بھی یہ بہت مقبول ومتداول اور قابل قدر رہا ہے۔ مشہور صاحبِ قلم مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے شاہ صاحب کے کارناموں میں ترجمہ قرآن کو ان کی سب سے بڑی خدمت قرار دیا ہے۔ [2]

مولانا عبدالماجد دریابادی، شیخ محمد اکرام اور مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ نے بھی شاہ صاحب کی اس خدمت کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ [3]

شاہ صاحب قرآن پاک سے مسلمانوں کا رشتہ براہ راست جوڑنا چاہتے تھے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے، انہی کے ذریعے ہندوستان میں قرآنی علوم اور قرآن مجید سے عام استفادہ کا رواج ہوا اور ان کی اس قرآنی تحریک کے نتیجے میں ان کے لائق فرزندان اور شاگردوں نے قرآن پاک مدۃ العمر سینے سے لگائے رکھا اور علومِ قرآنیہ کی ترویج واشاعت میں سرگرداں رہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے:

''ہندوستان میں قرآن فہمی کا یہ چرچا آج جو کچھ نظر آرہا ہے اور یہ اردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں جو بیسیوں ترجمے شائع ہورہے ہیں یا ہوچکے ہیں یا آئندہ ہوں گے ان سب کا اجر وثواب یقیناً شاہ صاحب کے حسنات میں لکھا جائے گا، یہ سارے چراغ اس چراغ سے روشن ہوئے۔'' [4]

حضرت شاہ صاحب اور تفسیر القرآن بالأحادیث

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ مفسرین کے سرخیل ہیں اور برصغیر میں تفسیر بالماثور کے سلفی طریقہ کو حیات

---

[1] مقدمہ ''فتح الرحمٰن''، ص۳، مخطوطہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ، بحوالہ: ترجمہ قرآن، فتح الرحمٰن کا پس منظر، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ماہنامہ فکرونظر، جلد۴، ش۳، ص۳۔

[2] ایضاً مذکورہ مضمون

[3] رود کوثر، ص: ۵۵۱

[4] ماہنامہ ''الفرقان''، لکھنو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ص۱۳

Marfat.com

تازہ بخشنے والے ہیں۔ان کا ترجمۂ قرآن الفوز الکبیر اور فتح الخبیر اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ وہ احادیثِ رسول کو تفسیرِ قرآن میں کیا مقام دیتے تھے۔ چند ایک مثالیں بطور نمونہ درج کی جارہی ہیں۔

"المغضوب علیهم" اور "الضالین" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((قال رسول الله ﷺ : الیهود مغضوب علیهم ، والنصاریٰ ضلال))❶

نیز لکھتے ہیں:

((الـصـلاة الوسطیٰ" صلاة العصر ، لقوله ﷺ: حبسوا عن صلاة الوسطی حتی غابت الشمس))❷

((مـن استطاع الیه سبیلاً)) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:((مـا السبیل یا رسول الله؟ قال: الزاد والرحلة))❸

حضرت شاہ صاحب اور تفسیر صحابہ وتابعین

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تفسیر صحابہ وتابعین کو بھی بڑی اہمیت دیتے تھے۔شرعی معانی اور اصطلاحات تو ایک طرف، غریب اللغۃ میں بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ بنیادی طور پر اقوالِ صحابہ واقوالِ تابعین کو ہی اہمیت دیتے تھے۔ بلکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح کا واحد حل ہی یہ ہے کہ انہیں صحابہ و تابعین کے اقوال اور ائمہ کی تصریحات کی روشنی میں سمجھا جائے، لکھتے ہیں:

((ان عـدم الـوصـول الی فهم المراد باللفظ یکون تارة بسبب استعمال۔❹لفظ غریب ، وعلاجه نقل معنی اللفظ عن الصحابة والتابعین وسائر اهل المعانی))

البتہ اس حوالے سے شاہ صاحب انتہائی باخبر اور حساس ہیں کہ صحابہ وتابعین سے منقول آثار صحیحہ کی تلاش کی جائے، اس حوالے سے لکھتے ہیں:

((وأحسـن الطرق فی شرح الغریب ما صح عن ترجمان القرآن عبدالله بن عباس مـن طـریق ابن ابی طلحة واعتمده البخاری فی "صحیحه" غالباً ثم طـریـق الـضـحـاك عن ابن عباس ، وجواب ابن عباس عن أسئلة نافع ابن الأزرق ، وقـد ذكـر السیـوطـی هذه الطرق الثلاث فی "الاتقان" ثم ، نقله البخاری من شرح الغریب عن أئمة التفسیر ، ثم ماروواه سائر المفسرین من الصحابة والتابعین وأتباع هم من شرح الغریب))❺

❶ فتح الخبیر بما لا بد من حفظه فی علم التفسیر ، ص٩٠
❷ فتح الخبیر بما لا بد من حفظه فی علم التفسیر ، ص٩٣
❸ ایضاً ص٩٤ ❹ الفوز الکبیر ، ص٣٨ ❺ ایضاً ، ص٣٨۔٣٩

Marfat.com

حضرت شاہ صاحب اور اسبابِ نزول

حضرت شاہ صاحب اسباب نزول کے بارے میں بھی انتہائی معتدل موقف رکھتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ اسباب النزول کی تین اقسام ہیں:

① پہلی قسم کے وہ اسباب النزول ہیں، جن کی معرفت کے بغیر آیات کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

② دوسری قسم کے اسباب النزول ایسے ہیں جن کے پہچانے بغیر آیات میں مذکور بعض شروط وقیود پوری طرح سے سمجھ نہیں آسکتیں۔

③ تیسری قسم کے اسباب النزول وہ ہیں، جوضعیف روایات پر مبنی ہیں، ان کی معرفت تفسیر قرآن میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ وہ بعض دفعہ معرفتِ قرآن میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔

④ چوتھی قسم کے اسباب النزول وہ ہیں، جو درحقیقت اسباب النزول نہیں ہیں، بلکہ آیات کے مصداقات ہیں، صحابہ نے آیت کی تفسیر میں کوئی واقعہ بطور مثال پیش کیا ہے، یا کسی واقعہ پر آیت بطور استشہاد پیش کی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے درج ذیل اقتباسات میں یہ چاروں اقسام مترشح ہوتی ہیں۔

① ((ویذکر المحدثون فی ذیل آیات القرآن کثیرا من الأستشهاد لیست من قسم سبب النزول فی الحقیقة ، مثل استشهاد الصحابة فی مناظراتهم بآیة ، أو تمثیلهم بآیة ، أو تلاوته ﷺ آیة للاستشهاد فی کلامه الشریف ، أو روایة حدیث وافق الآیة فی أصل الغرض ، أو تعیین موضع النزول ، أو تعیین أسماء المذکورین بطریق الابهام......... ولیس شئی من هذا فی الحقیقة من أسباب النزول))[1]

② ((انما شرط المفسر أمران : الأول ما تعرض به الآیات من القصص ، فلا یتیسر فهم الایمان بتلك الأیات الا بمعرفة تلك القصص))

③ ((والثانی ما یخصص العام بالقصة ، أو مثل ذالك من وجوه صرف الکلام عن الظاهر ، فلا یتیسر فهم المقصود من الأیات بدونها))[2]

انہی دو اقسام کے بارے میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

((وبالجملة المفسر لا یزید علی نوعین من هذه الأنواع : الأول: قصص للغزوات وغیرها مما وقع فی الآیات الایماء الی خصوصیات ، وما لم

[1] الفوز الکبیر ، ص٤٦-٤٧ [2] ایضاً ، ص:٤٧

Marfat.com

تفہم تلك القصص لا یتأتی فہم حقیقته۔ الثانی: فوائد بعض القیود ، وسبب التشدد فی بعض المواضع مما یتوقف علی معرفة حال النزول)) ❶

④ چوتھی قسم کے ضعیف ومردود اسباب النزول کے بارے لکھتے ہیں:

((و أما افراط محمد بن اسحاق ، والواقدی والکلبی و ما ذکروا تحت کل آیة من قصة فأکثره غیر صحیح عند المحدثین ، وفی اسناده نظر۔ ومن الخطأ البین أن یعد ذالك من شروط التفسیر۔ والذی یری أن تدبر کتاب الله متوقف علی فقط ، فمن فاته فقد فات حظه من کتاب الله وما توفیقی الا بالله علیه توکلت وهو رب العرش العظیم)) ❷

حضرت شاہ صاحب اور تفسیر بأسباب النزول کی عملی مثالیں

اسباب النزول کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کا درج بالا اصولی موقف ہے، حضرت شاہ صاحب نے اپنے رسالہ "فتح الخبیر" میں جابجا اس موقف کو عملی طور پر بھی اپنایا ہے۔

مثال نمبر ①: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ ❸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((صلی رسول الله ﷺ الی بیت المقدس ستة عشر شهرا أو سبعة عشر شهراً ، وکان یعجبه أن تکون قبلته قبل البیت ، فحولت القبلة ومات قبل أن تحول رجال ، لم یدروا ما یقولون فیهم ، فأنزل الله : وما کان الله لیضیع ایمانکم)) ❹

مثال نمبر ②: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ﴾ ❺ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((نزلت فی کعب بن عجرة)) ❻

مثال نمبر ③: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى﴾ ❼ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((کانت الیهود اذا حاضت المرأة منهم لم یواکلوها ولم یشار بوها فسُئِل النبی ﷺ فأنزل الله "قل هو أذی" فأمروا أن یفعلوا کل شئی ما خلا النکاح)) ❽

---

❶ الفوز الکبیر، ص:۴۹ ❷ ایضاً ، ص۵۰ ❸ فتح الخبیر ، ص۹۲
❹ سورة البقرة، ۲:۱۹۶ ❺ فتح الخبیر ، ص۹۳ ❻ سورة البقرة، ۲:۲۲۲
❼ فتح الخبیر ، ص۹۳
❽ ترجمان القرآن ، ۱/ ۳ ۔ (مقدمه)

Marfat.com

نواب صدیق حسن خان اور خیر القرون کے اصول تفسیر

نواب صدیق حسن خان خیر القرون کے اصولِ تفسیر کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے ہیں اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اپنی مایۂ ناز تفسیر ''ترجمان القرآن'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''جو تفسیر قرآن شریف کی، حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے یا صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین یا لغت عرب سے ثابت ہوتی ہے، وہی اس تفسیر میں لکھی گئی ہے۔ کیونکہ جیسا مطلب اللہ کے کلام پاک کا رسول خدا ﷺ واہل قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سمجھے تھے ویسا مطلب ہر کوئی عالم بیان نہیں کرسکتا ہے۔ علاوہ اس کے قرآن کے معنی اپنی رائے یا غیر کی رائے سے بیان کرنا یا علم معقول کا اس میں ملانا بڑا گناہ ہے۔ بھروسے کی تفسیر تو وہی ہے جو سلف سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔'' ❶

نہ صرف خیر القرون بلکہ بعد کے ائمہ کی تفاسیر پر بھی اعتماد کرتے ہیں اور ان کے جا بجا حوالے پیش فرماتے ہیں، حتیٰ کہ حوالوں کا یہ سلسلہ برصغیر کی نامور شخصیت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تک چلا آتا ہے۔

اپنی تفسیر ترجمان القرآن کا منہج بیان کرتے ہوئے واضح طور پر لکھتے ہیں:

''اس تفسیر میں ترجمہ آیتوں کا مع فوائد ''موضح قرآن'' سے لیا ہے، باقی مطالب تفسیر حافظ ابن کثیر، تفسیر قاضی محمد بن علی شوکانی، تفسیر فتح البیان سے لے کر لکھے ہیں۔ عبارت ''موضح قرآن'' کو مطابق روزمرہ حال کے کر لیا ہے، بالکل موافق اصل کے نہیں رکھا، اس لیے کہ تین کم سو برس کی مدت میں بعض محاورے اردو زبان کے بدل گئے ہیں۔'' ❷

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور خیر القرون کے اصول تفسیر

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی بھی خیر القرون کے اصول تفسیر کا اتباع کرتے ہیں اور انہی پر زور دیتے ہیں، اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''اور ہر جگہ تفسیر میں اتباعِ سلف صالح کیا ہے، متاخرین کے اقوال کو جو سلف کے خلاف تھے، نہیں لیا۔''

......''جن آیات کی تفسیر میں حدیث مرفوع آئی ہے، اس کے مقابلہ میں کسی کا قول نہیں لیا گیا۔'' ❸

انحرافی تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض سے نہایت بے احتیاطی سے قرآن شریف کے تراجم شائع

---

❶ ترجمان القرآن: ۱/ ۳، مقدمہ

❷ تفسیر بیان القرآن، ۱/ ٦ (مقدمہ: ذکر بعضے امور مرعیه ملتزم در تحریر تفسیر هذا)

❸ تفسیر بیان القرآن، ۱/ ۳ خطبہ تفسیر بیان القرآن۔

Marfat.com

کرنے شروع کیے جن میں بکثرت مضامین خلاف قواعد اور شرعیہ بھر دیے۔ جن سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی، ہر چیز کہ چھوٹے چھوٹے رسالوں سے ان کے مفاسد پر اطلاع دے کر ان مضرتوں کی روک تھام کرنے کی کوشش کی گئی، مگر چونکہ کثرت سے ترجمہ بینی کا مذاق پھیل گیا ہے، وہ رسالے اس غرض کی تکمیل کے لیے کافی ثابت نہ ہوئے......" ❶

مولانا اشرف علی تھانوی نہ صرف صحابہ و تابعین کی تفسیرات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ اپنے پیشرو مفسرین کی آراء پر بھی نظر دوڑاتے ہیں۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"اس تفسیر کے لکھنے کے وقت یہ کتابیں میرے پاس رہتی تھیں: بیضاوی، جلالین، تفسیر رحمانی، اتقان، معالم التنزیل، روح المعانی، مدارک، خازن، تفسیر فتح المنان، تفسیر ابن کثیر، لباب، در منثور، کشاف، قاموس اور بعضے تراجم قرآن......" ❷

البتہ حجت صحابہ و تابعین کے اقوال کو ہی سمجھتے تھے، متاخرین مفسرین کے اقوال سے استفادہ فرماتے اور تعارض کی صورت میں دیگر ادلہ شرعیہ کی روشنی میں ترجیح سے کام لیتے۔ اس بارے لکھتے ہیں:

"ہر جگہ تفسیر میں اتباع سلف صالح کیا ہے، متاخرین کے اقوال کو جو سلف کے خلاف تھے، نہیں لیا......

جہاں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں ان میں سے جس کو روایت یا ذوق عربیت سے راجح سمجھا صرف اسی کو اختیار کر لیا گیا، سب کو نقل نہیں کیا، البتہ کہیں کہیں اگر دونوں وجہیں متساوی معلوم ہوئیں، دونوں کو نقل کر دیا ہے۔" ❸

سید امیر علی ملیح آبادی اور خیر القرون کے اصولِ تفسیر

سید امیر علی ملیح آبادی کی تفسیر "مواہب الرحمٰن" اردو تفسیری ادب میں بالعموم، اور تفسیر مکتب تفسیر بالماثور میں بالخصوص ایک خاص شان کی حامل ہے، اس کے مفسر بھی سلف صالحین کے اصول تفسیر کا التزام کرتے ہیں۔ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں "کیفیت تفسیر و آداب مفسر" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علما نے کہا: جو شخص کتاب الٰہی عز و جل کی تفسیر چاہے تو اولاً اس کو کتاب الٰہی سے تلاش کرے، کیونکہ جو ایک جگہ مجمل ہے وہ دوسری جگہ مفسر ہے، اور جو ایک جگہ موجز ہے وہ دوسری جگہ مبسوط ہے۔

پھر اگر یہ اس کے ادراک سے باہر ہو تو اس کی تفسیر حدیث سے تلاش کرے، کیونکہ حدیث بالکل تفسیر قرآن ہے۔ حتی کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ حکم فرمایا، وہ آپ نے قرآن مجید سے معلوم کیا ہے، بدلیل قولہ تعالیٰ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

❶ تفسیر بیان القرآن، ۱/ ۳ خطبہ تفسیر بیان القرآن۔ ❷ تفسیر بیان القرآن ۱/ ۶

❸ تفسیر مواهب الرحمن، مقدمه، ۱/ ۲۱ (فصل: کیفیت تفسیر و آداب مفسر)

Marfat.com

بِـمَـآ اَرٰیكَ اللّٰـهُ﴾ اور حدیث میں ہے کہ مجھے قرآن مجید اور اس کی مثل عطا کیا گیا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ عکرمہ نے بحر ابن عباس سے حدیث کے واسطے قرآن سے اصل دریافت کی اور بار ہا خود بیان کی۔ چنانچہ ان شاء اللہ مواقع آیات میں معلوم ہوگا۔"

اگر سنت میں نہ پائے تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم جو شاہد مشاہد الوحی ہیں۔ ان کی تفسیر بمنزلہ مرفوع ہے، "کما ذکرہ الحاکم۔"

بلکہ سید امیر علی ملیح آبادی ایک مفسر کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ عقیدہ ونظریہ میں بھی سلف صالحین کا متبع ہو، لکھتے ہیں:

"مفسر کے شرائط سے یہ کہ قلبِ صالح رکھتا ہو، چنانچہ حدیثِ صحیح سے ثابت ہے کہ یہ مضغہ جب صلاحیت پر ہوتا ہے، تو تمام جسم صالح ہو جاتا ہے اور اس کے فساد سے تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے۔"

اور قلب کی اعلیٰ اصلاح یہ ہے کہ اس میں اعتقاد راسخ موافق سنت نبوت و اجماع سلف رضی اللہ عنہم ہو کہ یہی نور ربانی ہے اور اسی سے بندۂ عالم ربانی ہوتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

﴿ دُوْنِ اللّٰـهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○﴾

اور خوب متنبہ ہو کہ یوں تو ہر شخص مدعی ہے کہ میں مؤمن صادق الایمان ہوں، لیکن اس کے واقعی حال سے سوائے اللہ تعالیٰ عزوجل کے کوئی آگاہ نہیں کیونکہ وہ مخلصین مؤمنین صادقین کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور ان سے راضی ہوا ہے، نہیں معلوم کہ یہ ان میں سے ہے یا نہیں ہے۔ بلکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ اس مرتبہ کمال پر نہیں ہے، لیکن ہم قطعاً جانتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے یہ اوصاف کمال قطعی حاصل تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے قرآن میں منصوص فرمایا: بقولہ:

﴿اولـئك هـم الـصـادقـون...... وأولئك هم المؤمنون حقا...... ورضی الله عنهم ورضوا عنه﴾ اور بکثرت آیات ودلائلِ واضحہ مثلِ آفتاب کے روشن ہیں۔

تو جس شخص نے اعتقاد میں ان سے اختلاف وتغیر نہیں کیا، وہ بھی قطعاً اعتقاد کی راہ سے اعلیٰ صلاحیت پر ہے۔

پس حاصل یہ نکلا کہ مفسر کی شرط یہ کہ اعتقاد میں سلف صالحین کے مطابق ہو اور اعمال میں ثقہ ہو......"[1]

---

[1] تفسیر مواهب الرحمان: ص ٢٤

Marfat.com

سید امیر علی ملیح آبادی اور اقوال صحابہ و تابعین

سید امیر علی اپنی تفسیر میں اصولی اور عملی طور پر اقوالِ صحابہ کو نمایاں مقام دیتے ہیں، بلکہ اقوالِ تابعین اور اقوالِ تبع تابعین کو بھی بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''مفسر پر واجب ہے کہ وہ اس تفسیر پر اعتماد کرے، جو آں حضرت ﷺ سے منقول ہو یا صحابہ رضی اللہ عنہم یا ان کے حاضرین تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے وارد ہو۔'' (بحوالہ تفسیر طبری)......آگے کہتے ہیں:

مترجم نے کہا کہ تبع تابعین مثلاً سفیان الثوری وغیرہ سے بھی جو قول آیا ہے وہ ان کے تقویٰ وورع سے اسی پر محمول ہے کہ انہوں نے کسی تابعی سے بطور وثوق حاصل کیا ہے، کیونکہ قرآن مجید رائے سے کہنا کبیرہ گناہ ہے۔ ❶

کیا اقوالِ صحابہ متعارض ہوتے ہیں؟

مولانا امیر علی ملیح آبادی یہ رائے رکھتے ہیں کہ تفسیر میں اقوالِ صحابہ متعارض نہیں ہوتے۔ اقوالِ صحابہ کا باہمی تعارض یا روایت میں ضعف کی بنا پر در آتا ہے، یا روایت بالمعنی کی وجہ سے مفہوم میں خطا ہوتی ہے یا پھر وہ اختلاف تضاد نہیں بلکہ اختلاف تنوع ہوتا ہے۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''مجھے بعض محققین کا قول درست معلوم ہوا کہ اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کہیں تعارض نہیں ہے۔'' ❷

متجددین کے جدت پسندانہ تفسیری اقوال کے بارے میں موقف

تفسیر میں نئے اقوال اور نئے مفاہیم جو سلف سے متعارض ہوں، سید امیر علی ملیح آبادی بڑی شدومد سے ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور اس زمانہ میں فرقہ نیچر یہ ایک فرقہ ہے، جو ہر طرح عوام پر اپنا نام ودعویٰ اسلام ظاہر کرتے ہیں اور اعتقاد واقوال میں محض ملحد ہیں۔ ان کے اعتقادات باطلہ میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کمال عقل سے اس وقت کے خیالات کے موافق یہ احکام جاری کیے، اور بہت سے امور اس میں موافق اس وقت کے خیالات کے بیان کیے جو فی الواقع نہیں ہیں۔ جیسے آسمان ندارد ہے، اور زمین گرد آفتاب گھومتی ہے اور ملائکہ وجن وغیرہ غیر محسوسات کوئی چیز نہیں ہیں۔ یہ سب کفر والحاد وزندقہ ہے اور بحمد اللہ مترجم نے آیات کی تفاسیر میں تحقیقات کی اور ان کے اقوال فاسدہ کے بطلان کے لیے علیحدہ رسالہ لکھا ہے اور عجب کہ ان میں بعض نے قرآن کی تفسیر کے نام سے الحادی کتاب لکھی اور اس کی غرض اصلی یہ کہ عوام

❶ تفسیر مواهب الرحمن، ١/ ٢٤ ❷ تفسیر مواهب الرحمن، ١/ ٢٢

Marfat.com

مسلمانوں کے اعتقاد میں فتور پیدا کرے۔“

((اعاذنا الله تعالیٰ و جمیع المؤمنین من فتنة تلك الدجاجلة))❶

محض عقل ورائے کی بنیاد پر تفسیر

محض عقل ورائے کی بنیاد پر تفسیر کو حرام سمجھتے ہیں، بلکہ گناہ کبیرہ اس حوالے سے واشگاف لکھتے ہیں:

”اور واضح ہو کہ تفسیر بالرائے کبیرہ گناہ ہے۔“❷

اسباب النزول، اسرائیلی روایات، تفسیر بذریعہ لغت

اسباب النزول، اسرائیلی روایات، تفسیر بذریعہ لغت اور اس قسم کے دیگر مصادر تفسیر کے بارے میں سید امیر علی ملیح آبادی نے مقدمۂ تفسیر میں شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی ہے اور زیادہ تر مواد امام سیوطی کی الاتقان سے اخذ کیا ہے، بیشتر مسائل میں تفسیر بالماثور کے مکتب کی بہترین نمائندگی کی ہے۔❸

مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا محمد مالک کاندھلوی کے نزدیک مسلمہ اصول تفسیر

معروف مفسر مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور ان کے لخت جگر مولانا محمد مالک کاندھلوی بھی برصغیر میں خیر القرون کے مسلمہ اصول تفسیر کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اس موضوع پر مولانا مالک کاندھلوی نے ”التحریر فی اُصول التفسیر“ کے نام سے رسالہ لکھا ہے۔ اس پر ان کے والد بزرگوار مفسر قرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تقریظ ہے۔ اس رسالہ میں مراتب تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

”اصول تفسیر کے تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مراتبِ تفسیر پانچ اقسام میں منحصر ہیں۔“

قسم اول: یہ کہ قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید ہی کے ذریعے کی جائے، کیونکہ قرآن کریم میں بعض اشیا اور احکام و واقعات کا ذکر مکرر ہوتا ہے۔ کسی مقام پر اگر کوئی شے اجمال کے ساتھ بیان کی گئی ہے، تو وہی چیز دوسرے موقع پر کتاب اللہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، تو اس طرح جو آیات مجمل ہیں ان کی تفسیر واضح اور مفصل آیات سے ممکن ہے۔

قسم ثانی: یہ کہ تفسیر قرآن سنت نبوی کے ذریعے کی جائے، کیونکہ درحقیقت کلام اللہ کے لیے اصل شارح اور کامل تفسیر سنت رسول اللہ ﷺ ہی ہے اور آپ کی تمام تر سیرت مبارکہ قرآن کی عملی تشریح ہے۔ قرآن نے یہ بات معین کردی اور بار بار اس کی تصریح کردی ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ ہی کے ذریعے قرآن کی اتباع و پیروی ممکن ہے۔

---

❶ تفسیر مواهب الرحمن، ص۱/ ۲۲ ❷ تفسیر مواهب الرحمن، ص۲۶

❸ ملاحظہ ہو: مقدمه تفسیر مواهب الرحمن، ۱/ ۸۸-۱۳۶

Marfat.com

قسم ثالث: تفسیر صحابہ ہے، کہ اگر کسی آیت کی تفسیر حدیث مرفوع میں نہ ہو، پھر آثار صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا...... کیونکہ یہی حضرات قرآن کے سب سے پہلے مخاطب ہیں، انہی کے سامنے وحی اترتی تھی اور تازہ تازہ وحی الٰہی کی شرح زبانِ نبوت سے ان کے کان سنتے تھے۔ ان کے قلوب انوارِ نبوت سے منور تھے، علم راسخ رکھتے تھے۔ قلوب طہارت وتقویٰ سے معمور تھے۔ امت میں یہی گروہ سب سے زائد افضل گزرا، اس لیے ان سے بہتر قرآن کو کون سمجھنے اور سمجھانے والا ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول نقل کر کے مزید لکھتے ہیں: اس لیے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کی تفسیر کے مقابلے میں کوئی تفسیر قابل اعتبار بلکہ قابل اعتنا نہ ہو گی۔

قسم رابع: ان امور کا بیان کرنا جو لغت اور قواعد عربیہ سے متعلق ہوں۔

قسم خامس: تفسیر کی وہ قسم ہے جو وجوہ مذکورہ میں سے کسی ذریعے سے بھی ثابت اور متعین نہ ہو...... جیسے مقطعاتِ قرآنیہ...... صفات خداوندی اور متشابہات۔ ❶

محض لغت پر اعتماد اور تفسیر صحابہ سے انحراف

محض لغت پر اعتماد کے ذریعے قرآن مجید کی تفسیر نہیں ہو سکتی اور نہ ہی محض تاریخ کے سہارے قرآن مجید کی تفصیلات طے کی جائیں گی۔

اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا صحابہ کی فضیلت کے بارے میں قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ عملی کمالات میں یہ امور دخیل ہیں:

① معلوم کا عمق اور اس کے رسوخ ② قلب کی طہارت

③ تکلفِ وضع سے اجتناب ④ اعتقادِ حق پر قائم ہونا

⑤ اقامتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہمہ وقت مستعد و تیار رہنا اور اپنی زندگی اس پر گزارنا۔

یہ اوصاف ہیں جو علم کے صحیح اور اہل علم کے مستند ہونے کے لیے معیار و بنیاد ہیں، جس کی زندگی ان اوصاف کا مظہر ہو گی اس کو حق ہو گا کہ وہ کتاب اللہ کی تفسیر کرنے کا ارادہ کرے۔

''محض لغت دانی یا تاریخ میں مہارت پر بھروسہ کرتے ہوئے انسان کا یہ سمجھ لینا کہ وہ تفسیر قرآن کا اہل ہے، یہ اس کی غلطی ہے۔ درس گاہِ نبوت کے پہلے تلامذہ کی پیروی، ان کے نقش قدم پر چلنا، ان کے کمالات سے متصف ہونے کی جدوجہد علوم الٰہیہ کے حصول کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ ورنہ تو پھر قرآن فلسفہ یا منطق کی کوئی کتاب ہو جائے گی یا صرف تاریخی مجموعہ بن کر رہ جائے گی۔'' ❷

---

❶ التحرير في أصول التفسير، ص١٠٥-١٠٩

❷ التحرير في أصول التفسير، ص١٠٨

Marfat.com

تفسیر بالرائے کے بارے میں موقف

حدیثِ نبوی کے ہوتے ہوئے محض اپنی عقل اور رائے کی بنیاد پر تفسیرِ قرآن کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کی تصریح سے یہ امر تو معلوم ہو چکا کہ کلامِ الٰہی کی اصل شرح اور تفسیر اسوۂ نبوی ہے اور اس تصریح نے یہ چیز متعین اور ثابت کر دی کہ کلام اللہ کی تفسیر ہر ذوق اور ہر مختلف طبقہ اور ہر نوع کے افکار و آرا کے حوالے نہیں کی گئی کہ جو طبقہ جو کچھ چاہے اپنے ذوق اور خیالات پر اس کو ڈھال لے اور جو شخص جس نوع کا اعتقاد و رجحان رکھتا ہو، وہ اس کی طرف کھینچنے لگے۔ اگر بالفرض والتقدیر ایسا ممکن ہوتا تو قرآن کا کوئی مفہوم ہی قیامت تک متعین نہ ہو سکتا، اس لیے اس قسم کی کشاکش اور افکار و اذہان کے باہمی تصادم کو ختم کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے اپنے کلام کے لیے خود اپنی طرف سے ایک ایسا شارح مقرر کر دیا کہ جس کی زبان سے نکلا ہوا ہر کلمہ گو زبانِ پیغمبر سے بولا جا رہا ہے، لیکن درحقیقت وہ اسی رب العالمین کی طرف سے ہے جس نے خود قرآن نازل فرمایا:

اس لیے یہ تو امکان نہ رہا کہ ہر شخص اپنی رائے اور اعتقاد و مسلک کے مطابق قرآن کی تاویلیں کرنے لگے، بلکہ دنیا کے ہر فرد کے لیے اسی ایک طریقے کی پیروی متعین کر دی گئی، جو آں حضرت ﷺ نے مقرر فرمایا۔ جو لوگ اپنی خواہشات اور من گھڑت خیالات کے مطابق قرآن کے معانی اور مطالب تجویز کریں اور اس کے حقیقی مفہوم کی پیروی ضروری نہ سمجھیں، انہی کے بارہ میں یہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهِ غِشَاوَةً ﴾[1]،[2]

حضرت مولانا عبداللہ محدث روپڑی اور مسلّمہ اصولِ تفسیر

حضرت محدث روپڑی کے دور میں نصابِ تفسیر پر خوب بحث و تمحیص ہوئی، بالخصوص تفسیر صحابہ کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔ اس باب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی تحریروں میں شد و مد سے یہ موقف اپنایا کہ تفسیر قرآن میں عربی لغت کی درایت ہی کافی ہے۔ نہ صرف انہوں نے یہ موقف نظریاتی طور پر اپنایا بلکہ اپنی تفسیر ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' میں اسے تطبیقی شکل دی اور اس بارے میں ان سے معجزات کے بارے میں تسامحات منظر عام پر آئیں۔ اس کی تردید میں متعدد علما نے قلم اٹھایا اور مسئلہ نصابِ تفسیر زیر بحث آیا۔ ان علما میں مولانا عبداللہ محدث روپڑی کا نام سرفہرست ہے۔ حضرت موصوف نے ''درایت تفسیری'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں بالدلائل ثابت کیا کہ سلف صالحین کی تفسیرات نصابِ تفسیر میں شامل ہیں۔

---

[1] سورة الجاثية، ٤٥:٢٣ [2] التحرير في أصول التفسير، ص ١١٢

Marfat.com

اس کتاب کے مقدمہ میں حضرت محدث روپڑی لکھتے ہیں:

"پھر جب نصاب تفسیر پر بحث شروع ہوئی تو علما نے نصاب تفسیر میں رسائل لکھنے شروع کیے، جن سے ان کا مقصود یہ تھا کہ اقوال سلف نصابِ تفسیر میں داخل ہیں، یعنی جو تفسیر سلف کے خلاف ہو وہ غلط ہے، ہم بھی یہ رسالہ اس غرض سے لکھتے ہیں۔"❶

تفسیر القرآن بالقرآن اور حضرت محدث روپڑی

تفسیر القرآن بالقرآن کو حضرت محدث روپڑی نے بطور اصول تسلیم کیا، لیکن انہوں نے واضح کیا کہ تفسیر القرآن بالقرآن بعض دفعہ محض تفسیر بالرائی کے زمرے میں آتی ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

"آیت کی تفسیر آیت کے ساتھ تو اسی وقت صحیح ہے، جب پہلے معلوم ہو جائے کہ ان دونوں سے ایک ہی معنیٰ مراد ہے یا دونوں ایک ہی قصہ میں وارد ہیں، اور اگر یہ علم نہ ہو تو پھر آیت کی تفسیر آیت کے ساتھ یہ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن نہیں بلکہ تفسیر بالرائی ہے۔"❷

مولانا ثناء اللہ امرتسری پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ کی تفسیر میں بہت جگہ بے خبری سے ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کی گئی ہے۔ مثلاً: آپ آیت کریمہ ﴿ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ﴾❸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کافر جہنم کی طرف منہ کے بل کھینچے جائیں گے۔" أي: يسحبون و يجرون الى جهنم ، لقوله تعالىٰ: ﴿يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾❹

مولانا عبداللہ محدث روپڑی کے نزدیک یہ تفسیر القرآن بالقرآن نہیں ہے بلکہ محض تفسیر بالرائی ہے، جس پر دوسری آیتِ قرآنی سے بالجبر استدلال گھڑ لیا گیا ہے۔ کیونکہ محدث روپڑی "کافر منہ کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے" کو "يحشرون علي وجوههم الى جهنم" کی صحیح تفسیر نہیں مانتے، عدم صحت پر وہ دو دلائل قائم کرتے ہیں:

① یہ تفسیر حدیثِ صحیح سے معارض ہے۔ کیونکہ حدیثِ صحیح کے مطابق کافر منہ کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے نہیں جائیں گے، بلکہ اپنے منہ کے بل چلا کر جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((أليس أمتاه على الرجلين قادر على أن يمشيه على وجهه)) جس ہستی نے انہیں دنیا میں قدموں پر چلایا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ انہیں منہ کے بل چلائے۔

② اس آیت کی تفسیر دوسری آیت "يسحبون فى النار" سے پیش کرنا محض مفسر کی ذاتی رائے ہے،

❶ درایت تفسیری، ص ۱۰۔ (مقدمه)
❷ درایت تفسیری ، ص ۲۵۔
❸ سورة الفرقان، ۲۵:۳۴
❹ سورة القمر، ۵۴:۴۸

Marfat.com

کیونکہ دونوں آیات مبارکہ دو مختلف مقامات کا تذکرہ پیش کر رہی ہیں۔ جس آیت کی مولانا ثناء اللہ امرتسری نے تفسیر کی ہے، اس میں "الی جهنم" ہے، جو کہ جہنم کے طرف لے جائے جانے کی منظر کشی کر رہی ہے، اور جس آیت کے ساتھ تفسیر کی ہے اس میں "فی النار" ہے جو دخولِ جہنم کے بعد کفار کی حالت بیان کر رہی ہے۔ گویا ایک آیت میں دخولِ جہنم سے پہلے کی کیفیت مذکور ہے اور دوسری آیت میں دخولِ جہنم کے بعد کی کیفیت، جب دونوں آیات کا موقع محل ہی الگ الگ ہے، تو ایک دوسری کی تفسیر کیسے بن سکتی ہے؟! ❶

اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ نے بلاوجہ "فی" کو "الی" کے معنی میں لے کر دونوں آیتوں کا ایک ہی مطلب کر دیا۔ پھر حدیث نبوی کا بھی خیال نہ کیا۔'' ❷

یقیناً محدث روپڑی کے اس طرز کے استدلالات واضح کرتے ہیں کہ اصحاب تفسیر بالماثور کے نزدیک تفسیر القرآن بالقرآن کا صحیح مفہوم کیا ہے اور تفسیر القرآن بالقرآن کی صحت کے لیے کیا حدود وقیود اور شروط وضوابط ہیں۔

تفسیرِ صحابہ کا مقام ومرتبہ اور محدث روپڑی

تفسیرِ صحابہ اور فقہ صحابہ دوسرے لفظوں میں صحابہ کی درایتِ تفسیری اور درایتِ فقہی واجتہادی کو نکھار کر پیش کرنا یقیناً حضرت عبداللہ محدث روپڑی کا ایک انتہائی دقیق اور راہِ استدلال ہے، جو ان کے تبحر علمی اور کامل رسوخ پر دلالت کرتا ہے، اگرچہ اس میں قدماء مفسرین ومجتہدین بھی فرق کرتے آئے ہیں۔ لیکن اردو داں طبقے کے لیے اسے انتہائی واضح اور مبرہن کر کے پیش کرنے میں مولانا عبداللہ محدث روپڑی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔

بلکہ اس مسئلے کو انہوں نے اپنے رسالہ درایت تفسیری کا بنیادی موضوع قرار دیا ہے۔

اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''تفسیرِ صحابہ کے خلاف تفسیر کرنے کا مسئلہ مدت سے ہندوستان خصوصاً پنجاب میں منجھ رہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ صحابہ کی مخالفت جائز ہے، کوئی کہتا ہے نہ۔ اور یہ اختلاف ایک اور اختلاف کی فرع خیال کیا جاتا ہے، جو درایت صحابہ کے متعلق واقع ہوا ہے۔

لیکن اس کی تہہ میں یہ راز آج تک کسی مصنف نے نہیں کھولا یا میری نظر سے نہیں گزرا کہ اگر تفسیر صحابہ درایتِ صحابہ میں داخل ہو، تو کیا یہ وہی درایت ہے جو علوم عربیہ کا مبنیٰ ہے یا وہ درایت ہے جو مسائل اجتہادیہ سے تعلق رکھتی ہے؟ اس راز کے منکشف ہونے پر صحابہ سے خلافِ تفسیر کرنے کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔'' ❸

---

❶ درایت تفسیری ، ص۲۶

❷ درایت تفسیری (مقدمه) ، ص۳

❸ درایت تفسیری (مقدمه) ، ص۳

Marfat.com

درایتِ تفسیریٔ صحابہ اور اجتہادی میں فرق

حضرت عبداللہ محدث روپڑی صحابہ کی درایت تفسیری اور درایت اجتہادی میں فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک:

درایت اجتہادی: عبادت کے سرسری مطلب کے علاوہ جتنے معانی ہیں سب درایت اجتہادی میں داخل ہیں۔ جیسے فیصلہ مقدمات عدالت میں، جو بیانِ واقعات کے بعد حاکم عدالت میں نکال کر فیصلہ کر دیتا ہے اسے درایت اجتہادی کہتے ہیں......اس طرح آیت کریمہ:

﴿ وَامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ ﴾ [1] سے کفار کی صحتِ نکاح کا مسئلہ نکالنا کہ ان کے نکاح آپس میں صحیح ہیں۔ [2]

(یہ بھی درایت اجتہادی ہے)

درایت تفسیری: کلام کے ظاہری مطلب کو کہتے ہیں، اگر متکلم اپنے مافی الضمیر کی اطلاع دینے کی خاطر بات کرے اور مخاطب باوجود اہل زبان ہونے کے اس کی مراد کو نہ اس کے الفاظ سے سمجھ سکے اور نہ قرائن وغیرہ کے انضمام سے، تو وہ کلام پایۂ وضاحت و بلاغت سے ساقط ہے۔ بلکہ عوام لوگوں کی کلام سے بھی گئی گزری ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں:

یہ نہیں ہوسکتا کہ ہزار ہا صحابہ رضی اللہ عنہم حاضرین مجلس کسی آیت کے اصلی مطلب سے غفلت کر جائیں اور کسی کی سمجھ میں صحیح مطلب نہ آوے، کیونکہ اول مخاطب وہی تھے اور انہی کی خاطر اللہ عز و جل نے قرآن مجید عربی زبان میں اتارا اور ہمیں اس نعمتِ عظمیٰ میں شریک نہیں کیا۔ چنانچہ بالخصوص ان کو خطاب سے مشرف فرما کر فرماتا ہے۔

﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ [3]

اور جو لوگ اس کے عکس اعتقاد رکھتے ہیں وہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر ایمان نہیں لائے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ [4]

السراج المنیر فی اُصول التفسیر

انہی حالات میں جب تفسیر سلف صالحین کی حجیت وعدم حجیت کا مسئلہ دینی رسائل وجرائد کا موضوع بحث بنا ہوا تھا، ایک عالم مولانا عبدالحق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے یہ رسالہ ''السراج المنیر فی اُصول التفسیر'' قلمبند کیا ہے۔ اور خیر القرون کے اصولِ تفسیر کو بادلائل قویہ ثابت کیا۔ خیر القرون کے اصول تفسیر ومنہج تفسیر کو ہی اہل السنّت والجماعۃ

---

1. لہب، ۱۱۱:٤
2. درایت تفسیری، ص ۱۲
3. سورۃ یوسف، ۱۲:۲
4. درایت تفسیری، ص ۱٤-۱۵

Marfat.com

کے متفقہ اصول قرار دیا ہے۔ اور ان اصول کی پیروی نہ کرنے والوں کو اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج کیا۔ اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''کچھ شک نہیں کہ علوم شرعیہ میں تفسیر سب سے اعلیٰ واشرف علم ہے، کیونکہ اس کا موضوع قرآن مجید ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس اشرف اور اعلیٰ علم ہی کی وجہ سے دائرہ اہلِ سنت سے خارج کیے گئے اور اہل بدعت واہل ضلالت میں داخل کیے گئے۔ پس اس بات کا معلوم کرنا کہ ان لوگوں کی تفسیروں کا غلط ہونا اور علماءِ اہلِ سنت کی تفسیروں کا صحیح ہونا اور ان لوگوں کا اہل السنۃ سے خارج ہونا کس وجہ سے ہے؟''

یہ امر مضبوط قانون چاہتا ہے، جو صحیح اور غلط تفسیر کے واسطے معیار ہو کر ان کے درمیان حد فاصل فارق بین الحق والباطل ہو جائے۔ ❶

صحیح وغلط تفسیر کا معیار

اس کے بعد انہوں نے تفصیل سے صحیح وغلط تفسیر کا معیار بیان کیا ہے، اور واضح کیا ہے کہ صحیح تفسیر کے تین طرق ہیں، جو معیار صحت وبطلان ہیں۔ اگر تفسیر ان تین طرق کے موافق ہے تو صحیح، بصورت دیگر محلِ نظر ہو گی۔

طریق اول: تفسیر نبوی

تفسیرِ نبوی کی حجیت پر انہوں نے کئی قرآنی آیات پیش کی ہیں، جن میں سے دو بالخصوص درج ذیل ہیں:

① ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۝﴾ ❷

② ﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۝﴾

طریق دوم: تفسیر صحابۂ کرام

اس بارے میں انہوں نے آیات واحادیث پیش کی ہیں۔ جن میں سرفہرست یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ......﴾ ❸

اور یہ حدیث شریف ہے:

① ((من قال فی القرآن برأیه فلیتبوا مقعده من النار)) ❹

---

❶ السراج المنیر، ص۷-۸
❷ سورة النحل، ١٦:٤٤
❸ سوزة التوبة، ٩:١٠٠
❹ مسند احمد: ٤/ ٢٥٠

Marfat.com

④ ((وتفترق أمتی علی ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الا واحدة، قالوا: ومن هی یا رسول الله ﷺ؟ قال ما أنا علیه و أصحابی الیوم))❶

طریق سوم: تفسیر تابعین

اس بارے میں انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا درج ذیل فیصلہ کن قول لکھا ہے:

((فان الصحابة والتابعین والأئمة اذا کان لهم تفسیر، وجآء قوم فسروا الآیة لاجل مذهب اعتقدوه، وذالك المذهب لیس من مذاهب الصحابة والتابعین، صار مشارکا للمعتزلة وغیرهم من اهل البدع فی مثل هذا۔

و فی الجماعة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعین وتفسیرهم الی ما یخالف ذالك مخطئاً فی ذالك بل مبتدعا، لأنهم کانوا أعلم بتفسیر، ومعانیه...... انتهی کلام ابن تیمیة))❷

مزید لکھتے ہیں:

''اورسنو! امام ابن القیم صواعق مرسلہ میں فرماتے ہیں، اوروہ کلام اصول تفسیر میں فیصلہ کن ہے:

((فهذه الأحادیث تقرر نصوص القرآن وتکشف معانیها کشفا مفصلا، وتقرب المراد، وتدفع عنه الاحتمالات وتفسر المجمل منه و تبینه وتوضحه لتقوم حجة الله به، ویعلم أن الرسول بین ما أنزل الیه من ربه، وأنه بلغ ألفاظه و معانیه بلاغا بینا، حصل به العلم الیقینی، بلاغا أقام الحجة وقطع المعذرة، وأوجب العلم، وبینه أحسن البیان...... وذا لم یکن لنا طریق الی العلم بمعنی الا من جهة نقل الشعر وغرائب اللغة وو حشیها و افهام الجهمیة والمعطلة لا من طریق نقل الاحادیث والآثار، تعطلت دلالة الکتاب والسنة، وسقط الاستدلال بهما، وحصلت لنا الحوللة علی أفراح المجوس، وورثة الصابئین، وتلامذة الفلاسفة، وأوقاح المعتزلة))❸

---

❶ جامع الترمذی، کتاب الایمان، باب افتراق الأمة، حدیث نمبر:٢٦٤١

❷ السراج المنیر، ص١٢

❸ السراج المنیر، ص ٢٨

Marfat.com

تفسیر القرآن بالقرآن

تفسیر القرآن بالقرآن کے بارے میں ان کی جمہور علمائے سلف والی ہی رائے ہے اور اس کی پرزور تائید کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تفسیر القرآن بالقرآن کا صرف یہ مطلب ہے کہ اجمالاتِ قرآنیہ کو خود قرآن کی روشنی میں جہاں تفصیلات آئی ہیں، کھول دیا جائے۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان سے اخذ کردہ نتیجہ تفاسیرِ سلف کے خلاف نہ ہو۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"(تفسیر القرآن بالقرآن) اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اجمالی اور تفصیلی مقامات کو قرآن مجید میں دیکھ لے، کیونکہ جن مقامات میں قرآن مجید نے اپنے ایک مجمل کی تفصیل کی ہے، پورے طور پر خود بخود کر دی ہے، اس میں اور تفسیر اپنی طرف سے آنے کی مفسر کو کیا ضرورت ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تفاسیر نبویہ اور تفاسیر خیر القرون وسلف صالحین کو ملیا میٹ کر کے اپنی رائے اور اپنے زعم سے تمام قرآن مجید کی تفسیر کے لیے کہیں کا کہیں ہانکتا پھرے اور بے جوڑ کا جوڑ کرنے اور ان دونوں آیتوں (مفسِّر و مفسَّر) کے ملانے سے جو تفسیر وہ برآمد کرے وہ تفسیر، تفاسیر نبویہ اور تفاسیر خیر القرون وسلف صالحین کے مخالف اور فرق ضالہ معتزلہ، جہمیہ، مرجیہ کے مطابق ہو۔ تو اس صورت میں کون حق پسند منصف مزاج کہے گا کہ وہ تفسیر القرآن بآیات القرآن ہے؟!...... بلکہ وہ تفسیر تو تفسیر القرآن بالالحاد والاعتزال ہذیان والبہتان ہوگی۔ کیونکہ اگر تمام قرآن مجید کی تفسیر اسی طریق (آیت کی تفسیر آیت) کے ساتھ بغیر کسی اصول کے اپنی رائے سے کی جائے تو آیۃ کریمہ "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين" کی تفسیر آیت کریمہ "وبالآخرة هم يوقنون" وغیرہ کے ساتھ یہ ہو سکتی ہے کہ عبادت صرف یقین قلبی (جیسا کہ دوسری آیت میں ہے) کے حاصل ہونے تک کرنی چاہیے۔ جب یقین قلبی حاصل ہو جائے تو پھر عبادت کی کوئی ضرورت نہیں!! اور کیا یہ عجائبات قرآن سے ہے؟ اور کیا حدیث "لا تنقضی عجائبه" کے یہی معنی اور یہی مطلب ہے؟ (اس طرح کی تفسیرات) عین اس بات کا مصداق ہیں:

کہیں کی اینٹ، کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا [1]

تفسیر اور لغتِ عرب

اس بارے میں لغت کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے یہ نشاندہی کرتے ہیں کہ بہر حال اصل اعتماد صحابہ کی تفسیر پر ہی رہے گا، کیونکہ وہ خود اہل زبان تھے۔ [2]

***

---

[1] السراج المنير، ص۲۵ [2] ایضاً، ص۱۲

Marfat.com

نتائج تحقیق باب سوم
(تفسیر بالمأثور کے اصول وقواعد)

① تفسیر القرآن بالقرآن بعض صورتوں میں تفسیر بالمأثور ہوتی ہے، جبکہ بعض صورتوں میں تفسیر بالرأی الجائز اور بسا اوقات غلط تطبیق کی صورت میں اس طرز تفسیر سے اخذ کردہ نتائج تفسیر بالرأی المذموم میں شامل ہوتے ہیں۔

② قرآن وحدیث باہمی تعلق کے لحاظ سے تین اقسام پر مشتمل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کی بعض عبارات سے مترشح ہوتا ہے کہ اس تقسیم پر اجماع ہے:

① نصوص قرآن پر مشتمل احادیث

② نصوص قرآن کی شارح احادیث

③ مستقل اضافی احادیث

③ رسول اللہ ﷺ نے مکمل قرآن مجید کی تفسیر وتشریح فرمائی ہے، کیونکہ یہ چیز آپ کے فرائض نبوت میں شامل تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا اپنا مخصوص اسلوب تفسیر تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

① بہت قلیل احادیث میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے کسی آیت کی صراحۃً تشریح فرمائی اور اپنی تشریح وتفسیر میں اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

② بعض قلیل مواقع پر صحابہ کرام نے استفسار کیا اور آپ نے جواباً مطلوبہ آیت مبارکہ کی تفسیر بیان فرمائی۔

③ قرآن مجید کی بہت ساری آیات اپنے آپ میں خود واضح تھیں، ایک عربی کے لیے ان کی تفسیر وتشریح کی ضرورت ہی نہیں تھی، لہٰذا آپ ﷺ نے ایسی آیات مبارکہ کی تشریح نہیں فرمائی۔

④ باقی تمام آیات مبارکہ کی تفسیر آپ نے اپنی عملی زندگی اور اقوال وارشادات کے ذریعے فرمائی۔ کتب

Marfat.com

حدیث کے مستند ذخیرے، ان کے ذیلی عناوین وابواب ایمان وطہارت سے شروع ہوکر، بدء الخلق، فتن اور علامات قیامت تک کی تمام احادیث مبارکہ درحقیقت قرآن مجید کے علوم خمسہ کی تشریحات ہیں۔

⑤ تفسیر القرآن بالحدیث میں بھی مفسر کے ذاتی اجتہاد کا حصہ ہوتا ہے۔

⑥ امام احمد کے قول کی بنیاد پر یہ کہنا کہ احادیث تفسیر کی کوئی اصل نہیں، "توجیهه القائل بما لا یرضی به القائل" کی واضح مثال ہے۔ اس قول سے ان کی مراد صرف یہ ہے کہ علم تفسیر میں بعض واقعات کی رنگ آمیز تفصیلات، اسرائیلی روایات وحکایات، ہر سورت کے فضائل میں متعدد احادیث، روافض کے ہاں اہل بیت کے فضائل میں تفسیری روایات، یہ سب مرویات اور اس طرز کی دیگر تفسیری روایات بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

⑦ تفسیر قرآن میں اقوال صحابہ کی مختلف اقسام ہیں، اور ہر قسم کا حکم اور حیثیت بھی اسی حساب سے مختلف ہے۔ اس لحاظ سے اقوال صحابہ کی پانچ اقسام حجت ہیں:

① مرفوع حکمی

② صحابہ کے تفسیری اجماعات

③ صحابی کا مشہور تفسیری قول (جب کہ اس کے مخالف کسی دوسرے صحابی کا قول ثابت نہ ہو)۔

④ صحابی کا غیر مشہور قول (جب کہ اس کے مخالف کسی دوسرے صحابی کا قول ثابت نہ ہو)۔

⑤ صحابی کی لغوی تفسیر

البتہ صحابہ کے اقوال حجت مستقلہ نہیں، بلکہ حجت بالغیر ہیں۔

⑧ اقوال صحابہ کی درج ذیل اقسام حجت نہیں ہیں:

① صحابہ کے اختلافی اقوال

② صحابی کا شاذ قول

③ صحابی کا اسرائیلیات سے مستفاد قول

⑨ تابعین اگر کسی تفسیر پر متفق نظر آئیں تو بلاشبہ وہ تفسیر بدرجہ اجماع حجت ہے۔ تابعین کے انفرادی اقوال حجت نہیں ہیں۔ لیکن علم تفسیر میں ان کی ایک اہمیت ضرور ہے۔

⑩ صحابہ وتابعین کے اقوال پر استنادی تحقیق بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اگر سند ہی ثابت نہ ہوسکے تو وہ محض ایک تفسیری قول ہے۔

⑪ قرآن مجید تفکر وتدبر کے دروازے کشادہ ہیں، اس کے نکات ولطائف اور حقائق ومعارف کی کوئی حد نہیں۔ البتہ قرآن مجید سے ایسے ''معارف'' کشیدہ کرنا، جن سے صحابہ وتابعین کی تغلیط وتردید ہورہی ہو، جائز نہیں۔

Marfat.com

⑫ تفسیر قرآن میں عربی لغت سے استفادہ کرنے کے لیے منہج تفسیر بالمأثور میں طے شدہ اصول وقواعد ہیں، جن کی رعایت ضروری ہے۔

⑬ تفسیر قرآن میں عقل واجتہاد کا استعمال دو قسم پر ہے۔

① قرآن مجید، احادث وآثار اور فہم سلف کو پیش نظر رکھتے ہوئے، عقل ورائے استعمال کی جائے تو یہ تفسیری بالرأی الجائز ہے۔

② محض اپنی آراء وخواہشات کی تائید کے لیے رائے استعمال کرنا اور احادیث وآثار سے صرف نظر کرنا یا ان کی تاویلات کرنا تفسیر بالرای المذموم ہے۔

⑭ تفسیر قرآن میں اسباب النزول کو مطلق قبول کیا جاسکتا اور نہ مطلقاً رد کیا جاسکتا ہے۔ اہمیت کے لحاظ سے اسباب النزول کو مطلق قبول کیا جاسکتا اور نہ ہی مطلقاً رد کیا جاسکتا ہے۔ اہمیت کے لحاظ سے اسباب النزول کی پانچ اقسام ہیں:

① کچھ اسباب النزول مقصود بالذات ہیں اور قرآن مجید میں براہِ راست انہی کو موضوع بحث بنایا گیا ہے، مثلاً: واقعۂ افک، غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین وغیرہ، ان کو جانے بغیر صحیح تفسیر ممکن ہی نہیں۔

② کچھ اسباب النزول کی طرف قرآن مجید نے واضح اشارہ کیا ہے۔

③ عہد نبوی ﷺ میں کچھ خاص واقعات پیش آئے، جن پر تفصیلی احکام قرآن مجید میں بیان کیے گئے۔ ایسے تمام واقعات کو بھی مفسرین اسباب النزول میں ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح کہ اسباب النزول اگرچہ آیات کی تفسیر میں بنیادی حیثیت نہیں رکھتے، تاہم ان کی معرفت سے آیات کی تطبیق میں انشراح پیدا ہوتا ہے۔

④ بعض اسباب النزول حقیقتاً اسباب النزول نہیں ہوتے، بلکہ آیات کے مصداقات ہوتے ہیں۔ ان کی معرفت ضروری نہیں۔

⑤ ضعیف وموضوع اسباب النزول سے اجتناب ضروری ہے۔

⑮ برصغیر کے کبار مفسرین نے تفسیر بالمأثور کے اصولوں سے اتفاق کیا ہے۔

***

Marfat.com

Marfat.com

باب چہارم

منہج تفسیر بالرای المحمود

فصل اول: تفسیر بالرای معنی ومفہوم، اقسام اور عقل کا دائرہ کار

فصل ثانی: تفسیر بالرای المحمود کی شروط

فصل ثالث: تفسیر بالرای میں اخطاوانحرافات کے اسباب

فصل رابع: برصغیر میں تفسیر بالرای المحمود کی دونمائندہ تفسیریں

***

Marfat.com

تعارف باب چہارم

انسان کو اللہ تعالی نے بہت سی ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان بے شمار نعمتوں میں سے عقل ایک بڑی اور اہم نعمت ہے۔ بلکہ یہی وہ بنیادی جوہر اور عظیم عطیہ ربانی ہے، جس کی بدولت انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔

قرآن مجید اپنی آیات مبارکات میں غور وفکر اور عقل واجتہاد کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے، بلکہ اس کی بھرپور ترغیب دیتا ہے۔ جس طرح آیات قرآنیہ میں غور وفکر اور تحقیق سے اسرار فطرت آشکارا ہوتے ہیں، اسی طرح آیات قرآنیہ میں تدبر وتفکر سے شریعت اسلامیہ اور کلام الٰہی کے معارف ودقائق منکشف ہوتے ہیں۔

اس باب میں تفسیر بالرای المحمود کا معنی ومفہوم، شروط وآداب پر بحث کی گئی ہے۔ اس کی جائز وناجائز حدود کا تعین کیا گیا ہے، رای محمود اور مذموم کے درمیان حد فاصل واضح کی گئی ہے، نیز یہ بیان کیا گیا ہے کہ تفسیر قرآن میں عقل واجتہاد کے لیے کیا شروط وآداب ہیں اور وہ کیا اسباب وعوامل ہیں جن کی بنا پر رائے کے استعمال میں مفسرین اخطا وانحرافات کا شکار ہوتے ہیں۔ سب سے آخر میں برصغیر کے حوالے سے تفسیر بالرای المحمود کی دو نمائندہ تفاسیر تفصیلی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

① تفسیر ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد

② تفسیر تفہیم القرآن، مولانا سید نا ابوالاعلیٰ مودودی

***

Marfat.com

فصل اول

تعارف

مفسر کا اپنی عقل واجتہاد اور غور وفکر کے ذریعے قرآن مجید کی تفسیر پیش کرنا تفسیر بالرای ہے۔ اس فصل میں یہ جائزہ پیش کیا جائے گا کہ عقل کا حقیقی مقام اور دائرہ کار کیا ہے؟ صحابہ کرام وتابعین کس طرح تفسیر قرآن میں عقل ورائے سے کام لیتے تھے؟ اور جہاں ان سے رائے کی مذمت منقول ہے، اس سے مراد کون سی رائے ہے؟

***

Marfat.com

رائے کا لغوی واصطلاحی مفہوم

عربی لغت میں الرای باب رَأَی یَرَیٰ سے مصدر ہے، اسی باب سے مزید پانچ مصادر بھی مستعمل ہیں۔

① روی
② رِئی
③ راء
④ رای
⑤ رِئیان[1]

غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی مصدر رأی ہی ہے، دیگر مصادر مصدری معنی میں کسی اضافہ کے لیے مستعمل ہیں، جیسے رِأیۃ بروزن فعلۃ اور رأیۃٌ بروزن فعلۃٌ مصدری معنی میں بالترتیب کیفیت اور کمیت کے لیے ہیں۔

امام لغت فیروز آبادی لکھتے ہیں: "الرأی الاعتقاد" یعنی رائے سے مراد عقیدہ ونظریہ ہے۔[2]

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

هو اعتقاد النفس احد النقيضين عن غلبة الظن[3]

دو متناقض چیزوں میں غور وفکر کرنے کے بعد غلبہ ظن کی بنیاد پر نفس انسانی میں قائم ہونے والے نظریہ کو رائے کہتے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم:

ماہرین علوم القرآن کے نزدیک:

''مفسر کا اپنی عقل واجتہاد اور غور وفکر کے ذریعے قرآن مجید کی تفسیر کرنا ''تفسیر بالرای'' ہے۔''[4]

---

1. القاموس المحیط، فیروز آبادی: ص ۱۶۸۷،۶۹۶
2. القاموس المحیط، فیروز آبادی: ص ۱۶۸۷،۶۹۶
3. المفردات: ۱/ ۳۲۰
4. ملاحظہ ہو التفسیر المفردات للذهبی: ۱/ ۲۲۱، علوم القرآن، گوہر رحمان: ۱/ ۳۸۱، علوم القرآن، تقی عثمانی: ص ۳۴۳

Marfat.com

تفسیر بالرای کا حکمِ شرعی اور اقسام

تفسیر بالرای کے بارے میں دو مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں، کچھ کے ہاں یہ جائز و مستحسن ہے اور کچھ کے ہاں حرام اور قابل مذمت۔ ❶

اگر بنظر غائر تجزیہ کیا جائے تو یہ اختلاف محض لفظی اور ظاہری ہے۔

رائے کی مذمت کے بارے ائمہ سلف کے اقوال ''رائے مذموم'' پر محمول ہیں۔ اور جواز والے اقوال ''رائے محمود'' پر دلالت کرتے ہیں۔ ❷

اس کے بارے میں امام ابن تیمیہ کا تجزیہ انتہائی معتدل اور مبنی بر حقیقت و انصاف ہے۔ امام ابن تیمیہ رائے کی مذمت کے بارے میں اقوال سلف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فهذه الآثار الصحيحة وماشا كلها عن ائمة السلف محمولة على تحرجهم عن الكلام فى التفسير بما لا علم لهم به، فاما من تكلم بما يعلم من ذالك لغة و شرعا فلا حرج عليه۔ ولهذا روى عن هولآء وغيرههم اقول فى التفسير، ولا منافا بالانهم تكلموا فيما علموه، وسكتوا عما جهلوه، وهذا هو الواجب على كل احد۔۔۔ ❸

اقوال اور ان جیسے دیگر آثار صحیحہ اس معنی پر محمول ہیں، کہ وہ لوگ تفسیر میں بغیر علم کے کچھ بھی کہنے سے گریزاں تھے، جہاں تک لغت و شرع کے علم کی بنیاد پر تفسیر گوئی کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی وجہ سے انہیں اسلاف اور دیگر بزرگوں سے تفسیری اقوال منقول ہیں۔ اور اس میں تضاد والی کوئی بات نہیں؛ کیونکہ جہاں انہیں علم تھا انہوں نے گفتگو کی اور جہاں علم نہ تھا خاموشی اختیار کی اور ہر شخص پر ایسے ہی کرنا فرض ہے۔

اسی وجہ سے ماہرینِ علوم القرآن اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ تفسیر بالرای کی دو اقسام ہیں:

① تفسیر بالرای المحمود ② تفسیر بالرای المذموم

اگر مفسرین کی تفسیری آرا و اجتہادات کلام عرب کے اسالیب و اوضاع، کتاب و سنت اور شروط تفسیر کے ماتحت ہیں تو یہ تفسیر بالرای المحمود ہے۔ اور اگر تفسیر قوانین لغت، دلائل شریعت اور شروط تفسیر کے منافی ہے تو یہ تفسیر بالرای المذموم ہے۔ ❹ اور اس کے منع و حرام ہونے پر فقہائے کرام کا اجماع ہے۔ ❺

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التيسير فى قواعد علم التفسير، كافيجى: ص ١٣٥، التفسير والمفسرون ذهبى: ١/ ٢٢١-٢٢٨

❷ ملاحظہ ہو: التفسير والمفسرون: ١/ ٢٢٧، فصول فى أصول التفسير، مساعد الطيار: ص ٤٨

❸ مقدمة في أصول التفسير: ص ٢٣-٣١

❹ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التفسير والمفسرون ذهبى: ١/ ٢٢٨

❺ الموسوعة الفقهية الكويتية حكم تفسير القرآن: ١٣/ ٩٣

Marfat.com

تفسیر بالرای المحمود کی ضرورت واہمیت

قرآن مجید محض صحیفہ رشد وہدایت ہی نہیں بلکہ اسرار ومعارف کا خزینہ بھی ہے، جس طرح آیات کونیہ میں غور وفکر سے اسرار فطرت آشکارا ہوتے ہیں، اس طرح آیات قرانیہ میں تدبر وتفکر سے معارف الٰہیہ منکشف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اپنی آیات میں غور وفکر اور عقل واجتہاد کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے، بلکہ اس کی تائید کرتے ہوئے بھرپور ترغیب دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ❶

''یہ کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔''

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ ❷

''بھلا وہ قرآن میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر قفل (تالے) لگے ہوئے ہیں۔''

ان آیات مبارکہ میں صراحۃً آیات قرآنیہ میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ کیا قرآنی آیات میں غور وفکر، اجتہاد ورائے کے بغیر ممکن ہے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں غور وفکر کی دعوت تو دیں، لیکن آیات مبارکہ میں فہم واجتہاد اور استعمال رائے کو حرام قرار دیں؟ فہمِ آیات اور تفکر وتعمق کے بغیر تدبر کیونکر ممکن ہے؟

تفسیر بالرای المحمود اور صحابہ کرام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلاشبہ قرآن مجید میں غور وفکر اور تدبر سے کام لیتے تھے، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزول قرآن کے عینی شاہد تھے، عربی زبان کے اسرار ورموز سے بخوبی آگاہ تھے، اسبابِ نزول اور مقاصد کلام کے شناور تھے، اس کے باوجود وہ برسوں قرآن مجید کی بعض سورتوں پر غور وفکر اور تدبر کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول مختلف تفسیری اقوال کا عظیم الشان ذخیرہ دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی اجتہاد ورائے سے بھی تفسیر کیا کرتے تھے ❸۔

---

❶ سورة ص: ٣٨:٢٩

❷ سورة محمد: ٤٧_٢٤

❸ التحرير والتنوير، ابن عاشور: ٢/ ٢٩

Marfat.com

معروف ماہر علوم القرآن ڈاکٹر مساعد الطیار لکھتے ہیں:

لا يبعد ان يقال ان تفسير القران بالراى نشأفى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

یہ کہنا کچھ بعید نہ ہوگا کہ تفسیر بالرای کا آغاز عہد نبوی سے ہوا❶۔اس کی تائید درج ذیل دلائل وشواہد سے ہوتی ہے:

① اسی غور و فکر، فقہ و فہم اور علم و عمل کی خاطر صحابہ کرام ایک ایک سورت سیکھنے پر مدت مدید صرف کر دیتے تھے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

كان الرجل إذا قرا البقرة وآل عمران جد فی أعيننا❷

کوئی فرد جب سور بقرہ اور آل عمران سیکھ لیتا، تو ہماری نگاہ میں عظیم قرار پاتا۔

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آٹھ سال تک سورۂ بقرہ کے حفظ و اتقان میں رہے❸۔ظاہر ہے یہ عرصہ دراز درحقیقت علم و عمل، غور و فکر اور تدبر و اجتہاد کی خاطر ہی تھا۔

③ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلالہ کے بارے میں واضح طور پر کہا تھا:

أقول فيها برأيي فإن كان صوابا فمن الله، وإن كان خطأ فمني ومن الشيطان۔❹

میں اپنے فہم و اجتہاد کے مطابق اپنا قول پیش کرتا ہوں، اگر یہ درست ہوا تو توفیق الٰہی ہے، اگر خطا ہوا تو یہ میری کوتاہی اور شیطان کی طرف سے ہوگا۔

④ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

اللهم فقهه فی الدين وعلمه التاويل❺

اے اللہ! اسے دین کا گہرا فہم اور قرآن مجید کی تفسیر سکھا دے۔

اگر تفسیر قرآن محض نقل و سماع کی بنیاد پر ہی جائز ہوتی، تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے اس خصوصی دعا کا کوئی فائدہ سمجھ سے بالاتر ہے، اس نبوی مبارک دعا میں واضح دلیل ہے کہ تفسیر قرآن کے لیے نقل و سماع کے علاوہ

---

❶ التفسير بالرأی: ۱/۱۔ (المكتبة الشاملة)

❷ صحيح البخاری: ۳۶۱۷، صحيح مسلم: ۲۳۸۱

❸ موطا امام مالك: حدیث نمبر ۱۱، (امام مالک نے اسے بلاغا روایت کیا ہے)

❹ تفسير الطبری: ۴/ ۲۸۴

❺ صحيح بخاری: ۷۵۔۳۷۵۶۔۷۲۷۰، صحيح مسلم: ۲۴۷۷، "وعلمه التأويل" کا اضافہ صحیح بخاری میں موجود نہیں، تاہم یہ دیگر طرق سے بسند صحیح ثابت ہے۔الصحيحة البانی: ۲۵۸۹

Marfat.com

بھی کسی چیز کی ضرورت ہے، اسی چیز کو فہم وادراک، اجتہاد، تفکر وتدبر، استنباط واستخراج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اوراس کے حصول کے لیے نبی کریم ﷺ نے اپنے اس صحابی جلیل کو دعا دی ہے۔ ❶

⑤ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا، جب ان سے مخصوص تحریر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

لا إفالذی فلق الحبة وبرا النسم ، ماعلمته الا فهما يعطيه الله رجلا فی القرآن ❷

نہیں! دانے کو پھاڑنے والے اور روح کو پیدا کرنے والے کی قسم (ہمارے پاس کوئی مخصوص تحریر نہیں)، میں ایسی کسی تحریر کو نہیں جانتا، ہاں اللہ تعالیٰ کسی فرد کو قرآن کا فہم دے دے (تو یہ اور بات ہے)۔۔۔۔

⑥ قرآن مجید میں صحابہ کرام کے غور وفکر اور غوطہ زنی کی ایک خوبصورت مثال عہد فاروقی کی بعض مجالس ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھے بدری بزرگ صحابہ کرام کے ساتھ مجالس میں شامل کرتے۔ شاید بعض بزرگوں کو یہ ناگوار محسوس ہوا، کہ ہمارے بیٹوں جیسے اس نو خیز کو کیوں ہمارے ساتھ شامل کیا جاتا ہے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز ان بزرگ صحابہ کو بلایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی ان کے ہمراہ رکھا۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے کہ میرے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کو یہی دکھانے کے لیے بلایا، اوران سے پوچھا:

ما تقولون فی قوله الله تعالی: إذا جآء نصر الله والفتح ، فقال بعضهم: امرنا أن نحمد الله ونستغفره إذا نصرنا وفتح علينا ، وسكت بعضهم فلم يقل شيئا ، فقال لی: أكذالك تقول يا ابن عباس؟ فقلت: لا ، فقال؛ ما تقول؟ فقلت: هو اجل رسول الله صلی الله عليه وسلم اعلمه به ، قال: إذا جآء نصر الله والفتح ، فذالك علامة اجلك ، فسبح بحمد ربك واستغفره ، إنه كان توابا ، فقال عمر: لا أعلم منها إلا ما تقول۔ ❸

ترجمہ: ارشاد باری تعالیٰ ﴿إذا جاء نصر اللهِ والفتح﴾ "جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے" کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمیں فتح ونصرت حاصل ہو تو ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اوراس سے استغفار کریں، بعض صحابہ نے مطلق خاموشی اختیار کی اور

---

❶ موطا امام مالك: حدیث نمبر۱۱، (امام مالک نے اسے بلاغاً روایت کیا ہے)

❷ صحيح البخاری: حديث: ۱۸۷۰ ، ۳۰٤۷ ، ۳۱۷۲ ، صحيح مسلم ، حديث: ۱۳۷۰ ، جامع ترمذی ، ابواب الديات عن رسول الله ، باب ماجاء لايقتل مسلم بكافر ، حديث: ۱٤۱۲۔

❸ صحيح بخاری: ٤٥۳۸

Marfat.com

کچھ بھی نہ کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: ابن عباس! کیا تمہاری بھی یہی رائے ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں! آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی موت کی اطلاع ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں؛ جب اللہ تعالی کی طرف سے فتح ونصرت آپہنچے تو یہ تماری وفات کی نشانی ہوگی، لہذا اپنے رب کی حمد اور اس سے استغفار کرنا، بے شک وہ بہت مہربان واقع ہوا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت سے مجھے بھی تیرا ہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔

⑦ اسی طرح ایک اور مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد الہی ﴿ایو د احدکم ان تکون له جنة من نخیل واعناب﴾ کی تفسیر دریافت کی اور پوچھا:

فیمن ترون هذه الاية نزلت؟

تمہاری رائے کے مطابق یہ آیات مبارکہ کس کے بارے میں اتری ہے؟

صحابہ نے کہا: الله اعلم، حضرت عمر ناراض ہوئے اور کہا: تم واضح جواب دو، کہو: ہم جانتے ہیں یا یہ کہ ہم نہیں جانتے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ گویا ہوئے:

''فی نفسی منها شی'' ''میرے دل میں اس آیت سے متعلق کچھ موجود ہے''۔ حضرت عمر نے کہا: ''یا ابن اخِی، قل ولا تحقِر نفسك۔''

''اے میرے بھتیجے !اپنے آپ کو معمولی مت سمجھو اور اس آیت کے بارے جو کہنا چاہتے ہو، کہہ دو''

تب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ضربت مثلا لعمل'' یہ ایک عمل کی مثال ہے۔

پوچھا: ''ای عمل'' ایک عمل کیا عمل؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''لرجل یعمل بطاعة الله، ثم بعث له الشیطان، فعمل بالمعاصی حتی اغرق اعماله''

یعنی اس آیت میں ایک ایسے شخص کی مثال ہے جو اطاعت الہی میں سرگرم رہا، پھر شیطان کے اکسانے پر گناہ کرنے لگا، یہاں تک کہ اس نے اپنے سابقہ اعمال صالحہ بھی غرق کر دیے۔ ❶

درج بالا دونوں واقعات سے صراحتہً ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام قرآن مجید میں عقل واجتہاد سے کام لیتے تھے اور خداداد علم کی بنیاد پر آیات قرآنیہ کی توضیح وتفسیر اور ان سے استنباط واستخراج کو قطعاً معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ بالخصوص مذکورہ دو مجالس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے تفسیر قرآن میں ان کی رائے حاصل کی ہے اور بعض صحابہ کرام نے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر: ٤٥٣٨

Marfat.com

تابعین اور تفسیر بالرای

صحابہ کرام کے ارشد تلامذہ تابعین عظام اگر چہ زیادہ تر آیات واحادیث اور آثار صحابہ پر ہی انحصار کرتے تھے، تاہم عقل واجتہاد اور تفسیر بالرای سے بھی کام لیتے تھے۔

اس حوالے سے مفسرین کے سرخیل امام مجاہد رحمہ اللہ سب سے آگے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ امام موصوف نہ صرف عقل واجتہاد سے کام لیتے، بلکہ اس کی ترغیب بھی دیتے، ان کا معروف قول ہے:

افضل العبادة الرأى الحسن ❶

احسن انداز میں غور وفکر بہترین عبادت ہے۔

بعض مقامات پر امام مجاہد تفسیر بالرای کی شروط سے تجاوز کرتے ہوئے، انتہائی توسع سے کام لیتے، اس بنا پر ان سے بعض ایسے عجیب وغریب اقوال بھی منقول ہیں، جن پر دیگر ائمہ نے گرفت کی ہے، امام ذہبی لکھتے ہیں:

لمجاهد اقوال و غرائب فى العلم والتفسير تستنكر ❷

علم وتفسیر میں مجاہد کے بعض اقوال وتفردات منکر ہیں۔

رائے کے وافر استعمال کے باوجود ائمہ سلف امام مجاہد کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ذا جآء ك التفسير عن مجاهد فحسبك به ❸

جب تمہیں مجاہد سے تفسیر میسر ہو جائے تو اسے کافی جانو۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

إنه كان آية فى التفسير

تفسیر قرآن میں وہ (اللہ تعالیٰ کی) ایک نشانی تھے۔ ❹

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تابعین کے منہج تفسیر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

والمقصود ان التابعين تلقوا التفسير عن الصحابة كما تلقوا عنهم السن، وان كانوا يتكلمون فى بعض ذالك بالاستنباط والاستدلال، كما يتكلمون فى بعض السنن بالاستنباط والاستدلال ❺

الغرض، تابعین نے حدیث کی طرح تفسیر بھی صحابہ سے سیکھی تھی، اگر چہ بعض تفسیری مقامات پر یہ لوگ استنباط واستدلال کی بنیاد پر کلام کرتے تھے، جیسا کہ بعض سنن میں بھی استنباط واستدلال سے کام لیتے تھے۔

❶ تأويل مختلف الحديث ابن قتيبة: ص ٦٩
❷ سير أعلام النبلاء: ٤/ ١٥٥
❸ تفسير الطبرى: ١/ ٦٥
❹ تفسير ابن كثير مقدمه: ١/ ٢٧
❺ مقدمة أصول التفسير: ص ٧-٨

Marfat.com

فصل دوم

تعارف

جو مفسر صرف احادیث و آثار پر اکتفانہ کرنا چاہتا ہو، بلکہ اپنے فکر وفہم علم وفن اور عقل و اجتہاد کو استعمال کرتے ہوئے، جو قرآن میں غوطہ زن ہو کر نئے نئے گوہر تلاش کرنا چاہتا ہو، تو ایسے مفسر کے لیے بالخصوص ماہرین علوم القرآن نے چند آداب و شرائط اور ضروری علوم کا تذکرہ کیا ہے؟ اس فصل میں یہی موضوع زیر بحث لایا جائے گا۔

***

Marfat.com

تفسیر بالرای میں حزم واحتیاط

یقیناً تفسیر بالرای المحمود کے جواز کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ ہر شخص کو تفسیر قرآن میں رائے زنی کی عام اجازت دے دی جائے اور کتاب الٰہی کو منحرفین وجاہلین کے لیے بازیچہ اطفال بنا دیا جائے۔ تفسیر قرآن دیگر علوم کی طرح محض ایک علم ہی نہیں بلکہ یہ تو درحقیقت اللہ تعالی کی طرف براہ راست ایک چیز کی نسبت ہے۔ ثابت شدہ شرعی علم اور قوی بنیاد کے بغیر اللہ تعالی کی طرف کوئی بات منسوب کرنا انتہائی احمقانہ جسارت اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس جسارت کو خود باری تعالی نے شرک کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ ❶

''کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے۔ اور اس کو بھی کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ خدا کے بارے۔''

اللہ تعالی نے خود نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کو بھی غیر معلوم اشیاء میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دی، اور انہیں علم الٰہی کے حوالے کرنے کا حکم دیا: اللہ تعالی نے اصحاب کہف کی مدت قیام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ ❷

''کہہ دو کہ جتنی مدت وہ رہے اسے خدا ہی خوب جانتا ہے۔ اسی کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں (معلوم) ہیں۔''

اصحاب کہف کی تعداد کے بارے ہدایت فرمائی:

﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ﴾ ❸

''کہہ دیجئے میرا پروردگار ہی ان کے شمار سے خوب واقف ہے۔''

---

❶ سورۃ الأعراف: ۳۳:۷ ❷ سورۃ الکهف: ۲۶:۱۸ ❸ سور الکهف: ۲۲:۱۸

Marfat.com

اسی حزم واحتیاط کی بنا پر بعض صحابہ وتابعین تفسیر قرآن میں اپنی رائے دینے سے بہت اجتناب کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس جیسے جلیل القدر صحابی، حبر الامۃ، ترجمان القرآن اور دعائے نبوی ﷺ کے حامل ہونے کے باوجود بعض آیات کی تفسیر میں مطلق سکوت اختیار کرتے تھے۔

ابن ابی ملیکۃ کا بیان ہے:

ان ابن عباس سئل عن آیۃ لو سئل عنها بعضکم لقال فیها، فابی ان یقول فیها ❶

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے بارے پوچھا گیا، لیکن انہوں نے اس بارے میں کچھ کہنے سے انکار کیا، حالانکہ اگر تم میں سے کسی سے اس آیت کے بارے میں پوچھا جاتا تو ضرور کچھ کہہ دیتا۔

عظیم تابعی حضرت سعید بن المسیب سے کسی آیت کی تفسیر پوچھی گئی، تو کہا:

"إنا لا نقول فی القرآن شیئا"

ہم لوگ تفسیر قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ ❷

بہرحال اس بارے میں صحابہ وتابعین کا طرز عمل بہت معروف ہے۔ جس سے صریحا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم لوگ عہد نبوی ﷺ کے فیض یاب، قریب ترین اور لغت عرب سے خوب آشنا ہونے کے باوجود تفسیر قرآن میں کس درجہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ ❸

اسی بنا پر علمائے سلف نے تفسیر بالرای کے لیے کچھ حدود وقیود، اصول وضوابط اور شروط لازمی قرار دی ہیں۔ سو مطلوبہ اہلیت اور اوصاف کے بغیر، یا تفسیر بالرای کے لیے طے کردہ حدود وقیود کو پیش نظر رکھے بغیر تفسیر قرآن کی جسارت جو کرے گا، اسے علمائے سلف نے درج ذیل حدیث کا مصداق قرار دیا ہے:

من قال فی القرآن برایه فلیتبوا مقعده من النار ❹

جو قرآن میں رائے زنی کرے، اسے چاہیے اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے۔

ذیل میں ماہرین علوم القرآن کے بیانات کی روشنی میں ان شروط کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

***

---

❶ تفسیر الطبری، امام ابن کثیر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۸

❷ موطا امام مالک بحوالہ تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۸

❸ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر مقدمہ: ۱/ ۲۷-۲۸

❹ جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن باب ماجا فی الذین یفسر القرآن برأیة، حدیث: ۲۹۵۰، قال لترمذی هذا حدیث حسن صحیح (وضعفه الألبانی)

Marfat.com

تفسیر بالرای کی شروط اور مفسر کی اہلیت

تفسیر بالرای المحمود کے لیے ضروری شروط

امام سیوطی نے الاتقان میں ان شروط کا مفصل ذکر کیا ہے، بعد میں آنے والے ماہرین علوم القرآن نے بھی ان شروط کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان گرامی قدر ہستیوں کی بیان کردہ شروط کا خلاصہ یہ ہے: ❶

① صحت اعتقاد

مفسر کے لیے سب سے اہم اور بنیادی شرط صحت عقیدہ ومنہج ہے۔ امام سیوطی لکھتے ہیں:

ان من كان مغموصا عليه فى دينه ، لا يؤتمن على الدنيا ، فكيف على الدين !ثم لا يؤتمن من الدينِ على الإخبار عن عالم ، فكيف يؤتمن فى الإخيار عن أسرار الله تعالى۔ ❷

''جو شخص دینی لحاظ سے معیوب ومکذوب ہو، اس پر تو یقیناً دنیاوی معاملات میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا، چہ جائیکہ دینی امور میں، مزید برآں ایسا شخص اگر کسی عالم کے حوالے سے کوئی خبر دے تو قابل اعتبار نہیں ہوگا، اسرار الٰہی کی خبر رسانی میں اس پر کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے!؟''

② منقول تفسیر پر اعتماد

صحت تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ مفسر کا اولین اعتماد احادیث وآثار اور منقول تفسیر پر ہو۔ ائمہ سلف کی

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التبيان فى آداب حملة القرآن نووى: ١/ ٩٧ ، البرهان فى علوم القرآن زركشى ، النوع الى دى والذربعون: ٢/ ١٤٦۔١٦٠ ، الاتقان فى علوم القرآن سيوطى النوع الثامن والسبعون: ص ٨٥٥۔٨٦٠ ، مباحث فى علوم القرآن مناع القطان: ص ٣٢٩۔٣٣٢ ❷ الاتقان: ص ٨٥٤

Marfat.com

بیان کردہ اس شرط سے یہ بات واضح ہے کہ تفسیر بالرای سے کام لیتے ہوئے، ایسا کوئی قول اختیار نہیں کیا جاسکتا جس سے احادیث وآثار کی تغلیط وتنقیص لازم آتی ہو۔

⑷ صحت مقصد واخلاص نیت

تفسیر براہ راست مراد الٰہی کی تبیین وتشریح سے عبارت ہے۔ اس میں نیت کی اصلاح از حد ضروری ہے۔ باری تعالیٰ کی طرف سے صحیح راہنمائی اسے ہی حاصل ہوگی، جو اس کی ذات بابرکات اور کلام پرانوار سے مخلص ہوگا اور تفسیر کرتے ہوئے دیگر اغراض فاسدہ سے پاک وصاف ہوگا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [1]

''اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے۔''

امام زرکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه لا يحصل للناظر فهم معانی الوحی، ولا يظهر له اسراره، وفی قلبه بدعة اوكبير اوهوی اوحب الدنيا، او هو مصدر علی ذنب، اوغير متحقق بالايمان، اوضعيف التحقيق، اويعتمد، علی قول مفسرين عنده علم، او راجع لی معقوله، وهذه كلها حجب ومواقع بعضها اكد من بعض [2]

''جان لیجیے جس شخص کے دل میں بدعت، تکبر، خواہش نفس، حب دنیا سمائی ہو، یا وہ گناہ پر مصر ہو، یا اس کا ایمان مشکوک ہو، یا تحقیق میں کمزور ہو، یا کسی بے خبر مفسر کے قول پر اعتماد کرنے والا ہو، یا محض اپنی عقل کو سب کچھ سمجھتا ہو تو یہ سب ایسی رکاوٹیں اور موانع ہیں کہ ان سے متصف شخص کو مفاہیم وحی کا علم حاصل ہوسکتا ہے، نہ ہی اس پر وحی کے اسرار ورموز منکشف ہوتے ہیں۔''

***

[1] سورة العنكبوت: ۶۹:۲۹

[2] البرهان: ۲/ ۱۸۰۔۱۸۱

Marfat.com

مفسر کے لیے ضروری علوم

جو مفسر صرف احادیث و آثار پر اکتفا نہ کرنا چاہتا ہو بلکہ اپنے فکر و فہم اور عقل و اجتہاد کو وسعت دیتے ہوئے قرآنی حقائق و معارف میں غوطہ زن ہو کر نئے نئے گوہر تلاش کرنا چاہتا ہو، تو ایسے مفسر کے لیے بالخصوص چند ایسے بنیادی علوم سے واقف ہونا ضروری ہے جو اسے تفسیری اخطا و انحرافات سے بچا سکیں۔

وہ علوم کون سے ہیں؟ اس بارے میں جمہور علما درج ذیل علوم کی فہرست پیش کرتے ہیں: [1]

1- علم لغت

2- علم نحو

3- علم اشتقاق

4- علم تعریف

کیونکہ مفردات و کلمات کی تشریح وجوہ اعراب و معانی کی پہچان، درج بالا ایک ہی لفظ کے مختلف اشتقاقات و تعریفات کی معرفت علوم پر منحصر ہے۔

5، 6، 7 بلاغت کے علوم ثلاثہ، معانی، بیان اور بدیع، کیونکہ کلام الٰہی میں سربستہ معانی کا حسن و جمال، اور اسالیب و تعبیرات کی فصاحت علوم بلاغت سے ہی منکشف ہو سکتی ہے۔

8- علم قرأت، اس کی روشنی میں نطق و کلام کی پہچان ہوتی ہے اور بسا اوقات تفسیری اختلاف کی صورت میں قرأت ایک اہم وجہ ترجیح ہوتی ہے۔

9- علم العقائد، کہ اس کی بنیاد پر آیات عقیدہ و صفات کی صحیح وضاحت ممکن ہے۔

10- علم اصول فقہ، اس علم کی روشنی میں اجمال و تفصیل، عموم و خصوص، اطلاق و تقیید، اوامر و نواہی کے وغیرہ کا صحیح فہم حاصل ہوتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو: التیسیر فی قواعد علم التفسیر، کافیجی: ص ۱٤٤، الاتقان سیوطی: ۸٦٥، ۸٦٦، التفسیر والمفسرون ذہبی: ۱/ ۲۳۱-۲۳۲، دراسات فی مناہج المفسرین د- ابو عمر نادی استاذ التفسیر جامعة اسلامیہ مدینہ منورہ: ص ٥٦۱

Marfat.com

11- علم اسباب النزول، کیونکہ اس سے کئی آیات مبارکہ کا پس منظر سامنے آتے ہیں۔جس سے مفہوم مزید کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

12- علم القصص، اس سے قرآنی واقعات کی تشریح میں آسانی ہوتی ہے۔اسے ہم علم تاریخ کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

13- علم الناسخ والمنسوخ

14- علم السنن، احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کا علم ظاہر ہے قرآن مجید کے فہم میں اس حوالے سے اولین اہمیت کا حامل ہے کہ وہی اس کلام مبین کے اولینِ مخاطب اور اولین ناقلین ہیں، عینی مشاہد ہیں، اس کے احکام و مسائل کی چلتی پھرتی تصویر اور اس کے حقائق و معارف کی خوبصورت تعبیر ہیں۔

15- علم الموھب، یعنی فطری صلاحیت، تقوی وللھیت اور ذہانت وفطانت درج بالا تمام علوم کے لیے خشت اول اور بنیاد ہے۔

درج بالا فہرست میں علم الفقہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ آیات اور احکام کا صحیح فہم اس کے بغیر محال ہے۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مذکورہ علوم فہم قرآن میں مختلف درجات کے حامل ہیں کچھ زیادہ اہم ہیں اور کچھ کم، نیز کسی موقع پر ایک علم کی زیادہ ضرورت ہے تو دوسرے مقام تفسیر پر کسی دوسرے کی، یعنی ان علوم کی اہمیت مضامین قرآن مجید اور کلام الٰہی کے محتویات پر منحصر ہے۔البتہ علومِ عربیہ پر مسلم ہے۔

مزید غور کیا جائے تو واضح دکھائی دیتا ہے کہ تفسیر قرآن میں مذکور علوم کی فہرست میں تاریخی لحاظ سے بھی کمی بیشی ہوسکتی ہے۔مثلاً عہد نبوی میں صحابہ کے لیے اور طرح کے مصادر و مآخذ درکار تھے، اور عہد تابعین میں سابقہ مصادر و مآخذ کے ساتھ اقوال صحابہ کا بھی اضافہ ہوگیا، اس طرح چلتے چلتے عصر حاضر میں قرآنی تاریخ وقصص کی تحقیق میں علم آثار قدیمہ اور آفاق و نفس سے متعلقہ آیات کی تفہیم میں جدید حاصل شدہ بنیادی معلومات بھی بہر حال مفصل تشریح و تعبیر میں معاون ہیں۔اسی طرح عہد صحابہ و تابعین میں امم سابقہ کے واقعات کی تشریح میں اسرائیلی روایات سے استفادہ کیا جاتا تھا، جبکہ بعض جدید مفسرین نے براہ راست بائبل کے حوالہ جات دیے ہیں۔ بالخصوص برصغیر کے تفسیری ادب میں تفہیم القرآن، تفسیر حقانی اور تفسیر تدبر قرآن میں بالخصوص یہ اسلوب استعمال کیا گیا ہے۔

ایک اور حوالے سے اگر دیکھا جائے تو مذکورہ علوم میں سے ہر علم ارتقا کے مراحل طے کرتے ہوئے اس وقت ایک باقاعدہ اور منظم مستقل علم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، ان میں کسی ایک علم میں بھی بیک وقت مہارت تامہ حاصل کرنا ممکن نہیں تو کم از کم انتہائی مشکل ضرور ہے۔اس بنا پر ایک مفسر کے لیے ان میں اتنا ادراک کافی ہے، جس قدر فہم قرآن میں معاون ہو۔

نیز مذکورہ بالا علوم کو اگر بالاختصار، ایک دوسرے میں تداخل وانضمام کے حوالے سے دیکھا جائے تو درج

Marfat.com

ذیل بنیادی پانچ علوم ہی ایک مفسر کے لیے ضروری قرار پاتے ہیں:

① علوم عربیت
② علم عقیدہ
③ علم فقہ واصول فقہ
④ علم تاریخ امم ماضیہ
⑤ علم حدیث

امام سیوطی کا آخری بیان کردہ علم ہر میدان کے لیے بدیہی وفطری تقاضا ہے، یہ کوئی کسبی واختیاری علم نہیں، بلکہ محض توفیق الٰہی، الہام ربانی اور خداداد فطری صلاحیت ہے، جسے اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے نصیب فرمادے۔

***

Marfat.com

فصل سوم

تعارف

تفسیر بالرای میں ایک مفسر کا زیادہ تر انحصار اپنی ذاتی قابلیت، عقل واجتہاد اور علمی وفکری رجحان پر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ میدان ایک طرف پرکشش عصری معلومات سے بھرپور اور دلکش ہوتا ہے، دوسری طرف یہ پرخار، نازک ترین اور حساس بھی ہے۔ جو مفسرین اس کی نزاکتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، شروط وآداب کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس منہج تفسیر میں کود پڑتے ہیں وہ خود تو گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کے لیے بھی انحراف وضلال کا باعث بنتے ہیں۔ اس فصل میں یہ واضح کیا جائے گا کہ تفسیر بالرای میں غلطی، گمراہی اور انحراف کے بنیادی عوامل کیا ہوتے ہیں؟ اور ایسے مفسرین کا طریقہ واردات کیا ہوتا ہے؟

❋❋❋

Marfat.com

تفسیر بالرای میں اخطا وانحرافات کے اسباب

تفسیر بالرای چونکہ ایک مفسر کی ذاتی استعداد و قابلیت، ذہانت و فطانت، حاصلِ مطالعہ اور افکار ونظریات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس لیے اس میدان میں بعض ایسے مفسرینِ بھی دکھائی دیتے ہیں، جو اپنی رائے دہی میں سابقہ شروط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر ماہرین علوم القرآن اپنی کتب میں انحراف وضلال کی طرف لے جانے والے اسباب وعوامل کی نشاندہی کرتے اور اسے بالخصوص ایک مستقل موضوع کی حیثیت دیتے ہیں[1]۔

پہلا سبب نا اہلیت

تفسیر قرآن مجید میں گمراہی کا اولین اور بنیادی سبب نا اہلیت ہے، تفسیرِ قرآن کی پرخار اور نازک وادی میں قدم رکھنے کے لیے جس سطح کا تقوی وتدین اور تعلق باللہ مطلوب ہے، تخلف وادبار کے اس عہد میں معدوم نہیں تو قلیل ونادر ضرور ہے۔ جب سرے سے کلام الٰہی میں شان وجلالت اور تعظیم وتقدس کا عنصر ہی پوری طرح دل میں راسخ نہیں ہوگا، تو یقیناً تفسیر میں بے احتیاطی لازم آئے گی۔ اس لیے کچھ لوگ اپنی علمیت اور صلاحیت کے باوجود صالحیت نہ ہونے کی وجہ سے تفسیر قرآن کے لیے نا اہل ہوتے ہیں۔

تفسیر قرآن کے لیے زہد وعبادت، اطاعت وتقویٰ، ذکر وتلاوت، تعلق باللہ اور حق پرستی کے جس بے لاگ و بے لوث جذبے کی ضرورت ہے، جب وہی معدوم ہو تو یہ کلام الٰہی اور نور مبین ہے۔ ایسے افراد پر اپنے اسرار ومعارف منکشف نہیں کرتا۔ جس شخص کی نجی زندگی جھوٹ، لغویات، شہوات ولذات اور حب دنیا سے لبالب بھری ہو، ایسا تاریک دل انسان بھلا قرآن عظیم کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ کیونکر کر سکتا ہے؟!۔ اس کتاب مبین کا تو یہ اصول اور ضابطہ ہے:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ط وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[2]

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اسباب الخطاء د۔ طاهر محمود، اورفی التفسیر قواعد التفسیر خالد بن عثمان السبت [2] سورة البقرة: ۲:۲۸۲

Marfat.com

''اور خدا سے ڈرو اور (دیکھو کہ) وہ تم کو (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔''

اس کتاب ہدایت کا یہ فرمودہ ہے:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ ❶

''جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔''

اس نکتہ سے تفسیر سلف و خلف میں تفاوت و تباین کی بنیاد آشکارا ہو جاتی ہے۔ اور کچھ دیگر صالحیت و صلاحیت دونوں ہی سے محروم عربی زبان کی چند مبادیات اور اردو کی چند تفسیریں پڑھنے کے بعد اس میدان میں کود پڑتے ہیں۔ مولانا تقی عثمانی نے اس طرز عمل پر بڑا خوبصورت اور جامع تبصرہ کیا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''تفسیر قرآن میں گمراہی کا سب سے پہلا اور سب سے خطرناک سبب یہ ہے کہ انسان اپنی اہلیت و صلاحیت کو دیکھے بغیر قرآن کریم کے معاملے میں رائے زنی شروع کر دے، خاص طور سے ہمارے زمانے میں گمراہی کے اس سبب نے بڑی قیامت ڈھائی ہے۔ یہ غلط فہمی عام ہوتی جا رہی ہے، کہ صرف عربی زبان پڑھ لینے کے بعد انسان قرآن مجید کا عالم ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد جس طرح سمجھ میں آئے قرآن کریم کی تفسیر کر سکتا ہے، حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی علم وفن ایسا نہیں ہے، جس میں محض زبان دانی کے بل پر مہارت پیدا ہو سکتی ہو۔ آج تک کبھی کسی ذی ہوش نے انگریزی زبان پر مکمل عبور رکھنے کے باوجود یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ ڈاکٹر ہو گیا ہے، اور میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ کر دنیا پر مشقِ ستم کر سکتا ہے، اس طرح کوئی شخص محض انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننے کا دعوی نہیں کر سکتا اور نہ قانون کی اعلی کتابیں دیکھ کر ماہر قانون کہلا سکتا ہے اور اگر کوئی شخص ایسا دعوی کرے تو یقیناً ساری دنیا اسے احمق اور بے وقوف کہے گی۔۔۔ جب ان علوم وفنون کا یہ حال ہے تو تفسیرِ قرآن جیسا علم محض عربی زبان سیکھ لینے کی بنا پر آخر کیسے حاصل ہو جائے گا؟'' ❷

دوسرا سبب قرآن مجید کو اپنے نظریات کے تابع بنانا

تفسیری بالرای کے سلسلے میں دوسری شدید گمراہی یہ ہے کہ انسان اپنے ذہن میں پہلے سے کچھ افکار و نظریات طے کر لے، اور پھر قرآن مجید کی آیات بینات کو اپنے طے شدہ افکار و نظریات کے تابع بنانے کی فکر کرے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اس گمراہ کن طرز تفسیر کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوم اعتقدوا معانی ارادوا حمل الفاظ القرآن علیها، وکان نظرهم لی

❶ سورة الاعراف: ٧:١٤٦

❷ علوم القرآن: ص۳۵۹۔۳۶۹

Marfat.com

المعنی اسبق [1]

''کچھ لوگوں چند مفاہیم اپنے ذہنوں میں راسخ کر لیتے ہیں اور پھر الفاظ قرآن سے وہی مفاہیم کشید کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اپنا مخصوص نظریہ ان نظروں میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔''

ایسے لوگ تفسیر قرآن سے اپنے نظریات کی تائید حاصل کرنے کے لیے گمراہ کن حربے اور طریقے استعمال کرتے ہیں۔

اولاً: الفاظ قرآن کے اصل مفہوم کو سلب کرنا

ایسے اہل زیغ وضلال کا پہلا طریقہ واردات یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا معلوم اور طے شدہ مفہوم چونکہ ان کے خود ساختہ عقیدہ ونظریہ کے مطابق نہیں ہوتا، لہذا وہ الفاظ قرآنی کی اصل روح ہی کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تا کہ الفاظ قرآن سے ان کے مزعومہ باطل نظریہ پر کوئی زد نہ آنے پائے۔

انحرافی مکتب فکر کے نامور مفسرین نے اس میدان میں خوب مہارت دکھائی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت جبریل کا نام نامی اور اس کے مفہوم سے کون آگاہ نہیں ہوگا۔ ان کا فرشتہ ہونا، معظم ومحترم ہونا اہل اسلام کے ہاں ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ جس سے امت اسلامیہ کا بچہ بچہ واقف ہے۔ قرآن مجید، احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ، آثار تابعین کی روشنی میں یہ حقیقت مسلمہ اور اظہر من الشمس ہے۔

بیتی صدیوں کے تمام صحیح العقیدہ مفسرین اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید حضرت جبریل کے ذریعے نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا۔ اللہ تعالی نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [2]

'کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مرجانا چاہیے) اس نے تو (یہ کتاب) اللہ تعالی کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے۔'

حضرت جبریل امین ہی کو دیگر مقامات قرآنیہ پر الروح الامین کہا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ [3]

اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ تمہارے دل پر۔

نیز ارشاد ہے:

﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ [4]

---

[1] مقدمة فی اصول التفسير مع شرح الشيخ مساعد الطيار: ص ۱۸۳

[2] سورة البقرة: ۲:۹۷

[3] سورة الشعراء: ۲۶:۱۹۳-۱۹۴

[4] سورة النحل: ۱۶:۱۰۲

Marfat.com

''کہہ دو کہ اس کو روح القدس تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں۔''

سرسید احمد خان صاحب کا مذعومہ عقیدہ ونظریہ اس سے بالکل جداگانہ ہے، ان کے نزدیک جبریل کو فرشتہ سمجھنا، اوران کے ذریعے نزول قرآن کو تسلیم کرنا کم عقلی اور علماء اسلام کی کوتا نظری ہے، جناب لکھتے ہیں:

علماء اسلام کا مذہب یہ ہے کہ قرآن جبریل فرشتہ نے آنحضرت تک پہنچایا ہے، مگر میرا خاص مذہب یہ ہے کہ ملکہ نبوت نے جسے روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے، آنحضرت کے قلب پر القا کیا[1]۔

اسے موصوف نے اپنے اصول تفسیر میں سے ایک اصول شمار کیا ہے، یہاں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل ضلال واہل بدعت کے ہاں ان کے مزعومہ نظریات وعقائد ہی درحقیقت ان کے اصول ہوتے ہیں اوران کی تفسیری کاوشیں دراصل اپنے فاسد نظریات کو قرآن کا سہارا دینے کے لیے ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جبریل امین کے بارے میں قرآن کی تصریحات کے باوجود، سرسید بضد ہیں کہ یہ قرآن سے ثابت نہیں بلکہ علماء اسلام کا مذہب ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ سرسید علماء کے اس مذہب کے بارے اپنی تفسیر میں صراحۃً لکھتے ہیں:

ولاشك ان هذه هفوة ليس لها فی السلام نصيب[2]

اس باطل عقیدے کی بنیاد پر سرسید کے نزدیک جبریل اور الروح الامین سے مراد ملکہ نبوت ہے۔ نیز نبوت ورسالت کوئی عطیہ خداوندی، انتخابِ الٰہی اور وہبی نوعیت کی چیز نہیں، بلکہ عام ملکاتِ انسانی کی طرح ایک فطری اور طبعی ملکہ ہے۔[3]

اس طرز تفسیر کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دلیل اور مدلول میں غلطی قرار دیا ہے۔ دلیل میں غلطی سے مراد یہ ہے کہ نص شرعی اس پر دلالت کناں نہیں ہوتی اور مدلول میں غلطی سے مراد یہ ہے کہ وہ خودساختہ نظریہ بھی درحقیقت غلط ہوتا ہے۔ باطل نظریات کے حامل مفسرین اپنے غلط مدلولات ومفاہیم کو غلط انداز میں دلائل وآیات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔

ثانیاً: الفاظ قرآنی سے غلط مفاہیم کشید کرنا

پہلے طریقہ تفسیر میں آیات قرآن سے ثابت شدہ نظریات کی تردید وتغلیط مقصود ہوتی ہے تاکہ اہل بدعت وضلال کے باطل نظریات قرآنی آیات کی ضرب کلیمی سے محفوظ رہ سکیں۔ جبکہ دوسرے طریقہ تفسیر میں بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ باطل نظریات کے لیے قرآن مجید سے تائید حاصل کی جا سکے اور اپنے مخصوص

[1] التحرير فی اصول التفسير
[2] تفسیر القرآن، سرسید: ص۳۲
[3] دیکھیے: تفسیر القرآن سرسید: ص۳۰۔۳۲

Marfat.com

نظریات کو قرآنی نظریہ کا نام دیا جا سکے۔

برصغیر میں انحرافی مکتب فکر کی دوسری نمائندہ شخصیت غلام احمد پرویز نے اپنے خودساختہ قرآنی نظام و ربوبیت اور اشتراکیت کو ثابت کرنے کے لیے اپنے منہج تفسیر میں یہی فریضہ سرانجام دیا ہے۔

یہ طرز تفسیر بھی امام ابن تیمیہ کی تعبیر کے مطابق دلیل اور مدلول دونوں میں غلطی سے بھرپور ہوتا ہے۔ سابقہ ادوار میں قدریہ، جبریہ، معتزلہ، اشاعرہ، جہمیہ اور دیگر اہل بدعت واہل اہوا نے تفسیر قرآن میں یہ دونوں طریقے اختیار کیے ہیں۔ جدید دور میں جدید معتزلہ اور عقل پرستوں نے اس طرز تفسیر کو اپنا رکھا ہے۔

ثالثاً: صحیح مفہوم کو بہ تکلف و تصنع کسی آیت سے ثابت کرنا (صحت فی المدلول، خطافی الدلیل)

بعض دفعہ ایک مفہوم شرعی لحاظ سے معتبر اور مسلم ہوتا ہے، اس کے اپنے دلائل موجود ہوتے ہیں، لیکن ضروری نہیں ہوتا کہ اسے کسی قرآنی آیت سے لازماً ثابت کیا جائے، ایسے ثابت شدہ شرعی مفہوم کو کسی آیت قرآنیہ سے زبردستی کشید کرنا اور اس پر بزور بازو چسپاں کرنا صحت فی المدلول اور خطافی الدلیل کے زمرے میں آتا ہے۔ برصغیر کے صوفیائے کرام کا تفسیری ادب اور منہج التفسیر الاشاری کے اکثر افادات اس ذیل میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے مقامات سلوک واشارات، زہد و فقر، اور تبتل الی اللہ بجا اور مسلم، لیکن محض اپنے اذواق وکشوفات اور مقامات سلوک کو صحیح تفسیر کی پرواہ کیے بغیر قرآنی آیات پر چسپاں کرنا اسی قبیل سے ہے۔

اس طرح جدید دور میں بعض سائنسی تحقیقات کے دلدادہ حضرات آیات کو توڑ مروڑ کو ان سائنسی حقائق کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سائنسی حقائق اپنی جگہ بجا اور مسلم لیکن آخر یہ کیوں ضروری ہے کہ انہیں قرآنی آیت سے ثابت کیا جائے، چاہے الفاظ سے قرآن اس سے انکار کریں، اور چاہے ان الفاظ سے کھینچا تانی کرنی پڑے؟!!

صوفیاء کی دنیا میں اس کی ایک دلچسپ مثال درج ذیل آیت مبارکہ ہے:

﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [1]

غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور

[1] سورة البقرة: ٢:٢٤٩

Marfat.com

کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پیئے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی پی لے (تو خیر، جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند شخصوں کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہوگئے۔ تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو اللہ تعالی کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ تعالی کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ تعالی استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں صوفیا کرام لکھتے ہیں کہ یہ دنیا کی مثال ہے۔ نہر سے پینے کا مطلب ہے دنیا میں غرق ہونا اور حسن ہونا، نہر سے نہ پینے کا مفہوم ہے زہد وتقوی اور دنیا سے بے اعتنائی و بے رغبتی، اور چلو بھرنے سے مراد ہے بقدر حاجت دنیا حاصل کرنا۔

یہ مفہوم یقیناً اپنی جگہ مسلم ہے اور قابل تحسین، لیکن اسے مذکورہ قرآنی آیت کی تفسیر قرار دینا بہر حال دلیل میں خطا کھانے کی واضح مثال ہے۔ [1]

تفسیر بالرائے میں غلطی کا تیسرا سبب

معاصر افکار سے مرعوبیت

تفسیر قرآنی میں خطا وانحراف کی تیسری بنیادی وجہ معاصر افکار ونظریات اور اپنے وقت کے مروجہ فلسفہ و سائنس سے مرعوبیت ہے۔ یہ بھی درحقیقت دوسرے سبب کا ایک حصہ ہے، جسے امام ابن تیمیہ نے اپنے خوبصورت الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

قوم اعتقدوا معانی ثم حملوا الفاظ القرآن علیها [2]

کچھ لوگوں نے مخصوص نظریات قائم کر لیے اور پھر الفاظ قرآنی کو ان پر محمول کیا۔ عہد عباسی سے لے کر آج تک امت اسلامیہ میں ایسے افراد کی ایک جماعت موجود رہی ہے، جس نے اپنے عہد کے رائج علوم و معارف میں خوب پختگی حاصل کی، اور آہستہ آہستہ مروجہ علوم و معارف ان کے قوائے فکر و نظر پر کچھ ایسے مسلط ہوگئے، کہ وہ ان مقرر کردہ دائروں سے باہر نکل کر دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہوگئے۔ اس کے بعد جب انہوں نے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا اور اس کی بہت ساری باتیں انہیں اپنے مانوس علوم و معارف اور آئیڈیل فلسفے کے خلاف محسوس

[1] دیکھیے: شرح مقدمہ اصول تفسیر لابن تیمیہ مساعد الطیار: ص ۱۹۴

[2] مقدمة فی أصول التفسیر مع شرح الشیخ مساعد: ص ۱۸۳

Marfat.com

ہوئیں تو انہوں نے اس فلسفے کو جھٹلانے کی بجائے قرآن کریم میں تحریف وترمیم شروع کردی اور اس کے الفاظ کو کھینچ تان کر اپنے مزعومہ افکار کے مطابق بنانا شروع کردیا۔ ❶

سید قطب رحمہ اللہ نے اس فکری انحراف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وإنی لاعجب لسذاجة المتحمسين لهذا القرآن، الذين يحاولون ان يضيفواا ليه ماليس منه، وان يحملوا عليه مالم يقصد إليه، وان يستخرجوا منه جزئيات فی علوم الطب والكيمياء والفلك وما إليها---كانما ليعظوه بهذا ويكبروه--- إن القرآن كتاب كامل فی موضوعه، وموضوعه اضخم من تلك العلوم ❷

قرآن سے متعلق غیرت کھانے والے ان لوگوں کی سادگی پر مجھے بڑی حیرانی ہوتی ہے، یہ لوگ قرآن میں وہ کچھ شامل کرنا چاہتے ہیں جس کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں، یہ قرآن سے وہ کہلوانا چاہتے ہیں جو اس کے مقاصد سے باہر ہے اور یہ لوگ قرآن مجید سے طب، کیمسٹری، فلکیات وغیرہ کی تفصیلات اس انداز میں کشید کرتے ہیں۔۔۔۔ جیسے شاید ان کے استنباطات سے قرآن کی عظمت میں اضافہ ہو رہا ہو!!۔۔لاریب قرآن مجید اپنے موضوع پر خود ایک کامل دستاویز ہے، اس کا موضوع ان تمام علوم سے کہیں عظیم تر ہے۔

سید قطب نے اس موضوع پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے، اس انداز فکر کے تین بنیادی نقصانات بتائے ہیں:

① سب سے پہلا نقصان یہ ہے کہ اس سے احساس کمتری پیدا ہوتا ہے اور بعض لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اصل چیز موجودہ سائنس ہے اور قرآن مجید اس کے تابع جبکہ حقیقت میں قرآن مجید کا اپنا مستقل موضوع ہے، اور اس موضوع پر یہ کتاب ہدایت حتمی، قطعی اور یقینی حقائق پر مشتمل ہے، اس کے برعکس سائنسی موضوعات حتمی نہیں ہیں۔

② اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ قرآن مجید کے مقاصد نزول اور اس کے اہداف نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

③ تیسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ اس طرز فکر کے حامل لوگ بسا اوقات نصوص قرآن میں تکلف وتاویل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ❸

---

❶ ملاحظہ ہو علوم القرآن، تقی عثمانی: ص ۳۷۳

❷ فی ظلال القرآن: ۱/ ۱۸۱

❸ فی ظلال القرآن: ۱/ ۱۸۲

Marfat.com

اعجاز القرآن اور سائنسی تفسیر میں اہم فرق

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موضوع کے اختتام پر قرآن مجید کے سائنسی اعجاز اور سائنسی تفسیر میں فرق واضح کر دیا جائے۔

قرآن مجید کا سائنسی اعجاز ایک متفق علیہ حقیقت ہے۔ اس معنی میں کہ قرآن مجید نے آفاق وانفس کے متنوع حقائق پر مفصل گفتگو کی ہے۔ زمین وآسمان کی تخلیق، انسان کی پیدائش اور انسانی جنین کے اطوار و مراحل، شمس وقمر، باد و باراں، نجوم وکواکب اور اشجار ونباتات و دیگر کئی کائناتی، آفاقی حقائق قرآن مجید میں خاص اہداف کے تحت زیر بحث لائے گئے ہیں، طویل زمانے گزرنے کے باوجود، جدید ترین تحقیقات وانکشافات اور اس میں حیران کن ترقی کے باوصف، قرآن مجید کا ایک حرف بھی ثابت شدہ سائنسی حقائق سے متصادم نہیں ہے۔ ادیان قدیمہ کے بہت سارے عقائد ونظریات، سابقہ آسمانی کتب کے کئی حقائق مرور زمانہ کے ساتھ متروک ہو چکے، خود مسلمانوں کے قائم کردہ کئی افکار زمانے کی ترقی کا ساتھ نہ دے سکے۔ لیکن قرآن مجید کے بیان کردہ حقائق و معارف پوری آب وتاب کے ساتھ آج بھی ضیاپاشیاں کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ظاہر کرتی ہے کہ قرآن مجید سائنسی لحاظ سے ایک معجزہ ہے۔ اسے الاعجاز العلمی للقرآن یا قرآن مجید کے سائنسی اعجاز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسے ہم سائنسی تفسیر نہیں کہہ سکتے، سائنسی تفسیر اس سے مختلف نوعیت کی چیز ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جدید دریافت شدہ حقائق و معارف کو قرآنی الفاظ کا مفہوم ومدلول قرار دینا۔ ❶

برصغیر کے نہ صرف تفسیری ادب میں اس کی مثالیں جابجا بکھری پڑی ہیں، بلکہ یہ ایک مستقل دبستان فکر ہے۔ جسے مقالہ نگار نے انحرافی مکتب فکر کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

❊❊❊

---

❶ اس بارے میں مختلف آراء اور مقالہ نگار کی رائے آئندہ صفحات میں مفصل مذکور ہے۔

Marfat.com

فصل رابع

تعارف

تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرای کی اصطلاحات میں بعض دفعہ ایک غموض و ابہام اس حوالے سے پیدا ہوتا ہے کہ تفسیر بالماثور میں بھی تو رائے کا استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح تفسیر بالرای میں آیات و احادیث اور آثار صحابہ سے بھی کام لیا جاتا ہے، پھر ان دونوں اصطلاحوں میں حد فاصل کس بنیاد پر قائم کی جائے گی؟ اس فصل میں اولا ان دونوں اشکالات کا ازالہ کیا گیا ہے، ثانیا برصغیر کے تفسیری ادب میں تفسیر بالرای المحمود کی ایک نمائندہ تفسیر ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور ثالثا اس منہج کی ایک تفسیر تفہیم القرآن کا بھی مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

***

Marfat.com

تفسیر بالرای المحمود کی نمائندہ تفاسیر

تفسیر بالرای اور تفسیر بالماثور کی اصطلاحات علوم القرآن میں معروف ومسلم ہیں۔لیکن ان اصطلاحات کی تمام جہتیں اور حدود پوری طرح متعین کرنا مشکل ہے۔اس اشکال کی درج ذیل وجوہات ہیں:

① تفسیر ماثور جسے تفسیر منقول بھی کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر ایک تغیر پذیر اصطلاح ہے۔ کیونکہ اس کا انحصار سلف سے نقل پر ہے۔اور یہ حقیقت ہے کہ ایک تفسیری قول عہد صحابہ میں اجتہاد پر مبنی ہوتو اس عہد میں وہ تفسیر بالرای ہے لیکن وہی قول عہد تابعین میں تفسیر بالماثور ہو جائے گا۔اسی طرح تابعین کے تفسیری اجتہادات ان کے عہد میں تفسیر بالرای کے زمرے میں آتے ہیں،لیکن وہی اقوال تبع تابعین کے لیے تفسیر بالماثور قرار پائیں گے۔ اس لحاظ سے مرورزمانہ میں جیسے جیسے فاصلے بڑھتے جائیں گی،منقول تفسیر کا حجم وسعت اختیار کرتا جائے گا،اور جیسے عہد نبوی کی طرف فاصلے کم پڑتے جائے گے،منقول تفسیر کی کمیت محدود ہوتی جائے گی۔

② اشکال کی ایک اور جہت یہ بھی ہے کہ عہد تدوین سے لے کر اب تک کے تفسیری ورثے کو منقول اور معقول کے دو دائروں میں علیحدہ علیحدہ تقسیم کرنا کافی مشکل مرحلہ ہے۔اس لیے کہ تفسیر بالماثور میں بھی احادیث و آثار اور اقوال کا انتخاب،بہر حال مفسر کی ذاتی رائے،شخصی رجحانات اور مطالعہ کی بنیاد پر ہوتا ہے،اسی طرح منقول اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا،اسے اختیار کرنا، دیگر اقوال کو سرے سے ذکر ہی نہ کرنا یا مرجوح قرار دینا یہ سب مراحل بھی عقل و اجتہاد پر مبنی ہوتے ہیں۔

اسی طرح تفسیر بالرای میں مفسر کے سامنے دیگر آیات قرآنیہ اور احادیث و آثار کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے، متعدد مقامات پر ان کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تفسیر بالرای بالخصوص تفسیر بالرای المحمود میں آیات،احادیث اور اقوال صحابہ وتابعین سرے سے ذکر ہی نہیں کیے جاتے۔

اس اشکال کی شدت اور نوعیت کا اندازہ یہاں سے کیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر مساعد الطیار جیسے قلمکار،کہنہ مشق پروفیسر اور ماہر علوم القرآن نے اس تقسیم کو ہی تسلیم کرنے سے تامل کا اظہار کیا ہے۔ ❶

مقالہ نگار نے اپنی بساط کی حد تک کسی نتیجہ تک پہنچنے اور اردو تفسیری ادب میں اس حد بندی کو منطبق کرنے

❶ ملاحظہ ہو،التفسیر بالمأثور مساعد الطیار (المکتبة الشاملة الاصدار الثالث)

Marfat.com

...کے لیے ہر دو اصطلاحات کی روح تک پہنچنے کی کوشش ہے۔

مقالہ نگار کے نزدیک یہ دونوں اصطلاحات اپنی جگہ بجا اور حقیقت پر مبنی ہیں، امام ابن تیمیہ کے مقدمہ فی اصول التفسیر سے لے کر اب تک کے تمام محققین اور ماہرین علوم القرآن نے ان اصطلاحات کو نہ صرف قبول کیا ہے، بلکہ ان کی بنیاد پر کتب تفسیر کی حد بندی بھی کی ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق درج بالا دونوں اشکالات محض لفظی اور سطحی نوعیت کے ہیں، صرف الفاظ و کلمات کے گورکھ دھندے میں الجھنے سے یہ اشکالات پیدا ہوتے ہیں، روح و معنی کی طرف اگر نظر رہے تو یہ اشکالات دور ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک پہلے اشکال کا تعلق ہے تو یہ اشکال تفسیر بالماثور کے لغوی مفہوم کے لحاظ سے پیدا ہوا ہے۔ لغوی لحاظ سے تو ہر منقول چیز کا ماثور ہو سکتی ہے، لیکن تفسیر بالماثور کو لغوی طور پر نہیں، بلکہ ماہرین علوم القرآن کی ایک متفقہ اصطلاح کے طور پر دیکھنا چاہیے، اس لحاظ سے تفسیر سے متعلقہ احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین ہی تفسیر بالماثور سے مراد لیے جاتے ہیں۔

دوسرے اشکال کی وجہ تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرای کا ظاہری طور پر باہمی تداخل ہے، جبکہ حقیقت واقعہ اور روح و مقصد کے اعتبار سے یہ دونوں مناہج بالکل الگ اور نمایاں ہیں۔ ان کی حدود رجحان غالب اور غرض و غایت کے لحاظ سے بالکل واضح، علیحدہ اور متعین ہیں بایں معنی کہ تفسیر بالماثور میں ایک مفسر اور جامع کا رجحان غالب اور بنیادی مقصد نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین کے تفسیری ورثے کی حفاظت و تدوین ہوتا ہے۔ یہی تفسیری ورثہ اگلی نسلوں تک مرتب شکل میں پہنچانا تفسیر بالماثور کی روح اور غرض و غایت ہے۔ مفسر کی عقل و درایت اور اجتہادات اس عظیم ورثے کی نقل و روایت اور تفہیم و تشریح میں بطور خادم و تابع کارفرما ہوتے ہیں، اور اس معنی میں عقل و درایت کی ضرورت و اہمیت سے کوئی بھی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔ جبکہ اس کے برعکس تفسیر بالماثور میں احادیث و آثار اور عہد سلف کو قارئین تک منتقل کرنا مقصود اصلی نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ایک مفسر اپنے فہم قرآن، حاصل مطالعہ اور تفسیری اجتہادات کو قارئین تک پہنچانا چاہتا ہے، اور اس کی تائید کے لیے احادیث و اقوال کا سہارا لیتا ہے، اگر قرآن مجید، احادیث و آثار سے واقعی اسی فہم کی تائید ہو رہی ہو تو یہ تفسیر المحمود ہے، بصورت دیگر تفسیر بالرای المذموم۔

مقالہ نگار نے رجحان غالب اور غرض و غایت کو دیکھتے ہوئے اردو تفاسیر کی درجہ بندی کی ہے۔

البتہ مجھے پوری طرح اعتراف ہے کہ اس حوالے سے تفاسیر کے انتخاب میں راقم نے متعلقہ کتاب تک بسہولت رسائی، وقت کی حدود و قیود ذاتی مطالعہ و دلچسپی کو پیش نظر رکھا ہے اور بطور نمونہ دو اہم تفاسیر کا انتخاب کیا ہے:

① ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد
② تفہیم القرآن، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

Marfat.com

تفسیر ترجمان القرآن

مولانا ابوالکلام آزاد

(1888ء-1958ء)

مولانا ابوالکلام آزاد اسلامی تاریخ کی نابغہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالی نے دل و دماغ، علم وادب، فکر و عمل اور تحریر و تقریر کے ایسے خاص اسلوب سے نوازا تھا جو کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اسلامی فکر اور علم وادب کا کونسا ایسا گوشہ تھا، جس سے مولانا آزاد کی خوب شناسائی نہ ہو، قرآن فہمی میں بھی مولانا آزاد بحر ناپیدا کنار تھے، ان کی قادر الکلامی اور تحریر پر مکمل دسترس اس پر مستزاد، اگر یہ کہا جائے کہ تفسیر ترجمان القرآن نے اردو تفسیری ادب کو ایک نیا اسلوب ترجمہ اور ایک جدید تفسیری لب ولہجہ دیا تو یہ بجا ہوگا۔

اردو زبان میں مولانا آزاد کا مطالب قرآن پر مشتمل یہ تفسیری مجموعہ ترجمان القرآن تین جلدوں میں منقسم ہے، پہلی دو جلدیں مولانا آزاد کے غور وفکر کا نتیجہ ہیں، جوان کی زندگی ہی میں مرتب و مدون ہو کر منظر عام پر آچکی تھیں۔ پہلی جلد اول سورہ فاتحہ سے آخر سورۂ انعام تک، دوسری جلد اول سورہ اعراف سے سورہ مومنون کے آخر تک قرآنی مطالب پر مشتمل ہے۔

تیسری جلد مولانا آزاد کی مستقل تصنیف نہیں ہے، بلکہ مولانا آزاد اپنی تحریروں میں جن آیات سے استشہاد کرتے رہے جن آیات کے تراجم اپنے متفرق مضامین میں استعمال کرتے رہے، مولانا غلام رسول مہر نے ان تمام بکھری ہوئی تحریروں کو باقیات ترجمان القرآن کے نام سے تیسری جلد میں جمع کر دیا۔ جسے شیخ غلام علی اینڈ سنز نے لاہور سے شائع کیا، راقم کے سامنے اس وقت یہی ایڈیشن ہے۔

تفسیر ترجمان القرآن کا تاریخی پس منظر

جس ماحول میں اور جن مشکلات سے گزرتے ہوئے، مولانا آزاد نے تفسیر ترجمان القرآن کے اجزاقلم بند کیے، یقیناً وہ بھی مولانا کی کرامت ہی ہے۔ مولانا آزاد نے تقریباً 1915ء میں تفسیر نویسی کا آغاز کیا اور 1916ء میں البلاغ کے صفحات پر تفسیر کا باقاعدہ اعلان شائع کیا۔[1] اس دوران کبھی کام میں التوا ہوا، کبھی تعطل،

[1] ملاحظہ کیجیے، مقدمۃ ترجمان القرآن: ۳۹/۱

Marfat.com

کبھی جیل میں گئے، کبھی تفسیری مسودہ سرکاری ملازموں کے بے رحم اور بے علم ہاتھوں میں تختۂ مشق بنا، ایک طرف مولانا کی علمی مصروفیات تھیں، جو یکسوئی کی متقاضی تھیں، دوسری طرف مولانا کی سیاسی زندگی کی شورشیں جو آتش افشانی سے بھرپور تھیں، افسران تفتیش نے ایک دفعہ مولانا کے سورہ نساء تک لکھے ہوئے تفسیری مسودہ اور دیگر کچھ نامکمل تحریروں پر ایسا قبضہ جمایا، کہ مولانا کو واپس نہ مل سکا، طبیعت پر شدید گرانی کے باوجود مولانا آزاد نے یہ حصہ ازسرِنو لکھا۔ ❶

اس طرح ایک پر آشوب اور آلودہ ماحول میں مولانا آزاد جولائی 1930ء کو تقریباً سولہ سال کے بعد آخری سورت کے ترجمہ وترتیب سے فارغ ہوئے۔ ❷

مولانا آزاد اس طویل التوا و تعطل کے بارے میں لکھتے ہیں:

1916ء میں جب البلاغ کے صفحات پر ترجمان القرآن اور تفسیر البیان کا اعلان کیا گیا، تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایک ایسے کام کا اعلان کر رہا ہوں، جو پندرہ سال تک التوا و انتظار کی حالت میں معلق رہے گا اور جو ملک کے شوق وانتظار کے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ اور میرے ارادوں کی ناتمامیوں کے لیے ایک دردانگیز مثال ثابت ہوگا۔ لیکن واقعات کی رفتار نے بہت جلد بتلا دیا کہ صورت حال ایسی ہی تھی۔ ❸

ترجمان القرآن

مولانا آزاد نے مقدمہ تفسیر میں شرح وبسط کے ساتھ ترجمان القرآن کے مقصد اور نوعیت پر روشنی ڈالی ہے۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

قرآن کے درس ومطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں ہیں اور میں نے انہیں تین کتابوں میں منقسم کر دیا ہے، مقدمہ تفسیر، تفسیر البیان اور ترجمان القرآن۔ مقدمہ تفسیر قرآن کے مقاصد ومطالب پر اصولی مباحث کا مجموعہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مطالب قرآنی کے جوامع وکلیات مدون ہو جائیں۔ تفسیر البیان نظر ومطالعہ کے لیے ہے اور ترجمان القرآن قرآن کی عالمگیر تعلیم واشاعت کے لیے۔ آخری کتاب سب سے پہلے شائع کی جاتی ہے؛ کیونکہ اپنے مقصد ونوعیت میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے اور فی الحقیقت تفسیر ومقدمہ کے لیے بھی اصل وبنیاد یہی ہے۔ اس کی ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ مطالب قرآنی کے فہم وتدبر کے لیے ایک ایسی کتاب تیار ہو جائے، جس میں کتب کی تفسیر کی سی تفصیلات تو نہ ہوں، لیکن وہ سب کچھ ہو جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے لیے ضروری ہے۔ ❹

❶ مقدمہ ترجمان القرآن: ۳۹/۱-۴۱
❷ مقدمہ ترجمان القرآن: ۴۴/۱
❸ مقدمہ ترجمان القرآن: ۳۹/۱
❹ مقدمہ ترجمان القرآن: ۵۳/۱

Marfat.com

تفسیر ترجمان القرآن کے اصول تفسیر

مولانا آزاد تفسیر نویسی کے لیے اصول تفسیر کا ایک واضح خاکہ سامنے رکھتے تھے۔اس حوالے سے مولانا آزاد نے تفسیر کے ساتھ ساتھ اصول وقواعد پر ایک مستقل مقدمہ مرتب کیا تھا اور وہ اسے شائع بھی کرنا چاہتے تھے۔

مولانا آزاد لکھتے ہیں:

باقی رہے ترجمان القرآن کے اصول تفسیر تو ان کے لیے مقدمہ تفسیر کا انتظار کرنا چاہیے، جو ترجمان القرآن کے بعد اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے،اور جس کے قدیم مسودات کی تہذیب وترتیب میں آج کل مشغول ہوں۔ ❶

صد افسوس کہ مستقل مقدمہ، میرے علم کے مطابق، دستیاب نہیں، تاہم جو کچھ مولانا آزاد نے مطبوعہ تفسیر کے مقدمہ میں مختصراً اصول ترجمہ وتفسیر پر لکھا ہے، اس سے بھی ترجمان القرآن کے اصول تفسیر پر کافی روشنی پڑتی ہے، مقالہ نگار نے اسی مختصر مقدمہ اور خود تفسیر ترجمان القرآن کے مطالعہ سے ترجمان کے اصول تفسیر پر قلم اٹھایا ہے۔

① تفسیر القرآن بالقرآن

ترجمان القرآن میں تفسیر القرآن بالقرآن کا اسلوب بہت نمایاں ہے، مثلاً رب العالمین کی تشریح کرتے ہوئے، اللہ تعالی کے نظام ربوبیت پر متعدد قرآنی آیات پیش کی گئی ہیں، اس ضمن میں مولانا آزاد نے جس قدر مفصل، مدلل اور عمیق بحث لکھی ہے، وہ اردو تفسیری ادب میں بلاشبہ ایک گراں قدر اور بے مثال اضافہ ہے۔ زبان وبیان کے حسن وجمال کے ساتھ ساتھ مولانا آزاد نے اس سلسلے میں تفکر وتدبر اور قرآنی آیات سے استشہاد ہی کو بنیاد بنایا ہے۔

مولانا آزاد لکھتے ہیں:

”قرآن کہتا ہے: یہ اللہ کی رحمت ہے جس نے پانی جیسا جوہر حیات پیدا کیا، لیکن یہ اس کی ربوبیت ہے جو پانی کو ایک ایک بوند کر کے ٹپکاتی، زمین کے ایک ایک گوشے تک پہنچاتی، ایک خاص مقدار اور حالت میں تقسیم کرتی، ایک خاص موسم اور محل میں برساتی، پھر زمین کے ایک ایک تشنہ ذرے کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیراب کر دیتی ہے۔“

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ

❶ مقدمہ ترجمان القرآن: ۴۵/۱

Marfat.com

لَقٰدِرُوْنَ O فَاَنْشَاْنَا لَکُمْ بِہٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَکُمْ فِیْھَا فَوَاکِہُ کَثِیْرَۃٌ وَّمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ ﴾ (المومنون:۱۸-۱۹)

''اور ہم ہی نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ پانی نازل کیا۔ پھر اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کے نابود کر دینے پر بھی قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے، ان میں تمہارے لیے بہت سے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔''

اس طرح کی مثالیں سورفاتحہ کی تفسیر میں اکثر صفحات پر جابجا بکھری پڑی ہیں۔

تفسیر القرآن بالقرآن کے بارے میں درج ذیل اقتباس مولانا آزاد کے تفسیری نقطہ نظر کو بہت واضح کر کے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے؛ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو اس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھیں تو ضروری ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹائیں، جو مختلف عہدوں اور مختلف گوشوں کے خارجی موثرات نے اس کے چہرے پر ڈال دیے ہیں، پھر آگے بڑھیں اور قرآن کی حقیقت خود قرآن ہی کے صفحوں میں تلاش کریں۔''❶

② فطریت نہ کہ وضعیت

مولانا آزاد کے نزدیک قرآن حکیم اور انبیا کی تعلیمات کا اسلوب، انداز بیان، طریق خطاب اور طریق استدلال اپنی ہر بات میں سادہ اور فطری ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے اولیں مخاطبین بھی فطرت کے قریب ترین فکر و نظر کے حامل تھے، ان کا ذہن و دماغ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں نہیں ڈھلا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل و معنی میں جیسا کہ واقع ہوا تھا، ٹھیک ٹھیک ویسا ہی ان کے دلوں میں اتر گیا، صحابہ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے اور سنتے ہی اس کی حقیقت پا لیتے تھے۔ جیسے جیسے صدر اول کا دور گزرتا گیا، روم وایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں، وضعیت کا شوق بڑھتا گیا اور قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبعیتیں ناآشنا ہوتی گئیں۔ ❷

مولانا آزاد کا درج ذیل جملہ اس لائق ہے کہ اسے ایک اہم تفسیری اصول اور قاعدہ کی حیثیت دی جائے، فرماتے ہیں:

''بہر حال یاد رہے وضعیت کے سانچے جتنے ٹوٹتے جائیں گے، قرآن کی حقیقت ابھرتی آئے گی۔''❸

مولانا آزاد کے نزدیک قرآن مجید کے اسلوب بیان، آیات کے مابین ربط و مناسبت، زبان و بلاغت اور طریق استدلال کے بارے میں جتنے بھی اشکالات پائے جاتے ہیں، اس کی واحد وجہ ہمارے اندر وضعیت کا

---

❶ ترجمان القرآن:۱/۴۶ ❷ ترجمان القرآن:۱/۴۶

❸ ایضاً:۱/۴۷

Marfat.com

استغراق ہے، وہ اشکالات صرف اس لیے ہیں، کہ ہم اپنے خودساختہ وضعی ترازو سے قرآن کے فطری اسلوب کا وزن کرنا چاہتے ہیں۔ ❶

③ فہم قرآن میں احادیث، اقوال صحابہ وتابعین اور سلف کی طرف رجوع

جس طرح قرآن مجید کا اسلوب واستدلال عین فطری تھی، اسی طرح صدر اول میں پائے جانے والے سلف صالحین فطرت کی سیدھی سادھی فکری حالت پر قانع تھے، اس لیے وہ قرآن کی سیدھی سادھی حقیقت بے ساختہ پہچان لیتے تھے۔ بالخصوص فہم صحابہ اس لیے بھی زیادہ معتبر ہے کہ انہوں نے براہ راست صاحب کتاب سے مطالب ومعانی سمجھے ہیں۔

مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''جب کسی کتاب کی نسبت یہ سوال پیدا ہو، اس کا مطلب کیا ہے؟ تو قدرتی طور پر ان لوگوں کے فہم کو ترجیح دی جائے گی۔ جنہوں نے خود صاحب کتاب سے مطلب سمجھا۔ قرآن تیئس برس کے اندر بتدریج نازل ہوا، وہ جس قدر نازل ہوتا تھا، صحابہ کرام سنتے تھے۔ نمازوں میں دہراتے تھے اور جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا، خود پیغمبر اسلام ﷺ سے پوچھ لیتے تھے۔ ان میں بعض افراد خصوصیت کے ساتھ فہم قرآن میں ممتاز ہوئے اور خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کی شہادت دی۔ مذہبی خوش اعتقادی کی بنا پر نہیں بلکہ قدرتی طور پر ان کے فہم کو بعد کے لوگوں کے فہم پر ترجیح ہونی چاہیے۔'' ❷

تفسیر سلف کی اس نظری اہمیت کے باوجود یہ بات قابل ذکر ہے عملاً مولانا آزاد نے تفسیر قرآن میں احادیث، اقوال صحابہ اور اقوال تابعین بہت کم ذکر کیے ہیں۔

مولانا آزاد کی زیادہ تر تفسیر کا انحصار ان کی وسیع معلومات، عقل وبصیرت پر ہے، اسی لیے اس تفسیر کو بھی مقالہ نگار نے تفسیر بالرای المحمود میں شمار کیا ہے۔ بلکہ بعض حوالوں سے کہا جا سکتا ہے کہ مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن، برصغیر کے اردو تفسیر ادب میں تفسیر بالرای المحمود کی بانی تفسیر ہے۔

④ سلف کی طرف منسوب تفسیر میں احتیاط اور تحقیق

مولانا آزاد جہاں فہم سلف کی اہمیت کے قائل ہیں، وہاں اس بات کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں، کہ تفسیری روایات کے غیر محتاط جامعین نے اس باب میں پوری تحقیق سے کام نہیں لیا، اور ہر قول کو کسی نہ کسی تابعی کی طرف منسوب کر دیا۔ جس وجہ سے صحابہ کی اصل روایات سے تغافل پیدا ہوا، اور غیر اصل تفسیری اقوال کو تفسیر سلف سمجھ لیا گیا۔ ❸

---

❶ ترجمان القرآن: ۴۸/۱ ❷ ترجمان القرآن: ۴۸/۱ ❸ ایضاً: ۴۹/۱

Marfat.com

⑤ اسرائیلیات سے اجتناب

مولانا آزاد کے مقدمہ تفسیر اور ترجمان القرآن میں اختیار کردہ اسلوب تفسیر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اسرائیلیات سے اجتناب برتتے تھے۔ بلکہ وہ اس طرح کی بے سروپا روایات کو حقیقت قرآن کے فہم میں ایک مانع سمجھتے تھے۔ چنانچہ فہم حقیقت کی راہ میں حائل اسباب وموانع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلم اقوام کے قصص وروایات اول دن سے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ ان میں اسرائیلیات (یعنی یہودیوں کے قصص وخرافات) کو ہمیشہ محققین نے چھانٹنا چاہا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان عناصر کے مخفی اثرات دور دور تک سرایت کر چکے تھے اور وہ برابر جسم تفسیر میں پیوست رہے۔'' ❶

یہی وجہ ہے مولانا آزاد نے اسرائیلی روایات کو یکسر انداز کیا ہے اور پوری توجہ ان بصائر وعبر پر مرکوز کی ہے جن سے امت اسلامیہ کی اصلاح ہو۔

⑥ تفسیر القرآن باللغہ العربیہ

مولانا آزاد تفسیر قرآن مجید میں عربی زبان وادب کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ بلکہ محض عربی زبان و ادب سے واقفیت کو کافی نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک عربی زبان وادب کا صحیح ذوق تفسیر قرآن کی شرط اول ہے۔

مولانا لکھتے ہیں:

''قرآن کے صحت فہم کے لیے عربی لغت وادب کا صحیح ذوق شرط اول ہے۔'' ❷

مولانا آزاد اس حوالے سے ایک بڑے اہم نکتہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ کہ عربی لغت کے متعدد الفاظ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے علوم وفنون کی تدوین سے خاص اصطلاحی معانی میں ڈھل گئے۔ متاخرین مفسرین اصل معانی سے ناواقفیت کی وجہ سے جہاں کہیں وہ الفاظ مستعمل ہوئے ان سے وہی معانی مراد لینے لگے جو وضع مصطلحات کے بعد قرار پائے۔ علی سبیل المثال: خلود، احدیت، مثلیث، حجہ، برہان وغیرہ نے مرور زمانے سے وہ معانی پیدا کر لیے تھے جن کا صدر اول میں کسی سامع قرآن کو وہم وگمان بھی نہ ہوا ہوگا، بعد میں پیدا ہونے والی منطق وفلسفہ کی فنی ضروریات واصطلاحات نے ان کے بنیادی معانی میں تبدیلی پیدا کر دی اور نئے مفاہیم مراد لیے جانے لگے، جس وجہ سے دوراز کار بحثیں پیدا ہو گئیں۔ ❸

مولانا آزاد کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ممدوح نہ صرف عربی زبان سے پوری طرح آشنا تھے، بلکہ بعض الفاظ کی تحقیق کرتے ہوئے دیگر سامی زبانوں عبرانی، سریانی، کلدانی، حمیری وغیرہ سے بھی استفادہ کرتے تھے اور لفظ کی تہہ تک پہنچتے تھے۔

---

❶ ترجمان القرآن: ۱/۴۹ ❷ ترجمان القرآن: ۱/۵۰ ❸ ایضاً: ۱/۴۹۔۵۰

Marfat.com

چنانچہ لفظ الہ کی تحقیق کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''سامی زبانوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف واصوات کی ایک خاص ترکیب ہے جو معبودیت کے معنی میں مستعمل رہی ہے اور عبرانی، سریانی، آرامی، کلدانی، حمیری، عربی وغیرہ تمام زبانوں میں اس کا یہ لغوی خاصہ پایا جاتا ہے۔ یہ الف، لام اور ہ کا مادہ ہے اور مختلف شکلوں میں مشتق ہوا ہے۔''

کلدانی و سریانی کا الہیا، عبرانی کا الوہ اور عربی کا الہ اسی سے ہے اور بلاشبہ یہی الہیہ جو حرف تعریف کے اضافہ کے بعد اللہ ہو گیا ہے اور تعریف نے اسے خالقِ کائنات کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ ❸

اسی طرح لفظ رب بھی سامی زبانوں کا کثیر الاستعمال مادہ ہے۔ عبرانی، سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں اس کے معنی پالنے کے ہیں۔ ❷

لفظ دین کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے بھی متعدد السنہ میں اس کے متعلقات اور مشتقات پر روشنی ڈالتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کی لغات پر کس قدر گہری نگاہ تھی۔ خلاص لکھتے ہیں:

بہر حال عربی میں الدین کے معنی بدلہ اور مکافات کے ہیں، خواہ اچھائی کا ہو، خواہ برائی کا:

ستعلم لیلی أی دین تداینت
وأی غریم فی التقاض غریمها

⑦ عقل واجتہاد

مولانا ابوالکلام آزاد ایک بے باک اور مجتہد محقق تھے۔ صرف اگلوں کی تحقیق پر اکتفا کرنا اور مفسرین کے اقوال پر اقتصار ان کے مزاج اور عالمانہ طبیعت کے منافی تھا۔ انہوں نے تفسیر کے لیے سلف وخلف سے استفادہ کیا اور بھرپور کیا لیکن تفسیر نویسی کے لیے اپنی راہیں خود متعین کی۔ جن مشکلات سے انہیں گزرنا پڑا اور جو گھاٹیاں انہوں نے عبور کیں، اس کا انہیں پورا ادراک تھا اور احساس بھی، اس کا اظہار کرتے ہوئے مختلف موانع کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''جہاں تک میرے امکان میں تھا، میں نے کوشش کی ہے کہ ان مرحلوں سے عہدہ برآ ہوں۔ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں؟ اس کا فیصلہ میں خود نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہوں کہ قرآن کے مطالعہ وتدبر کی ایک نئی راہ ضرور کھل گئی ہے اور اہل نظر اسی راہ کو ان تمام راہوں سے مختلف پائیں گے جن میں آج تک قدم فرسائی کرتے رہے تھے۔'' ❸

---

❶ ترجمان القرآن: ۱/۶۹

❷ ایضاً: ۱/۱۷

❸ ایضاً: ۱/۵۲

Marfat.com

⑧ تفسیر بالرای المذموم سے اجتناب

عقل واجتہاد اور تدبر وتفکر کے بھر پور استعمال کے باوجود، مولانا آزاد نے تفسیر بالرای المذموم سے اجتناب کیا۔ مولانا آزاد نے مقدمہ تفسیر میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ تدبر وبصیرت اور تفسیر بالرای (المذموم) کے درمیاں حد فاصل کھینچ دی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''تفسیر بالرای کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئیں، تفسیر بالرای کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب میں عقل وبصیرت سے کام نہ لیا جائے، کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتو پھر قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے، حالانکہ قرآن کا یہ حال ہے کہ اول سے آخر تک تعقل وتفکر کی دعوت دیتا ہے اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے کہ:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد:۲۴)

دراصل تفسیر بالرائے میں، رائے لغوی معنی میں نہیں ہے، بلکہ رائے مصطلحہ شارع اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اس لیے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے؟ بلکہ اس لیے کی جائے کہ ہمارے کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے؟ اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا جاسکتا ہے؟۔ ❶

⑨ جدید علوم ومعارف سے مناسب استفادہ

مولانا آزاد اپنے عہد کے سائنسی وعمرانی علوم سے بخوبی واقف تھے۔ جن سے آپ نے تفسیر میں بھی بھر پور استفادہ کیا؛ مثلاً: سورہ المومنون میں انسانی پیدائش کے مختلف مراحل کے سلسلے میں طویل صفحات پر مشتمل خوبصورت تشریح پیش کی ہے۔ ❷ اسی طرح سورہ کہف کی تفسیر میں ذوالقرنین کی شخصیت، یاجوج ماجوج کے بارے میں جس مہارت تامہ کے ساتھ مولانا نے تاریخ، جغرافیہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے وہ انہی کا خاصہ ہے۔ ❸

لیکن مولانا آزاد خداداد بصیرت کی بنا پر جدید سائنسی تحقیقات سے استفادہ کی حدود وقیود سے پوری طرح آگاہ تھے، اور متعدد مقامات پر بہترین سائنسی اندازِ تفسیر اختیار کرنے کے باوجود جدید سائنسی علوم سے تفسیر قرآن میں مدد لینے کو ایک حد تک ہی جائز خیال کرتے تھے۔ اس بارے میں وہ اپنا واضح موقف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج کل ہندوستان اور عصر کے بعض مدعیان اجتہاد ونظر نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ زمانہ حال کے اصول علم وترقی قرآن سے ثابت کیے جائیں، یا جدید تحقیقات علمیہ کا اس سے استنباط کیا جائے، گویا قرآن صرف اس لیے نازل ہوا کہ جس بات کو کوپرنیکس (Copernicus) اور نیوٹن (Newton)

---

❶ ترجمان القرآن: ۱/۱۵۱ ❷ ترجمان القرآن: ۲ ❸ ترجمان القرآن: ۲

Marfat.com

نے یا ڈارون (Darwin) اور ویلس (Wallace) نے بغیر کسی الہامی کتاب کی فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کرلی، اسے چند صدی پہلے معموں کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے اور پھر وہ بھی صدیوں تک دنیا کی سمجھ میں نہ آئیں، یہاں تک کہ موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوا اور تیرہ سو سال پیشتر کے معمے حل فرمائیں۔ یقیناً یہ طریق تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرائے [1] ہے۔" [2]

یہی وجہ ہے کہ مولانا نے جب نظریہ ارتقا کو قرآن مجید کے خلاف محسوس کیا تو مدلل وموثر انداز میں اس کی واضح تردید کی اور بعض متجددین کے برعکس کسی بھی طرح مرعوب نہ ہوئے۔ [3]

مولانا آزاد کی تفسیر سورہ فاتحہ

ویسے تو مولانا آزاد کی مکمل تفسیر ہی زبان و بیان اور گہرائی کے لحاظ سے ایک گراں قدر اور بے مثال ترجمہ وتفسیر ہے۔ مولانا آزاد نے بامحاورہ ترجمہ کے ذریعے درحقیقت بعد کے تمام بامحاورہ آزاد تراجم کی راہیں کھولیں اور مولانا آزاد کی تفسیر نے بعد والوں کے لیے علم وتحقیق کے نئے آفاق متعارف کرائے۔ تاہم مولانا آزاد کی تفسیر سورہ فاتحہ اپنی تفصیلات وتحقیقات، زبان و بیان کی لطافت وحلاوت کی بنا پر ایک منفرد ادب پارہ اور خاصے کی چیز ہے۔

تفسیر ترجمان القرآن کی اہمیت خود مصنف کی نظر میں

قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر میں جو مشکلات مولانا آزاد نے اٹھائیں، جن پرخار وادیوں سے وہ گزرے، جن کتب کو انہوں نے کھنگالا اور جس محنت شاقہ سے یہ عظیم کام پایہ تکمیل کو پہنچا، اس کا ادراک شاید مصنف سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں ہوسکتا۔ مناسب ہے کہ آخر میں اس کے بارے میں انہی کے الفاظ پیش کردیئے جائیں، مولانا لکھتے ہیں:

"کامل ستائیس برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر ونظر کا موضوع رہا ہے، اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کیے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ وغیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے اور علوم قرآنیہ کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں، جس کی طرف سے حتی الوسع ذہن میں تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔" [4]

ترجمہ اور تفسیری نوٹوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

1. یعنی: تفسیر بالرائ المذموم
2. ترجمان القرآن ۵۲/۱
3. ایضاً: ۱۵۶/۱
4. ترجمان القرآن: ۵۵/۱

Marfat.com

''پس پوری احتیاط کے ساتھ ایسا طریق اختیار کیا گیا ہے کہ لفظ کم سے کم ہیں، لیکن اشارات زیادہ سے زیادہ سمیٹ لیے گئے ہیں، جس چیز کو لوگ کم پائیں گے وہ صرف مطالب کا پھیلاؤ ہے۔ نفس مطالب میں کوئی کمی محسوس نہ ہوگی۔ ان کے ہر لفظ اور ہر جملہ پر جس قدر غور کیا جائے گا، مطالب ومباحث کے نئے دفتر کھلتے جائیں گے۔'' ❶

بعض تسامحات

مولانا آزاد کی تفسیر میں متعدد مقامات پر ایسی عبارات موہمہ ہیں، جن پر علما نے گرفت کی ہے۔ بالخصوص دین کی وسعت و عالمگیریت کے بارے میں ان کے کچھ نظریات، جمہور علما کے نزدیک مشترک دین صرف اہل توحید کا ہے، جن پر وحی آئی ہے جبکہ آپ کے نزدیک تمام زمینی مذاہب اس میں شامل ہیں، اس کی تائید میں مولانا آزاد نے قرآنی آیات بھی پیش کی ہیں۔ ❷ اسی طرح سورہ فاتحہ کے پہلے ایڈیشن میں خدا کی ذات کے بارے میں نظریہ ارتقا، لیکن دوسرے ایڈیشن میں مولانا نے اس موقف سے بالکلیہ رجوع کر لیا اور دوسرا نظریہ ارتجاع پیش کیا جس میں مولانا تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدا خدا کے بارے توحیدی تصور تھا مگر بعد میں تنزل ہوا اور شرک پھیلا۔ ❸

اسی طرح آپ پر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ آپ قرآن کا مشن صرف امن وسلامتی بتاتے ہیں اور سورہ توبہ کے احکام جہاد کو صرف دفاعی احکام کے طور پر پیش کرتے ہیں، اس بنیاد پر بعض مخالفین حضرات نے آپ کی تفسیر کو مولانا کے سیاسی خیالات کا عکس سمجھا۔ ❹

یہ اور اس طرح کے دیگر اعتراضات ہمارا موضوع بحث نہیں ہیں، ان کے تسلی بخش جوابات مولانا اخلاق حسین قاسمی نے اپنی کتاب ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ میں دے دیئے ہیں۔

تاہم انسان ہونے کے ناطے جزوی تسامحات کا ہونا طور پر بالکل ممکن ہے، لیکن بہرحال اس سے تفسیر ترجمان القرآن کے مقام ومرتبہ اور شان وعظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ کوئی بھی انسان معصوم عن الخطا نہیں ہوتا۔

❊❊❊

---

❶ ترجمان القرآن: ۱/۵۴
❷ نگارشات مولانا عبداللہ عباس ندوی، (مجلس علمی، نئی دہلی) ص ۶۲۔۷۰
❸ ایضاً: ص ۸۵۔۶۰
❹ ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ، مولانا اخلاق حسین قاسمی: ص ۱۸۸۔۱۹۰

Marfat.com

تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ (متوفی 1979ء)

مولانا سید ابوالاعلی مودودی، بانی جماعت اسلامی کی تفسیر تفہیم القرآن اردو تفسیری ادب میں بلاشبہ ایک نمایاں اور ممتاز مقام کی حامل تفسیر ہے۔ اردو خوان طبقے کے بالخصوص تحریکی حلقوں میں مقبول و متداول ہے۔ علمی حلقوں میں ایک طرف اس تفسیر کے مداحین ہیں تو دوسری طرف ناقدین۔

آئندہ سطور میں انسانی بساط کی حد تک راقم کی کوشش ہوگی کہ اندھی عقیدت اور بے جا نفرت سے بالا طاق ہو کر خالص تفسیر قرآن کے قواعد وضوابط اور جمہور مفسرین کے مسلمہ اصول تفسیر کی روشنی میں اس کے منہج کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

تاریخ تصنیف

مولانا مودودی نے تفسیر لکھنے کا آغاز محرم 1361ھ مطابق فروری 1942ء میں کیا تھا۔ ان کے تفسیری شذرات ماہنامہ ترجمان القرآن میں قسط وار شائع ہوتے رہے، پانچ سال سے زیادہ مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سورہ یوسف کے آخر تک ترجمانی اور تفہیم تیار ہوگئی۔ اس کے بعد مسلسل ایسے حالات اور موانع درپیش رہے کہ مولانا کو مزید لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ تفہیم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

اس کتاب کو میں نے محرم 1361ھ مطابق فروری 1942ء میں شروع کیا تھا۔ پانچ سال سے زیادہ مدت تک اس کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ سورۂ یوسف کے آخر تک ترجمانی اور تفہیم تیار ہوگئی۔ اس کے بعد پے در پے ایسے اسباب پیش آتے چلے گئے کہ مجھے نہ تو آگے لکھنے کا موقع مل سکا اور نہ اتنی فرصت ہی میسر آسکی کہ جتنا کام ہو چکا تھا، اس کو نظر ثانی کر کے اس قابل بنا سکتا کہ کتابی صورت میں شائع ہو سکے[1]۔

مختصر انقطاع کے بعد جب اکتوبر 1948ء میں مولانا کو گرفتار کر کے جیل روانہ کر دیا گیا، تو مولانا نے نیو سنٹرل جیل ملتان میں رہتے ہوئے گزشتہ لکھے ہوئے شذرات پر نظر ثانی کر کے اسے کتابی صورت میں اشاعت کے قابل بنا دیا، مولانا مودودی لکھتے ہیں:

---

[1] تفہیم القرآن، دیباچہ: ۱۲/۱

Marfat.com

''اب اسے حسن اتفاق کہیے یا سوء اتفاق کہ اکتوبر 1948ء میں یکایک مجھے پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور یہاں مجھ کو وہ فرصت بہم پہنچ گئی، جو اس کتاب کو پریس میں جانے کے قابل بنانے کے لیے درکار تھی۔''

یہ مبارک سلسلہ تفسیر تیس سال اور چار ماہ کے بعد 7/جون 1972ء کو تکمیل پذیر ہوا۔ چنانچہ مولانا مودودی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں:

''میں صمیمِ قلب سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ تفہیم القرآن لکھنے کا جو کٹھن کام میں نے محرم 1361ھ (فروری 1942ء) میں شروع کیا تھا، وہ 30 سال چار مہینے کے بعد آج (یعنی 7/جون 1972ء تاریخ درج ہے) پایہ تکمیل کو پہنچ گیا[1]۔''

یوں گویا تفسیر تفہیم القرآن مولانا مودودی کی تیس سالہ اور چار ماہ پر محیط محنت شاقہ اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ جو کہ چھ ضخیم جلدوں میں مطبوع و متداول ہے اور عوام وخواص اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

مقصدِ تصنیف

مولانا مودودی نے اپنی تفسیر کو درحقیقت اوسط درجے کے تعلیم یافتہ افراد کے لیے تحریر کیا ہے، اسی طبقہ کی ضروریات اور ذہنی سطح کے پیش نظر بعض اہم تفسیری مباحث سے انہوں نے قصداً صرف نظر کیا ہے، کیونکہ وہ ان حضرات کے لیے غیر ضروری ہیں۔ اس حوالے سے مولانا مودودی خود وضاحت فرماتے ہیں:

میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں، جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لیے ممکن نہیں ہے۔ انہی کی ضروریات کو میں نے پیش نظر رکھا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے ان تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو علم تفسیر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، مگر اس طبقے کے لیے غیر ضروری ہیں[2]۔

مولانا مودودی نے اس طبقے کو مخاطب کرتے ہوئے بھی بالخصوص کوشش کی ہے کہ ایک عام آدمی قرآن مجید کو پڑھتے ہوئے اس کا مفہوم اور مدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے۔ اس کے ذہن میں اٹھنے والے اشکالات کا اسے جواب فراہم ہوتا جائے، اور قاری کے ذہن پر مطالعہ تفسیر سے وہی اثر مرتب ہو جو قرآن ڈالنا چاہتا ہے[3]۔

تفسیر میں ارتقاء

ابتداء مولف کے پیش نظر یہی تھا کہ زیادہ تفصیل سے کام نہ لیا جائے، اور ایجاز واختصار کے ساتھ قرآن

[1] تفہیم القرآن: ۵۷۵/۶ [2] مقدمہ تفہیم القرآن: ۶/۱ [3] مقدمہ تفہیم القرآن: ۶/۱

Marfat.com

مجید کی تفہیم وتعبیر اردو خوان طبقے کے سامنے پیش کر دی جائے۔ آہستہ آہستہ مصنف کو تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی گئی، اور آخری جلدیں مفصل انداز میں ترتیب پذیر ہوئیں۔ تفہیم القرآن کا قاری واضح طور پر یہ تفسیری ارتقاء محسوس کرتا ہے، دوسری جلد پہلی کی نسبت قدرے مفصل، تیسری اس سے زیادہ اور آخری تین جلدیں بالخصوص زیادہ وسیع وعمیق ہیں۔ مولانا مودودی خود اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''ابتدا میں میرے پیش نظر زیادہ تفصیل سے کام لینا نہ تھا، اس لیے پہلی جلد کے حواشی مختصر رہے، بعد میں جوں جوں میں آگے بڑھتا گیا، مجھے حواشی میں زیادہ تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی گئی، یہاں تک کہ بعد کی جلدوں کو دیکھنے والے اب پہلی جلد کو تشنہ محسوس کرنے لگے ہیں۔'' ❶

تفہیم القرآن کی خصوصیات وامتیازات

مولف نے اپنی تفسیر میں تاریخی، فقہی، کلامی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور جدید تمدنی مسائل پر دوران تفسیر جامع تحقیقات پیش کی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تفسیر ایک خاص اسلوب کی حامل تفسیر ہے۔ اس کی مکمل خصوصیات وامتیازات کا تذکرہ پیش نظر نہیں ہے چند اہم خصوصیات وامتیازات درج ذیل ہیں:

① زبان وبیان

تفہیم القرآن کی اولین خصوصیت اس کا اسلوب بیان ہے۔ مصنف کی تحریر انتہائی شستہ وشگفتہ، پروقار و سنجیدہ اور موثر و دلنشین ہے۔ مصنف کو زبان کی تائید کا پوری طرح احساس ہے، اور اس احساس کے پیش نظر مصنف نے ترجمہ وتفسیر میں ادب کی معراج کو چھوا ہے۔ لفظی ترجمہ کے نقائص کی نشاندہی کرتے ہوئے، مصنف رقمطراز ہیں:

قرآن کی تائید میں اس کی پاکیزہ تعلیم اور اس کے عالی قدر مضامین کا جتنا حصہ ہے، اس کے ادب کا حصہ بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے۔ ❷

بعینہ یہی تبصرہ خود تفہیم القرآن پر بھی صادق آتا ہے کہ اس تفسیر کی مقبولیت میں اس کے بیان کردہ فکر و فلسفہ، معانی و مفاہیم کا جس قدر حصہ ہے، خود تفہیم کی سلاست و روانی اور فصاحت و بلاغت کا حصہ بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے۔

② سورتوں کا دیباچہ

مصنف نے ہر سورہ کے آغاز میں بالالتزام سورہ کا نام، زمانہ نزول، موضوع اور مباحث پر مشتمل جامع دیباچہ تحریر کیا ہے۔

---

❶ خاتمۃ تفہیم القرآن: ۶/۵۷۵ ❷ مقدمۃ تفہیم القرآن: ۱/۷

Marfat.com

③ فقہی مسائل میں توسع وعدم تقلید

لیکن مولف تفہیم مسلکا حنفی ہونے کے باوجود کھلے دل سے دیگر ائمہ کی آراء پیش کرتے ہیں اور پھر اپنے فہم کے مطابق دلائل کی بنیاد پر کسی موقف کو ترجیح دیتے ہیں۔ مولانا گوہر رحمان لکھتے ہیں:

''اکثر مسائل میں تو امام ابو حنیفہ کی رائے کو ترجیح دی گئی ہے لیکن ہر معاملے اور ہر مسئلے میں کسی مخصوص فقیہ اور امام کی رائے کا التزام نہیں کیا گیا۔''❶

علی سبیل المثال جس شخص نے مطلقہ عورت کو پہلے شوہر کے لیے حلال کرنے کی غرض سے نکاح کیا تو اس کے نکاح کے بارے میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ لیکن فقہائے احناف کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ ایسا نکاح صحیح ہے۔❷

مولف تفہیم نے اس مسئلے میں فقہائے احناف کے مروجہ مسلک سے اختلاف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض اپنی بیوی کو اپنے لیے حلال کرنے کی خاطر کسی سے سازش کے طور پر نکاح کرلے اور پہلے سے یہ طے کرلے کہ وہ نکاح کے بعد اسے طلاق دے دے گا تو یہ سراسر ایک ناجائز فعل ہے۔ ایسا نکاح، نکاح نہ ہوگا، بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی اور ایسے سازش نکاح وطلاق سے عورت ہرگز اپنے سابق شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔ حضرت علی، ابن مسعود، ابو ہریرہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس طریقہ سے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔''❸

خلع کی عدت کے بارے میں بھی صاحب تفہیم کا رجحان دلیل کی بنیاد پر جمہور کے خلاف ہے۔ لکھتے ہیں:

''جمہور کے نزدیک خلع کی عدت وہی ہے جو طلاق کی ہے۔ مگر ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں متعدد روایات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی عدت ایک ہی حیض قرار دی تھی اور اس کے مطابق حضرت عثمان نے ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا۔'' ابن کثیر، جلد اول، صفحہ (276)۔❹

تفسیر تفہیم القرآن میں احکام ومسائل کا صرف سرسری تذکرہ ہی نہیں، بلکہ ان کی مختلف جہات پر محیط متعدد مقامات پر ایک مفصل اور خوبصورت تحقیق ملتی ہے۔ احکام القرآن کی تفسیر کرتے ہوئے موضوع کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مختلف صحابہ وتابعین کے اقوال پیش کرتے ہیں، ائمہ دین کے رجحانات بیان کرتے

---

❶ علوم القرآن: ۶۴۰/۲
❷ الفقہ علی المذاہب الأربعۃ
❸ تفہیم القرآن: ۱۷۶/۱۔۱۷۷، اس پر مفصل نوٹ سورہ طلاق میں ہے، تفہیم القرآن: ۵۶۳/۵
❹ تفہیم القرآن: ۱۷۶/۱

Marfat.com

ہیں، اختلافات کی وضاحت کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر تفہیم القرآن میں آیات الاحکام کی تفسیر وتشریح نسبتاً طویل اور مفصل محسوس ہوتی ہے۔ مثالوں کے لیے سورہ اعراف میں سجدۂ تلاوت پر تحقیق، سورۂ تحریم میں قسموں کے کفارہ سے متعلق تفصیلات، آیات نکاح وطلاق کی تفسیرات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

آیات الاحکام کے جدید قانونی وتہذیبی پہلو پر تحقیق

صاحب تفہیم آیات الاحکام کی فقہی مباحث پر تحقیق کے ساتھ ساتھ موضوع زیر بحث پر قانونی اور جدید تہذیبی حوالوں سے انتہائی جامع شذرات پیش کرتے ہیں۔ زیر تحقیق مسئلہ کی حکمت اور مصلحت اور احسن انداز میں شریعت اسلامیہ کی بالادستی اور محاسن پر قلم اٹھاتے ہیں۔ مسئلہ طلاق پر فرد اور سماج کے لیے اس میں کارفرما حکم و مصالح، زنا کاری کی حرمت اور اس میں پوشیدہ اضرار ومفاسد، سود کی لعنت اور اس کی قباحتیں، لونڈیوں کے مسئلہ پر اٹھنے والے قانونی احکام ومسائل میں ان کے تفسیری منہاج کی چند ایک خوبصورت مثالیں ہیں۔

اسی طرح سورۂ نور کی تفسیر میں زنا سے متعلقہ مباحث پر تفصیلات تقریباً اٹھائیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ جن میں زنا کی تعریف، اس کی حرمت پر ہر زمانے میں اتفاق عام، اس کے اختلاقی واجتماعی نقصانات، اس سے متعلق اسلامی وغیر اسلامی قانون کا تقابل، اس کے انسداد کے لیے اسلام کی اختیار کردہ اصلاحی تدابیر، حد رجم اور اس کے نفاذ کا طریقہ اور اس طرح کے دیگر متعلقہ مسائل پر انتہائی جامع اور مفصل تحقیقات موجود ہیں [1]۔

جدید علوم سے استفادہ کا صحیح منہج

مولانا مودودی اپنی تفسیر میں جدید علوم سے استفادہ کا ایک واضح اور مقبول منہج پیش کرتے ہیں، جو کہ افراط وتفریط کی دونوں انتہاؤں سے بچتے ہوئے عین وسطیت واعتدال پر مبنی ہے۔ تفہیم میں نہ تو جدید علوم سے کلی طور پر صرف نظر کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کو تفسیر پر مسلط کیا گیا ہے۔ ایسی آیات مبارکہ کی تشریح میں بقدر حاجت سائنسی تحقیقات کے حوالے دیئے گئے ہیں اور جدید علوم سے ضروری مباحث روح تفسیر کو متاثر کیے بغیر احسن انداز میں نقل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح التذکیر بایام اللہ پر مشتمل آیات کی تفسیر جدید علم الآثار سے بہترین انداز میں استفادہ کرتے ہیں۔ مولانا گوہر رحمان لکھتے ہیں:

آیات کونیہ اور دلائل آفاقیہ کی تشریح میں بقدر ضرورت سائنسی تحقیقات کے حوالے دیئے گئے ہیں، لیکن ایسا انداز اختیار نہیں کیا گیا کہ تفہیم القرآن سائنس کی کتاب نظر آنے لگے، جیسا کہ علامہ طنطاوی جوہری نے اپنی تفسیر جواہر القرآن کو سائنس کی کتاب بنا دیا ہے [2]۔

---

[1] تفہیم القرآن: ۳/۳۱۹۔۳۴۲ [2] علوم القرآن، گوہر رحمان، ص ۱/۶۴۰۔۶۴۱

Marfat.com

تقابل ادیان

قرآن مجید نے اپنے مخصوص اسلوب بیان میں مختلف ادیان و مذاہب پر تعمیری اور اصلاحی تنقید کی ہے اور انہیں دعوتِ فکر دی ہے۔ مولانا مودودی نے ان مقاماتِ تفسیر میں اصل مآخذ و مصادر کے حوالہ جات پیش کر کے انتہائی محققانہ معلومات فراہم کی ہیں۔

ڈاکٹر خالد علوی بجا طور پر لکھتے ہیں:

''تقابل ادیان کے طالب علم کے لیے تفہیم میں اتنا مواد موجود ہے جو اسے کئی مآخذ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔''❶

تفہیم القرآن کی جلد اول کے مطالعہ سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اس میں اہل کتاب کے غلوفی الدین، حضرت عیسیٰ کے لیے استعمال کردہ لفظ کلمہ و روح کی تحقیق، عقیدۂ تثلیث، ابنیتِ مسیح، بائبل اور تلمود پر محققانہ شذرات موجود ہیں❷۔

معاصر فکری تحریکات اور متجددین کا علمی محاسبہ

صاحب تفہیم اپنی تفسیر میں جدید گمراہ کن فتنوں، بالخصوص مغربی تہذیب سے مرعوب مریض ذہنوں کا خوب احتساب کرتے ہیں اور ٹھوس علمی، عقلی و نقلی دلائل سے خالص اسلامی تہذیب کی بہترین وکالت اور جرأت مندانہ ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ مثلاً

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾❸

''اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (مونہوں) پر چادر لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔''

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اصل الفاظ ہیں: ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ عربی زبان میں بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ اور اِدنا کے اصل معنی قریب کرنے اور لپیٹ لینے کے ہیں، مگر جب اس کے ساتھ علیٰ کا صلہ آئے تو اس میں ارخاء یعنی اوپر سے لٹکا لینے کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ موجودہ زمانے کے بعض مترجمین و مفسرین مغربی مذاق سے مغلوب ہو کر اس لفظ کا ترجمہ صرف لپیٹ لینا کرتے ہیں تا کہ کسی طرح چہرہ چھپانے کے حکم سے بچ نکلا جائے❹۔ اس کے بعد

❶ مولانا سید مودودی بحیثیت مفسر: ص۲۹۲، مقالہ در کتاب (برصغیر میں مطالعۂ قرآن)

❷ مثال کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن: ۱/۳۹۱۔۴۴۵، ۲۳۱، ۲۳۲۔

❸ سورة الاحزاب: ۳۳: ۵۹ ❹ تفہیم القرآن: ۱/۱۳۹۔۱۴۰

Marfat.com

اس مفہوم کو مزید مبرہن کرنے کے لیے دلائل پیش کرتے ہیں۔

﴿وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (1)

اسی طرح اور اے اہل عقل (حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل و خونریزی سے) بچو۔

کی تفسیر لکھتے ہیں:

''یہ ایک دوسری جاہلیت کی تردید ہے، جو پہلے بھی بہت سے دماغوں میں موجود تھی، اور آج بھی بکثرت پائی جاتی ہے۔ جس طرح اہل جاہلیت کا ایک گروہ انتقام کے پہلو میں افراط کی طرف چلا گیا، اسی طرح ایک دوسرا گروہ عفو کے پہلو میں تفریط کی طرف گیا ہے اور اس نے سزائے موت کے خلاف اتنی تبلیغ کی ہے کہ بہت سے لوگ اس کو ایک نفرت انگیز چیز سمجھنے لگے ہیں اور دنیا کے متعدد ممالک نے اسے بالکل منسوخ کر دیا ہے۔ قرآن اسی پر اہل عقل کو مخاطب کر کے تنبیہ کرتا ہے کہ قصاص میں سوسائٹی کی زندگی ہے۔ جو سوسائٹی انسانی جان کا احترام نہ کرنے والوں کی جان کو محترم ٹھہراتی ہے، وہ دراصل اپنی آستین میں سانپ پالتی ہے۔ تم ایک قاتل کی جان بچا کر بہت سے بے گناہ انسانوں کی جانیں خطرے میں ڈالتے ہو (2)۔''

انبیائے کرام کے معجزات سے متعلق عقل پرست، مغرب زدہ مفسرین نے جو دور از کار تاویلات کی ہیں، مولانا مودودی ان سے پوری طرح بیزار ہیں، اور ان کی حقیقت تفسیر بالماثور کے مطابق ہی تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان مقامات تفسیر پر جدت پسندوں اور مؤولین کی خوب خبر لیتے ہیں اور معجزات انبیاء کو ان برگزیدہ ہستیوں کے لیے ایک خاص اعزاز و نعمت شمار کرتے ہیں (3)۔

معاصر فتنوں کی تردید میں یوں تو جا بجا تفہیم القرآن میں مثالیں بکھری پڑی ہیں، لیکن بالخصوص قادیانیت کی تردید میں سورہ احزاب کا مفصل ضمیمہ اردو تفسیری ادب میں اپنی مثال آپ ہے (4)۔

اسی طرح آیات الاحکام کے اکثر تفسیری شذرات بھی قابل دید و لائق ستائش ہیں۔ بالخصوص جدید تہذیبی، سیاسی، معاشی اور عمرانی افکار نے جس طرح متوسط اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقوں کو متاثر کیا ہے، مولانا مودودی اپنی بھرپور تحریکی زندگی کی بنا پر ان سے بخوبی نہ صرف آگاہ تھے، بلکہ خداداد اجتہادی بصیرت سے ان پر مجتہدانہ ناقدانہ اور مصلحانہ اسلوب میں قلم اٹھاتے تھے۔ تفسیر تفہیم القرآن کا یہ ایک نمایاں اور قابل قدر امتیاز ہے کہ یہ تفسیر جدید تعلیم یافتہ طبقے کو اس حوالے سے قرآنی بصیرت فراہم کرتی ہے۔

ڈاکٹر خالد علوی کہتے ہیں:

---

(1) سورۃ البقرۃ: ۲:۱۷۹
(2) ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن: ۱/۲۰۱-۲۰۲
(3) تفہیم القرآن: ۱/۱۳۹-۱۴۰
(4) ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن: ۴/۱۳۸-۱۷۰

Marfat.com

''سید مودودی نے سیاسی، معاشرتی اور معاشی اصول وقواعد اور افکار وکلیات پر جرح وتنقید کرتے ہوئے اسلام کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی اصولوں کی تشریح وتوضیح اس انداز سے کی ہے کہ ان تصورات کی صداقت سے انکار ممکن نہیں۔ سودی نظام، سرمایہ داری، اشتراکی اصول وفلسفہ اور تہذیبی فساد پر ان کی تنقید ایک معتبر حوالہ ہے [1]۔''

اسی طرح نیشنلزم، سامراجیت اور استعمار کے بارے میں جو کچھ اور جس اسلوب میں مولانا مودودی نے لکھا ہے وہ انہی کے قلم عطر بیز کے لیے عطیہ ربانی ہے [2]۔

تاریخی واقعات کی مفصل تحقیق و تنقیح

سابقہ اقوام وملل کی تاریخ اور اس سے حاصل ہونے والے مواعظ وعبر قرآن مجید کا ایک خاص موضوع ہے، جسے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے علم التذکیر بالا اللہ کا نام دیا ہے۔ صاحب تفہیم اس موضوع سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں جدید علم الآثار، مستند تاریخی حوالہ جات سے کام لیتے ہوئے محققانہ تفصیلات پیش کرتے ہیں۔ عاد وثمود، فرعون و نمرود، اصحاب کہف، ذوالقرنین، رومیوں وغیرہ پر ان کے جامع نوٹ اردو تفسیری ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اقوام عالم میں سے بنی اسرائیل کی تاریخ قرآن مجید کا خاص موضوع ہے۔ لیکن اکثر تفاسیر اور ان کے گرامی قدر مصنفین اس معاملے میں افراط وتفریط کا شکار ہیں، مولانا مودودی کا اس حوالے سے ایک خاص اسلوب ہے۔ وہ کتب تفسیر میں منقول اسرائیلی روایات پر اعتماد کی بجائے براہِ راست بائبل اور تلمود کے جابجا حوالہ جات پیش کرتے ہوئے ان میں بیان کردہ تفصیلات کا قرآن مجید کی روشنی میں تقابلی مطالعہ کرتے ہیں اور اس طرح اپنے قاری کو اصل حقائق سے آگاہ کرتے ہیں۔

قاری کے لیے سہولیات

تفہیم القرآن اپنے اسلوب بیان، دلکش زبان اور پختہ علمی تحقیقات کے ساتھ ساتھ اپنے قاری کو فہم قرآن کی جدید سہولیات بھی فراہم کرتی ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ اردو تفسیری ادب میں شاید یہ سب سے پہلی تفسیر ہے جس میں مقاماتِ قرآن کی توضیح کے لیے نقشہ جات کا استعمال کیا گیا اور مضامین کی طرف راہنمائی کے لیے ہر جلد کے آخر میں مفصل اشاریہ جات مرتب کیے گئے۔ نیز تفصیل طلب مسائل کے لیے ضمیمہ جات کا تصور بھی سہولت اور ذخیرۂ معلومات کو یکجا کرنے کا ایک خوبصورت انداز ہے۔

---

1. مولانا سید الاعلیٰ مودودی بحیثیت مفسر، ص ۱۳۰، برصغیر میں مطالعۂ قرآن، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
2. مثال کے طور پر ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن: ۵/۹۸۔۹۵

Marfat.com

تفہیم القرآن اور مسلمہ اصول تفسیر

تفہیم القرآن میں تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالسنہ اور تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین کی مثالیں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔ بطور نمونہ چند ایک مثالیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

① تفسیر القرآن بالقرآن

صاحب تفہیم اس تفسیری اصول کی خوبصورت تطبیق پیش کرتے ہیں، ﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ﴾ ❶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہی بات دوسرے مقامات پر قرآن میں اس طرح فرمائی ہے:

﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ○ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ ❷

''کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کی طرح (نعمتوں سے) محروم کر دیں گے؟۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے حکم لگاتے ہو؟''

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ ❸

''کیا برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے؟ دونوں کی زندگی اور موت یکساں ہو؟ بہت برے حکم ہے، جو یہ لوگ لگاتے ہیں ❹۔''

﴿وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ ❺

''اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے۔''

کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

---

❶ سورة التين: ۹۵:۷ ❷ سورة القلم: ۶۸:۳۵-۳۶ ❸ سورة الجاثيه: ۴۵:۲۱
❹ تفہیم القرآن: ۶/۳۹۰ ❺ سورة النباء: ۷۸:۲۰

Marfat.com

اسی کیفیت کو سورۂ میں یوں بیان کیا گیا ہے: یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر اس دن یہ پہاڑ کہاں چلے جائیں گے؟ ان سے کہو میرا رب ان کو دھول بنا کر اڑا دے گا اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا دے گا کہ اس میں تم کوئی بل اور سلوٹ تک نہ دیکھو گے (آیات 105 تا 107 مع حاشیہ 83)۔ ❶

متعدد مقامات پر تفسیر کرتے ہوئے براہ راست آیات نقل کرنے کی بجائے متعلقہ مقامات کے تفسیری حواشی کی طرف راہنمائی کر دیتے ہیں اور یہ پہلو نسبتاً غالب ہے۔

② تفسیر القرآن بالحدیث

مولانا مودودی حجیت حدیث کے قائل تھے اور داعی بھی۔ اسلامی تشریع میں حدیث وسنت کا جو مقام و مرتبہ ہے اس پر زور دیتے ہیں اور منکرین حدیث کی خود قرآنی آیات کی روشنی میں تردید بھی کرتے ہیں سورۃ قیامہ کی آیہ مبارکہ ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ ❷ کی تفسیر میں حدیث کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مولانا مودودی نے ایک جامع شذرہ لکھا ہے۔ ❸

حدیث اور تفسیر قرآن کا تعلق واضح کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

”قرآن میں چار جگہ اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف کتاب اللہ کی آیات سنا دینا ہی نہ تھا، بلکہ اس کتاب کی تعلیم دینا بھی تھا۔“ ❹

مزید لکھتے ہیں:

قرآن کی صحیح و مستند، بلکہ فی الحقیقت سرکاری تشریح صرف وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول اور عمل سے فرما دی ہے۔ ❺

منکرین حدیث کا رد کرتے ہوئے حدیث کی اہمیت وصحت کے بارے لکھتے ہیں:

”سخت بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس علم (حدیث) کو حاصل کیے بغیر مغربی مستشرقین کے بہکاوے میں آ کر حدیث وسنت کو ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اپنی اس جاہلانہ جسارت سے وہ اسلام کو کتنا بڑا نقصان پہنچا رہے ہیں۔“ ❻

بالخصوص آیات الاحکام کی تفسیر اور اسباب النزول کی وضاحت میں مولانا مودودی احادیث مبارکہ سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور اس اصول کو عملاً اپناتے ہیں۔ تفہیم القرآن میں تفسیر بالحدیث کی ایک خوبصورت مثال سورۂ کوثر کی تفسیر میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ❼

---

❶ تفہیم القرآن ❷ سورۃ القیامۃ: ۱۹:۷۵ ❸ تفہیم القرآن: ۶:۱۶۹۔۱۷۹
❹ ایضاً: ۶/۱۶۹ ❺ ایضاً: ۶/۱۷۰ ❻ ایضاً: ۶/۱۷۱
❼ ایضاً: ۶/۴۹۴۔۴۹۵

Marfat.com

تفسیر تفہیم القرآن میں استخفاف حدیث

گزشتہ صفحات میں تفسیر تفہیم القرآن کے امتیازات وایجابیات کے تذکرے میں حجیت حدیث کے حوالے سے مولانا مودودی کے تفہیم القرآن میں شذرات واقتباسات پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ ایک طرف مولانا مودودی احادیث مبارکہ کی حجیت واہمیت کے قائل ہیں، نیز محدثین کی کاوشوں کو نظر استحسان سے دیکھتے ہیں، لیکن دوسری طرف اس کے بالکل برعکس مولانا مودودی متعدد احادیث پر اس انداز میں نقد وتبصرہ کرتے ہیں جو حدیث کو حجت ماننے والوں کو زیب نہیں دیتا۔ معاصر محدثین علمانے ان کے اس اسلوب فکر اور منہج تنقید کو کبھی بھی پسند نہیں کیا، بلکہ اس کی سطحیت کو واضح کیا ہے۔

تفہیم القرآن میں اس کی ایک نمایاں مثال کذبات ابراہیم والی حدیث ہے۔

مقالہ نگار کے نزدیک مناسب یہی ہے کہ وہ مکمل حدیث، اس پر مولانا مودودی کے اعتراضات، اسلوب اعتراض اور دیگر علما کے جوابات نقل کردیئے جائیں، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ مولانا مودودی کے نظریہ حدیث سے دیگر علما کو کس بنیاد پر اختلاف ہے؟ اور کیونکر بیشتر راسخ علما مولانا مودودی کو استخفاف حدیث اور استحقار حدیث کے لیے مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔

سب سے پہلے مکمل حدیث نقل کی جاتی ہے:

عن ابی هريرة رضی اله عنه ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لم يكذب ابراهيم عليه السلام الا ثلاث كذباتٍ ثنتين منهن فی ذات الله عزوجل ، قوله: انی سقيم وقوله: بل فعله كبير هم هذا وبينها هو ذات يوم وسارة اذا اتى على جبار من الجبابرة ، فقيل له: ان هاهنا رجلا معه امراة من احسن الناس، فأرسل إليه ، فساله عنها ، فقال: من هذه؟ قال: اختی فاتی سارة قال: ياسارة ليس على وجه الارض مومن غير وغيرك وان هذه سالنی فاخبرته انك اختی ، فلا تكذبينی فارسل اليها فلما دخلت عليه ذهب يتنا

Marfat.com

ولها بيده فقالت: اللهم ان كنت امنت بك وبرسولك واحصنت فرجي الا على زوجي فلاتسلط على الكافر فاخذ فقال: ادعى الله لي ولا اضرك فدعت الله فاطلق ثم ذهب يتنا ولها بيدٖه الثانية فدعت: اللهم ان كنت امنت بك وبرسولك واحصنت فرجي الا على زوجي فلاتسلط على الكافر، فاخذ مثلها او اشد فقال: ادعى الله ولا اضرك فدعت فاطلق فدعا بعض حجبته فقال: انكم لم تاتوني بانسان انما اتيتموني بشيطان فاخدمها هاجر فاتته وهو قائم يصلي فاومابيده: مهيا؟ قالت: رادالله كيدالكافر في نهره واخذم هاجر قال ابو هريرة تلك امكم يابني ماءِ السماء۔ ❶

مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں دوجگہ پر اس حدیث پر کڑی تنقید کی ہے اور انتہائی سخت لہجہ اپنایا ہے۔ کذبات ابراہیم کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔'' ❷

مزید لکھتے ہیں:

''یہ حدیث، جس میں حضرت ابراہیم کے تین جھوٹ بیان کیے گئے ہیں۔ صرف اس وجہ سے قابل اعتراض نہیں کہ یہ ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے، بلکہ اس بنا پر بھی غلط ہے کہ اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محل نظر ہیں۔'' ❸

تینوں واقعات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو بھی ہم نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لیے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے؟ ❹

---

❶ صحيح البخاري، كتبا الأنبيا، باب قول الله تعالیٰ: ﴿واتخذا الله ابراهيم خليلا﴾ حديث: ۳۱۷۹، صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل ابراهيم الخليل عليه السلام، حديث: ۲۳۷۱

❷ ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن: ۱۶۷/۳۔۱۶۸۔۲۹۳

❸ ایضاً: ۱۶۷/۳

❹ ایضاً: ۱۶۸/۳

Marfat.com

مولانا مودودی کے ہمعصر کبار شیوخ الحدیث، مفسرین اور محدثین نے مولانا کے اس طرف فکر اور اسلوب تنقید کی مفصل تردید کی ہے۔ جن میں مولانا مفتی محمد شفیع (1)، مولانا شبیر احمد عثمانی (2)، حضرت مولانا محمد گوندلوی (3)، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری (4)، اور حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی (5) جیسی کبار شخصیات بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

ان بزرگوں کی تنقیحات کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ قوی امید ہے کہ اس سے مولانا مودودی کے نظریہ حدیث اور اس پر وجوہ نقد کی بالعموم اور حدیث کذبات ابراہیم کی بالخصوص کافی جہتیں واضح اور متعین ہو کر سامنے آئیں گی۔

حدیث کذبات ابراہیم میں مغالطے کی اصل وجہ

مولانا اسماعیل سلفی ﷫ نے اولاً لفظ کذب کی وضاحت کی ہے؛ کیونکہ یہی وجہ اعتراض ہے اور اساس بحث؛ لکھتے ہیں:

اصل مغالطہ اس سے ہوا کہ عرف عام میں جھوٹ اور کذب کو ہم معنی سمجھ لیا گیا، اس طرح صدق اور سچ کو مرادف سمجھ لیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان میں ان دونوں لفظوں کے معنی ہماری زبان سے وسیع ہیں (6)۔

مقالہ نگار کو مولانا سلفی کی رائے سے پوری طرح اتفاق ہے کہ اصل خرابی کذب کا ترجمہ جھوٹ کرنے سے پیدا ہوئی۔ بلکہ مولانا مودودی نے تو جوش تنقید میں اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ

---

(1) ملاحظہ ہو، معارف القرآن: ۱۹۹/۶۔۲۰۰

(2) ملاحظہ ہو، فوائد عثمانی: ص ۵۹۸

(3) حضرت گوندلوی نابغۂ روزگار شخصیت تھے، صحیح البخاری کے شارح حدیث کے حوالے سے مولانا مودودی پر تنقید کے لیے ملاحظہ ہو ان کی کتاب (تنقید المسائل)

(4) حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اخبار اہلحدیث مؤرخہ ۱۴/ ستمبر ۱۹۴۵ء سے ۳۰/ نومبر ۱۹۴۵ء تک کئی اقساط میں مولانا مودودی کے نظریۂ حدیث پر "حدیث نبوی پر شکوک وشبہات اور مولانا ابوالاعلی مودودی سے خطاب" کے عنوان سے مفصل رد لکھا ہے۔

(5) حضرت مولانا اسماعیل سلفی (متوفی: ۱۹۶۸) اپنے عہد کے نامور شیخ الحدیث، خطیب، مصنف اور اہل حدیث کے امیر رہے ہیں۔ انہوں نے حجیت حدیث پر گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ مولانا مودودی کے کذبات ابراہیم والی حدیث پر تنقیدات کا ہفت روزہ الاعتصام (۲۰/ اکتوبر ۱۹۵۰ء) میں مفصل رد لکھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقدمہ مقالات حدیث، از حافظ شاہد محمود، ص ۴۰)

(6) مقالات حدیث: ص ۱۸۹

Marfat.com

حدیث نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے [1]۔ حالانکہ نبی کو جھوٹا کہنا تو کفر ہے اور بخاری شریف جیسی اصح الکتاب کا تو تمام تر انحصار ہی نبوت کی صداقت پر ہے۔ اکثر محدثین نے یہاں کذب سے مراد توریہ اور تعریض لیا ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''زندگی کی مشکلات پر غور کیا جائے تو ہر انسان پر ایسے مواقع آتے ہیں، جن میں صاف بات کی بجائے تعریض ہی پر اکتفا کرنا پڑتا ہے، دنیائے صداقت کو قائم رکھنے کے لیے اور جھوٹ سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ تعریضات کی راہ کھلی رہے..... آنحضرت ﷺ سے سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا آپ کے رفیق کون ہیں؟ فرمایا: رجل یهدینی السبیل [2] یہ بزرگ میری راہنمائی فرماتے ہیں، کس قدر تعریض ہے؟ ہر زبان کے ادبیات عالیہ میں موجود ہیں، جس زبان میں تعریضات نہیں، وہ زبان نامکمل ہے اور لطافت سے خالی۔'' [3]

حضرت ابوبکر صدیق کی اس مثال پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ جناب صدیق سراپا صدق وصفا تھے اور انہوں نے جو بات کہی سچ کہی، برحق کہی، لیکن تعبیر ایسی اختیار کی کہ اصل مدعا مخاطب کی نگاہوں سے اوجھل رہا اور وہ تعبیر کے پیچھے کارفرما حقیقت واقعہ تک نہ پہنچ سکا۔ اسے ہی تعریض اور توریہ کہا جاتا ہے۔ اور عربی زبان میں اس پر کذب کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنے ذہن رسا سے یہ نقاب کشائی کی ہے کہ تعریض وتوریہ پر کذب کا اطلاق کیوں کیا جاتا ہے؟ وہ لکھتے ہیں:

الكلام له نسبتان: نسب لى المتكلم و قصده وارادته، ونسبة الى السامع و افهام المتكلم اياه مضمونه، فاذا اخبر المتكلم بخبر مطابق للواقع فهو صدق من الجهتين، وان قصد خلاف الواقع وقصد مع ذالك افهام المخاطب خلاف ماقصده معنى ثالثا، لاهو الواقع، ولا هو المراد فهو كذب من الجهتين معا، وان قصد معنى مطابقا صحيحا وقصد مع ذالك التعمية على المخاطب وافهامه خلاف ماقصده فهو صدق بالنسبة الى قصده، كذب بالنبى الى فهامهِ ومن هذا الباب التورى والمعاريض، وبهذا اطلق عليها ابراهيم الخليل الكذب مع انه الصادق فى خبره ولم يخبر الا

---

[1] مقالات حدیث، مولانا اسماعیل سلفی: ص ۱۹۱

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب هجرة النبى ﷺ واصحابه الى المدينه، حدیث: ۳۶۹۹

[3] مقالات حدیث: ص ۲۰۲

Marfat.com

صدقا۔ وقد ظهر بهذا ان الكذب لا يكون قط الا قبيحا ، وان الذى يحسن ويجب انما هو التورية ، وهى صدق ، وقد يطلق عليه الكذب بالنسبة الى الفهام لا الى العناية❶

"ہر کلام کی دونسبتیں ہوتی ہیں: ایک متکلم کے قصد وارادہ سے تعلق رکھتی ہے، اور دوسری نسبت کا تعلق سامع کو سمجھانے سے ہوتا ہے، جب متکلم ایسی خبر دے جو واقع کے مطابق ہو اور (متکلم) اپنے مخاطب کو وہ یہ واقع سمجھانا چاہے، تو یہ دونوں لحاظ سے صدق ہوگا، اور اگر متکلم خلاف واقع خبر دے، اور اپنے سامع کو خلاف واقع ہی کوئی تیسرا معنی بتانا چاہے، جو درحقیقت نہ واقع ہوا ہو اور نہ ہی مقصود کلام ہو تو یہ دونوں لحاظ سے جھوٹ ہے۔"

اور اگر متکلم صحیح بات حسب واقع بیان کرے، لیکن مخاطب کو اس سے ناآشنا رکھنا چاہے، تاکہ وہ متکلم کے مقصد کو نہ سمجھ سکے، تو وہ متکلم کے قصد کے لحاظ سے صدق ہے اور اس کے اِفہام کے لحاظ سے کذب ہے، اسے ہی تعریض اور توریہ کیا جاتا ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے کذب سے تعبیر فرمایا ہے، حالانکہ بات صحیح اور واقعہ کے عین مطابق ہے۔ اس تقریر سے واضح ہو جاتا ہے کہ کذب بہر حال قبیح ہے، اس کی مستحسن صورت تعریض اور توریہ حقیقتاً صدق ہے، لیکن افہاماً اسے کذب کیا جا سکتا ہے۔"

ائمہ حدیث کی اس تقریر سے نہ صرف یہ کہ پیغمبر کی صداقت پر حرف نہیں آتا بلکہ ان کی شان پیغمبری نمایاں ہوتی ہے کہ عمر بھر میں انہوں نے تعریض اور توریہ سے بھی صرف تین مقامات پر کام لیا ہے۔

تینوں واقعات کی حقیقت

مولانا مودودی کے نزدیک مذکورہ بالا حدیث میں بیان کردہ تینوں واقعات ہی محل نظر ہیں۔ حالانکہ ان میں سے دو خود قرآن مجید سے ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ جس میں حضرت ابراہیم نے بت شکنی کے فعل کو بڑے بت کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسے تو خود مولانا مودودی صراحۃً خلاف واقعہ تسلیم کیا ہے❷۔

سوال یہ ہے کہ جب اس قول کا خلاف واقع ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے تو اس خلاف واقع قول کا نام کیا رکھا جائے؟ مولانا مودودی نے حجت قائم کرنے کے لیے طرز استدلال قرار دیا ہے، جبکہ حضرت ابراہیم نے حدیث شفاعت میں لوگوں سے معذرت کرتے ہوئے اپنی انتہائی صدیقیت اور مقام نبوت کے پیش نظر اس تعبیر کو بھی اپنے حق میں کذب کہا ہے❸۔

---

❶ مفتاح دار السعادة: ۲/ ۳٦

❷ تفہیم القرآن: ۳/ ۱٦۷

❸ حدیث شفاعت کے لیے دیکھیے، جامع ترمذی ، حدیث: ۳٤۳٤، ۳۱٤۸

Marfat.com

دوسرا واقعہ یہ تھا کہ لوگ کسی تہوار یا اجتماعی کام کے لیے جانا چاہتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے ہمراہ چلیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ﴿فَقَالَ اِنِّی سَقِیْمٌ﴾ ❶، میری طبیعت خراب ہے۔

خود قرآن مجید کے سیاق وسباق سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کچھ ایسے بیمار نہ تھے، جیسے ان کے سامعین نے سمجھا کیونکہ:

① قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حلفا کہہ رکھا تھا:

﴿تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ﴾ ❷

لہٰذا ان کے اپنے بیان حلفی کے مطابق ان کے ذہن میں بتوں کو توڑنے کا پروگرام موجود تھا۔

② یقیناً بیمار تھے، لیکن اس قدر نہیں کہ چل ہی نہ سکیں، قوم نے یہی سمجھا کہ وہ چلنے کے قابل نہیں۔

③ سقیم کے اظہار میں حضرت ابراہیم نے اجمال سے کام لیا، نہ قوم نے تفصیل پوچھی، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی ضرورت سمجھی۔

④ بیمار نے قوم کے چلے جانے کے بعد پورے بت خانہ کا صفایا کر دیا، سقیم نے سیکڑوں مصنوعی خداؤں کو چند گھڑیوں میں خاک میں ملا دیا۔

⑤ حضرت ابراہیم کے سقیم ہونے کی کیفیت یقیناً تعریض اور توریہ ہی کے پیمانے سے ناپی جاسکتی ہے۔ یہ ابہام واجمال تھا، قوم نے اسے واقعی اہم بیماری سمجھا، حضرت ابراہیم کے حوالے سے یہ تعریض وتوریہ یقیناً صدق تھا، قوم کے فہم کے لحاظ سے یہ خلاف واقع تھا۔ اس حقیقت کو حدیث مبارک میں کذب سے ہی تعبیر کیا گیا ہے۔

اس سے بھی پیغمبر کی صداقت مزید آشکار ہوتی ہے کہ اس عظیم صدیق نبی نے اپنی دشمن ترین قوم سے بھی تعریض اور توریہ پر مبنی تعبیر بھی زندگی بھر میں ایک دفعہ اختیار کی۔

تیسرا واقعہ، جس میں ایک ظالم بادشاہ کے خوف سے حضرت ابراہیم نے اس کے ظلم وتقوی سے بچنے کے لیے اپنی بیوی حضرت سارہ کے متعلق فرمایا میری بہن ہے۔ اس کی حقیقت خود صحیح بخاری کے الفاظ سے مترشح ہوتی ہے:

فاتی سار، فقال یا سارۃ لیس علی وجه الارض مومن غیری وغیرك ❸

---

❶ سورۃ الصافات: ۸۹:۳۷

❷ سورۃ الأنبیاء: ۵۷:۲۱

❸ صحیح البخاری، حدیث: ۳۱۷۹

Marfat.com

''اے سارہ! روئے زمین پر آج میرے اور تیرے سوا کوئی رشتہ ایمان سے منسلک نہیں ہے۔''

اس تعریض کی حقیقت خود حضرت سارہ کے بیان سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم کی مراد اخوت دینی ہی تھی، اور یہ عین حقیقت تھی، تاہم ظالم بادشاہ نے اسے نسبی اخوت سمجھا، جو کہ خلاف واقعہ تھی، اسی چیز کو حدیث میں کذب سے تعبیر کیا گیا ہے[1]۔

احادیث پر جرح ونقد خود محدثین کے نزدیک ایک مسلمہ شعبہ علم حدیث ہے، مولانا مودودی پر بنیادی اعتراض یہ نہیں ہے کہ وہ احادیث پر علمی دلائل کی روشنی میں نقد کیوں کرتے ہیں؟ علمائے حدیث کی طرف ان پر بنیادی اعتراض یہ ہے کہ وہ احادیث پر نقد کے لیے اصول وضوابط اور قواعد محدثین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محض اپنی درایت مخترع اور ذوق سلیم کی بنیاد پر نقد کرتے ہیں۔ ان تمام احادیث کا الگ الگ جائزہ لینا ایک مستقل موضوع ہے اس سے اجتناب کرتے ہوئے مولانا مودودی کے اسلوب نقد پر علمائے حدیث نے جو چند اصولی اعتراضات کیے ہیں، وہ ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

① مولانا مودودی اپنے ذوق سے متعارض احادیث پر جرح کرتے ہوئے محدثین کے طے کردہ اصول جرح وتعدیل کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

② راوی کا نام لیے بغیر مبہم اور غیر واضح جرح کرتے ہیں۔

③ ہزاروں، لاکھوں محدثین اور علمائے دین کے مقابلے میں صرف اور صرف اپنی عقل سلیم کو ہی معیار درایت سمجھتے ہیں۔ اور اس درایت کی بنیاد پر متفق علیہ صحیح حدیث کو بھی موضوع اور من گھڑت قرار دے دیتے ہیں۔

④ مولانا مودودی کے اس خود ساختہ اسلوب نقد سے تشکیک اور انکار حدیث کے چور دروازے کھلتے ہیں۔

⑤ اس انداز تنقید سے صرف چند احادیث ہی متاثر نہیں ہوتیں، بلکہ ان احادیث میں مذکور تمام ثقہ راوی اور ان راویوں کی تمام تر مرویات پر زد پڑتی ہے۔

⑥ علی سبیل المثال کذبات ابراہیم والی حدیث ہی کو لیجیے، مولانا مودودی کے نزدیک ان کی تنقیدات سے خلاف عقل ایک مضمون کی تکذیب ہوئی ہے اور بس، جبکہ دیگر شیوخ الحدیث اور محدثین کے نزدیک جو ظاہر ہے خاص علم حدیث میں ید طولی کے مالک ہیں اور وسیع تر تدریسی تجربہ کے حاملین ہیں، ان کے نزدیک صرف ایک مضمون کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ یہ مضمون متعدد حوالوں سے، محدثین کی کثیر تعداد نے متعدد راویوں سے اسانید صحیحہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حدیث شفاعت میں بھی صراحۃً حضرت ابراہیم باری تعالی کے پاس حاضری سے معذرت کرتے ہوئے کذبات ثلاثہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس لحاظ

[1] مفصل تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو، مقالات حدیث مولانا اسماعیل سلفی: ص ۱۸۸۔۲۰۲

Marfat.com

سے یہ مضمون حضرت ابوہریرہ کے علاوہ درج ذیل صحابہ سے مروی ہے[1]۔

① حضرت ابوبکر صدیق
② حضرت انس
③ حضرت عقبہ بن عامر
④ حضرت ابوسعید
⑤ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم

حضرات صحابہ سے بیان کرنے والے آگے بیسیوں راویوں کا سلسلہ اسناد ہے، اوران سے اپنی اپنی مایہ ناز کتب میں درج کرنے والے بیسیوں محدثین ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس حدیث کے طرق میں مذکور راویوں کی صرف یہ ایک ہی حدیث نہیں بلکہ ان کی بیان کردہ احادیث کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ کیا اس حدیث کی تکذیب سے پہلے ضروری نہیں ہے کہ سند میں مذکور تمام راویوں کی تحقیق کی جائے اور بتایا جائے کہ یہ ناروا ظلم کس راوی کی طرف سے ہوا ہے؟ تاکہ ایسے راوی کی تمام مرویات سے احتراز کیا جائے؟ کسی ایک راوی کی نشاندہی کیے بغیر ہی حدیث کو افسانہ، مہمل کہنے سے کیا اس حدیث کو بیان کرنے والے تمام راوی مشکوک قرار نہیں پاتے؟

⑦ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کتب حدیث کے عہد تصنیف سے لے کر آج تک انہیں بیسیوں نے روایت کیا، ہزاروں نے پڑھایا، لاکھوں نے پڑھا۔ حضرات ائمہ اربعہ، ابن تیمیہ، ابن القیم اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسی عظیم شخصیات نے بھی قرات حدیث کے دوران میں یقیناً یہ حدیث بھی پڑھی، کسی کو کوئی کھٹکا محسوس ہوا، نہ ہی حرف شکایت ان کی زبان سے صادر ہوا! کیا وہ حضرات عقل سلیم اور ذوق سلیم سے محروم تھے؟!

⑧ نتیجتاً یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ حضرات ائمہ محدثین اپنے ذوق اور عقل کو ثابت شدہ احادیث صحیحہ کے تابع و خادم سمجھتے تھے، نہ کہ ان پر قاضی و حاکم۔

⑨ محض اپنے ذوق اور عقل سلیم کی بنیاد پر متفق علیہ احادیث صحیحہ کو رد کر دینا، یہی وہ وجہ ہے جس بنیاد پر مولانا مودودی کو ان کے معاصر و متاخر محدثین استخفاف حدیث اور استحقار حدیث کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔ اس

---

[1] شواہد اور طرق کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالى واتخذ الله ابراهيم خليلا، حديث: ٣١٧٩، صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل ابراهيم الخليل عليه السلام، حديث: ٢٣٧١، جامع ترمذى، ابواب صفة القيامة، باب ماجاء فى الشفاعة، حديث: ٢٤٣٤، ابواب تفسير القرآن عن رسول الله ﷺ، حديث: ٣١٤٨، سنن نسائى، باب مونع السجود، حديث: ١١٤٠، مسند احمد: ٢١٨/١، ٢٩٥، ٤٠٣/٢، ٢٤٤/٣، طبرانى، حديث: ١٤٧١٦

Marfat.com

اسلوب فکر کے جزوی اثرات مولانا مودودی کی دیگر تحریروں کی طرح تفہیم القرآن میں بھی موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم کے کذبات ثلاثہ والی حدیث پر جس انداز میں مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں نقد کیا ہے [1] اور ان کے بعض مؤیدین ان کے لیے تائیدی مضامین لکھتے ہیں، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حدیث اور اصول بحمد اللہ ایک زندہ اور متحرک فن ہے، منکرین حدیث پون صدی میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے، بلکہ علمی حلقوں میں مضحکہ بن کر رہ گئے ہیں۔ حدیث پر اعتراض کرنے میں تنقید کے اصول نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ محدثین مبہم جرح کو قبول نہیں فرماتے، یعنی کسی راوی کو مجمل طور پر ضعیف کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ ضعف کا تذکرہ صریحاً اور تفصیلا ہونا چاہیے [2]۔ آپ حضرات اپنے کردار پر غور فرمائیں، آپ نہ راوی کا نام لیتے ہیں، نہ جرح کی تفصیل فرماتے ہیں، یہ فن کے لحاظ سے جرح کی کونسی قسم ہے؟ نہ راوی کا پتہ، نہ جرح کا علم، جیتی جاگتی حدیث موضوعات کے مردہ خانہ میں بھیج کر آپ مطمئن ہو گئے کہ اب کوئی پوچھنے والا نہیں، ہزار احترام کے باوجود جہالت اور جسارت نا قابل برداشت ہے، حدیث کو جھوٹا کہنا اتنا آسان نہیں، جتنا جناب نے سمجھا ہے۔''

امام بخاری نے رحمہ اللہ اسے قریبا چھ مقامات پر ذکر فرمایا ہے، آپ کے اس مبہم نشانے کا ہدف ہر راوی ہو سکے گا، جن کی تعداد بیسیوں تک پہنچے گی، بات ایک حدیث کی نہیں، اس کا اثر ان تمام احادیث پر پڑے گا، جو مختلف ابواب علم میں ان ائمہ سے مروی ہیں [3]۔

احادیث ترغیب وترہیت سے صرف نظر

تفسیر القرآن کے حوالے سے ایک اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ صاحب تفہیم آیات وسور سے متعلقہ فضائل وترغیب پر مبنی احادیث سے بالعموم صرف نظر کر گئے ہیں۔ مثلاً سورہ فاتحہ سے متعلقہ وارد صحیح احادیث فضائل، اس طرح سورہ بقرہ، سورہ ملک وسجدہ اور آیت الکرسی وغیرہ کے فضائل بارے وارد شدہ احادیث مبارکہ تفہیم القرآن میں جگہ نہیں پا سکیں۔

نہ صرف آیات وسورتوں کی تفسیر میں تفہیم ایسی احادیث سے خالی ہے، بلکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر عبادات ومعاملات سے متعلقہ فضائل پر مبنی صحیح احادیث مبارکہ بھی تفہیم القرآن میں عموماً نہیں ملتیں۔

فکر آخرت پر مبنی اسلامی اعمال واخلاق سے متعلقہ احادیث فضائل ومناقب شوق عمل پیدا کرتی ہیں،

1. ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن: ۲/۱۶۶۔۱۶۸، ۴/۲۹۲۔۲۹۳، رسائل ومسائل: ۲/۳۵۔۳۹
2. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مقدمہ ابن الصلاح: ص ٦١
3. مقالات حدیث: ص ۲۰۳

Marfat.com

تفہیم القرآن متوسط تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے لکھی گئی ہے اور کون نہیں جانتا کہ ہمارا متوسط تعلیم یافتہ طبقہ کس بری طرح سے مادیت کی لپیٹ میں ہے؟! اور انہیں اعمال صالحہ کی ترغیب دینے کے لیے فرمودات رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر صالح غذا اور کس منبع ومصدر سے میسر ہوسکتی ہے؟

صرف یہیں بس نہیں بلکہ رزائل اخلاق سے روکنے میں ایک مومن صادق کے لیے احادیث ترہیب سے بڑھ کر کوئی چیز موثر نہیں ہوتی۔ تفہیم القرآن میں ایسی احادیث بھی اکثر وبیشتر مقامات پر بالکل نظر انداز ہوگئی ہیں۔ اس صورت حال میں ایک متوسط تعلیمیافتہ کو تفہیم القرآن نظام کو بدلنے کا جوش وجذبہ تو فراہم کرتی ہے لیکن عمل صالح کے لیے اخروی وروحانی ترغیبات وموثرات سے بہت حد تک خالی ہے۔

سوئے تعبیر

مولانا مودودی کا قلم اپنی سیلانی وروانی میں واقع اردوئے مبین کی ایک منفرد مثال ہے۔ لیکن بصد افسوس متعدد مقامات پر یہ قلم اپنی طغیانی میں حدود سے تجاوز کر گیا ہے۔ جس پر ثقہ علما نے کڑی گرفت کی ہے۔ بالخصوص بعض انبیائے عظام اور صحابہ کرام جیسی شخصیات مقدسہ کے حوالے سے جس ادب واحترام اور نزاکت ولطافت کا لحاظ مولانا کو رکھنا چاہیے تھا، اور ملکہ تحریر پر کامل دسترس کی وجہ سے رکھ سکتے تھے، متفرق موضوعات پر وہ یہ لحاظ نہیں رکھ سکے۔ اس کی مثالیں مولانا کی عام تحریروں میں بھی پائی جاتی ہیں اور تفہیم القرآن بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ بعض حضرات اس حوالے سے بھی موید ہیں اور بعض دوسرے سخت مخالف، مقالہ نگار کے نزدیک ان تعبیرات کی بنیاد پر مولانا پر تکفیر وتفسیق کی فتوی بازی بھی انتہائی حماقت وجہالت اور ناروا جسارت ہے، لیکن بہر حال ان تعبیرات کی اندھی تائید اور چشم پوشی بھی ایک اور حماقت وجسارت ہے۔ اس بارے میں سب سے معتدل موقف مولانا گوہر رحمان نے پیش کیا ہے۔ مولانا مودودی سے حد درجہ عقیدت ومحبت اور ان کی جماعت سے وابستہ رہنے کے باوجود حق وانصاف کا ساتھ دیتے ہوئے، وہ لکھتے ہیں:

تفہیم القرآن میں اور مولانا مرحوم کی بعض دوسری کتابوں میں بھی غیر مناسب تعبیر اور الفاظ موہمہ یعنی قاری کو غلط فہمی میں ڈالنے والے الفاظ پائے جاتے ہیں، بعض کی اصلاح تو دوسرے ایڈیشنوں میں کردی گئی ہے، لیکن بعض کی اصلاح نہیں ہوسکی، ایسے مقامات کی توجیہ مولانا کی دوسری عبارات یا ان کے افکار ونظریات کی روشنی میں کرنی چاہیے اور ان کو غلط معانی پر محمول نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ سوئے تعبیر کو سوئے اعتقاد اور سوئے نیت کی دلیل قرار دینا متعصبین کا طریقہ ہے، علمائے ربانیین کا طریقہ نہیں ہے۔ [1]

(۳) تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین

صاحب تفہیم متعدد مقامات پر اقوال صحابہ وتابعین بھی ذکر کرتے ہیں۔ فصل لِربك وانحر [2] تو

---

[1] علوم القرآن: ۲/۶۴۱ [2] سورۃ الکوثر: ۱۰۸:۲

Marfat.com

اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کرو اور قربانی دیا کرو۔ مختلف تفسیریں بزرگوں سے منقول ہیں، متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد مولانا مودودی لکھتے ہیں؛

''اگر غور کیا جائے تو اس کا مطلب صریحاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اے نبی، جب تمہارے رب نے تم کو اتنی کثیر اور عظیم بھلائیاں عطا کی ہیں تو تم اسی کے لیے نماز پڑھو اور اسی کے لیے قربانی کرو ــــــ یہی مطلب ابن عباس، عطا، مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، محمد بن کعب قرظی، ضحاک، ربیع بن انس، عطا الخراسانی اور بہت سے اکابر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ (ابن کثیر)۔''[1]

اقوال صحابہ وتابعین کے حوالے سے مولانا مودودی کے تعامل اور طرز تفسیر میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آیات الاحکام سے مستنبط فقہی مسائل اور اسباب النزول کے علاوہ دیگر آیات کی تفسیر میں تفہیم القرآن کی بنیادی ترکیز اقوال صحابہ وتابعین پر نہیں ہے۔ بلکہ ان کے درج ذیل اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تفہیم القرآن کے نزدیک تفسیر قرآن میں اقوال تابعین تو درکنار اقوال صحابہ سے بھی اختلاف رائے کیا جا سکتا ہے اور ان کو ماننا لازم نہیں ہے۔

آیت مبارکہ:

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ﴾[2]

(اے پیغمبر) جس (خدا) نے تم پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ تمہیں بازگشت کی جگہ لوٹا دے گا۔

کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے[3] سے اختلاف کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

یہ روایت اگرچہ بخاری، نسائی، ابن جریر اور دیگر محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، لیکن یہ ہے ابن عباس کی اپنی ہی رائے، کوئی حدیث مرفوع نہیں کہ اسے ماننا لازم ہو[4]۔

④ تفسیر القرآن بالرای

تفہیم القرآن کے مصنف شان نزول کی تعیین، اصطلاحات قرآنی کی تفہیم، آیات کی تفسیر اور قرآن مجید کے مرکزی مضمون کی نشاندہی میں عقل واجتہاد ہی سے بنیادی طور پر کام لیتے ہیں۔

---

1. تفہیم القرآن:۶/۴۹۶
2. سور القصص: ۲۸:۸۵
3. صحیح البخاری، حدیث: ۲۷۷۳، میں حضرت عبداللہ عباس سے اس کلمہ سے ''مکہ'' مراد لیتے ہیں، ان سے دیگر اقوال بھی وارد ہیں۔ ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۵۴۶۔۵۴۷
4. تفہیم القرآن:۳/۶۶۷

Marfat.com

تفہیم کے ترجمہ قرآن میں اس کی ایک مثال درج ذیل آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے:

﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ❶

"جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالا، وہ بہت بری ہے، یعنی اس جلن سے کہ خدا اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے، اپنی مہربانی سے نازل فرماتا ہے۔ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب سے کفر کرنے لگے تو وہ (اس کے) غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے۔ اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔"

مولانا مودودی نے تفہیم القرآن کے متن میں اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

کیا برا ذریعہ ہے جس سے یہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں۔ ❷

مقالہ نگار کے مطابق یہ ترجمہ صرف اور صرف مولانا مودودی کی اپنی رائے اور محض انہی کے فہم پر مبنی ہے۔ تفسیر بالماثور کے مسلمہ اصولوں سے اس کی تائید ملنا مشکل ہے۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ مولانا مودودی نے اپنی رائے سے متعین کردہ ترجمے کو فوقیت دیتے ہوئے متن میں ذکر کیا ہے اور عربی لغت وتفسیری آثار سے ثابت شدہ ترجمے کو حاشیہ میں یوں بیان کیا ہے:

اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے: کیسی بری چیز ہے، جس کی خاطر انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔ ❸

اس کی ایک اور نمایاں مثال آیت الکرسی میں وارد لفظ کرسی کا ترجمہ ہے۔ احادیث صحیح اور صحابہ وتابعین سے کرسی کی تفسیر میں مختلف اقوال منقول ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① کرسی سے مراد عرش الٰہی ہے۔

② کرسی عرش کے علاوہ ایک اور عظیم الشان مقام ہے جس کے سامنے آسمان وزمین صحرا میں پڑے حلقہ کی مانند حقیر دکھائی دیتے ہیں۔

③ اس سے مراد علم الٰہی ہے۔

وسع کرسیہ السموت والارض سے پہلے علم الٰہی کے تذکرہ سے اس کی تائید کی جاسکتی ہے۔ ❹

مقالہ نگار کے مطابق صاحب تفہیم القرآن نے اس باب میں احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ وتابعین کو

---

❶ سورۃ البقرۃ: ۲/ ۹۰ ❷ تفہیم القرآن: ۱/۹۴ ❸ ایضاً: ۱/۹۴

❹ احادیث وآثار کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر: ۱

Marfat.com

سرے سے کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ محض اپنی رائے اور اردو محاورات سے متاثر ہو کر اس کا ترجمہ اقتدار کیا ہے۔
ترجمہ وتفسیر میں محض رائے زنی کی ایک اور مثال سائمون کی تفسیر وتشریح ہے۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ واضح طور پر فرماتے ہیں:

کل ماذکر اللہ فی القرآن السیاح ، ھم الصائمون [1]

قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ سیاحۃ استعمال ہوا سی سے مراد روزہ دار ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ [2]

اکثر نامور تابعین ائمہ تفسیر مجاہد، سعید بن جبیر، عطا، ابو عبدالرحمٰن السلمی، ضحاک بن مزاحم اور سفیان بن عیینہ کے نزدیک بھی سائمون سے مراد صائمون ہیں۔ [3]

ایک جید مرسل حدیث سے بھی یہی تفسیر ثابت ہوتی ہے۔ [4]

اکثر مفسرین نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔

ایک اور صحیح حدیث میں جہاد فی سبیل اللہ کو سیاح کہا گیا ہے [5] لیکن اس حدیث کا بنیادی تعلق اس آیت مبارکہ میں وارد لفظ سائحون کی تفسیر سے نہیں ہے۔

اس کے علاوہ باقی اقوال شاذ ہیں۔

مولانا مودودی نے اس لفظ کے ترجمہ میں بھی صحابہ کی واضح تفسیرات کے باوجود شاذ قول اختیار کیا ہے، اور اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے۔'' [6]

عجیب بات یہ ہے کہ معروف مفسرین صحابہ وتابعین کے اس مشہور ترین قول کا تذکرہ مولانا مودودی نے ان الفاظ میں کیا ہے: متن میں لفظ السآئحون استعمال ہوا ہے، جس کی تفسیر بعض مفسرین نے الصآئمون (روزہ رکھنے والے) سے کی ہے۔ [7]

اس مقام پر بھی مولانا مودودی نے محض عربی لغت کا سہارا لیتے ہوئے، صحابہ کرام کی تفسیر کو نظر انداز کرتے ہوئے لغوی معنی ہی کو زیادہ صحیح سمجھا ہے۔ حالانکہ خود قرآن مجید سے تفسیر صحابہ کی تائید ملتی ہے۔ جس کی طرف امام ابن کثیر نے اشارہ بھی کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں امہات المومنین کے تذکرہ میں ان کی صفت سِحت [8] بیان کی ہے۔ خود مولانا مودودی نے اس مقام پر روزہ دار ہی ترجمہ کیا ہے اور اس کی خوبصورت توجیہ بھی بیان کی ہے۔ [9]

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۵۳۱ [2] ایضاً: ۲/ ۵۳۱ [3] ایضاً: ۲/ ۵۳۲ [4] حوالہ مذکورہ
[5] سنن ابی داود، حدیث: ۲۱۷۲، شیخ البانی نے اسے صحیح السنن میں حسن قرار دیا ہے۔
[6] تفہیم القرآن: ۲/۲۴۰ [7] حوالہ مذکورہ [8] سورۃ التحریم: ۶۶:۵ [9] تفہیم القرآن: ۶/۲۹

Marfat.com

تفہیم القرآن میں تحریکی وسیاسی فکر کا غلبہ

تفہیم القرآن کا اگر من حیث المجموع تجزیہ کیا جائے اور مفسرین کے رجحانات کے حوالے سے اگر اس کی گروہ بندی کی جائے تو اس تفسیر کا شمار بلاشبہ تحریکی وسیاسی رجحان کی نمائندہ تفاسیر میں سے ہوگا، اس رجحان کی نمائندگی کے لیے صرف دیباچہ اور مقدمہ پر ایک نظر ڈال لینا بھی کافی ہے۔

مولانا مودودی مقدمہ میں قرآن مجید کی اصل اور نقطہ آغاز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

① خداوندِ عالم نے جو ساری کائنات کا خالق اور مالک اور فرمانروا ہے اپنی بے پایاں مملکت کے اس حصے میں جسے زمین کہتے ہیں، انسان کو پیدا کیا، اسے جاننے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں، بھلائی اور برائی کی تمیز دی، انتخاب اور ارادے کی آزادی عطا کی، تصرف کے اختیارات بخشے اور فی الجملہ ایک طرح کی خود اختیاری دے کر اسے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا...... ❶

② اس منصب پر انسان کو مقرر کرتے وقت خداوند عالم نے اچھی طرح اس کے کان کھول کر یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی تھی کہ تمہارا اور تمام جہاں کا مالک، معبود اور حاکم میں ہوں۔ میری اس سلطنت میں نہ تم خود مختار ہو، نہ کسی دوسرے کے بندے ہو، اور نہ میرے سوا کوئی تمہاری اطاعت وبندگی اور پرستش کا مستحق ہے....... ❷

دینی تفسیری ادب میں دین، ملت، توحید، الوہیت وربوبیت اور اسماء حیات کے الفاظ متعارف، مستعمل اور متفق علیہ ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ اور اس کی مخلوقات کے حوالے سے تفسیری ادب میں مخصوص کلمات وتعبیرات ہیں۔ جبکہ مولانا مودودی کے ہاں مقدمہ تفسیر میں دین اسلام کے لیے زیادہ تر تحریک اور جماعت حاکم، فرمان رواں اور مخلوقات باری تعالیٰ کے لیے سلطنت ومملکت کے الفاظ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ان تعبیرات کے پیچھے کئی لغوی وادبی اور دینی عوامل بھی کارفرما ہو سکتے ہیں، لیکن بہر حال مخصوص جماعتی تحریکی اور سیاسی رجحان ایک اہم محرک ہے۔

تحریکی رجحان کے شدید غلبے کا اندازہ یہاں سے کیا جاسکتا ہے کہ صرف دیباچہ اور مقدمہ میں تحریک، جماعت، حکومت، مملکت، سلطنت، فرماں روا، حاکم، جماعتی شعور، نظامِ جماعت اور اس کی ہم معنی تعبیرات انتہائی کثرت سے تحریر کی گئی ہیں۔

علی سبیل المثال، مکی سورتوں کے نزول قرآن کا پس منظر اور دعوت دین کے دوسرے مرحلہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

❶ تفہیم القرآن: ۱۶/۱۔ ۱۷

❷ ایضاً: ۱۶/۱۔ ۱۷

Marfat.com

''اس مرحلے میں اسلام کی اس تحریک اور پرانی جاہلیت کے درمیان ایک سخت جان گسل کشمکش برپا ہوئی، جس کا سلسلہ آٹھ نو سال تک چلتا رہا، نہ صرف مکے میں، نہ صرف قبیلہ قریش میں، بلکہ عرب کے بیشتر حصوں میں بھی جو لوگ پرانی جاہلیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے، وہ اس تحریک کو مٹا دینے پر تل گئے ...... لیکن اس شدید اور روز افزوں مزاحمت کے باوجود یہ تحریک پھیلتی چلی گئی۔ مکے میں کوئی خاندان اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس کے کسی نہ کسی فرد نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو ...... پھر لطف یہ ہے کہ جو لوگ پرانی جاہلیت سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس نوخیز تحریک کی طرف آ رہے تھے وہ پہلے بھی اپنی سوسائٹی کے بہترین لوگ سمجھے جاتے تھے، اور اس تحریک میں شامل ہونے کے بعد وہ اتنے نیک، اتنے راست باز اور اتنے پاکیزہ اخلاق کے انسان بن جاتے تھے کہ دنیا اس دعوت کی برتری محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی جو ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور انہیں یہ کچھ بنا رہی تھی۔ ❶

اس تحریک کی مخصوص ضرورتیں تھیں۔ ان ضرورتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تقریریں نبی ﷺ پر نازل ہوتی رہیں، جن کا انداز کبھی آتشیں خطابت کا، کبھی شاہانہ فرامین واحکام کا، کبھی معلمانہ درس و تعلیم کا، اور کبھی مصلحانہ افہام و تفہیم کا ہوتا تھا۔ ان میں بتایا گیا کہ جماعت اور ریاست اور مدنیت صالحہ کی تعمیر کس طرح کی جائے، زندگی کے مختلف شعبوں کو کن اصول وضوابط پر قائم کیا جائے، منافقین سے کیا سلوک ہو، ذمی کافروں سے کیا برتاؤ ہو، اہل کتاب سے تعلقات کی کیا نوعیت رہے، برسر جنگ دشمنوں اور معاہد قوموں کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے اور منظم اہل ایمان کا یہ گروہ دنیا میں خداوند عالم کی خلافت کے فرائض انجام دینے کے لیے اپنے آپ کو کس طرح تیار کرے۔ ❷

فہم قرآن مجید کی روح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ دنیا کے عام تصور مذہب کے مطابق ایک نری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اس کے سارے رموز حل کر لیے جائیں۔ جیسا کہ اس کے مقدمے کے آغاز میں بتایا جا چکا ہے، یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اس کے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشہ عزلت سے نکال کر خداؤں سے بھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبرداران کفر وفسق وضلالت سے اس کو لڑا دیا۔ گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعی حق کے جھنڈے تلے سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور متلاشیان حق سے ان کی جنگ کرائی۔ ایک فرد واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافت الٰہیہ کے قیام تک پورے تیئس سال یہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی راہنمائی کرتی رہی ❸ ......''

---

❶ تفہیم القرآن: ۲۲/۱-۲۳ ❷ تفہیم القرآن مقدمہ: ۲۴/۱ ❸ ایضاً: ص ۳۳-۴۳

Marfat.com

درج بالا اقتباسات سے یہ حقیقت مبرہن اور صاف دکھائی دیتی ہے کہ قرآن مجید کی مکی سورتوں کا پس منظر، مدنی سورتوں کا پس منظر اور فہم قرآن کی روح پر لکھتے ہوئے مولانا مودودی پر تحریکی، جماعتی اور سیاسی فکر غالب ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر ایک حساس قاری واضح طور پر دیکھتا ہے کہ مولانا مودودی تفسیر کے ذریعے سے تحریکی کارکنان کی مطلوبہ دینی، جماعتی اور اسلامی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ عموماً ہر مکتب فکر سے وابستہ مفسر کسی نہ کسی حوالے سے یقیناً اپنے قارئین کی مخصوص ذہنی تربیت کا خواہاں ہوتا ہے، تاہم بعض بزرگ علما اور شیوخ الحدیث یہ محسوس کرتے ہیں کہ مولانا مودودی تفہیم القرآن میں صحابہ کرام، خیر القرون اور دین اسلام کے لیے ایسی تعبیرات استعمال کرتے ہیں، جن سے اول وہلہ ایک عام کارکن کا ذہن مولانا کی قائم کردہ جماعت اسلامی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے صحابہ کرام اور ان کے ایمان افروز واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے، مولانا مودودی رحمہ اللہ نے جس انداز میں لکھا ہے، وہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''اس سارے قضیہ میں لیڈر جس شان سے سزا دیتا ہے اور پیرو جس شان سے اس سزا کو بھگتا ہے اور پوری جماعت جس شان سے اس سزا کو نافذ کرتی ہے، اس کا ہر پہلو بے نظیر ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کس کی زیادہ تعریف کی جائے۔''❶

اس واقعہ پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پھر جماعت کو دیکھیے تو اس کے ڈسپلن اور اس کی صالح اخلاقی سپرٹ پر انسان اش اش کر اٹھتا ہے۔ ڈسپلن کا یہ حال ہے کہ ادھر لیڈر کی زبان سے بائیکاٹ کا حکم نکلا، اِدھر جماعت نے مجرم سے نگاہیں پھیر لیں❷۔

مقاطعہ کے دوران حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جس صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''اگر قصور کر کے وہ اکڑتے اور اپنے لیڈر کی ناراضی کا جواب غصے اور عناد سے دیتے اور سزا ملنے پر اس طرح بپھرتے جس طرح کسی خود پرست انسان کا غرورِ نفس زخم کھا کر بپھرا کرتا ہے، اور مقاطعہ کے دوران میں ان کا طرز عمل یہ ہوتا کہ ہمیں جماعت سے کٹ جانا گوارا ہے مگر اپنی خودی کے بت پر چوٹ کھانا گوارا نہیں ہے، اور اگر سزا کا یہ پورا زمانہ وہ اس دوڑ دھوپ میں گزارتے کہ جماعت کے اندر بددلی پھیلائیں اور بددل لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے ساتھ ملائیں کہ ایک جتھا تیار ہو، تو معافی کیسی، انہیں تو بالیقین جماعت سے کاٹ پھینکا جاتا اور اس سزا کے بعد ان کی اپنی منہ مانگی سزا ان کو یہ دی جاتی کہ جاؤ اپنی خودی کے بت ہی کو پوجتے رہو، اعلاء کلمۃ الحق کی جدوجہد میں حصہ لینے کی سعادت اب تمہارے نصیب میں کبھی نہ آئے گی۔''❸

❶ تفہیم القرآن: ۲۴۸/۲ ❷ حوالہ بالا ❸ تفہیم القرآن، ص: ۲۴۸/۲-۲۴۹

Marfat.com

حضرت کعب اور ان کے رفقا کی واپسی اور اخلاص کے حوالے سے لکھتے ہیں؛

''اس روش کو اختیار کر کے انہوں نے ثابت کر دیا کہ خدا پرستی نے ان کے سینے میں کوئی بت باقی نہیں چھوڑا ہے جسے وہ پوجیں، اور اپنی پوری شخصیت کو انہوں نے راہ خدا کی جدوجہد میں جھونک دیا ہے، اور وہ اپنی واپسی کی کشتیاں اس طرح جلا کر اسلامی جماعت میں آئے ہیں کہ اب یہاں سے پلٹ کر کہیں اور نہیں جا سکتے۔ یہاں کی ٹھوکریں کھائیں گے، مگر یہیں مریں گے اور کھپیں گے ......'' ❶

ایک رجحان غالب کی حد تک اس میں مضائقہ کی کوئی بات نہیں؛ کیونکہ ہر مفسر بحیثیت انسان بعض علمی، فکری، تمدنی اور دیگر کئی اسباب ومحرکات کی بنا پر کسی مخصوص رجحان کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسی سے ہی اثری فقہی، عقلی، کلامی، اشاری، لغوی، نحوی اور دیگر کئی تفسیری رجحانات منظر عام پر آئے ہیں۔ یہ بات بھی معروف ومسلم ہے کہ کبھی کسی نے فقہی رجحان کے حامل مفسر کو اس وجہ سے مورد الزام نہیں ٹھہرایا کہ فلاں مفسر نے فقہی آیات کی تفسیر پر زیادہ زور دیا ہے۔ لیکن مولانا مودودی کا قضیہ بطور مفسر اس سے قدرے مختلف ہے۔

کیونکہ درج بالا تمام علمی رجحانات کا حامل کوئی بھی مفسر صرف اپنے رجحان ہی تو واحد صحیح تفسیر اور معتبر تفسیر نہیں گردانتا اور نہ ہی وہ دیگر مفسرین کے رجحانات کو غیر صحیح قرار دیتا ہے، جبکہ مولانا مودودی اسے صرف ایک رجحان یا وقتی وعصری تقاضے کے طور پر قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے اس رجحان کو ہی صحیح، معتبر اور ثابت شدہ طریقہ تفسیر سمجھتے ہیں۔ اس کی دلیل مولانا کی کتاب قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے اپنے تفسیری رجحان کی علمی وفکری بنیادیں فراہم کی ہیں۔

مولانا نے اس کتاب کے مقدمہ میں اس کی وجہ تصنیف یوں بیان کی ہے:

''الٰہ، رب، دین اور عبادت یہ چاروں لفظ قرآن کی اصطلاحی زبان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے ان چاروں اصطلاحوں کا صحیح اور مکمل مفہوم سمجھنا ناگزیر ہے۔ اگر کوئی شخص نہ جانتا ہو کہ الٰہ اور رب کا مطلب کیا ہے؟ عبادت کی کیا تعریف ہے اور دین کسے کہتے ہیں تو دراصل اس کے لیے پورا قرآن بے معنی ہو جائے گا۔'' ❷

مولانا کے نزدیک عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا، سب ان اصطلاحات سے بخوبی آشنا تھے لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود، بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا ❸۔

اس پر مستزاد یہ کہ مولانا کے نزدیک یہ غلط اور مبہم مفہومات صرف عوام الناس تک ہی محدود نہ تھے، بلکہ

---

❶ تفہیم القرآن: ۲/۲۴۸

❷ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: (مقدمہ)

❸ حوالہ مذکورہ

Marfat.com

خالص عربیت کے ذوق میں کمی اور اسلامی سوسائٹی میں تبدیلی کی وجہ سے بیشتر متاخرین ماہرین لغت اور مفسرین بھی چار اصطلاحات کے غلط اور مبہم مفاہیم کا شکار تھے، مولانا مودودی واضح طور پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"......دور اخیر کی کتب لغت و تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کی بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے ❶۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا، اور ان چار بنیادی اصطلاحات کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم، بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ❷۔

مولانا مودودی کے معاصر متعدد علما نے اس طرز فکر پر مضبوط علمی گرفت کی ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے صاحب تفہیم کے اس نقطہ نظر پر عربی اور اردو دونوں زبانوں میں قلم اٹھایا ہے اور انتہائی اعتدال کے ساتھ اسے ہدف تنقید بنایا ہے۔ مولانا ندوی کی تنقید کے بنیادی نکات درج ذیل ہیں:

① مولانا ندوی کے خیال میں اس طرح انہوں نے اسلام اور قرآن کی تفسیر کا ایک نیا نمونہ پیش کیا ہے، جس پر سیاسی رنگ غالب ہے اور وہ حاکمیت الٰہ اور سلطانی رب کے گرد گھومتی ہے ❸۔

② مولانا مودودی کی پیش کردہ اصطلاحات اربعہ کی تفسیر اور ان کے طرز تحقیق سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ امت اسلامیہ پر ایسا طویل دور گزرا ہے جب وہ قرآن کے ایسے اہم اور بنیادی مفاہیم کے صحیح اور ٹھیک ٹھیک مضمرات سے نا آشنا رہی، جبکہ ان اصطلاحات پر امت کی صحت فکر اور صحت عمل کا دارومدار ہے، حالانکہ احادیث کے ذخیرہ سے یہ بات اصولی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ امت کسی دور میں عمومی و عالمگیر ضلالت میں مبتلا نہ ہو گی ❹۔

③ مولانا ندوی کی نظر میں اس طرز فکر سے امت کی گزشتہ تاریخ، مجددین و معلمین اور مجتہدین کے علمی و عملی کارنامے بھی مشکوک و کم قیمت ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اس کے ڈانڈے فرقہ باطنیہ سے جا ملتے ہیں، جو عام دینی اصطلاحات کی تشریح اپنے انداز کے مطابق کرنے کے عادی تھے ❺۔

کیونکہ پوری انسانی تاریخ میں ابنیا کی جدوجہد کا مرکزی نکتہ ہی یہ تھا کہ اصنام و اوثان کی عبادت، گزرے ہوئے یا موجود مقدس بزرگوں کے سامنے سجدہ ریزی، دعا، ان کے لیے ذبح، نذر و نیاز، ان کے نام کی قسمیں، ان کی عبادت کے ذریعے قرب الٰہی کا حصول، ان کی ناقابل تردید شفاعت پر مطلق اعتقاد، ان سے نفع و ضرر اور کشف

---

❶ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ❷ ایضاً

❸ ملاحظہ ہو، عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح: ص ۱۳۔۱۴، التفسیر السیاسی للاسلام ابوالحسن الندوی: ۸۰۔۸۵

❹ عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح: ص ۲۱۔۴۱

❺ ایضاً

Marfat.com

مشکلات کی طلب اور اس جیسے دیگر مشرکانہ عقائد پر کاری ضرب لگائے جائے۔ مولانا ندوی کے مطابق اور حقیقت کے عین مطابق۔ انبیائے کرام کی جدوجہد کا مرکز ومحور انسانوں کے اندر پیدا ہونے والے مابعد الطبیاتی اور مافوق الفطرت مظاہر شرک کا خاتمہ تھا۔❶ اہل جاہلیت غضبناک ہوتے تھے تو اس بات پر:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ○ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾❷

''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ تو ان میں جو معزز تھے وہ چل کھڑے ہوئے (اور بولے) کہ چلو اور اپنے معبودوں (کی پوجا) پر قائم رہو۔ بیشک یہ ایسی بات ہے جس سے (تم پر شرف وفضلیت) مقصود ہے۔ یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں۔ یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے۔''

④ مولانا ندوی اس حد تک اس پر مطمئن ہیں کہ ان کے نزدیک عہد نبوی وعہد صحابہ سے واقف کوئی بھی عقلمند اس حقیقت میں شک نہیں کر سکتا ہے کہ شرک کے خلاف وارد آیات سے صحابہ کرام شرک کی مذکورہ بالا اقسام ہی مراد لیتے تھے۔❸

بلکہ مولانا ندوی مزید لکھتے ہیں:

ولا يزال هذا هو الركن الاساسى فى الدعوات الدينى وحركات الاصلاح الى يوم القيام، وهو تراث العنبو الخالد، ﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾❹

وشعار جميع الدعاة الى الله وجميع المصلحين المجاهدين۔❺

قیامت تک برپا ہونے والی تمام دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا رکن رکین یہی موضوع رہے گا، نبوت ورسالت کا یہی دائمی ورثہ ہے، حضرت ابراہیم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے: اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ (خدا کی طرف) رجوع کریں۔

سب دعاۃ ومبلغین اور تمام تر مصلحین ومجاہدین کا یہی شعار ہے۔

---

❶ التفسير السياسى للاسلام: ص ۹۲

❷ سورة صٓ: ۲۸:۵۔۶۔۷

❸ التفسير السياسى للاسلام: ص ۹۲

❹ سورة الزخرف: ۲۸:۴۳

❺ التفسير اليساسى للاسلام: ص ۹۲۔۹۳

Marfat.com

مولانا ندوی کے نزدیک غیر اللہ کی اطاعت، تحاکم الی غیر اللہ، غیر اسلامی حکومت کو تسلیم کرنا اور اس طرح کے دیگر مظاہر جاہلیت شرک جلی کے بعد دوسرے درجے میں ہیں۔ ❶

⑤ مولانا ندوی کی تنقیدات کا پانچواں پہلو یہ ہے کہ دین کی ایسی تعبیر جس میں الوہیت کی اصل روح اقتدار ہے ❷ نیز الہیت واقتدار لازم وملزوم ہیں اور اپنی روح ومعنی کے اعتبار سے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ❸ اسی طرح انبیا کی بعثت کا مقصد اصلی حکومت الٰہیہ کا قیام اور سیاسی انقلاب ہے۔ ❹

مولانا ندوی کے نزدیک اس اسلوب فکر اور ایسی تعبیر دین کی روشنی میں پروان چڑھنے والے افراد کا ذہنی رابطہ کسی اور ماحول سے ہوگا، ان کا ایک نیا دینی مزاج ہوگا، جس میں حب الٰہی اور فلاح اخروی جیسے جذبات، تصورات سیاسیات حاضرہ کے نیچے دب کر ماند پڑ جائیں گے، اس طرح فکر وسعی کی گاڑی اس پٹڑی سے ہٹ جائے گی جس پر انبیا کرام نے اپنے متبعین کو گامزن کیا تھا۔ بالخصوص اس مادیت زدہ ماحول میں محض ایسے مصادر و مراجع سے دینی فہم حاصل کرنے والے لوگ آخر کار مادیت کی گود میں چلے جائیں گے۔

مولانا ندوی اقتدار اعلی سے متعلق مولانا مودودی کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد اپنے اس خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان الذين يستقون معلوماتهم الدينية من نبع هذا التفسير للاسلام وحده، وتقتصر دراستهم للاسلام على هذه الكتابات وحدها، ستعود علاقتهم مع الله ضيق، محدودة، جافة، جامدة، رسمية، فارغة من الكيفيات الداخلة، التي مطلوب من المومن ان يتكيف بها۔ ❺

”جو افراد اپنی دینی معلومات اسلام کی اس تعبیر اور اس سرچشمہ سے حاصل کریں گے، جن کا حاصل مطالعہ صرف انہی تحریروں تک محدود ہوگا، یقیناً ان کا تعلق اللہ انتہائی کم، محدود، خشک، جامد اور محض رسمی اور ان داخلی کیفیات سے سراسر خالی ہوگا جو ایک مومن سے مطلوب ہیں۔“

مولانا مودودی کے اس منہج پر ایک اور اہم تنقید اپنے عہد کے نامور مدرس، محدث حضرت حافظ محمد محدث

---

❶ التفسير السياسى الاسلام: ص ۹۲

❷ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: ص ۲۵۔ (اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹڈ) لاہور، ایڈیشن مئی ۲۰۰۰ء

❸ ایضاً: ص ۳۴

❹ تجدید واحیائے دین، مودودی، مکتبہ جماعت اسلامی دارالاسلام پٹھان کوٹ، پنجاب: ص ص ۲۱۔۲۲

❺ التفسير السياسى للاسلام: ص ۱۰۱، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اسی کتاب کے صفحات ۱۰۲۔۱۰۷، نیز ملاحظہ ہو عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح، مولانا ندوی، ص: ۲۱۔۴۱

Marfat.com

گوندلوی رحمہ اللہ کی جانب سے ہوئی۔❶ انہوں نے اپنی کتاب تنقید المسائل میں مولانا مودودی کی سیاسی فکر، اور اصطلاحات اربعہ کا خالص تحقیقی وعلمی انداز سے جائزہ لیا۔ بالخصوص عبادت کے حقیقی تصور اور خالص تحقیقی وعلمی انداز سے جائزہ لیا۔ بالخصوص عبادت کے حقیقی تصور اور مجازی استعمالات پر ان کی مذکورہ ادب اس موضوع پر ایک منفرد کاوش ہے۔❷

مولانا مودودی کے افکار پر بالعموم اور چار بنیادی اصطلاحوں پر بالخصوص دوسری تنقید مولانا وحید الدین خاں کی جانب سے ہوئی جو 1961ء تک جماعت اسلامی کے باقاعدہ رکن بھی رہے، دین کی سیاسی تعبیر کے حوالے سے مولانا وحید الدین خان کی فکر بعینہ وہی ہے جو مولانا ندوی کی ہے، مولانا وحید الدین خان کی تنقید کا خلاصہ یہ ہے:

''کارل مارکس نے جس طرز پر زندگی اور اس کے واقعات کی تشریح کی ہے، اس میں معاشی پہلو تمام چیزوں پر غالب آ گیا ہے۔ اس طرح مولانا مودودی نے جس ڈھنگ سے دین کو پیش کیا ہے، اس میں ہر چیز پر ایک قسم کا سیاسی رنگ چھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اگر ان کے فکر کو دین کی سیاسی تعبیر کا نام دیا جائے تو یہ بڑی حد تک ایک صحیح بات ہوگی۔''❸

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''یہاں یہ یاد رہے کہ اس تعبیر پر میرا اعتراض دراصل یہ نہیں ہے کہ اس نے سیاست کو اسلام میں کیوں شامل کر دیا، سیاست زندگی کا ایک لازمی جز ہے اور کوئی نظریہ جو انسانی زندگی سے متعلق ہو سیاست سے خالی نہیں ہو سکتا، اس سے بھی اختلاف نہیں ہے کہ مخصوص وقت میں کوئی اسلامی گروہ، سیاست پر کتنی قوت صرف کرے؟ بالکل ممکن ہے کہ ایک ہنگامی مرحلے میں کسی اسلامی گروہ کو اپنی بیشتر یا ساری قوت سیاسی تبدیلی کے محاذ پر لگا دینی پڑے۔ میرا اعتراض دراصل یہ ہے کہ سیاست جو صرف اسلام کا ایک پہلو ہے، اسی کی بنیاد پر پورے اسلام کی تشریح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک چیز اپنی صحیح حیثیت میں حقیقت ہو سکتی ہے، لیکن اس کو صحیح مقام سے ہٹا دیا جائے تو ایک صحیح چیز بھی غلط ہو کر رہ جائے گی۔''❹

---

❶ حضرت حافظ محمد گوندلوی (۱۸۹۷ء۔۱۹۸۵ء) اپنے عہد کے نامور محدث تھے۔ مدینہ یونیورسٹی میں انہیں تدریس حدیث کی مسند پر بیٹھنے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔ عرصۂ دراز تک جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں صحیح بخاری شریف کی تدریس فرماتے رہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مقدمہ مقالات محدث گوندلوی، ص: ۵تا۵۴

❷ تنقید للمسائل، حافظ شاہد محمود صاحب نے یہ کتاب مقالات محدث گوندلوی میں مکمل شائع کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو مقالات محدث گوندلوی، ص: ۲۵۹۔۲۶۶

❸ دین کی سیاسی تعبیر، لاہور، المکتبۃ الاشرفیۃ، س۔ن، ص: ۱۱

❹ تعبیر کی غلطی: ص ۲۶۶، (فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۱۹۹۷ء)

Marfat.com

مقالہ نگار کی ذاتی رائے کے مطابق مولانا ندوی اور مولانا مودودی دونوں ہی جدید اسلامی فکر کی راہنما شخصیات ہیں، ان میں سے کوئی بھی شخصیت دین کے ہمہ گیر تصور کی مخالف نہیں ہے، مولانا مودودی عبادات و افکار، حب الٰہی، تعلق باللہ، فکر آخرت اور دیگر خالص دینی وروحانی اقدار کی ضرورت واہمیت کی کیسے مخالفت کر سکتے ہیں؟ اسی طرح مولانا ندوی کو عصر حاضر میں سیاست کے کردار اور اسلامی تصور سیاست کے فروغ سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے؟ مسئلہ صرف ترجیحات اور صحیح مقام کے تعین کا ہے۔ اور اس سلسلے میں بہر صورت یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مولانا مودودی کی فکر پر اسلامی سیاست کا غلبہ ہے، اور اس کے اثرات یقینی طور پر ان کی تفسیر تفہیم القرآن میں بھی نمایاں دکھائی دیتے ہیں، جبکہ مولانا ندوی کی فکر پر روحانیت اور تصوف کا رنگ غالب ہے۔

مقالہ نگار کی رائے میں ضرورت ہے کہ فکر مودودی کے مسلم معاشرے پر نفسیاتی، دینی و مذہبی، معاشرتی اور دیگر اثرات کا بھی جائزہ لیا جائے۔ خصوصاً عصر حاضر میں بڑھتا ہوا فتنہ تکفیر و خروج اور اس فکر کے پیچھے کارفرما خالص علمی و فکری عوامل پر تحقیق کی بھی بہت ضرورت ہے۔ وقت کا شدید تقاضا ہے کہ دیکھا جائے توحید الوہیت کی تفہیم و تعبیر میں توحید حاکمیت پر زیادہ زور دینے، اس پر زیادہ توجہ مرکوز کرنے اور الحکم بغیر ماانزل اللہ کو بلا تفصیل و تفریق شرک اکبر قرار دینے سے عملاً امت اسلامیہ کو کیا فائدہ ہوا ہے؟

اور اگر یہی محنت مولانا مودودی جیسی جلیل القدر ہستیوں کی طرف سے، اسی شد و مد کے ساتھ مافوق الفطری اور مابعد الطبیعاتی مظاہر شرک کی تردید میں صرف ہوتی تو اس سے امت اسلامیہ کی فکری تطہیر اور معاشرتی اصلاح میں کس سرعت سے اضافہ ہوتا؟ یہ سب سوالات تحقیق طلب ہیں؟ لیکن اگر وقتی حالات اور خاص فکر سے متاثر ہوئے بغیر قرآن مجید اور قصص انبیا کا مطالعہ کیا جائے تو الوہیت، ربوبیت، عبادت اور دین کے وہی معنی متبادر ہوتے ہیں جو قدیم و جدید دور میں جمہور مفسرین نے مراد لیے ہیں۔

***

Marfat.com

نتائج تحقیق چہارم

(تفسیر بالرای المحمود)

① تفسیر بالرای کے جواز و عدم جواز کے بارے اختلاف محض لفظی اور ظاہری ہے، تفسیر بالرای کے جواز سے متعلقہ اقوالِ سلف میں رائے سے مراد رائے محمود ہے، اور مذمت پر مشتمل اقوال میں رائے سے مراد رائے مذموم ہے۔

② صحابہ وتابعین بھی تفسیر بالرای المحمود سے کام لیتے تھے۔

③ تفسیر بالرای ایک نازک معاملہ ہے، اس میں حزم واحتیاط اور شروط وآداب کوملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

④ اگر تفسیر بالرای میں حزم واحتیاط، تدوین وتقوی و اصلاحیت شامل حال نہ ہو تو تفسیر بالرای ضلالت و انحراف کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

⑤ تفسیر بالرای میں غلطی کے بنیادی طور پر تین اسباب ہیں:

① نااہلیت

② قرآن مجید کو اپنے نظریات کے تابع بنانا

③ معاصر افکار سے مرعوبیت

⑥ مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن تفسیر بالرای المحمود کی ایک نمائندہ تفسیر ہے۔

⑦ تفہیم القرآن از مولانا مودودی زبان و بیان، جدید قانونی وتہذیبی پہلو، تقابل ادیان، معاصر فکری چیلنجز کا مقابلہ، متجددین کا علمی محاسبہ، تاریخی واقعات کی مفصل تحقیق اور بعض دیگر کئی حوالوں سے اردو تفاسیر میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

⑧ تفہیم القرآن کے مصنف جمہور کے اصول تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

⑨ تفہیم القرآن پر تحریکی وسیاسی رنگ غالب ہے۔

⑩ قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحات کی تفسیر میں صاحب تفہیم القرآن جمہور سے متفق نہیں ہیں۔

⑪ صاحب تفہیم حدیث کو حجت ماننے کے باوجود بعض مقامات پر متفق علیہ احادیث کو اپنی عقل و درایت کی بنا پر صریحاً رد کر دیتے ہیں۔

⑫ صاحب تفہیم القرآن ترغیب وترہیب اور فضائل سے متعلقہ احادیث اپنی تفسیر میں بالعموم ذکر نہیں کرتے۔

⑬ تفہیم القرآن کے مصنف مولانا مودودی تفسیر قرآن میں اقوال صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے۔

⑭ مولانا مودودی ترجمۃ القرآن اور تفسیر میں اپنی رائے اور نظریہ کو خاص اہمیت دیتے ہیں اور جہاں مناسب سمجھتے ہیں تفسیر میں اپنے جماعتی وسیاسی نظریہ کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں۔

***

Marfat.com

باب پنجم

فراہی مکتبِ فکر کے اصول تفسیر

فصل اول: نظم قرآن: تعارف اور تاریخی پسِ منظر

فصل ثانی: فراہی مکتبِ فکر کا تصورِ نظم اور اصول تفسیر

فصل ثالث: فراہی مکتبِ فکر کا تجزیاتی مطالعہ

فصل رابع: فراہی مکتبِ فکر کے اثرات

***

Marfat.com

تعارف باب پنجم

اس باب میں برصغیر کے ''فراہی مکتبِ فکر'' کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ فراہی مکتبِ فکر کے ہاں تفسیر قرآن کا سب سے بڑا ماخذ خود قرآن مجید کا اندرونی نظام ہے، جو اپنے اندر ایک خاص موضوعی وحدت رکھتا ہے۔ اس باب میں اولاً متقدمین کے ہاں نظم قرآن کے بارے میں پائے جانے والے مختلف نقطہ ہائے نظر کو پیش کیا جائے گا۔ ثانیاً فراہی تصورِ نظم کو بیانیہ انداز میں تحریر کیا جائے گا۔ ثالثاً فراہی تصورِ نظم قرآن اور اصولِ تفسیر کا تجزیاتی مطالعہ قلم بند کیا جائے گا۔ آخر میں فراہی مکتبِ فکر کے اثرات زیر بحث لائے جائیں گے۔

***

Marfat.com

فصل اول

نظم قرآن: تعارف اور تاریخی پس منظر

تعارف

قرون اولیٰ سے لے کر دور حاضر تک لاتعداد کتب قرآنی علوم و معارف پر قلمبند ہو چکی ہیں۔ کسی نے لہجات وقراءات پر دادِ تحقیق دی ہے اور کسی نے مخارج واداء پر، کسی نے اس کے الفاظ ومفردات کو موضوع بحث بنایا ہے اور کسی نے اس کی تراکیب واسالیب کو، کسی نے امثال اور تصویر فنی پر خامہ فرسائی کی ہے، تو کسی نے فصاحت وبلاغت کے اسرار ورموز کو اجاگر کیا ہے۔ غرض قرآن حکیم کے ہر پہلو پر امت مسلمہ نے ایک قابل قدر ورثہ تیار کیا ہے۔

علومِ قرآن کے ان متنوع موضوعات میں اعجازِ قرآن اور نظم قرآن کو بھی ایک نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ نظم قرآنی کو اہل فن ایک مستقل علم "علم المناسبات" سے تعبیر کرتے ہیں۔

چونکہ اس باب میں فراہی مکتبِ فکر کا تجزیاتی مطالعہ مقصود ہے۔ لہٰذا تمہیدی طور پر اس باب کی پہلی فصل میں "علم المناسبات" کا تاریخی پس منظر پیش کیا جائے گا اور مختصراً جائزہ لیا جائے گا کہ وہ مختلف ادوار میں کس طرح ارتقا پذیر رہا؟ تاکہ بعد میں ہم یہ معلوم کر سکیں کہ مولانا فراہی نے اس میں کیا جدتیں پیدا کیں؟ دوسری فصل میں فراہی مکتب فکر کے تصورِ نظم کو بیانیہ انداز میں پیش کیا جائے گا۔ تیسری فصل میں اس کا تجزیہ اور چوتھی فصل میں اس کے اثرات زیر بحث لائے جائیں گے۔

***

Marfat.com

علم المناسبات

نظم قرآن کو علمائے تفسیر اور ماہرین علوم القرآن زیادہ تر ''علم المناسبات'' یا ''علم المناسبۃ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ امام زرکشی نے ''البرہان'' ❶ میں اور امام سیوطی نے ''الاتقان'' میں یہی نام استعمال کیا ہے۔ ❷ البقاعی نے اپنی تفسیر کا نام بھی اس طرز پر رکھا ہے: "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور۔"

لغوی معنی

مناسبت کے لغوی معنی مقاربت اور مشاکلت کے ہیں۔

لغت میں کہتے ہیں: "فلان يناسب فلانا" یعنی: فلاں شخص فلاں سے مشابہ اور ملتا جلتا ہے۔ باہمی رشتہ داروں کو اسی معنی میں ''نسیب'' کہتے ہیں، کیونکہ ان کے درمیان ایک اور تعلق استوار ہوتا ہے۔ ❸

اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں اس سے مراد: ''وہ علم ہے، جو قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کی ترتیب میں نظم، ان میں باہمی ربط و تعلق کی نوعیت اور حکمت سے بحث کرتا ہے۔'' ❹

ضرورت و اہمیت اور مختلف نقطہ ہائے نظر

نظم قرآنی یا علم المناسبات کی اہمیت و افادیت کے بارے میں اہل علم کی آرا مختلف رہی ہیں۔ بعض اہل

---

❶ ملاحظہ ہو: النوع الثانی، معرفة المناسبات، البرهان، ۱۱‏/٤۔

❷ ملاحظہ کیجئے: النوع الثانی والستون، فی مناسبة الآیات والسور، الاتقان، ص۶۹۳۔

❸ البرهان، للزرکشی، ۱۱‏/٤۔

❹ دیکھیے: مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص۹۷، "نظم قرآن"، تاریخ و تحقیق، احمد اقبال قاسمی، سه ماهی فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۲۵، شماره نمبر۱ (جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۷، ص۳۹۔

Marfat.com

علم اس کی افادیت کے نہ صرف قائل تھے۔ بلکہ انہوں نے تفسیر قرآن میں اس علم سے بھرپور استفادہ کیا، جبکہ بعض دیگر اہل علم اسے تکلفِ محض سے تعبیر کرتے ہیں۔

مخالفین نظمِ قرآن

شیخ عزالدین بن عبدالسلام☆ اس طبقہ فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"المناسبات علم حسن، لكن يشترط فى حسن ارتباط الكلام أن يقع فى أمر متحد مرتبط اوله بآخره۔ فان وقع على اسباب مختلفة لم يشترط فيه ارتباط احدهما بالآخر، ومن ربط ذالك فهو متكلف بما لا يقدر عليه الا بربط ركيك يُصان عنه حَسَنُ الحديث، فضلا عن أَحْسَنِه، فان القرآن نزل فى نيف و عشرين سنة فى أحكام مختلفة، ولأسباب مختلفة، و ما كان كذالك لا يتأتى ربط بعضه ببعض" ❶

"علم المناسبۃ ایک اچھا علم ہے۔ لیکن ربطِ کلام کی خوبی اس بات سے مشروط ہے کہ وہ کلام ایک ہی معاملے میں ہو اور شروع تا آخر مربوط واقع ہو۔ اگر کلام مختلف مواقع پر پیش آیا ہو، تو پھر اس کے باہم مربوط ہونے کی شرط نہیں لگائی جا سکتی؟ بلکہ ایسے کلام کو کوئی شخص اگر مربوط بنانے کی کوشش کرے گا تو وہ نہ صرف ایک غیر مقدور چیز کا تکلف کر رہا ہوگا۔ بلکہ! ایسا رکیک اور سطحی ربط پیش کرے گا جو احسن الکلام تو کیا، عام مناسب اور اچھی کلام کے بھی شایان شان نہیں ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید بیس سال سے کچھ زائد عرصے میں متفرق احکام اور مختلف اسباب وعوامل کے پیش نظر نازل ہوتا رہا۔ نزول کی اس کیفیت کے ہوتے ہوئے اس میں باہمی ربط نہیں ہو سکتا۔"

امام شوکانی رحمہ اللہ کی رائے

ماضی قریب کے مشہور مفسر امام شوکانی رحمہ اللہ بھی نظم کے قائل نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے تلاش نظم کو لایعنی اور وقت کا ضیاع قرار دیا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت 40 کے تحت لکھتے ہیں:

"جان لو کہ بہت سے مفسرین نے ایک زحمت طلب علم دریافت کیا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے سمندر

☆ عبدالعزیز بن عبدالسلام، معروف شافعی فقیہ ہیں۔ سلطان العلماء کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ۵۷۷ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ ۶۶۰ھ میں وفات پائی۔ (اعلام، الزركلی، ۲۱٤)

❶ البرهان، للزركشی، ۴۲۱۔

Marfat.com

میں غوطہ زنی کی ہے جس میں تیرنے کے وہ مکلّف نہیں بنائے گئے ،انہوں نے ایک ایسے فن میں اپنے اوقات صرف کیے جوان کے لیے قطعی سودمند نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے آپ کوایسی مجرد رائے اور گمان سے کام لینے پر لگا دیا ہے جو کتاب الٰہی کے معاملات میں بالکل ممنوع ہے۔ ❶

گویا امام شوکانی کے نزدیک نظم تفسیر بالرّای کی ایک صورت ہے۔ بلکہ اسے محض تکلف اور تصنع قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''انہوں نے مصحف میں موجود ترتیب کے مطابق قرآنی آیات کی تنظیم کے درمیان مناسبت کا التزام کیا ہے اور اس راہ میں ایسے تکلفات اور اس قدر تصنع سے انہیں کام لینا پڑا ہے کہ حق وانصاف پناہ مانگتے ہیں۔ کلام اللہ تو دور کی بات ماہرینِ بلاغت کا کام بھی ایسے تکلفات سے مبرا ہوتا ہے۔'' ❷

نزول کے تئیس سالہ عرصہ اور آیات میں طویل فاصلہ امام شوکانی کے نزدیک قرآن مجید میں نظم نہ ہونے کی ایک اہم وجہ ہے، اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''قرآن اپنے آغازِ نزول سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مختلف حالات و واقعات کے مطابق متفرق اور منتشر شکل میں اترا ہے۔ عالم کو چھوڑیئے، کوئی بھی صاحب عقل شخص اس امر میں شک نہیں کر سکتا کہ نزول قرآن کے مقتضیات اور حالات و واقعات خود ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہیں بلکہ بسا اوقات باہم متضاد بھی ہیں، جیسے ایک چیز کو حرام قرار دینا جو پہلے حلال تھی اور ایک چیز کو حلال قرار دینا جو پہلے حرام تھی۔ ایک امر کو کسی شخص یا کچھ اشخاص کے لیے ثابت کرنا جب کہ وہ اس کے برعکس تھا جو پہلے ان کے لیے تھا، کبھی گفتگو مسلمانوں سے ہوتی ہے اور کبھی کافروں سے، کبھی خطاب ماضی کے لوگوں سے ہوتا ہے اور کبھی حال کے لوگوں سے۔ کبھی عبادت زیر بحث آتی ہے اور کبھی معاملات۔ کبھی ترغیب ہوتی ہے اور کبھی ترہیب، بشارت ہوتی ہے، تو کبھی انذار، دنیا زیر بحث ہوتی ہے کبھی آخرت، بسا اوقات درپیش مسائل اور پریشانیوں کا بیان ہوتا ہے اور بسا اوقات گزرے ہوئے قصے اور داستانیں مذکور ہوتیں ہیں۔ جب نزول کے اسباب اس قدر مختلف اور ایک دوسرے سے اتنے جدا ہیں کہ ان میں وحدت اور ہم آہنگی کا کوئی موقع نہیں ہے تو انہی اسباب میں نازل ہونے والا قرآن بھی اسی درجہ کے اختلاف کا مظہر ہوگا۔ آخر کوئی صاحبِ عقل گوہ اور مچھلی کے درمیان، آگ اور پانی کے درمیان اور ملاح اور حادی (ساربان) کے درمیان مناسبت کیسے تلاش کرے گا۔'' ❸

تلاش نظم پر اعتراضات وارد کرتے ہوئے اس مقام پر امام شوکانی مزید لکھتے ہیں:

کیا یہ ان لوگوں کے لیے شک کا دروازہ کھولنا اور شکوک کے دائرہ کو وسیع تر کرنا نہ ہوگا جن کے دلوں میں

---

❶ فتح القدیر، شوکانی، ۱/۷۱، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۹۹ء۔

❷ ایضاً ❸ ایضاً

Marfat.com

مرض ہے یا جن کی بیماری محض جہالت اور کوتاہی ہے۔ جب یہ مریضان قلب دیکھیں گے کہ اہل علم قرآن کی تمام آیتوں کے درمیان مناسبت پر گفتگو کر رہے ہیں اور اس پر علیحدہ کتابیں تصنیف کر رہے ہیں تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ ایک ناگزیر علم ہے اور یہ کہ قرآن اسی وقت بلیغ اور معجزہ مانا جائے گا جب کہ مناسبت کی وجوہ ظاہر ہو جائیں تو انہیں یقین ہو جائے اور ربط و مناسبت کو واجب کرنے والی چیز واضح ہو جائے۔ اگر اسے آیات کے درمیان اختلاف نظر آئے تو اس کے دل میں قرآن کے بارے بدگمانی پیدا ہو جائے گی، حالانکہ اس نظریہ کو تسلیم کرنے سے پہلے وہ اس طرح کے شکوک سے پاک تھا۔

یہ صورت حال اس وقت درست ہوگی جب کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب کے مطابق ہی قرآن نازل ہوا ہے۔ آخر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ ہر وہ شخص جسے کتاب الٰہی کا ادنیٰ سا علم ہے اور وہ اس سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ صورتحال ایسی نہیں ہے۔ اگر کسی کو اس میں شک ہو، اگرچہ اہل علم اس میں شک نہیں کر سکتے، تو وہ اسباب نزول کے ان علما کے کلام کا مطالعہ کرے جو واقعات و حالاتِ نبوت سے پوری طرح واقف تھے۔ اس مطالعہ سے اس کا سینہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔

طویل سورتوں کو چھوڑیئے، معتدل اور درمیانی سورتوں ہی پر غور کر کے اس کے شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ ان سورتوں کے مطالعہ سے وہ اس نتیجہ تک پہنچے گا کہ وہ ایسی آیات پر مشتمل ہیں جو مختلف حالات اور جدا جدا اوقات میں نازل ہوئی ہیں جن کے اسباب و حالات میں کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی بلکہ یہاں صرف اسی پر غور کر لیا جائے کہ سب سے ابتداء میں ﴿اقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝﴾ نازل ہوئی پھر ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝﴾ اور اس کے بعد ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ کی آیات اتریں۔ بتایئے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب میں ان آیات اور سورتوں کی جگہ کیا ہے، جب صورتحال یہ ہے تو ان آیات کے درمیان مناسبت تلاش کرنے کے کیا معنی ہیں جن کے بارے میں قطعی طور پر ہمیں معلوم ہے کہ مصحف کی ترتیب میں انہیں بعد میں رکھا گیا ہے جب کہ ان کا زمانہ نزول پہلے کا ہے یا مصحف میں انہیں پہلے رکھا گیا ہے جب کہ زمانۂ نزول بعد کا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کا تعلق نزول قرآن کی ترتیب سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ان صحابہ کے عمل سے ہے جو جمع و ترتیب کے ذمہ دار تھے۔

اس طرح کے علم کا فائدہ بہت کم اور اس کا ثمرہ بہت محدود ہے بلکہ یہ صاحب فہم کے نزدیک محض تضیع اوقات اور ایسی چیز میں گھنٹوں کا صرف کرنا ہے، جو عبث اور بے سود ہے، آپ خوب واقف ہیں کہ اگر ایک شخص مناسبت کی تلاش کے پیچھے پڑ جائے اور اہل ادب و بلاغت کے خطبوں، رسائل اور انشائیوں میں نظم ڈھونڈنے لگے یا شعرا کے مدحیہ، ہجائیہ، غزلیہ اور مرثیہ قصائد، خطبات اور ان کے فقروں اور خاتموں میں مناسبت کے اسباب تلاش کرے پھر ایک قدم آگے بڑھ کر مزید تصنع کرے اور خطیب کے خطبۂ جہاد کی خطبۂ حج اور خطبۂ نکاح اور دوسرے تمام خطبوں میں وحدت پیدا کرے اور تعزیتی انشائیہ اور تبریکی انشائیہ میں تعلق قائم کرے تو ایسے شخص کو مریض اور فاتر العقل تصور کیا جائے گا، جو اپنے اوقات سے کھلواڑ کر رہا ہے اور اپنی عمر عزیز کو داؤ پر لگا رہا ہے۔ جب

Marfat.com

اس مقام پر یہ حالت ہے کہ کلام انسانی میں اس فعل کو حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس کلام خداوندی میں اس قسم کے عمل کو کیا کہا جائے گا، جس کی بلاغت نے بڑے بڑے عرب زبان آوروں کو خاموش کر دیا اور جس کی فصاحت نے عدنان کے فصیح اللسان ادیبوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

ہر شخص خواہ کم علم ہو یا مکمل عالم، جانتا ہے کہ اللہ نے قرآن کی یہ صفت بتائی ہے کہ وہ عربی مبین ہے اور اسے عربوں کی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں عربوں کے مسالکِ ادب اور اندازِ تخاطب کو اختیار کیا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایک خطیب ایک ہی مقام پر کھڑا ہو کر مختلف ومتضاد فنونِ کلام کو اختیار کرتا تھا چہ جائیکہ متعدد مقامات کی بات ہو یا زندگی بھر کے اقوال اور خطبوں کا معاملہ ہو یہی حال ان کے شاعروں کا تھا۔ یہاں ہم اس فساد پر اسی تنبیہ کو کافی سمجھتے ہیں جس کی وادیوں میں متعدد محققین نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔

یہاں ہم نے اس بحث کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ روئے سخن اب بنی اسرائیل کی طرف مڑ گیا ہے جب کہ اس سے پہلے گفتگو ابوالبشر آدم کے سلسلہ میں ہو رہی تھی۔ اگر کوئی تکلف وتصنع کا عادی سوال کرے کہ ان آیات کا ماقبل سے کیا ربط اور مناسبت ہے؟ تو ہمارا جواب ہوگا کہ کوئی ربط اور مناسبت نہیں ہے۔ (1)

جمہور مفسرین کا تعامل

اسی طرح جمہور مفسرین جنھوں نے اپنی کتبِ تفاسیر میں تلاش نظم اور اظہارِ مناسبات کا التزام نہیں کیا، بالواسطہ طور پر اسی رائے کے قائل ہیں۔ ان کا تفسیری تعامل بجائے خود اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ نظم ومناسبت کو تفسیر قرآن میں خاص اہمیت دینے کے قائل نہیں ہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے امام رازی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے

"رأیت جمهور المفسرین معرضین عن هذه اللطائف، غیر منتبهین لهذه الأسرار..." (2)

''میں نے اکثر مفسرین کو دیکھا ہے کہ وہ (نظم کے) ان لطائف سے اعراض برتتے ہیں اور ان اسرار و رموز پر توجہ نہیں دیتے۔''

خود امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وعلم المناسبة علم شریف، قل اعتناء المفسرین به لدقته" (3)

''علم مناسبت عظیم علم ہے، لیکن مفسرین نے دقت وپیچیدگی کی بنا پر اس پر کم ہی توجہ دی ہے۔''

امام سیوطی رحمہ اللہ کے پیشرو امام زرکشی رحمہ اللہ نے یہ بات لکھی ہے، فرماتے ہیں:

(1) فتح القدیر، ۱۰۸۱-۱۰۹، دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعة الاولیٰ، ۱۹۹۹ء

(2) الاتقان، ص ٦٩٤ - (3) ایضاً

Marfat.com

" و قد قل اعتناء المفسرین بھذا النوع لدقته۔"❶

مزید لکھتے ہیں:

" وھذا النوع یھمله بعض المفسرین، أو کثیر منھم۔"❷

مخالفین نظم کے دلائل

امام شوکانی کے درج بالا اقتباس کی روشنی میں مخالفین نظم کے دلائل درج ذیل ہیں:

① قرآن وسنت میں کہیں بھی تلاش نظم و مناسبت کا انسانوں کو مکلّف نہیں بنایا گیا۔

② جب ہم اس کے مکلّف ہی نہیں ہیں، تو آخر ہمیں اس سے کسی فائدے کی توقع کیونکر رکھنی چاہیے؟ نظم کی راہیں کھل بھی جائیں، تو بہر حال عملی زندگی میں اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔

③ تفسیر بالمأثور میں نظم کی رہنمائی نہیں ملتی، صحابہ وتابعین کے تفسیری اقوال میں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ نتیجتاً تلاشِ نظم ہر انسان کی رائے پر موقوف ہے۔ اور کلام اللہ میں مجرد رائے سے گریز بہر صورت بہتر ہے۔

④ چونکہ نظم ایک خفی چیز ہے، جن لوگوں نے اس کا التزام کیا ہے، انہوں نے اظہار نظم اور وجوہ مناسبت کے لیے کئی مقامات پر بہت تکلف سے کام لیا ہے۔ بعض مقامات پر تو اس قدر تصنع اور بناوٹ نظر آتی ہے کہ خود حق وانصاف پناہ مانگتے ہیں۔

⑤ قرآن مجید طویل مدت میں متفرق طور پر نازل ہوا ہے، اس قدر طویل عرصے میں نظم کا بقا ممکن ہی نہیں۔

⑥ نزول قرآن کے اسباب النزول اور حالات وواقعات بھی مختلف ہیں۔

⑦ اگر نظم قرآن کو بنیاد بنایا جائے اور اسی کو وجہ اعجاز سمجھ لیا جائے، تو جن آیات میں نظم دکھائی نہیں دیتا، ان پر بعض لوگ حرفِ اعتراض اٹھائیں گے۔

⑧ تلاش نظم کا سوال پیدا ہی تب ہوتا ہے جب ترتیب کو قطعی طور پر توقیفی سمجھا جائے، جب کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب بہت سے اہل علم کے نزدیک صحابہ کی دی ہوئی ہے۔

⑨ نظم و مناسبت کلام عرب میں بھی مفقود ہے، شاعر جاہلی کے ایک قصیدے میں متنوع موضوعات پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایک شاعر کے تمام قصائد کے درمیان نظم و مناسبت جوڑنے بیٹھ جائے تو یقیناً اسے عقل کا فتور ہی سمجھا جائے گا۔ قدیم عرب خطبا بھی ایک ہی مقام پر ایک خطبے میں متنوع موضوعات کو زیر بحث لاتے تھے۔ قرآن مجید مسلکِ عرب پر ہی نازل کیا گیا ہے۔

قائلین نظم قرآن

وہ اہل علم جو نظم قرآن کی افادیت کے قائل تھے، ان کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے امام زرکشی

---

❶ البرھان، ۴۲۱۔ ❷ ایضاً

Marfat.com

لکھتے ہیں:

"قال بعض مشايخنا المحققين : قد وهم من قال: لا يطلب للآية الكريمة مناسبة ، لانها على حسب الوقائع المتفرقة ۔ وفصل الخطاب أنها على حسب الوقائع تنزيلا ، وعلى حسب الحكمة ترتيبا ، فالمصحف كالصحف الكريمة على وفق ما فى الكتاب المكنون ، مرتبة سوره كلها و آياته بالتوقيف...." ❶

"ہمارے بعض محققین مشائخ کا کہنا ہے: جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں، قرآنِ مجید چونکہ متفرق حالات و واقعات کے مطابق نازل ہوتا رہا، اس لیے اس میں نظم و مناسبت کی تلاش نہیں کی جاسکتی، ایسے لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ قول فیصل یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول حالات و واقعات کے مطابق ہوتا رہا، لیکن اس کی ترتیب و تدوین ایک خاص حکمت کے تحت عمل میں آئی۔ یہ صحائف کریمہ کی طرح اسی طرح مرتب ہوا ہے، جس طرح یہ لوحِ محفوظ میں مرقوم تھا، اس کی تمام سورتوں اور آیات کی ترتیب توقیفی ہے......"۔

قائلین نظم قرآن میں امام بقاعی رحمہ اللہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے، کیونکہ وہ نہ صرف نظم کے قائل تھے، بلکہ انہوں نے اپنے تصورِ نظم کے مطابق ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام ہے:

"نظم الدرر فى تناسب الآيات والسور۔" ❷

نظم قرآن کے حامیوں میں ابوجعفر ابن الزبیر ❸ کا نام سرفہرست ہے، کیونکہ انہوں نے اس موضوع پر "البرهان فى ترتيب سور القرآن" کے نام سے مستقل تصنیف لکھی۔ ❹

امام زرکشی رحمہ اللہ بھی نظم کے حامی ہیں اور انہوں نے "البرهان" میں آیات کے درمیان مناسبت پر بعض دقیق نکات کی طرف اشارات کیے ہیں۔ نیز انہوں نے نہ صرف سورتوں کے آغاز اور اختتام کے درمیان مناسبت کے بارے میں بعض لطائف ذکر کیے ہیں، بلکہ سورتوں کے درمیان باہمی ربط کو ظاہر کرنے کے لیے اقوال بھی قلم بند کیے ہیں۔ ❺

---

❶ البرهان ، ۱/ ۴۲-۴۳۔

❷ یہ تفسیر دائرۃ المعارف العثمانیہ (حیدرآباد) دکن سے شائع ہوئی تھی۔ ۱۹۹۵ء میں معروف محقق عبدالرزاق مہدی کی تحقیق سے سات جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

❸ ابوجعفر ابن الزبیر، احمد بن ابراہیم الثقفی الغرناطی، شیخ ابوحیان نحوی کے استاد ہیں۔ تفسیر و حدیث اور اصول میں اپنے عہد کے امام مانے جاتے تھے۔ ۶۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ۷۰۸ھ میں غرناطہ میں وفات پائی۔ (الدرر الكامنة فى أعيان المائة الثامنه ، ابن حجر ، ۱/ ۸۴ ، البدر الطالع ، شوكانى ، ۱/ ۳۳)۔

❹ البرهان، زركشى، ۱/ ۱۱۔ ❺ البرهان ، زركشى ، ۱/ ۴۲-۴۵۔

Marfat.com

امام سیوطی کا شمار بھی قائلینِ نظم میں ہوتا ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے دو کتابیں لکھیں، اپنی تفصیلی کتاب کا "تناسق الدرر فی تناسب السور" کے نام سے خلاصہ بھی تصنیف کیا۔ (1)

اپنی کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و کتابی الذی صنفته فی أسرار التنزیل کامل بذالك۔ جامع لمناسبات السور والآیات ، مع ما تضمنه من بیان وجوه الاعجاز و أسالیب البلاغة ۔ و قد لخصت منه مناسبات السور خاصة فی جزء لطیف ، سمیته : تناسق الدرر فی تناسب السور" (2)

"اس بارے میں (یعنی نظم قرآن کے بارے میں) اسرار ورموز کو واضح کرنے کے لیے جو میں نے کتاب لکھی ہے، کافی ہے۔ اس میں آیات اور سورتوں کا باہمی ربط ومناسبت بھی مذکور رہے، نیز وجوہ اعجاز اور اسالیب بلاغت کی وضاحت ہے، خصوصاً سورتوں کی مناسبت کو میں نے ایک لطیف رسالہ میں ملخص کردیا ہے، جسے میں نے :"تناسق الدرر فی تناسب السور" کا نام دیا ہے۔"

بالخصوص سورتوں کے اختتامیہ کا خاتمہ سے کیا ربط ہوتا ہے؟ اس پر امام سیوطی رحمہ اللہ نے ایک اور مستقل کتاب "مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع" کے نام سے تصنیف کی۔ (3)

تصورِ نظم قرآن کا آغاز وارتقا

قرآن مجید نے جن لوگوں کو اولاً اولاً مخاطب کیا، وہ نزول آیات کے اسباب اور تاریخی پس منظر، حالات اور مسائل سے پوری طرح باخبر تھے لطیف سے لطیف اشارات وکنایات کو سمجھنا ان کے لیے دشوار نہ تھا، ہر آیت کے محل اور مصداق تک پہنچ جاتے تھے۔ متاخرین کے ہاں نظم ومناسبت کا جو تصور پایا جاتا ہے، اس معنی میں تصور نظم کے ابتدائی تین صدیوں میں کوئی واضح شواہد نہیں ملتے۔

ابتدائی تین صدیوں میں نظمِ قرآن کا تصور

تیسری صدی ہجری اواخرِ آیات وسور کے باہمی ربط ومناسبت کو تلاش کرنے کے لیے کوئی آثار وشواہد دستیاب نہیں ہوسکے۔ اس سے یہ نتیجہ قطعی طور پر اخذ ہوتا ہے کہ متاخرین کی طرز پر تصور نظم اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں موجود نہیں تھا یا کم ازکم اس کے شواہد ہم تک نہیں پہنچ سکے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کوئی

(1) یہ کتاب مطبوع ہے۔ (2) الاتقان ، ص ۶۹۳۔

(3) الاتقان ، ص ۶۹۹ ، لیڈن کے مخطوطات (۳۶۰۹) میں یہ کتاب موجود ہے۔ (۴۷۴۴)، بحواله دلیل مخطوطات السیوطی ، أحمد خازندار و محمد الشیبانی ، ص ۴۲)۔

Marfat.com

تصور خیر القرون میں ہمیں کیوں نہیں ملتا؟

محسوس یہ ہوتا ہے کہ خیر القرون میں قرآن مجید کو بنیادی طور پر کتاب ہدایت سمجھا جاتا تھا، اس سے کتاب ہدایت کے لیے جس تصور نظم کی ضرورت تھی، وہ ان کے ہاں پایا جاتا تھا، یعنی وہ قرآن مجید کو نبوی معاشرہ کی ایک روح رواں کے طور پر لیتے تھے۔ صحابہ کے نزدیک وحی کا جامع تصور تھا، اس جامع تصور کے مطابق وحی ایک وحدت (Unit) کا نام تھا، جس میں الفاظ، احادیث نبویہ، افعال نبویہ، اور اطلاقات قرآن کا نبوی انداز، صحابہ کے نزدیک قرآن مجید اس پورے منظر وحی کا ایک بنیادی جزو اور اسکی روح رواں ہے۔ آیات وسور کے درمیان مناسبات کی تلاش ایک علمی اسرار ورموز کے طور پر اپنی جگہ اہم ہے، لیکن صحابہ کے نزدیک قرآن کے بنیادی پیغام کو سمجھنے کے لیے اس کی اہمیت نہ تھی۔ صحابہ ان علمی نکات سے اس طرح غیر محتاج تھے، جس طرح نحو وصرف اور اسالیب بلاغت کے جدید لطائف ومعارف سے بے نیاز تھے۔

ان ابتدائی ادوار میں نظم ومناسبت کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں، ان پر بالعموم ادب وبلاغت کے رائج الوقت افکار ونظریات کا رنگ غالب رہا۔ آیات قرآنیہ کے داخلی طور پر دروبست، آغاز واختتام کے فواصل و قوافی، استعارات وتشبیہات کے استعمالات وغیرہ کو زیادہ نمایاں کیا گیا۔

قرآنی نظم کے ان بلاغی پہلوؤں پر جن ادیبوں اور علما نے قابل قدر خدمت سرانجام دی، ان میں درج ذیل علما کے افکار ونظریات بالخصوص لائق مطالعہ ہیں:

❊	ابن قتیبۃ الدینوری	(متوفی 276ھ)
❊	ابوالحسن علی بن عیسی الرمانی	(متوفی 382ھ)
❊	قاضی عبدالجبار اسدآبادی	(متوفی 415ھ)
❊	الخطابی (حمد بن محمد)	(متوفی 388ھ)
❊	محمد بن طیب ابن جعفر باقلانی	(متوفی 403ھ)[1]

قرآن کریم میں نظم ومناسبت پر لکھنے والے دور اول کے علما میں ایک اہم نام صاحب سنن ابی داؤد، امام ابوداؤد السجستانی متوفی (275ھ) کا ہے۔ امام موصوف نے قرآنیات کے موضوع پر "شریعة القرآن" اور "شریعة التفسیر" نامی دو کتابیں تصنیف کی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب "نظم القرآن" کا بھی پتہ چلتا ہے۔[2] اس کتاب تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اگر منظر عام پر آجائے تو قرآنی ادبیات میں یقیناً ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔[3]

1. ان کے تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: قرآن کریم میں نظم ومناسبت ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی۔
2. طبقات المفسرین، داودی، ۲۳۷/۱۔
3. قرآن کریم میں نظم ومناسبت، عبیداللہ فہد فلاحی، ص ۳۳۔

Marfat.com

چوتھی صدی ہجری میں تصورنظم

معلوم شواہد کے مطابق کہا جاتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے ربع اول کے ایک محقق شیخ ابوبکر نیشا پوری [1] کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے آیات اور سورتوں میں مناسبات سے متعلق عمومی طور پر سوالات اٹھائے، اوران میں باہمی وجوہ اور حکمتوں پر بحث کا دروازہ کھولا اوراس نہج سے مطالعۂ قرآن پر زور دیا۔ آپ اہل عراق کی اس علم سے غفلت پر شکایت فرمایا کرتے تھے۔

امام زرکشی لکھتے ہیں

((قال الشيخ ابو الحسن الشهرا بانی : أول من أظهر ببغداد علم المناسبة ، ولـم فـكـن سـمعناه من غيره هو الشيخ الامام ابو بكر النيسابوری ، وكان غـزيـر الـعلم فی الشريعة والأدب ، وكان يقول على الكرسی اذا قرئ عليه الآية : لـم جُـعِـلَـتْ هذه الآية الى جنب هذه ؟ " وما الحكمة فی جعل هذه السـورة الى جنب هذه السورة ؟ وكان يزری على علماء بغداد لعدم علمهم بالمناسبة)) [2]

الشیخ ابوالحسن الشہر ابانی فرماتے ہیں:

''بغداد میں میں نے سب سے پہلے علم المناسبۃ کو پھیلایا، جب کہ ہم نے اسے دوسروں سے نہیں سنا ہوا تھا۔ آپ شریعت اورادب کے متبحر عالم تھے۔ جب کوئی آیت تلاوت کی جاتی، تو اپنی مسند پر تشریف رکھتے ہوئے فرماتے: یہ آیت اس آیت سے متصل کیوں ہے؟ اس سورت کو اس سورت کے پہلو میں رکھنے کی کیا حکمت ہے؟ آپ علمائے بغداد پر علم مناسبت سے ناواقفیت پر عتاب فرماتے تھے۔''

اس اقتباس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں نظم قرآنی کا تصور بہت حد تک ارتقائی منازل طے کر چکا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے پہلے کہ واضح شواہد وآثار تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی۔

اس صدی کے آخر میں ابوالفرج احمد بن مقری ہمدانی متوفی 400ھ نے اس موضوع پر مستقل کتاب "علم المناسبة" کے نام سے تصنیف کی۔ [3]

---

[1] ابو بکر نیشاپوری: ابو بكر عبدالله بن محمد بن زياد نيشاپوری ۔ عراق میں شوافع کے امام اور حافظ عصر مانے جاتے تھے۔ ۳۲۴ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذهب ، ابن العماد ، ۳۰۲۲)

[2] البرهان ، ۱ / ٤٢۔

[3] ''نظم قرآن تاریخ وتحقیق''، احمد بن اقبال قاسمی، سہ ماہی فکرونظر، (جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۷)، ص ۴۴، تـاريـخ تـفسيـر ، عبدالصمد صارم الأزهری ، ص ۱۳۳۔

Marfat.com

پانچویں صدی ہجری

پانچویں صدی میں امام عبدالقاہر جرجانی متوفی 471ھ نے "دلائل الاعجاز" لکھ کر ثابت کیا، کہ بلاغت کلام کا اصل مرجع نظم کلام کے خصائص میں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام عبدالقاہر الجرجانی کا تصور نظم بلاغت تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتا ہے اور ان کے نقطۂ نظر سے اسالیب و بلاغت قرآنی کے نئے پہلو اجاگر ہوئے۔ لیکن امام عبدالقاہر الجرجانی کا تصور نظم بہرحال کلام کے اندرونی اتساق، اسالیب بیان، حذف وایجاز، استعارہ وتشبیہ اور الفاظ وکلمات کے باہمی ربط وتعلق پر ارتکاز کرتا ہے۔ ایک سورت کی دوسری سورت کے ساتھ مناسبت کا اس میں کوئی ذکر تک نہیں۔ اس حوالے سے عربی بلاغت کی تاریخ میں بالعموم اور قرآنی بلاغت کے مطالعہ میں بالخصوص امام عبدالقاہر الجرجانی کو جدید علم معانی وبیان کا باقاعدہ مؤسس کہا جاتا ہے، کیونکہ ان سے پہلے الفاظ وکلمات کی انفرادی حیثیت پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ جبکہ امام موصوف نے الفاظ وکلمات کے باہمی نظم اور ان سے پیدا ہونے والے اسلوب کی بلاغت کو موضوع تحقیق بنایا۔ ❶

ذیل میں امام عبدالقاہر الجرجانی کا ایک اقتباس درج کیا جا رہا ہے، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ کس طرح امام موصوف نے مطالعہ نظم میں بلاغی نقطۂ نظر سے ارتقائی سفر طے کیا۔ فرماتے ہیں:

"فقلنا: أعجزتهم مزا یاظهرت لهم فی نظمه ، وخصائص صادفوها فی سیاق لفظه ، وبدائع راعتهم من مبادی آیة ومقاطعها ، ومجاری ألفاظها و مواقعها.......... وجدوا اتساقا بهرا العقول ، وأعجز الجمهور ، ونظاما والتئاماً ، واتقانا و احكاماً..........)) ❷

"ہمارا قول (وجہ اعجاز قرآن کے بارے میں) یہ ہے کہ: عرب لوگوں کو خصائص نظم قرآنی نے بے بس کر دیا تھا، وہ ان خوبیوں کے سامنے عاجز ہو گئے تھے جو وہ خود قرآنی الفاظ کے سیاق وسباق میں دیکھتے تھے۔ آیات کے آغاز واختتام اور الفاظ وکلمات کے منفرد مواقع استعمالات کے سامنے وہ دبے جاتے تھے...... کیونکہ ان لوگوں کو قرآن مجید میں ایسا نظم واتساق اور الفاظ کی باہمی مناسبت نظر آتی تھی، جس نے ان کی سوچوں کو متحیر کر دیا اور انہیں مقابلہ سے لاچار کر دیا۔"

---

❶ مقدمه دلائل الاعجاز: سید رشید رضا، ص: ز، ح، ط، امام عبدالقاہر الجرجانی کے نظریات پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عبدالقاهر الجرجانی ، وجهوده فی البلاغة العربية ، احمد احمد بدوی ، (وزارة الثقافة والارشاد، مصر) ، البلاغة تطور و تاریخ ، شوقی ضیف۔

❷ دلائل الاعجاز، ص ۳۲۔

Marfat.com

چھٹی صدی ہجری

چھٹی صدی ہجری کے دو ممتاز مفسرین نے اس فکر کو وسعت دینے میں خاص توجہ دی۔

① جار اللہ زمخشری متوفی 537ھ ② قاضی ابوبکر ابن العربی، متوفی 543ھ

علامہ زمخشری کا تصورِ نظم

علامہ زمخشری اس بات کے قائل تھے کہ قرآن مجید اپنے جملوں کی ترکیب وتنظیم اور حسن بلاغت کی وجہ سے معجزہ ہے۔ انہوں نے اس فکر کو توسیع دیتے ہوئے اپنی تفسیر میں مختلف آیات کے باہمی ربط ونظم تلاش کرنے کی طرف عملی طور پر توجہ دی۔

اس سلسلہ میں موصوف نے جو کوشش کی ہے، اس کی ایک مثال ذیل میں بطور نمونہ پیش کی جارہی ہے۔

① سورۂ اعراف میں حضرت آدم وابلیس کا واقعہ بیان ہوا ہے اور اس کا اختتام اس آیت پر کیا گیا ہے۔

﴿ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ o قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴾[1]

اس سے متصل یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ o ﴾[2]

علامہ زمخشری دونوں آیات کے مابین ربط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ آیت سیاق کلام سے منقطع ہو کر علی سبیل الاستطراد آ گئی ہے، اس سے پہلے کے واقعہ میں ہبوطِ آدم کا تذکرہ تھا اور کہا گیا تھا کہ آدم کے ستر کھل گئے اور وہ اپنے جسم کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ یہاں لباس کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا اظہار فرمارہے ہیں۔ اس بات سے آگاہ کر رہے ہیں کہ ننگا پن اور عریانیت باعث فضیحت ورسوائی ہے، جب کہ ستر پوشی تقویٰ کا عظیم حصہ ہے۔"[3]

قاضی ابوبکر ابن العربی کا تصورِ نظم

قاضی ابوبکر ابن العربی کا تصور نظم جدید فراہی مکتب فکر سے نظریاتی حد تک بہت ملتا جلتا ہے۔ امام زرکشی

---

[1] سورۃ الاعراف، ۷:۲۴۔۲۵۔ [2] سورۃ الاعراف، ۷:۲۶

[3] تفسیر الکشاف، ۲/۷۶، مزید مثالوں اور تجزیہ کے لیے ملاحظہ ہو: قرآن کریم میں نظم ومناسبت، ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی، ص ۱۹۹۔۲۴۹۔

Marfat.com

اور امام سیوطی نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

((ارتباط آی القرآن بعضها ببعض ، حتی تکون کا لکلمة الواحدة ، متسقة المعانی ، منظمة المبانی ، علم عظیم ، لم یتعرض له الا عالم واحد عمل فیه سورة البقرة ، ثم فتح الله لنا فیه ، فلما لم نجد له حملة ، ورأینا الخلق بأوصاف الباطلة ، ختمنا علیه ، وجعلناه بیننا و بین الله ورددناه الیه)) ❶

''آیات قرآنیہ کا باہمی ربط، یہاں تک کہ تمام آیات کلمہ واحدہ کی طرح نظر آئیں، معانی میں وسیع، لیکن مبانی میں انتہائی منظم، یہ ایک عظیم علم ہے، کسی نے اسے موضوع نہیں بنایا، ہاں ایک عالم نے سورۂ بقرہ پر اس حوالے سے کام کیا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ علم منکشف فرمایا، لیکن ہمیں اس علم کے حاملین نہیں مل سکے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ مخلوق، باطل لوگوں کے ہم خیال ہے، لہٰذا ہم نے اس علم پر مہر سکوت ثبت کر دی ہے، اسے اپنے اور اللہ کے درمیان رکھتے ہوئے، بس اسی کے سپرد کر دیا ہے۔''

درج بالا اقتباس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ:

① قاضی ابن العربی کا نظریہ نظم، انتہائی پختہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ تمام سورتوں اور آیات کو باہم کلمہ واحدہ کی طرح مربوط سمجھتے تھے۔

② یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے ایک کشف، وجدان اور ذاتی رائے کی طرح کا علم سمجھتے تھے۔

③ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان سے اس علم کے حصول کے لیے لوگوں نے جذب وشوق کا اظہار نہیں کیا۔ لہٰذا اس کے نظم و ربط پر مشتمل اسرار و رموز ہم تک نہیں پہنچ سکے۔

④ اس معاملہ میں ایک عالم ان کے پیشرو بھی گزرے ہیں، جنہوں نے اپنے نظریہ کے مطابق سورۂ بقرہ کی تفسیر بھی رقم کی تھی۔

ساتویں صدی ہجری اور رازی کا تصور نظم

زمخشری اور ابن العربی کے بعد امام رازی (۵۴۴ھ-۶۰۶ھ) وہ مفسر ہیں، جنہوں نے نظم قرآن پر اپنی تفسیر میں جا بجا گفتگو کی ہے۔ مگر ان کا انداز بھی فراہی، اصلاحی، زمخشری وغیرہ سے مختلف ہے۔ انہوں نے نظم قرآن کی ابتدا سورۂ بقرہ کی پانچویں آیت سے کی ہے اور اس آیت کا ماقبل سے وہ نظم و ربط پیش کیا ہے جو خود ان کی سمجھ میں آیا۔ پھر اس کے بعد بے شمار آیات کی لمبی چوڑی تفسیریں کرتے ہوئے وہ اس طرح گزر جاتے ہیں کہ جیسے ان میں نظم و مناسبت ظاہر کرنے کی مطلق ضرورت ہی نہیں۔ پھر درمیان میں کہیں کہیں نظم قرآن کے موضوع پر

❶ سراج المریدین ، ابن العربی ، بحوالہ: البرهان ، زرکشی ، ۱ ، ۴۲ ، الاتقان ، سیوطی ، ص ۹٦٤۔

Marfat.com

حسب ضرورت جزوی طور پر گفتگو کرتے نظر آتے ہیں اور جیسے جیسے اس سورت کا اختتام قریب آتا ہے ویسے ویسے وہ اس کی آیات کے نظم و مناسبت کی طرف توجہ دینا شروع کر دیتے ہیں اور جہاں بھی وہ نظم کی بات کرتے ہیں، وہاں ایک ہی آیت کے ایک نظم کی بجائے متعدد وجوہِ نظم بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ ...... وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ [1]

کے تحت اس کے نظم پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ رازی فرماتے ہیں: [2]

''اس آیت میں چند ایک مسائل ہیں: پہلا مسئلہ اس کے نظم و مناسبت کے بارے میں ہے، جو دو طرح سے ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم سے پہلے دو طرح کے حکم دیے تھے: ایک انفاق فی سبیل اللہ کا جو لازمی طور پر مال میں کمی کا موجب ہے اور دوسرا سود چھوڑ دینے کا اور یہ بھی نقصِ مال کا سبب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حکموں کے آخر میں ایک بہت بڑی وعید سنائی اور فرمایا: ڈر جاؤ اس دن سے جب تم اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے۔ یہ ڈر اور تقویٰ ایسی چیز ہے جو انسان پر مال کمانے اور منافع حاصل کرنے کے بہت سے (ناجائز) راستے بند کر دیتا ہے، چنانچہ اس کے بعد حلال مال کی حفاظت کرنے اور اسے ضیاع اور تباہی سے بچانے کے لیے حکم صادر فرمایا، کیونکہ انفاق فی سبیل اللہ، ترکِ سود اور مداومتِ تقویٰ کا عمل اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک کہ (موجود حلال) مال کی حفاظت نہ کی جائے۔ لہٰذا اسی نکتے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حلال مال کی حفاظت کرنے اور اسے ہلاکت و تباہی سے بچانے کے لیے حکمِ وصیت میں مبالغہ سے کام لیا۔''

پھر نظم کلام کی اس پہلی توجیہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

((فهذا هو الوجه الاول من وجوه النظم وهو حسن لطيف.))

''نظم کلام کی مختلف توجیہات میں سے یہ پہلی توجیہ تھی، اور یہی اچھی اور لطیف توجیہ ہے۔''

عجیب بات یہ ہے کہ نظم کی جس توجیہ کو امام رازی اچھی اور عمدہ قرار دے رہے ہیں، نظم قرآن کے دیگر قائلین کے ہاں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ پھر آگے امام رازی نے سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۴ کے تحت اس آیت کا ماقبل کے ساتھ چار مختلف طرح کا نظم بیان کیا ہے۔ پہلا نظم امام اصم کے حوالے سے، دوسرا ابو مسلم اصفہانی، تیسرا قاضی اور چوتھا شعبی، عکرمہ اور مجاہد کی روایت کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ [3]

اسی طرح آگے آیت ۲۸۵ کا ایک جست میں پچھلی تمام سورت کے ساتھ نظم بیان کرتے ہوئے علامہ رازی مختلف نکات و لطائف کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں اور پھر اس کا بھی صرف ایک نظم نہیں بلکہ چار طرح کا مختلف نظم

---

[1] سورة البقره، ۲:۲۸۲۔

[2] مفاتيح الغيب، (التفسير الكبير) ۲/ ۹۳-۹۴۔ [3] ايضاً، ص ۱۰۸۔

Marfat.com

بیان کرتے ہیں۔ ❶

پھر وہ اس آیت کے مختلف جملوں کا گزشتہ سورت کے ساتھ مختلف پہلوؤں سے الگ الگ نظم ثابت کرتے ہوئے مختلف نکات بیان کرتے ہیں، پھر آگے سورہ آل عمران کے آغاز ہی میں ''تیسرے مسئلہ'' کے تحت فرماتے ہیں کہ

''اس سورت کا آغاز ایک لطیف اور عجیب نظم کا حامل ہے۔'' ❷

وہ نظم کیا ہے؟ اس سلسلہ میں امام رازی نے سورہ آل عمران کا ماقبل سورت یا مابعد سورت کے ساتھ کوئی نظم ثابت نہیں کیا بلکہ اس کا تعلق خارجی طور پر عیسائیوں کے ان اعتراضات سے جوڑا ہے جو وہ اللہ کے رسول ﷺ سے معرفتِ الٰہ اور حقیقتِ نبوت کے حوالے سے اٹھایا کرتے تھے۔ وہ اعتراضات سورۂ بقرہ یا آل عمران سے نہیں بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے یہاں سورۂ آل عمران میں ان اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں اور اس طرح علامہ رازی نے اس سورہ کا تعلق قرآن سے خارج ایک چیز کے ساتھ قائم کر دکھایا ہے۔ ❸

یہی صورتحال امام رازی نے اس سورت کی چودہویں آیت میں بھی پیدا کی ہے اور اس کے دو طرح کے نظم دریافت کیے ہیں، ایک کا تعلق پچھلی آیت (نمبر ۱۳) سے اور دوسرے کا تعلق اس کے شان نزول سے متعلقہ روایات سے قائم کیا ہے۔ ❹

اس مختصر سی بحث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظم قرآن کے سلسلہ میں امام رازی کا اپنا ایک منفرد اسلوب تھا، جو نہ متقدمین میں سے علامہ زمخشری سے ملتا ہے اور نہ متاخرین میں سے مولانا فراہی سے۔

آٹھویں صدی ہجری

آٹھویں صدی ہجری میں نظم و مناسبت پر علامہ ابو جعفر احمد بن ابراہیم ابن الزبیر☆ کا نام بہت نمایاں ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ انہوں نے نظم و مناسبت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف تیار کی جس کا نام "البرھان فی ترتیب سور القرآن" ہے۔ ❺

اس کتاب کے مشمولات و محتویات ابھی تک سامنے نہیں آئے، البتہ اس کا ایک مخطوطہ خزانۃ الرباط میں

---

❶ مفاتیح الغیب، ص ۱۱۱۔ ۱۱۲۔
❷ ایضاً، ص ۱۳۵۔
❸ ایضاً، ص ۱۳۵۔
❹ (التفسیر الکبیر) ۲/ ۱۶۸۔

☆ علامہ ابو جعفر ابن الزبیر (۶۲۷۔ ۷۰۸ھ)، الثقفی، الغرناطی، محدث اور مؤرخ ہیں۔ اندلس میں منتقل ہونے والا عرب خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ عربی زبان وادب حدیث اور تفسیر میں استاذ کا درجہ رکھتے ہیں۔ (الاعلام، الزرکلی، ۸۶۱)

❺ الاتقان، ص ۶۹۳۔

Marfat.com

محفوظ ہے۔ ❶

عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے سورتوں کی ترتیب اور باہمی ربط پر گفتگو کی ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں امام زرکشی کا نام بھی بہت نمایاں ہے۔ انہوں نے اپنی معروف کتاب "البرھان" میں علم نظم ومناسبت کو سرفہرست رکھا اور ایک مستقل نوع "معرفة المناسبات بين آيات" کے عنوان سے اس کے لیے مختص کی ہے۔ ❷

نویں صدی ہجری اور البقاعی کا تصور نظم

اس فن پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک مستقل اور اہم کتاب نویں صدی ہجری کے ایک عالم امام برہان الدین البقاعی کی تفسیر "نظم الدرر فی تناسب الآيات والسور"☆ ہے۔

اس کتاب کی تصنیف پر مصنف نے چودہ سال صرف کیے، ڈاکٹر مصطفیٰ صادق الرافعی کے مطابق اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔ اسے وہ اسرار قرآنی کا محیر العقول خزانہ قرار دیتے ہیں۔ ❸

امام بقاعی کا بھی نظم قرآن کے سلسلے میں اپنا ایک مخصوص طرز فکر ہے۔ انہوں نے اس تفسیر کے مقدمہ ہی میں یہ واضح کر دیا ہے کہ:

"میں اس تفسیر میں آیات اور سورتوں کے باہمی نظم ومناسبت پر گفتگو کروں گا اور میں نے (اس کے لیے) قرآن مجید کی آیات میں خوب غور وفکر سے کام لیا۔" ❹

نیز فرماتے ہیں:

"یہ عظیم الشان کتاب ایسے موضوع پر ہے، جس پر مجھ سے پہلے کسی نے (اس طرح) قلم نہیں اٹھایا اور نہ ہی میری طرح کسی نے اس بارے میں فکر کی جولانیاں دکھائی ہیں۔" ❺

گویا امام بقاعی کا نظم ان کا اپنا وضع کردہ ہے۔ البتہ انہوں نے اپنی تفسیر میں مفسر ابوالحسن علی بن احمد حسن الحرالی (۶۳۷ھ م) کی تفسیر ((مفتاح الباب المقفل على فهم القرآن المنزل)) سے خوب استفادہ کیا ہے۔ ❻

امام بقاعی فرماتے ہیں: "اس قاعدہ کو مدنظر رکھ کر قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے مجھے دس سال گزر گئے

---

❶ امام زرکشی: محمد بن بہادر بن عبداللہ الزرکشی، ۷۴۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ اور ۷۹۴ھ میں مصر میں ہی وفات پائی۔ شافعی مکتب فکر کے اصولی عالم اور فقیہ شمار ہوتے ہیں۔ "البرہان فی علوم القرآن" ان کی معروف ترین اور مقبول کتاب ہے۔
(الاعلام، الزركلي، ۶/ ۶۰)

❷ البرھان، ۱/ ۵۱-۵۱ ☆ مطبوع اور متداول ہے۔ ❸ اعجاز القرآن، ص ۲۷۷

❹ نظم الدرر، ۱/ ۳۔ ❺ ایضاً۔ ❻ ایضاً، ص ۷۔

Marfat.com

اور میں ابھی سورۂ سبا تک پہنچا تھا کہ مجھے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہر سورت کا جو نام ہے وہ اس سورت کے موضوع ومقصود سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ ہر چیز کا نام اس چیز کے ساتھ ایک مناسبت رکھتا ہے اور اس چیز کی تفصیلات پر اجمالاً اشارہ کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کی موجودگی میں جب مختلف اشیا پیش کر کے ان کے نام کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، تو انہوں نے بھی وہاں اسی (قاعدہ) کے پیش نظر جواب دیا تھا اور ہر سورت کا موضوع اس کے باہمی نظم ومناسبت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا میں ہر سورت کا موضوع ذکر کروں گا اور اس میں اور سورت کے نام میں مناسبت ظاہر کروں گا اور ہر سورت کی "بسم اللہ" کی میں وہی تفسیر کروں گا، جو اس کے موضوع کی مناسبت سے ہوگی۔ ❶

چنانچہ امام بقاعی ہر سورت کے شروع میں اس کا موضوع تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اس کے مطابق سورت کی تفسیر کرتے ہوئے آیات کی نظم ومناسبت پر خالص صوفیانہ انداز میں روشنی ڈالتے ہیں اور ابوالحسن حرالی کے حوالے سے ایسے ایسے صوفیانہ مباحث چھیڑتے ہیں کہ مجھ جیسا ہر طالب علم دنگ رہ جاتا ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے موضوع کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

((وھو المراقبة التی ساقول انھا مقصودھا۔))

اس کا موضوع "مراقبہ" ہے، جیسا کہ میں آگے ذکر کروں گا۔" ❷

پھر اس کے بعد انہوں نے اس سورت کی آیات کی تفسیر صوفیا کی اشاراتی زبان میں کی ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ کے آغاز میں فرماتے ہیں:

"اس سورہ کا موضوع اس کتاب (قرآن) کو کتاب ہدایت ثابت کرنا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں فرمایا ہے اس کی پیروی کی جائے۔

سب سے بڑی چیز جس سے ہدایت لی جاسکتی ہے وہ ایمان بالغیب ہے جس کا مرکز ایمان بالآخرت اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانا ہے۔ اسی لیے اس سورت کا نام گائے کا زندہ کرنے کے واقعہ کی مناسبت سے "بقرہ" رکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مردہ پرندے زندہ کیے جانے اور بنی اسرائیل کے (کچھ افراد کے) مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے واقعات بھی مذکور ہیں، مگر اپنے موضوع پر جو دلالت بقرہ کے واقعہ سے ہوتی ہے، وہ کسی اور واقعہ سے نہیں ہوتی۔" ❸

پھر اس کے بعد اس سورت میں "بسم اللہ" اور "الم" (حروف مقطعات) کی ایک نئے صوفیانہ

---

❶ نظم الدرر، ص: ۱۱-۱۲۔

❷ ایضاً، ص: ۱۲۔

❸ نظم الدرر، ۱/ ۲۴۔

Marfat.com

انداز سے تفسیر کی گئی ہے، پھر آگے چل کر سورۂ فاتحہ کی سورۂ بقرہ کے ساتھ یہ مناسبت بیان کی گئی ہے کہ فاتحہ میں ہدایت کی دعا تھی اور یہاں اس کے جواب کے طور پر بتایا گیا ہے کہ وہ ہدایت اس کتاب الٰہی میں موجود ہے۔ ❶

پھر سورۂ بقرہ کا ربط سورۂ آل عمران سے ثابت کرنے کے لیے امام بقاعی سورۂ بقرہ کی اختتامی بحث آیۃ الکرسی پر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت الکرسی ہی حقیقت میں سورۂ بقرہ کی آخری آیت ہے، جب کہ اس کے بعد سورۂ بقرہ کی جو آیات مذکور ہیں وہ سب آیت الکرسی کی تفصیلات بیان کرتی ہیں اور آیت الکرسی میں توحید باری تعالیٰ کا بیان تھا، اس لیے سورۂ آل عمران کا موضوع ہی توحید کا اثبات ہے۔ اسی نکتۂ توحید پر امام بقاعی دونوں سورتوں کا ربط ثابت کرتے ہیں۔ ❷

پھر آگے چل کر سورۂ بقرہ کی آیات 17 تا 20 میں بیان ہونے والی دو مثالوں کا مصداق انہوں نے منافقین کو قرار دیا ہے۔ ❸ جب کہ مولانا اصلاحی صاحب کے پیش کردہ نظمِ قرآن کے مطابق پہلی مثال کفار کے اور دوسری منافقین کے بارے میں ہے۔

اس مختصر سی بحث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام بقاعی نے اپنی تفسیر میں جو نظم قرآن پیش کیا ہے، وہ متقدمین و متاخرین میں سب سے الگ ہے۔

دسویں صدی ہجری

دسویں صدی ہجری میں حضرت علامہ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ نے اس علم کی طرف خاص توجہ دی۔ امام سیوطی کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ دیگر علوم کی طرح انہوں نے اس علم میں بھی سابقہ کاوشوں کو اپنے انداز میں سمیٹنے کی کوشش کی اور اس پر چار حوالوں سے کام کیا۔

① اس موضوع پر ایک تفصیلی کتاب "اسرار التنزیل" ❹ کے نام سے قلمبند کی۔

② بالخصوص سورتوں کی باہمی مناسبت پر اپنی سابقہ کتاب میں سے اہم لطائف ملخص کر کے الگ ترتیب دیے۔ اس پر علیحدہ کتاب "تناسق الدرر فی تناسب الآی والسور۔" ❺ لکھی۔

③ سورتوں کے اندرونی نظم پر "مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع" ❻ تصنیف کی۔ جس میں انہوں نے سورتوں کے آغاز و افتتاح اور اختتام کے درمیان مناسبت واضح کی۔

---

❶ نظم الدرر، ۱/ ۳۴۔ ❷ ایضاً، ص ۱/ ۵۶۲، ۲/ ۳-۴۔

❸ ایضاً، ۲/ ۵۰-۵۱۔ ❹ کتاب کے بارے معلومات نہیں مل سکیں۔

❺ یہ کتاب مطبوع ہے۔

❻ اس کا خطی نسخہ لیڈن اور جامعۃ الکویت کے مخطوطات میں موجود ہے۔ (بحوالہ: دلیل مخطوطات السیوطی، أحمد خازندار، محمد الشیبانی، ص ۴۲۔

Marfat.com

④ اپنی مایۂ ناز کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں انہوں نے علم نظم ومناسبت پر ایک مستقل نوع لکھی، جس میں اس علم کی اہمیت وافادیت اور بعض دیگر پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ❶

نظم ومناسبت کے بارے میں امام سیوطی کا اہم اقتباس

امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((قال بعض المتأخرین: الأمر الکلی المفید لعرفان مناسبات الآیات فی جمیع القرآن ھو: أنك تنظر الی الغرض الکلی الذی سیقت له السوره ، وتنظر ما یحتاج الیه ذکر الغرض من المقدمات ، وتنظر الی مراتب تلك المقدمات فی القرب والبعد من المطلوب ، وتنظر عند انجرار الکلام فی المقدمات الی ما یستتبعه من استشراف نفس السامع الی الأحکام أو اللوازم التابعة له ، التی تقتضی البلاغة شفاء الغلیل بدفع عناء الاسنشراف الی الوقوف علیھا ۔ فھذا ھو الأمر الکلی المھیمن علی حکم الربط بین جمیع أجزاء القرآن ، فاذا عقلته تبین لك وجه النظم مفصلا بین کل آیة و آیة وفی کل سورة سورة)) ❷

"بعض متاخرین کا کہنا ہے: پورے قرآن مجید میں نظم ومناسبت کو پہچاننے کے لیے جامع مفید قانون یہ ہے کہ اس مقصد میں غور کرو جس کے لیے سورت لائی گئی ہے، اس مقصد کے لیے جن مقدمات کی ضرورت ہے، ان میں غور کرو، مطلوب کے ساتھ قرب وبعد میں ان مقدمات کی ترتیبی حیثیت میں غور کرو، پھر اس میں غور کرو کہ مقدمات کے دوران ذہن کن احکام ومسائل یا لوازمات کی طرف منتقل ہو سکتا ہے، جن سے پیاسے کو سیرابی ملتی ہے اور بلاغت تقاضا کرتی ہے کہ ان کا تعارف کروایا جائے تاکہ اشتیاق نفس کی مشقت کا ازالہ ہو سکے۔ تمام اجزاء قرآنی کے درمیان ربط ومناسبت کے لیے یہ قاعدہ کلیہ ہے، اگر آپ کی سمجھ میں آجائے تو ہر ہر سورت اور ہر ہر آیت کے مابین وجہ نظم واضح ہو جائے گی۔"

درج بالا اقتباس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بعض متاخرین کا تصور نظم من حیث المجموع فکری طور پر فراہی مکتب فکر کے قریب قریب تھا۔ درج بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض متاخرین کے نزدیک نظم کا قانون یہ تھا کہ:

① ہر سورت کا ایک ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے۔

---

❶ الاتقان، النوع الثانی والستون، ص٦٩٣- ٧٠٥

❷ الاتقان ، ص٦٩٧۔

Marfat.com

② اس مرکزی مضمون کو سمجھانے کے لیے بعض مقدمات بیان کیے جاتے ہیں۔
③ مقدمات کے بیان میں یہ لحاظ رکھا جاتا ہے کہ وہ مرکزی مضمون سے کس قدر قریب یا بعید ہیں۔
④ اس دوران بعض آیات استطر دادی نوعیت کی ہوتی ہیں، جن کا مقصد دوران کلام سامع کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کی تشفی ہوتا ہے۔

غور کیا جائے تو قائلین نظم میں ارتقا کا یہی وہ آخری مرحلہ ہے، جس تک وہ اب پہنچ سکے ہیں۔
اس صدی کے دو اور مفسر خاص شہرت رکھتے ہیں، ایک مصر کے حضرت شمس الدین محمد بن الشربینی متوفی 977ھ، جن کی تفسیر "السراج المنیر" ہے، اور دوسرے علامہ ابوالسعود حنفی متوفی 982ھ ہیں۔ ان صاحبانِ علم کی تفسیروں میں بھی ربط آیات پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

نظم قرآن کے بارے علمائے برصغیر کا نقطۂ نظر

برصغیر میں نظم و مناسبت قرآنی پر کلام کرنے والوں میں ہمیں نویں صدی ہجری کے مفسر علامہ مہائمی کا نام ملتا ہے۔ جنہوں نے مناسبات آیات کو پیش نظر رکھ کر مکمل تفسیر قرآن مرتب فرمائی اور اس کا نام "تبصیر الرحمان و تیسیر المنان" رکھا۔ علامہ مہائمی نے اپنی تفسیر میں یہ التزام بھی فرمایا کہ ہر سورت سے پہلے آیت "بسم اللہ" کی تفسیر میں اس سورت کے مرکزی مضمون کو اجمالاً بیان کر دیا ہے۔
علامہ مہائمی خود فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں ربط کلمات، نظم اور ترتیب آیات کے متعلق ایسے نکات اور لطائف جمع کر دیے ہیں، جو ان سے پہلے کسی کی دسترس میں نہ آسکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص احسان فرمایا اور یہ توفیق بخشی کہ نظم قرآن کے مخفی گوشوں کو ظاہر کریں اور ان کے جمال اور اعجاز کو آشکارا کریں۔ ❶

نظم قرآن کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا نقطۂ نظر

برصغیر پاک و ہند کے عظیم محقق امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ نے مناسبات اور نظم قرآن پر اصولی بحث اپنی نادر الوجود تصنیف "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں پیش کی ہے اور مناسبات کے سلسلہ میں آپ کا موقف ابن العربی اور امام فخر الدین رازی سے مختلف ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:
"قرآن مجید جس دور میں نازل ہوا اسی دور کی تصنیفی نکتہ سنجیوں اور تالیفی نزاکتوں کی رعایت اس میں کی گئی ہے، قرآن مجید میں ادباء متاخرین کے ادبی رجحانات اور تصنیفی قیود و شرائط کی تلاش بے سود ہے، کسی کتاب کے ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے اور ایک جملہ کا دوسرے جملہ سے ایک باب کا دوسرے باب سے ظاہری ربط اور کھلی ہوئی مناسبات کا پایا جانا عہد جاہلی یا قدیم عرب کے یہاں بلاغت کا جزو

❶ India's Contribution towards Arabic Litrature, Dr. Zubaid Ahmad, P.14-

Marfat.com

اعظم نہیں سمجھا جاتا تھا، یہ شروط اور کتاب میں ادب کی یہ اقدار ادباء متاخرین کی پیدا کردہ ہیں۔ قرآن کے مخاطب اول عرب قدیم ہیں، انداز بیان میں ان کی رعایت کی گئی ہے اس لیے آیات قرآنی میں ہر جگہ ظاہری ربط اور کھلی ہوئی مناسبت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

پھر آپ یہ سوال قائم کرتے ہیں کہ ''اگر پوچھا جائے کہ قرآن مجید میں ان مطالب ومفہوم کو بیان کرتے ہوئے ربط وترتیب کا پورا لحاظ کیوں نہ کیا گیا؟'' اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ ''اگرچہ خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ کوئی بعید بات نہ تھی، لیکن موجودہ اسلوب کے مطابق قرآن کو مرتب ومربوط نہ پیش کرنے میں ایک حکمت ہے اور وہ یہ کہ اسلوب بیان، ادب وزبان میں ان کی رعایت مطلوب تھی، جو قرآن کے مخاطب اول تھے'' ❶

پھر آگے چل کر شاہ صاحب اس شبہ کا بھی ازالہ کرتے ہیں کہ کیا قرآنی تعلیمات کو ایسے اسلوب میں پیش کرنا بہتر نہ ہوتا کہ بعد کے ادوار میں اس کی بلاغت متاثر نہ ہو؟ آپ فرماتے ہیں کہ ''شریعت کے اسرار ورموز کو جاننے والا اس بات سے واقف ہے کہ انسانوں کی تربیت میں کون کون سی چیزیں بیان کرنی چاہییں؟ ساتھ ہی علوم پنجگانہ پر بھی اس کی نظر ہو تو یقیناً اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ قرآن میں ان علوم کو پیش کرنے کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اس سے بہتر اور معیاری طریقے کا انتخاب ممکن نہ تھا'' ❷

پھر آگے چل کر آپ یہ وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ ''قرآن کا اسلوب شروع سے آخر تک مکتوب یا پیغام کا سا انداز رکھتا ہے۔ ❸

دیگر علما مفسرین کا نقطۂ نظر

مولانا انور شاہ کشمیری (1345ھ) جنہوں نے مناسبات کی بعض دقیق اور مشکل وجوہ کا حل تلاش کیا اور اہم نکات کا اضافہ کیا، آپ ابن العربی اور امام رازی کی طرح قرآنی مفردات، ترتیب، ترکیب اور حقائق و مقاصد سبھی وجوہ سے قرآن حکیم کے اعجاز کے قائل ہیں۔

اپنے موقف کی تائید میں آپ نے مشکلات القرآن تحریر فرمائی، جسے آپ کے شاگرد مولانا یوسف بنوری نے کچھ اضافہ کے ساتھ "تتمة البيان لمشكلات القرآن" کے عنوان سے ادارہ مجلس علمی کی طرف سے شائع کیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی (1362ھ) نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں ربط آیات وسور کو خاص اہمیت سے پیش کیا اور اس خاص موضوع پر آپ نے اردو میں ''سبیل النجاح'' اور عربی میں "سبق الغايات في نسق الآيات" کے عنوانات سے دو رسالے تحریر فرمائے اور سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک الگ الگ

❶ الفوز الكبير، ص ۱۲۔ ❷ الفوز الكبير، في اصول التفسير، ص ۱۲۔ ❸ ایضاً

Marfat.com

فصلوں میں ارتباط آیات پر ماخذ کے حوالوں کے ساتھ نافع اور مختصر گفتگو کی ہے۔

آپ کے خلیفہ مفتی محمد شفیع نے معارف القرآن اور مولانا ادریس کاندھلوی نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں آپ ہی کے نہج اور اصولوں کی روشنی میں مناسبات اور روابط کی بحثوں کو آگے بڑھایا اور انوکھی توجیہات اور نکات کا اضافہ فرمایا۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی (1365ھ) جو حکمت ولی اللٰہی کے امین تسلیم کیے جاتے ہیں، آپ نے قرآن حکیم میں نظم کے مسئلہ پر چالیس سال تک غور فرمایا، آپ فرماتے ہیں کہ ''میں نے شاہ ولی اللہ کی حکمت کی روشنی میں قرآن مجید کے چند مقاصد معین کیے ہیں، پھر ان کے پیش نظر ہر سورت کے ایک خاص مرکزی مضمون کا تعین کیا ہے اور اس طرح سورتوں میں تسلسل قائم کرنے میں کامیاب ہوسکا ہوں۔''

مولانا عبیداللہ سندھی کے امالی تفسیر القرآن ہم تک آپ کے دو شاگردوں کے ذریعے پہنچے۔ آپ کے ایک شاگرد عبداللہ لغاری ہیں، جو جزء "عم" کی تفسیر مسمی "المقام المحمود" کے جامع ہیں، آپ کے دوسرے شاگرد رشید موسیٰ جار اللہ ہیں، جنہوں نے آپ کے امالی تفسیر القرآن مرتب کیے ہیں، اس کا ایک جزء سورۃ فاتحہ اور اور سورۃ بقرہ پر مشتمل ہے۔ "الهام الرحمن فی تفسير القرآن" کے عنوان سے مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی تحقیق اور عنایت سے حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔ موسیٰ جار اللہ نے نظم قرآن کے سلسلہ میں "ترتيب السورة الكريمه في النزول والمصاحف" لکھی ہے، جو بھوپال بھارت سے شائع ہوئی۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے تفسیری کام پر ڈاکٹر منیر احمد مغل نے تحقیقی مقالہ لکھ کر جامعہ سندھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

مولانا حسین علی (متوطن واں بھچراں میانوالی، پنجاب) نے چالیس سال سے زائد عرصہ تک تفسیری موضوعات پر غور و فکر فرمایا۔ آپ کے امالی تفسیر آپ کے شاگرد محمد نذر شاہ عباسی اور مولانا غلام اللہ خان نے مرتب کیے۔ ربط آیات و سور پر آپ کو خصوصی امتیاز اور مہارت حاصل ہے، اسی موضوع پر آپ کی یادگار تصنیف "بلغة الحيران في ربط آيات الفرقان" ہے جس میں اول سورۃ سے آخر تک، علیحدہ علیحدہ ارتباط اور تناسب پر سیر حاصل بحث پیش کی گئی ہے اور نظم قرآن کی بحث میں ایک قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ❶

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی رائے

برصغیر میں مولانا مودودی رحمہ اللہ نے بھی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ آپ نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن کے مقدمہ میں بتکرار اس موقف کی تردید کی ہے، مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

❶ بحوالہ: نظم قرآن، تاریخ و تحقیق، احمد اقبال قاسمی، سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۲۵، شمارہ ۱، (جولائی ستمبر ۱۹۸۷ء)، ص ۴۴-۴۵

Marfat.com

’’عام طور پر ہم جن کتابوں کے پڑھنے کے عادی ہیں، ان میں ایک متعین موضوع پر معلومات، خیالات اور دلائل کو ایک خاص تصنیفی ترتیب کے ساتھ مسلسل بیان کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر جب ایک ایسا شخص جو قرآن سے ابھی تک اجنبی رہا ہے، پہلی مرتبہ اس کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ یہ توقع لیے ہوئے آگے بڑھتا ہے کہ ’’کتاب‘‘ ہونے کی حیثیت سے اس میں بھی عام کتابوں کی طرح پہلے موضوع کا تعین ہوگا، پھر اصل مضمون کو ابواب اور فصل میں تقسیم کر کے ترتیب وار ایک ایک مسئلے پر بحث کی جائے گی اور اسی طرح زندگی کے ہر ایک شعبے کو بھی الگ الگ لے کر اس کے متعلق احکام وہدایات سلسلہ وار درج ہوں گی، لیکن جب وہ کتاب کھول کر مطالعہ شروع کرتا ہے تو یہاں اسے اپنی توقع کے بالکل خلاف ایک دوسرے ہی اندازِ بیان سے سابقہ پیش آتا ہے، جس سے وہ اب تک بالکل نا آشنا تھا۔ یہاں وہ دیکھتا ہے کہ اعتقادی مسائل، اخلاقی ہدایات، شرعی احکام، دعوت، نصیحت، عبرت، تنقید، ملامت، تخویف، بشارت، تسلی، دلائل، شواہد، تاریخی قصے، آثار کائنات کی طرف اشارے، بار بار ایک دوسرے کے بعد آرہے ہیں، ایک ہی مضمون مختلف الفاظ میں دہرایا جا رہا ہے، ایک مضمون کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اچانک شروع ہو جاتا ہے بلکہ ایک مضمون کے بیچ میں دوسرا مضمون یکایک آجاتا ہے۔ ❶

’’اسی لیے ایک عام کتاب خواں کی سی ذہنیت لے کر جب ہم میں سے کوئی شخص قرآن کے مطالعہ شروع کرتا ہے، تو اسے کتاب کے موضوع پر مدعا اور مرکزی مضمون کا سراغ نہیں ملتا۔ اس کا انداز بیان اور طرز تعبیر بھی اسے کچھ اجنبی سا محسوس ہوتا ہے اور اکثر مقامات پر اس کی عبارات کا پس منظر بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔‘‘ ❷

’’یہ قرآن اس نوعیت کی کتاب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت اسے لکھ کر محمد ﷺ کو دے دیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ اسے شائع کر کے لوگوں کو ایک خاص رویۂ زندگی کی طرف بلائیں، نیز یہ اس نوعیت کی کتاب بھی نہیں ہے کہ اس میں مصنفانہ انداز پر کتاب کے موضوع اور مرکزی مضمون کے متعلق بحث کی گئی ہو، یہی وجہ ہے کہ اس میں نہ تصنیفی ترتیب پائی جاتی ہے اور نہ کتابی اسلوب۔‘‘ ❸

آگے تفسیر میں بھی مختلف مواقع پر اس مخصوص نقطۂ نظر کی واضح نفی ملتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مولانا مودودی نظم ومناسبت کی کسی صورت کو بھی قبول نہیں کرتے، بلکہ آپ آیات اور سورتوں کے ظاہری ربط کی حد تک فوائد کی حیثیت سے اپنی تفسیر میں اس طرف توجہ دیتے نظر آتے ہیں، مگر اس میں نہ تو خواہ مخواہ کے تکلفات سے کام لیتے ہیں، نہ نظم قرآن کو تفسیرِ قرآن کے لیے اصولی اور کلیدی اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی سورتوں کی گروپ بندی، ہر گروپ اور ہر سورت کے ایک ہی مرکزی موضوع پر مشتمل ہونے کے فراہی فلسفہ کو آپ لائق اعتنا سمجھتے ہیں۔

❶ تفہیم القرآن، ۱/۱۰۔ ❷ ایضاً۔ ❸ ایضاً۔

Marfat.com

جمہور مفسرین برصغیر

برصغیر کے مذکورہ تمام مفسرین میں سے کچھ نظم قرآن کو اسرار و رموز کے طور پر لیتے ہیں۔ اور اپنی اپنی رائے کے مطابق نظم تلاش کرتے ہیں۔

جب کہ دیگر مفسرین اسے اسرار و رموز کے طور پر بھی نہیں لیتے، اور تفسیروں میں ان کا عملی رویہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اسے خاص اہمیت نہیں دیتے، مثلاً: نواب صدیق حسن خان، سید امیر علی ملیح آبادی، سید احمد حسن محدث دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا مودودی، پیر کرم شاہ الأزہری، جیسے کبار مفسرین نے اپنی تفسیروں میں نظم و مناسبت قرآنی کو مستقل حیثیت سے ذکر تک نہیں کیا ہے۔

***

Marfat.com

فصل ثانی

فراہی مکتب فکر کا تصور نظم اور اصول تفسیر

تعارف

اس فصل میں یہ واضح کیا جائے گا کہ مولانا حمید الدین فراہی کے نزدیک نظم قرآن بلکہ نظام القرآن کا کیا تصور ہے اور اسے کیا اہمیت حاصل ہے، اور اس تصور کے مطابق اصول تفسیر کیا ہیں۔

***

Marfat.com

فراہی مکتب فکر کے اصول تفسیر

مولانا حمید الدین فراہی نے علوم القرآن پر غور وفکر اور تدبر کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی، طالب علمی کے زمانہ سے تدبر شروع کیا اور مسلسل سوچتے رہے۔ ❶

بالآخر انہوں نے تفسیر قرآن کے لیے خود اپنی سوچ اور غور وفکر کے نتیجے میں کچھ اصول وضع کیے اور اس حوالے سے تین اہم رسالے لکھے: ❷

① دلائل النظام

② أساليب القرآن

③ التكميل فى أصول التأويل

اپنے اصول کے مطابق علامہ فراہی نے متفرق سورتوں کی تفسیر بھی قلمبند کی، لیکن مکمل قرآن مجید کی تفسیر نہ لکھ سکے۔ ان کے خلف الرشید مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے استاذ کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''تدبر قرآن'' کے نام سے ایک ضخیم تفسیر لکھی۔ علامہ فراہی کے اصولوں میں ''نظام القرآن'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور انہی اصولوں کی اتباع کو ''فراہی مکتب فکر'' کا نام دیا گیا ہے۔

❊❊❊

---

❶ مجموعة تفاسیر فراهی، مقدمه مولانا احسن اصلاحی، ص ۱۳۔ ۱٤۔

❷ یہ رسالے عربی زبان میں ہیں، اور ''الدائرة الحميدية'' کی طرف سے ''رسائل الامام الفراهی'' کے نام سے یکجا طبع ہوئے ہیں۔ مقالہ نگار کے پیش نظر ''الدائرة الحميدية'' کا ایڈیشن ہے۔ جناب خالد مسعود صاحب نے ''تفسیر قرآن کے اصول'' کے نام سے مولانا فراہی کے افکار کو اردو قالب میں مرتب کیا ہے، وہ بھی مقالہ نگار کے پیش نظر ہے۔

Marfat.com

اصول تفسیر کا مجموعی تصور اور فراہی مکتب فکر

جمہور اہل سنت کے نزدیک اصول تفسیر، جیسا کہ باب دوم وسوم میں گزر چکا ہے، یہ ہیں:

① تفسیر القرآن بالقرآن
② تفسیر القرآن بالحدیث
③ تفسیر القرآن بأقوال الصحابہ
④ تفسیر القرآن بأقوال التابعین
⑤ تفسیر القرآن باللغۃ
⑥ تفسیر القرآن بالاسرائیلیات
⑦ تفسیر القرآن بالرأی والاجتہاد

جب کہ علامہ فراہی کے نزدیک تفسیر قرآن کے اصول تین حصوں میں منقسم ہیں:☆

① بنیادی اصول
② ترجیح کے اصول
③ غلط اصول

① بنیادی اصول

بنیادی اصول تفسیر کے بارے علامہ فراہی لکھتے ہیں:

((فالأصول الأولية: ما يتمسك به حيث لا احتمال لمعان شتّى))❶

''یعنی بنیادی اصولوں کا سہارا اس وقت لیا جائے گا، جب عبارت میں ایک سے زیادہ معانی لینے کا

☆ راقم نے بہتر سمجھا ہے کہ علامہ فراہی کے اصول اردو کی بجائے ان کی اصل عربی عبارات کی روشنی میں پیش کئے جائیں اور ساتھ ترجمہ کر دیا جائے، کیونکہ جناب خالد مسعود صاحب نے اصولوں کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر کر دی ہے۔

❶ التكميل فی أصول التأويل ، ص ٢٦٢ ، (رقم ، ١٧)

Marfat.com

احتمال نہ ہو۔(یعنی انہیں بالعموم اختیار کیا جانا ضروری ہے۔"[1]

علامہ فراہی کے نزدیک تفسیر قرآن کے بنیادی اصول چار ہیں:

① الأصل الأول: التمسك بنظم الكلام و سياقه

② الأصل الثاني: المعنى الشاذ لا يلتفت اليه

③ الأصل الثالث: فهم الكلام بعضه من بعض بالمقابلة ، وحمل النظير على النظير

④ الأصل الرابع: لا بد من النظر في المخاطب [2]

گویا علامہ موصوف کے نزدیک تفسیر قرآن کے درج ذیل چار اصول بنیادی نوعیت کے ہیں:

① نظم کلام اور سیاق وسباق کا لحاظ

② شاذ معانی کا ترک اوران کی طرف عدم التفات

③ نظائر قرآنی کی روشنی میں مفہوم کا تعین، یعنی تفسیر القرآن بالقرآن۔

④ کلام میں مخاطب کی تعیین۔

② ترجیح کے اصول

ترجیح کے اصول کے بارے میں علامہ فراہی لکھتے ہیں:

((الأصول المرجحة : يتمسك بها اذا احتمل الكلام معاني مختلفة فاذا أعملنا الأصول المرجحة، أخذنا ما هو الراجح، و تركنا المرجوح))[3]

اصول مرجحہ اس وقت اختیار کیے جائیں گے جب کلام میں متعدد معانی کا احتمال ہو،تو اصول ترجیح کی روشنی میں ہم راجح مفہوم اخذ کرلیں گے اور مرجوح کو ترک کردیں گے۔

مولانا فراہی کے نزدیک "اصول مرجحہ" یا اصولِ ترجیح پانچ ہیں:

① الأصل الأول : عند اختلاف الوجوه والاعتبار ، يؤخذ ما كان اوفق بالمقام وعمود الكلام۔

② الأصل الثاني: اذا كان الكلام ذا احتمالات ، تؤخذ منها ما كان لها نظير في باقي القرآن۔

---

[1] تفسیر قرآن کے اصول، فراہی، ترتیب، خالد مسعود، ص ۱۰۳۔

[2] التكميل في أصول التأويل ، ص٢٦٢۔ ٢٦٧۔

[3] ايضاً ، ص٢٦٢۔

Marfat.com

۳ الأصل الثالث: اذا كان المعنى مقتضيا لعبارة غير ما فى الكلام ، فذالك المعنى مرجوح۔

۴ الأصل الرابع: هو الأخذ بأحسن الوجوه ، المراد بأحسن الوجوه ما كان أولى بمعالى الأمور ، ومكارم الأخلاق ، و أوضح الى القلوب ، و أوفق بمحكمات القرآن ، و أحسن ظنا بالله ورسول ۔ وأظهر بيانا من جهة العربية۔

۵ الأصل الخامس:

(ا) الأخذ بأثبت الوجوه لغة ۔

(ب) الشاذ المنكر لفظا يترك ۔ [1]

① پہلا اصول: جب کہیں مختلف وجوہ اور متعدد اعتبارات ممکن ہوں، تو وہ پہلو مراد لیا جائے گا جو موقع ومحل اور عمود کلام کے موافق ہو۔

② دوسرا اصول: جب کلام مختلف احتمالات رکھتی ہو، تو متعدد احتمالات میں سے اسے ترجیح دی جائے گی، جس کی نظیر باقی قرآن سے ملتی ہو۔

③ تیسرا اصول: اگر کوئی مفہوم کلام میں موجود عبارت کے علاوہ کسی دوسری عبارت کا تقاضا کرتا ہو تو یہ مفہوم مرجوح قرار پائے گا۔ (یعنی جب عبارت سے ایسا مفہوم مراد لیا جائے کہ اس مفہوم کی صورت میں عبارت کی ترکیب، اسلوب اور الفاظ مختلف ہوتے تو ایسا مفہوم مرجوح ہوگا۔)

④ چوتھا اصول: ترجیح کا چوتھا اصول یہ ہے کہ احسن پہلو رکھنے والی تفسیر کو ترجیح دی جائے گی۔ احسن پہلو سے مراد یہ ہے کہ وہ بلند حقائق، مکارم اخلاق سے زیادہ مطابقت رکھتا ہو، دلوں کے لیے بالکل واضح اور روشن ہو، قرآن کی محکم آیات کے مطابق ہو، اللہ اور رسول کے بارے اچھا ظن پیدا کرتا ہو اور عربی زبان کے اعتبار سے اس کا بیان زیادہ ظاہر ہو۔

⑤ پانچواں اصول:

(ا) لغت کے مختلف وجوہ کی فہرست میں زیادہ مستند معنی مراد لیا جائے گا۔

(ب) زیادہ معروف و مستعمل معنی مراد لیا جائے گا اور اس کے برعکس شاذ اور منکر معنی ترک کر دیا جائے گا۔

③ اصول کاذبہ (جھوٹے اصول)

اس بارے میں علامہ فراہی لکھتے ہیں:

---

[1] التكميل ، (باختصار) ، ص۲٦۷۔۲۷۳۔

Marfat.com

((و أصول كاذبة : اعتمدوا عليها ، وليست بشئى ، انما نذكرها للاجتناب عنها))

''جھوٹے اصول: لوگوں نے ان پر اعتماد کر رکھا ہے، حالانکہ ان کی کچھ حیثیت نہیں، ہم ان کا ذکر محض اس لیے کر رہے ہیں، تاکہ ان سے اجتناب کیا جائے۔''

علامہ فراہی نے دو جھوٹے اصولوں کی نشاندہی کی ہے، لکھتے ہیں:

① ((هل يأول الحديث الى القرآن ، أم يعكس الأمر؟ كم من آيات القرآن ، ان تدبرت فيها ، وفهمت معناها وجدت من الأحاديث ما جآء موافقاً ، فالحديث لم يزد شيئاً على القرآن ، ولكن صرح من الآية أمرا غامضاً يكاد يخفى على من لا يتدبر ...... [ثم مثل له ، الى أن قال]..........

ولكن ههنا مزلة وخطر ، وذالك انك قبل أن تفهم القرآن ، تتهافت على الحديث ، وفيه صحيح و سقيم ، فيعلق بقلبك من الآراء ما ليس له فى القرآن أصل و ربما يخالف هدى القرآن فتأخذ فى تأويل القرآن الى الحديث ، ويلبس عليك الحق بالباطل ۔ فالسبيل السوى أن تعلم الهدى من القرآن وتبنى عليه دينك ۔ ثم بعد ذالك تنظر فى الأحاديث ، فان وجدت ما كان شارداً عن القرآن حسب بادى النظر ، أولته الى كلام الله ، فان تطابقا فقرَّت عيناك ، وان أعياك ، فتوقف فى أمر الحديث واعمل بالقرآن......))❶

کیا حدیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھا جائے یا اس کے برعکس؟

قرآن مجید کی کتنی ہی ایسی آیات ہیں، کہ اگر تم ان میں تدبر کرو اور ان کے مفاہیم سمجھو تو تمہیں ایسی احادیث مل جائیں گی، جو ان کے موافق ہیں۔ چنانچہ حدیث نے قرآن پر کچھ بھی اضافہ نہیں کیا، لیکن آیت کے کسی ایسے خفیہ پہلو کی صراحت کی ہے، جو تدبر نہ کرنے والے پر مخفی رہ سکتا تھا...... [اس کی مثال بیان کرنے کے بعد مزید کہتے ہیں]......

لیکن حدیث کے معاملے میں ایک خطرناک اور پھسلن کا مقام ہے، وہ یہ کہ تم قرآن فہمی سے پہلے ہی حدیث پر پل پڑو، جب کہ حدیث میں صحیح بھی ہے اور ضعیف بھی، اس صورت میں تمہارے دل میں کچھ ایسے افکار معلق ہو جائیں گے جن کی قرآن مجید میں سرے سے کوئی بنیاد نہیں، بلکہ بسا اوقات ہدیٰ قرآنی کے مخالف ہوتے ہیں، نتیجتاً تم قرآن کو حدیث کی طرف موڑنا شروع کر دو گے، اور حق و باطل تم پر گڈمڈ

❶ التكميل ، ص ۲۶۷ ۔ ۲۷۷ ۔

Marfat.com

ہو جائیں گے۔ صحیح راہ یہ ہے کہ تم پہلے قرآن سے رہنمائی حاصل کرو اور اس پر اپنے دین کی بنیاد رکھو۔ بعد ازاں احادیث کو دیکھو، اگر وہ قرآن سے ہٹی ہوئی ہوں، حسب ظاہر، تو ان کی کلام اللہ کے مطابق توجیہ کرو، اگر دونوں میں موافقت ہو جائے تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، اگر ایسا نہ کر پاؤ تو حدیث کے معاملے میں توقف کرو، اور قرآن پر عمل کرو۔''

اصول کاذبہ کے ذیل میں دوسرا اصول علامہ فراہی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے:

۲ التفسیر بالأحادیث

((من الناس من یزعم أن التفسیر اما أن یکون منقولا من السلف الصالحین أو یکون خلافه، وهو بالرأی، والأول هو المعتمد، والثانی فهو المنهی عنه۔
ثم استنجوا من هذا أن المنقول وان کان ضعیفا أحق بالاتباع، وعلی هذا الأصل کتب کثیر من التفاسیر، مثل: تفسیر محمد بن جریر الطبری الذی قیل فیه أنه لم یصنف مثله، ولا شك أنه کذالك فی بابه ۔ ومثل تفسیر البغوی وابن کثیر والسیوطی وغیرهم من المحدثین۔
وهذا الذی زعموا قول علیه طلاوة الحق، وفی طیه أباطیل مضلة، من هوی فی هوتها لم یخرج منها الا ما شآء الله......))[1]

''کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تفسیر یا تو سلف صالحین سے منقول ہوتی ہے، یا اس کے مخالف، اور وہی (مخالف) بالرأی ہے۔ پہلی قسم کی تفسیر معتمد علیہ ہے جبکہ دوسری قسم کی تفسیر ممنوع ہے۔
پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ منقول اگرچہ ضعیف ہی ہو، پھر بھی زیادہ لائق اتباع ہے۔ اس اصول کی بنیاد پر بہت ساری کتب تفسیر لکھی گئی ہیں، مثلاً: تفسیر طبری جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بے مثال تصنیف ہے، اور یقیناً وہ اپنے موضوع میں ایسے ہی ہے، اسی طرح بغوی، ابن کثیر، سیوطی، اور دیگر محدثین کی تفاسیر۔
ان کا یہ زعم ایک ایسا قول ہے جس پر حق کی ٹیپ ٹاپ ہے، لیکن اس کی تہہ میں گمراہ کن اباطیل ہیں، جو ان کے گڑھوں میں جا گرا، سو وہ نکلنے والا نہیں، الا ماشاءاللہ............''

خلاصۂ کلام

اصول کاذبہ کی درج بالا تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ فراہی کے نزدیک درج ذیل اصول، اصول

[1] التکمیل، ص ۲۷٦۔

Marfat.com

کاذبہ ہیں:

① احادیث کو پڑھنا اور پھر ان کی روشنی میں قرآن کو سمجھنا۔

② سلف صالحین سے منقول اقوال کی روشنی میں، اگر چہ وہ ضعیف ہی ہوں قرآن کو سمجھنا۔

علامہ فراہی کے نزدیک تفسیر کے خبری مآخذ کی حیثیت

ایک اور موقع پر علامہ فراہی لکھتے ہیں:

''بعض مآخذ اصل واساس کی حیثیت رکھتے ہیں، اور بعض فرع کی، اصل واساس کی حیثیت تو صرف قرآن ہی کو حاصل ہے، اس کے سوا کسی چیز کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔

باقی فرع کی حیثیت سے تین ہیں:

① احادیث

② قوموں کے ثابت شدہ اور متفق علیہ حالات

③ گزشتہ انبیا کے صحیفے جو محفوظ ہیں۔

اگر احادیث، تاریخ اور قدیم صحیفوں میں ظن اور شبہ کو دخل نہ ہوتا، تو ہم انہیں فرع کے درجہ میں نہ رکھتے، بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی، اور سب بلا اختلاف ایک دوسرے کی تائید کرتے۔ سو جو شخص قرآن مجید کو سمجھنا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ روایات کے ذخیرہ میں سے ان روایات کو نہ لے جو اصل کو ڈھانے والی ہوں، بعض روایتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کی تاویل نہ کی جائے تو ان کی براہ راست اصل پر زد پڑتی ہے، اور ان سے سلسلہ نظم درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ بہت سے لوگ آیت کی تاویل تو کر ڈالتے ہیں، لیکن روایت کی تاویل کی جرأت نہیں کرتے۔ بلکہ بسا اوقات تو صرف آیت کی تاویل ہی پر بس نہیں کرتے، بلکہ اس کے نظام کی بھی قطع و برید کر ڈالتے ہیں...... اور سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو ایسی روایات تک قبول کر لیتے ہیں، جو نصوص قرآن کی تکذیب کرتی ہیں۔

مثلاً: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جھوٹ بولنے کی روایت، ❶ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وحی قرآن پڑھ دینے کی روایت، اس طرح کی روایات کے بارے میں ہم کو نہایت محتاط ہونا چاہیے۔ صرف وہ روایات قبول کرنی چاہییں جو قرآن کی تصدیق و تائید کریں۔ مثلاً: جو آثار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، وہ بالعموم نظم قرآن سے بہت اقرب ہیں۔ اس طرح کی روایات کی طرف ہم ضمناً اشارہ کریں گے۔''❷

---

❶ مولانا امین احسن اصلاحی اس پر حاشیہ لکھتے ہیں: اگر ''کذب'' کا معنی توریہ کرنے کے لیے جائیں، تو اس روایت کا صحیح محل معین ہو سکتا ہے اور عربی زبان کی رو سے یہ معنی صحیح ہے۔ (مجموعہ تفاسیر فراہی۔ ص ۳۷)۔

❷ مجموعه تفاسير فراهي، مقدمه نظام القرآن، اصلاحی، ص ۳۷۔

Marfat.com

مولانا امین احسن اصلاحی اور فراہی اصولوں کی تنقیح

مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے استاد امام کے اصولوں کو مزید تنقیح کے ساتھ ''تدبر قرآن'' کے مقدمہ میں پیش کیا ہے۔

اور تقریباً انہی اصولوں کو فہم قرآن کے داخلی اور خارجی وسائل میں تقسیم کیا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس مقام پر مولانا امین احسن اصلاحی نے ''وسائل'' Resources، کو ''اصول'' Principles کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ❶

فہم قرآن کے داخلی وسائل

مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک فہم قرآن کے داخلی وسائل تین ہیں: ❷

① قرآن کی زبان
② نظم قرآن
③ نظائر قرآن (تفسیر القرآن بالقرآن)

فہم قرآن کے خارجی وسائل

مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک فہم قرآن کے خارجی وسائل چھے ہیں: ❸

① سنت متواترہ و مشہورہ
② احادیث و آثار صحابہ
③ شان نزول
④ کتب تفسیر
⑤ قدیم آسمانی صحیفے
⑥ تاریخ عرب

مولانا امین احسن اصلاحی اس حوالے سے اپنے منہج کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

❶ Coherence in the Quran, Mustansar Meer, P.25 (one of the word Islahi uses for "Principles" of exegesis is "wasail"

❷ دیکھیے مقدمہ تدبر قرآن، ۱/۱۴۔۲۸۔

❸ دیکھیے، مقدمہ تدبر قرآن، ۱/۲۸۔۳۳۔

Marfat.com

''......قدرتی طور پر میں نے اس (تدبر قرآن) میں فہم قرآن کے ان وسائل و ذرائع کو اصل اہمیت دی ہے، جو خود قرآن کے اندر موجود ہیں۔ مثلاً: قرآن کی زبان، قرآن کا نظم اور قرآن کے نظائر وشواہد، دوسرے وسائل جو قرآن سے باہر ہیں، مثلاً حدیث، تاریخ، سابق آسمانی صحیفے اور کتب تفاسیر۔ اگرچہ اپنے امکان کی حد تک میں نے ان سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، لیکن انہیں داخلی وسائل کے تابع رکھ کر ان سے استفادہ کیا ہے۔ جو بات قرآن کے الفاظ، قرآن کے نظم اور قرآن کی خود اپنی شہادتوں اور نظائر سے واضح ہوگئی ہے، وہ میں نے لے لی ہے۔ اگر کوئی چیز اس کے خلاف میرے سامنے آئی ہے، تو میں نے اس کی قدر و قیمت اور اہمیت کے اعتبار سے اسے جانچا ہے۔ اگر دینی و علمی پہلو سے وہ کوئی اہمیت رکھنے والی بات ہوئی ہے، تو میں نے اس پر تنقید کر کے اسے سمجھنے اور اس کا صحیح پہلو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اگر بات کچھ یوں ہی سی ہوئی ہے تو اسے نظر انداز کر دیا ہے، بے ضرورت اس پر طبع آزمائی نہیں کی ہے۔''❶

فراہی مکتب فکر اور ''نظام القرآن'' کی اہمیت

فراہی مکتب فکر کا انتہائی بنیادی اصول جس کی بنا پر وہ ایک مستقل ''مکتب فکر'' شمار ہوتا ہے، ''تصور نظام القرآن'' ہے۔ نظام القرآن کو فراہی مکتب فکر نہ صرف اہم اور ضروری شمار کرتا ہے، بلکہ اس مکتب فکر کے نزدیک فہم قرآن کا صحیح تصور بھی اس کے بغیر محال ہے۔ ذیل میں فراہی مکتب فکر کے نزدیک اہمیت نظام القرآن کی چند وجوہ پیش کی جارہی ہیں۔

① کلام کا نظم جانے بغیر اس کو سمجھنا محال ہے۔

علامہ فراہی لکھتے ہیں:

((معرفة النظام من الضروريات لعلماء الأمة ، حتى يعلموا الناس حسب ما فهموا ، فانهم ان لم يفهموه واختلفوا فيه كيف يرشدون الناس ؟ بل يشتد ضرر قيادتهم لأنفسهم ولجميع المسلمين ؟))❷

''نظام (القرآن) کی پہچان علما دین کے لیے ضروریات میں سے ہے، تاکہ وہ لوگوں کو بھی اپنے فہم کے مطابق تعلیم دے سکیں، اگر وہ خود ہی اسے سمجھنے سے قاصر رہیں اور اس میں اختلاف کریں تو لوگوں کی رہنمائی کیسے کر سکیں گے؟ بلکہ اس صورت حال میں ان کی قیادت خود ان کی ذات اور تمام مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔''

❶ مقدمہ ''تدبر قرآن''، ۱۳۱/۱۔۱۴۔

❷ دلائل النظام، ص ۲۲۔

Marfat.com

((...... فان فهم الكلام لا يمكن بدون معرفة النظام ، وانه لهو السبيل الوحيد الى فهمه))❶

''بلاشبہ کلام، النظام کو پہچانے بغیر فہم ناممکن ہے، کیونکہ نظام ہی فہم کلام کا واحد راستہ ہوتا ہے۔''

ایک اور موقع پر تفسیر قرآن میں نظام القرآن کے کلیدی کردار کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

((هل تتصور أن تطلع على المعانى التى أراد المتكلم القاء ها ، وجعل الكلام عليها دليلاً ، و أسلوب بيانه اليها سبيلا؟ من دون أن تعلم أولا روابط الكلام و أنحاءً على سبيل الاجمال ، ثم تعلم مواقعها ثانيا ، ثم اذا نظرت فى استعمال ذالك فتميز وجوه الربط ثالثاً ۔ فان اتصال جملة بقر۔ ينقصها يكون لوجوه مختلفة ، فمن لم يفهم وجه الاتصال أو أخطأ فى تعيينه ، أخطأ المراد أو جهله ، ولم يطلع على ما تضمنه الكلام من العلم والحكمة۔ وبالجملة محال ان تفهم كلاما من دون أن تعلم نسبة بعضها الى بعض))

''کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ متکلم نے جس مقصد کے لیے اپنے کلام اور اسلوب بیان کو ذریعہ بنایا ہے، آپ اس مقصد سے آگاہ ہو سکیں گے، جب تک اوّلاً کلام کے درمیان باہمی ربط اور وجوہ ربط کا آپ کو اجمالاً علم نہ ہو، ثانیاً اس کے موقع محل کا آپ کو اندازہ نہ ہو، اور اس میں غور وفکر سے آپ ربط کلام کی صحیح جہت کو الگ نہ کر سکو؟ کیونکہ ایک جملہ دوسرے جملہ سے کئی اعتبارات سے مربوط سمجھا جا سکتا ہے۔ جسے ربط اتصال کی صحیح جہت معلوم نہ ہو، یا اس کی تعیین میں غلطی کر رہا ہو، تو وہ اصل مفہوم کو بھی کھو دیتا ہے یا اس سے غلطی کر جاتا ہے اور اس کلام میں موجود علم وحکمت سے آگاہ نہیں ہو پاتا، یہ ناممکن ہے کہ آپ کلام کے مختلف حصوں کا باہمی ربط پہچانے بغیر اسے سمجھ سکیں۔

② پوری کائنات اور قرآن کا حسن نظم وترتیب میں پوشیدہ ہے

علامہ فراہی نظام القرآن کی اہمیت پر دلیل دیتے ہوئے یہ رائے رکھتے ہیں کہ پوری کائنات کا حسن اس کے اندرونی نظم اور ترتیب میں ہی مضمر ہے، اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''اپنے اردگرد اور اوپر نیچے کی موجودات پر نگاہ ڈالو، تم دیکھو گے کہ یہ تمام اشیا مرکب ہیں اور خاص طریقے سے بنائی گئی ہیں، تاکہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اگر تم مزید غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ان کے تمام منافع اور محاسن میں ان کی اندرونی ترکیب کا بہت بڑا کردار ہے۔''❷

مزید لکھتے ہیں:

❶ دلائل النظام، ص ۲۲ ❷ ایضاً، ص ۳۰۔

Marfat.com

((بل لو شئت قلت ان التركيب هو أصل ماهية كل شيء، و حقيقة وجوده، فك عنه التركيب، ينقلب كانه لا شئى))❶

"بلکہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ترکیب ہی پر ہر چیز کی ماہیت اور اس کے حقیقی وجود کا انحصار ہوتا ہے، ترکیب توڑ دیں، تو وہ چیز لاشئی ہوتی دکھائی دیتی ہے۔"

علامہ فراہی کے نزدیک جس طرح کائنات کی ہر چیز درحقیقت اپنے حسن نظم وترکیب کی بنیاد پر نافع اور کارآمد ہے اور ترکیب ہی کی وجہ سے وہ خوبصورت ہے، اسی طرح کلام بھی اپنے داخلی نظم کی ہی بنیاد پر معانی و مطالب پر دلالت کرتا ہے اور نظم ہی اس کے حسن کا مظہر ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

((فلا شك أن الكلام انما هو بنظامه))❷

③ نظم قرآن ہی وحدت امت کا ضامن ہے

علامہ فراہی کے نزدیک قرآن میں مختلف تاویلات وانحرافات کا ایک بنیادی سبب نظم قرآن سے غفلت ہے۔ اس سے غفلت کی وجہ سے ہی ہمارے عقائد ونظریات ہمارے دل ودماغ اور ہمارے تعلقات تک درہم برہم ہیں۔ اس کا حل بتاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

((والنظم يرد الأمور الى الواحدة ، وينفى تشاكس المعانى))❸

"نظم کلام ہی تمام امور کو وحدت کی طرف لوٹاتا ہے، اور متضاد مفاہیم کا ازالہ کردیتا ہے۔"

④ نظم قرآن ہی میں اعجاز قرآن پوشیدہ ہے

حضرت خاتم النبیین محمد ﷺ کی نبوت کی سب سے افضل یا مضبوط ترین دلیل قرآن مجید ہے۔ ہم یہ بات بداہۃً جانتے ہیں کہ حسن ترتیب ایک بلیغ کلام کی سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے اور ہم قرآن کے معجزہ ہونے پر بھی یقین رکھتے ہیں، تو کیا ہم یہ پسند کریں گے کہ قرآن کو حسنِ ترتیب سے عاری قرار دیں؟❹

⑤ نظم قرآن سے غفلت، قرآن کے اکثر مفاہیم سے محروم کردیتی ہے

علامہ فراہی لکھتے ہیں:

---

❶ دلائل النظام، ص ۳۱۔ ❷ ایضا، ص ۳۱۔

❸ دلائل النظام، ص ۵۱۔

❹ ایضا، ص ۵۱، تفسیر قرآن کے اصول، فراہی، ص ۴۸۔

Marfat.com

((لما كان أكثر الحكم و معالى الأمور مخبوءة تحت دلالات النظم ، فمن ترك النظر فيه ترك من معنى القرآن معظمه)) [1]

''اکثر حکمتیں اور اعلیٰ حقائق نظم کی دلالات میں پنہاں ہوتے ہیں، جو نظم میں غور وفکر ہی نہیں کرتا، وہ قرآن مجید کے اکثر مفاہیم کو ترک کر دیتا ہے۔''

⑥ حکمت قرآن نظم ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے

علامہ فراہی کے نزدیک اکثر حکمتیں اور برتر حقائق نظم کی دلالات کی روشنی میں سمجھ میں آتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکاۃ روکنے والوں سے جو جہاد کیا، اس کی دلیل انہیں نظم قرآن ہی کے اندر سے ملی۔ ان کے استدلال کی ترتیب گویا یوں تھی کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے وہ از روئے شریعت ہم سے الگ ہیں اور ہمیں ان سے قتال کا حکم ہے، تو جو لوگ زکاۃ نہیں دیتے، ان کے لیے بھی یہی حکم ہونا چاہیے، کیونکہ زکاۃ کا ذکر ہمیشہ نماز کے ساتھ ہوا ہے، جب کتاب اللہ میں اس کی جگہ نماز کے بعد ہے، تو لازماً یہی جگہ اس کی دین کے اندر بھی ہونی چاہیے۔ [2]

ترتیب قرآن، نظم، مناسبت قرآن اور نظام القرآن میں فرق

قرآن مجید کی ترتیب وتدوین، ایک آیت قرآنی کا اندرونی نظم، دیگر آیات سے اس کی مناسبت اور سیاق وسباق، یہ چیزیں فراہی تصور ''نظام القرآن'' کا ایک حصہ تو ہیں اور بنیاد بھی، لیکن ''نظام القرآن'' اس سے بہت آگے ایک مستقل نظریہ اور تصور کا نام ہے۔ تجزیہ سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان فرق کو مختصراً واضح کر دیا جائے۔

ترتیب قرآن سے مراد قرآن مجید کی موجودہ شکل میں آیات وسور کی ترتیب ہے۔ مصحف شریف جس ترتیب میں آج ہمارے سامنے موجود ہے، یہی قرآن مجید کی حقیقی اور قطعی ترتیب ہے۔ ☆

نظم ومناسبت اس سے اگلا مرحلہ ہے، جس میں اس بات پر تحقیق کی جاتی ہے کہ ایک آیت کے الفاظ اور جملوں کا باہمی ربط کیا ہے؟ نیز غور وخوض کیا جاتا ہے کہ ایک آیت کے بعد دوسری آیت کی مناسبت کیا ہے؟ اسی طرح ایک سورت کا دوسری سورت سے کیا ربط وتعلق ہے؟ مثلاً: سورۂ فاتحہ کا سورۂ بقرہ سے اور سورۂ آل عمران سے کیا تعلق اور مناسبت ہے؟

---

[1] دلائل النظام، ص ۵۰۔ [2] تفسیر قرآن کے اصول، ص ۴۹۔

☆ اس سے قطع نظر کہ یہ ترتیب توقیفی ہے یا اجتہادی، کیونکہ یہ ایک الگ مسئلہ ہے، اور اس میں مختلف نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب پر بہر حال امت کا اتفاق ہے۔

Marfat.com

بعض حوالوں سے نظم ومناسبت اور سیاق وسباق میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ سیاق وسباق کا تعلق موقع محل کی مناسبت سے ایک آیت یا چند آیات تک محدود ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ ایک سورت کی تمام آیات کا سیاق وسباق ایک ہی ہو یا پورے قرآن مجید کا ایک ہی سیاق وسباق ہو۔

علی سبیل المثال: غزوۂ بدر سے متعلقہ آیات کا سیاق وسباق غزوۂ بدر کا پس منظر ہے اور ان مخصوص آیات کا سیاق وسباق وہاں تک ہی محدود ہے، سورۂ آل عمران میں غزوۂ اُحد کے بارے چند آیات وارد ہوئی ہیں اور وہیں تک آیات کا خاص سیاق وسباق ہے، پوری سورۂ آل عمران کا سیاق وسباق صرف غزوۂ احد بہر حال نہیں ہے۔

نظم ومناسبت اس لحاظ سے سیاق وسباق سے متقدم مرحلہ ہے۔

مثلاً: غزوۂ احد کے بارے آیات کا سیاق وسباق تو غزوۂ احد ہے، لیکن یہ غور کرنا کہ غزوۂ احد کے بارے چند آیات سورۂ آل عمران میں ایک مخصوص مقام پر کیوں رکھی گئیں؟ ان سے ماقبل و مابعد آیات کے مابین باہمی ربط ومناسبت کیا ہے؟ ان سوالات کا تعلق نظم ومناسبت سے ہے۔

نظام القرآن

یہاں تک ترتیب قرآن سیاق وسباق اور نظم قرآن کے درمیان فرق واضح ہو چکا ہے، نظام القرآن کا فراہی تصور ان تینوں سے الگ نام ہے۔ جسے علامہ فراہی نے نظم قرآن اور نظام القرآن دونوں ناموں سے پیش کیا ہے، البتہ نظام القرآن علامہ فراہی کے ہاں زیادہ مستعمل ہے۔ ❶

خود علامہ فراہی مناسبت اور نظام میں فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((و بالجملة فمراد بالنظام أن تكون السورة كاملا واحداً ، ثم تكون ذات مناسبة بالسورة السابقة واللاحقة ، أو بالتي قبلها أو بعدها على بعد ما ......

فتبين مما قدمنا أن النظام شئی زائد علی المناسبة و ترتيب الأجزاء)) ❷

مختصراً، نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ پوری سورت ایک کامل وحدت کا مظہر ہو، پھر اس کا سابقہ اور لاحقہ سورت سے بھی ایک ربط وتعلق ہو...... گزشتہ تفصیل سے واضح ہوا کہ نظام محض مناسبت اور ترتیب اجزا سے ایک زائد چیز کا نام ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

---

❶ مصنف کی کتابوں اور ان کے ناموں سے بھی واضح اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریے کو انفرادیت کی بنا پر نام بھی الگ ہی دینا چاہتے ہیں۔ اس نظریے کو مبرہن کرنے والی بنیادی کتاب کا نام انہوں نے "دلائل النظام" رکھا ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر کا نام "تفسیر نظام القرآن" رکھا اور مقدمے کا نام "فاتحة النظام القرآن" رکھا ہے۔

❷ دلائل النظام، ص ۸۷۔

Marfat.com

((اعلم أن المراد عن النظام أن تكون لكل سورة ، صورة مشخصة فان معاني الكلام اذا ارتبط بعضها ببعض ، وجرت الى مقصود واحد ، فاذا انظرت الى الكلام من هذه الجمعه ، رأيت ما فيه من الجمال والاتقان والوضاحة......))❶

ہمارے نزدیک نظام سے مراد یہ ہے کہ ہر سورت کی ایک مشخص و متعین شکل وصورت ہے۔ کیونکہ اجزائے کلام جب مربوط ہوں، ایک ہی مرکزی مضمون پر جاری ہوں اور کلام میں وحدت بھی ہو تو لازمی طور پر اس کی ایک مشخص صورت سامنے آتی ہے۔ جب آپ اس جہت سے کلام میں غور کریں گے تو آپ کو اس میں ایک خاص جمال، پختگی اور وضاحت نظر آئے گی۔"

سورہ اور اس کا نظم

جس طرح کوئی بھی جملہ چند اجزا پر مشتمل ہوتا ہے، جسے ہم فعل، فاعل، مفعول اور حال وغیرہ کہتے ہیں، یا مبتدا، خبر کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح منظم کلام چند جملوں پر مشتمل ہوتی ہے، اسی طرح سورت کے بھی اجزاء ترکیبی ہوتے ہیں، جو اس کے اندر ایک نظم و ربط پیدا کرتے ہیں اور پوری سورت کو ایک وحدت میں ڈھال دیتے ہیں۔

سورت کے اجزاء ترکیبی یہ ہوتے ہیں:

① عمود (مرکزی مضمون)

② تمہید

③ نفس مضمون

④ خاتمہ ❷

پورے قرآن مجید کا نظم النظام

① قرآن مجید کی ہر سورت ایک وحدت ہے، اس کا ایک علیحدہ عنوان و عمود (مرکزی موضوع) ہے، اور اس سورہ کے تمام اجزائے کلام اس عنوان و موضوع سے نہایت گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ ❸

② سورہ فاتحہ پورے قرآن مجید کا دیباچہ ہے، معوذتین خاتمہ، اور تمام درمیانی سورتیں سات گروپوں (ابواب) میں تقسیم ہیں۔ جس طرح ہر سورت کا ایک مرکزی عمود (مضمون) ہے، اس طرح ہر گروپ کا بھی ایک جامع عمود ہے۔ اور اس گروپ کی تمام سورتیں اس جامع عمود کے کسی خاص پہلو کی حامل ہیں۔

---

❶ دلائل النظام، ص ۸۷۔ ❷ تفسیر قرآن کے اصول، فراہی، ترتیب و ترجمہ خالد مسعود، ص ۱۲۹۔

❸ ایضاً۔

Marfat.com

③ ہر سورۃ زوج زوج ہے یعنی ہر سورۃ اپنا ایک جوڑا اور مثنیٰ بھی رکھتی ہے۔ ان دونوں میں اس طرح کی مناسبت ہے، جس طرح کی مناسبت زوجین میں ہوتی ہے۔ یعنی ایک میں جو خلا ہوتا ہے، دوسری اس خلا کو پر کر دیتی ہے۔ ایک میں جو پہلو مخفی ہے، دوسری اسے اجاگر کر دیتی ہے اور اس طرح دونوں مل کر چاند اور سورج کی شکل میں نمایاں ہوتی ہیں۔ بڑی سورتوں میں اسے سورۂ بقرہ و آل عمران کی مثال سے اور چھوٹی سورتوں میں معوذتین کی مثال سے سمجھئے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''جب میرے سامنے قرآن عظیم کے یہ ساتوں گروپ آتے ہیں اور ساتھ ہی سورتوں کے جوڑوں پر نظر پڑتی ہے، تو بے ساختہ میرا ذہن ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ ﴾ (الحجر ۱۵:۸۷) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے......''❶

***

❶ مقدمه تفسير تدبر قرآن، ص٢٦۔

Marfat.com

فصل ثالث

فراہی مکتب فکر کا تجزیاتی مطالعہ

تعارف

گزشتہ فصل میں فراہی مکتب فکر کے اصول تفسیر بیانیہ انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ چونکہ فراہی مکتب فکر اصول تفسیر میں ''نظام القرآن'' کو بنیادی اہمیت دیتا ہے، لہٰذا اس فصل میں ''نظام القرآن'' کے فراہی نقطۂ نظر کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

❋❋❋

Marfat.com

نظم قرآن ظن وتخمین پر مبنی ہے

قرآن مجید کی آیات وسور اور ان کی جمع وترتیب کے پیچھے نصوص موجود ہیں، امت کے اجماع اور تعامل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اس ترتیب میں حکمت کیا ہے؟ اور کون سا راز پوشیدہ ہے؟ اس بارے میں نہ تو اللہ رب العزت نے رہنمائی فرمائی ہے، نہ خود صاحب قرآن اور شارح قرآن نے کسی فلسفہ کی نشاندہی کی ہے اور نہ ہی عہد صحابہ وتابعین سے ہمیں کوئی شواہد ملتے ہیں۔ لہٰذا اس کی تحقیق اور جستجو محض ذاتی رائے اور ظن وتخمین پر مبنی ہے، جو بالکل صحیح بھی ہو سکتی ہے، غلط بھی اور تکلف محض بھی۔

جب بھی کوئی مفسر نظم قرآن کے حوالے سے جائزہ لیتا ہے کہ مثلاً: سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا باہمی ربط کیا ہے؟ تو یہ محض اس کی ذاتی قیاس آرائی اور خیال ہوتا ہے، اور عین ممکن ہے جو ایک مفسر کے نزدیک انتہائی قیمتی توجیہ ہو، دوسرے کے نزدیک وہ بالکل سطحی اور ردی سمجھی جائے۔

قائلین نظم کے اعترافات

نظم قرآن کے ظن وتخمین ہونے کا فیصلہ مقالہ نگار کی ذاتی رائے ہی نہیں، بلکہ قائلین نظم قرآن کی اپنی تصریحات سے بھی یہ مستفاد ہوتا ہے۔ نظم قرآن سے وابستہ تمام مفسرین کی یہ رائے رہی ہے کہ انکشاف نظم کا تعلق غور وفکر سے ہے۔

① امام رازی کی صراحت

امام رازی سورۂ بقرہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

((و من تأمل في لطائف نظم هذه السورة ، وفي بدائع ترتيبها علم أن القرآن كما أنه معجز بحسب فصاحة ألفاظه ، وشرف معانيه ، فهو أيضا بسبب ترتيبه و نظم آياته))❶

❶ بحواله: الاتقان ، سيوطی ، ص ٦٩٤۔

Marfat.com

''جو شخص اس سورت کے مخصوص نظم میں مضمر لطائف ومعارف اور اس کی ترتیب کے اسرار پر ''غور وفکر'' کرے گا، اسے معلوم ہوگا کہ جس طرح قرآن مجید فصاحت الفاظ اور شرف مفاہیم کے لحاظ سے معجزہ ہے، اسی طرح اپنی ترتیب اور نظم آیات میں بھی معجزہ ہے۔''

یعنی نظم کی تلاش غور وفکر پر مبنی ہے۔

④ علامہ فراہی کی تصریحات

* نظام القرآن تک رسائی کے لیے جو وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں، علامہ فراہی کے نزدیک ان میں سرفہرست ''غور وفکر'' ہے۔ ❶

* اپنی تفسیر نظام القرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

میں پورے اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ نظم کی تلاش میں میں نے کسی شخص کی پیروی نہیں کی، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی بصیرت میری راہنما رہی ہے۔ ❷

مزید لکھتے ہیں:

''مجھ پر نظم کا دروازہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے، سب سے پہلے سورۂ بقرہ اور سورۂ قصص میں کھولا، اور اس کی طرف میری رہنمائی باہر سے نہیں بلکہ خود قرآن کے اندر سے ہوئی۔ میں قرآن کی تلاوت کا ہمیشہ سے دلدادہ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ میری سب سے زیادہ محبوب اور لذیذ کتاب یہی رہی ہے۔ میں سنا کرتا تھا کہ قرآن مجید چونکہ مختلف اوقات وحالات میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے، اس وجہ سے نظم کے اعتبار سے یہ سب سے زیادہ منتشر کتاب ہے، لیکن دو سورتوں میں مجھے نظم معلوم ہوا، تو بقیہ سورتوں پر غور کرنے کی مجھے تحریک ہوئی۔

یہ اس زمانے کا قصہ ہے جب میں ابتدائی زندگی کی تعلیمی مشغولیتوں میں منہمک تھا اور اس طرح کے کسی کام کے لیے بہت کم وقت بچا سکتا تھا۔ اس طرح دس سال سے کچھ زیادہ کی مدت بیت گئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق نے میری دست گیری فرمائی اور میں نے قرآن پر ایک طرف سے اس نقطۂ نظر سے غور کرنا شروع کیا۔ سال بھر کی مدت میں اس کام کو میں نے تمام کیا۔'' ❸

* ایک اور موقع پر مشکلات عمود کو زیر بحث لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے نظام کو مخفی رکھنے میں بھی درجات کا لحاظ رکھا ہے، اس کا بیشتر حصہ تو حد درجہ مخفی ہے۔ چونکہ نظام کو سمجھنے کے لیے لوگوں کو غور وفکر پر ابھارنا مقصود تھا، اس لیے عمود کو مخفی کر دیا گیا۔'' ❹

---

❶ دلائل النظام، ص۵۳۔

❷ مجموعہ تفاسیر فراہی، مقدمہ، ص۲۷۔

❸ مجموعہ تفاسیر فراہی، مقدمہ نظام القرآن، ص۲۸۔

❹ تفسیر قرآن کے اصول، ص۳۵۔

Marfat.com

② نظام القرآن تفسیر بالرأی کی ایک قسم ہے

درج بالا اقتباسات سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ نظم القرآن کی تلاش صرف اور صرف انسان کی ذاتی رائے اور غور وفکر پر منحصر ہے۔ تفسیر قرآن میں ذاتی رائے اور غور وفکر ''تفسیر بالرأی'' ہے۔ اس کا شرعی حکم جمہور مفسرین کے نزدیک وہی ہے جو تفسیر بالرأی کا ہے۔

③ نظام القرآن کشفی نوعیت کا علم ہے

علامہ فراہی کے بعض مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ نظام القرآن کو دریافت کرتے ہوئے، ان پر کشف کی سی ایک نوعیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس عبارت میں غور کیجئے!۔

''پھر نظم قرآن کی سب سے بڑی شہادت ان لوگوں کا علم ویقین ہے، جن پر حسن ترتیب کے محاسن کچھ بے نقاب ہو گئے ہیں اور جنہوں نے ان حقائق کی کوئی تجلی دیکھ لی ہے، جو نظم قرآن کے اندر ودیعت ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ کتاب اللہ کے اسرار وعجائب کا کیسا عظیم الشان خزانہ ہے، جس کی کلید صرف نظم ہے۔ یہ چیز ان کے ذوق جستجو کو شہ دیتی اور ان کی طمانیت وبصیرت میں اضافہ کرتی ہے۔ اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ اس مخفی خزانے کو اجاگر کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو بامراد کرتا ہے اور جتنا ان کے مقدر میں ہوتا ہے وہ اس میں سے پا جاتے ہیں۔ جو دروازے کھلتے جاتے ہیں، ان کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے ہیں اور جو دروازے نہیں کھلتے انہیں وہ اپنی قلت علم ونارسائی فہم پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ معلوم ہے کہ کتاب الٰہی ایک سمندر ہے، جس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ کوئی شخص آفتاب کو اپنے احاطہ میں نہیں لے سکتا اور نہ کوئی شخص قرآن کے معاملہ میں کبھی غلطی سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ چیز ان کے شوق وطلب کی سرگرمی کمزور نہیں کرتی، بلکہ ان کا ذوق جستجو برابر مشتعل رہتا ہے اور وہ اس محنت سے جتنا کچھ بھی پاتے ہیں، اس کی قدر کرتے ہیں، چنانچہ جس نے بھی اس علم میں سے کوئی حصہ پایا ہے، اس نے اس نعمت عظمیٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے۔''[1]

درج بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ ''کشف'' اور ''وجدان'' کی سی ایک کیفیت میں نظم قرآن منکشف ہوتا ہے، اور ظاہر ہے ''کشف ووجدان'' کی مخصوص کیفیت خود صاحب کشف کے لیے اس کا جو بھی مقام ہو، مگر دوسروں کے لیے حجت شرعیہ نہیں ہے۔

④ قائلین نظم کے اختلافات

چونکہ نظم قرآنی کی دریافت پر غور وفکر کرنے والے کی اپنی رائے اور سوچ پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے قائلین

[1] مقدمہ تفسیر نظام القرآن، بحوالہ مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۳۱۔

Marfat.com

نظم کے درمیان شدید نوعیت کے اختلافات پائے جاتے ہیں۔

زمخشری کا تصور نظم، رازی سے یکسر مختلف ہے، اور رازی کا بقاعی سے۔ ❶

ایک شخص کے نزدیک دریافت شدہ نظم انتہائی قیمتی اور متاع حیات ہوتا ہے اور وہی نظم دوسرے کے نزدیک بعض دفعہ رکیک اور ساقط کہلاتا ہے۔ علی سبیل المثال: امام رازی اپنے عہد کے ذہین اور فطین شخص شمار ہوتے ہیں، اپنی تفسیر کبیر میں امام موصوف نے اظہار نظم کا التزام کیا ہے لیکن ان کے نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے، جناب فراہی لکھتے ہیں:

((اکثر من ذهب الی وجود النظم کالامام الرازی رحمه الله قنع فی هذا الأمر الصعب بما هم أهون من نسیج العنکبوت ، مع سبقه الظاهر فی العلوم النظریة والذکاء))❷

''جو لوگ نظم کے قائل رہے ہیں، مثلاً: امام رازی رحمہ اللہ، ان میں سے اکثر نے اس مشکل معاملہ میں ایسی چیزوں پر قناعت کر لی جو تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور تھیں، حالانکہ امام رازی نظری علوم اور ذہانت و فطانت میں بہت آگے ہیں۔''

امام رازی کے نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

((فمن نظر فی کلامه تیقن بأن النظم لو کان کما یدعیه هذا الامام المتبحر و أمثاله ، لما خفی علیه مع خوضه فیه ۔ و اذا لا یأتی هو ولا غیره الا بکل ضعیف ، فلا مطمع فیه لأحد بعد هؤلاء))❸

''ان کے کلام پر غور کرنے والے ہر شخص کو یقین ہو جاتا ہے، کہ اگر نظم فی الواقع وہی ہے جس پر متبحر امام اور ان جیسے دیگر دعوی کرتے ہیں، تو ان جیسے غور و فکر کرنے والوں پر مخفی نہ رہتا۔ جب یہ اور ان جیسے دیگر قائلین نظم صرف ضعیف قسم کا نظم ہی پیش کرتے رہے، تو اس وجہ سے بھی ان کے بعد کسی کو اس (نظم) کا شوق ہی نہ رہا۔''

فراہی و اصلاحی کے تفسیری اختلافات

تعجب خیز بات یہ ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی خود نظم قرآن کی دریافت میں کئی مقامات پر اپنے استاد سے اختلاف کیا ہے۔ حالانکہ مولانا امین احسن اصلاحی اپنے استاد کو 'امام' کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' کو انہی کی صحبت کا فیض اور انہی کے افکار کی تطبیق قرار دیتے ہیں۔ اپنی معروف تفسیر ''تدبر

❶ ان حضرات کے تصور نظم پر مختصر کلام اس باب کی فصل اول میں گزر چکی ہے۔

❷ دلائل النظام ، ص۳۵۔ ❸ دلائل النظام، ص۳۶۔

Marfat.com

قرآن'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''تفسیر تدبر قرآن'' پر میں نے اپنی زندگی کے پورے پچپن سال صرف کیے ہیں۔ جن میں سے تیئس سال صرف کتاب کی تحریر وتسوید کے نذر ہوئے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ وہ مدت بھی ملا دی جائے جو استاذ امام رحمہ اللہ نے قرآن کے غور وتدبر پر صرف کی ہے، اور جسے میں نے اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے، تو یہ کم وبیش ایک صدی کا قرآنی فکر ہے، جو آپ کے سامنے تفسیر ''تدبر قرآن'' کی صورت میں آیا ہے۔

اگرچہ میں اپنے فکر کو حضرت الاستاذ علیہ الرحمۃ کے فکر کے ساتھ ملانا بےادبی خیال کرتا ہوں، لیکن چونکہ واقعہ یہی ہے کہ میں نے عمر بھر استاذ ہی کے سر میں اپنا سر ملانے کی کوشش کی ہے، اور میرا فکر ان کے فکر کے قدرتی نتیجہ ہی کے طور پر ظہور میں آیا ہے۔ اس وجہ سے یہ جوڑ ملانے کی جسارت بھی کر رہا ہوں، اگر یہ بےادبی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے۔''❶

ایک اور موقع پر اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میری چالیس سال کی محنتوں کے نتائج کے ساتھ ساتھ اس میں میرے استاذ مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی 30-35 سال کی کوششوں کے ثمرات بھی ہیں، مجھے بڑا فخر ہوتا اگر میں یہ دعویٰ کر سکتا کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے، سب استاذ مرحوم ہی کا افادہ ہے، اس لیے کہ اصل حقیقت یہی ہے۔ لیکن میں یہ دعوی کرنے میں صرف اس لیے احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا میری کوئی غلطی ان کی طرف منسوب ہو جائے۔

مولانا سے میرے استفادے کی شکل یہ نہیں رہی ہے، کہ ہر آیت سے متعلق یقین کے ساتھ ان کی رائے میرے علم میں آ گئی ہو۔ بلکہ میں نے ان سے قرآن حکیم پر غور کرنے کے اصول سیکھے ہیں اور خود ان کی رہنمائی میں پورے پانچ سال ان اصولوں کا تجربہ کرنے میں بسر کیے ہیں، پھر انہی اصولوں کو سامنے رکھ کر آج تک کام کرتا رہا ہوں۔ اس اعتبار سے اگرچہ یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ یہ سب کچھ استاذ ہی کا فیض ہے، لیکن اس میں چونکہ بلاواسطہ افادے کے ساتھ ساتھ بالواسطہ افادے کا بھی بہت بڑا حصہ ہے، اس وجہ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اس کا جو حصہ مستحکم اور مدلل نظر آئے اسے استاذ مرحوم کا صدقہ سمجھیے اور جو بات کمزور یا غلط نظر آئے اسے میری کم علمی پر محمول فرمایئے۔''❷

اس قدر شدید عقیدت، فکری ہم آہنگی، اتباع اصول، استاذ امام اور ''عمر بھر استاذ ہی کے سر میں سر ملانے کی کوشش'' کے باوجود بھی اگر تفسیری اختلافات اور بعض بنیادی چیزوں میں تضاد کی حد تک اختلاف پایا جائے، تو یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ''نظام القرآن'' بہرحال ایک ذاتی رائے اور محض ظن سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا،

---

❶ دیباچہ ''تدبر قرآن'' ۱/۷۔ ❷ تفسیر ''تدبر قرآن''، مقدمہ ۱/۱۴۔

Marfat.com

اور اس میں صحت اور غلطی کا برابر امکان موجود رہتا ہے۔

اس پہلو سے اگر جائزلیا جائے تو مولانا فراہی کے اس دعوٰی میں بھی کمزوری نظر آتی ہے کہ نظم قرآن کی رعایت سے تمام تفسیری اختلافات ختم ہوسکتے ہیں۔

مزید قابل غور بات یہ ہے کہ مولانا فراہی اپنے تصور نظم کے مطابق انتہائی محدود سورتوں کی تفسیر پیش کر سکے ہیں، اس کے باوجود بعض تفسیری مقامات پر ان کے شاگرد رشید نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ اگر مولانا فراہی مکمل قرآن مجید کی تفسیر پیش کر چکے ہوتے تو ظن غالب یہ ہے کہ استاد شاگرد کے درمیان تفسیری اختلافات مزید بڑھ جاتے۔

بلکہ اس دبستان فکر سے وابستہ ابھی تو صرف دو افراد نے ہی تفسیر پر قلم اٹھایا ہے، اگر مزید اصحاب قلم آگے بڑھتے ہیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اختلافات بھی بڑھتے جائیں گے۔ جیسا کہ اسی مکتب فکر سے وابستہ اور مولانا اصلاحی کی مادر علمی ''مدرسۃ الاصلاح'' کے استاذ تفسیر جناب مولانا جلیل احسن ندوی نے تقریباً ستر مقامات پر مولانا اصلاحی سے اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے۔ ❶

ذیل میں مولانا فراہی و اصلاحی کے تفسیری اختلافات کے چند نمونے پیش کیے جا رہے ہیں، تا کہ اندازہ ہو سکے کہ ''نظام القرآن'' بہر حال انسانی کاوش پر مبنی ہے، نصوص کی طرح اسے قطعیت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

پہلا نمونہ: سورتوں کی گروپ بندی میں اختلاف

یہ بتایا جا چکا ہے کہ مولانا فراہی و اصلاحی کے فلسفۂ نظم کے مطابق قرآن مجید کی تمام سورتیں موضوعات کے لحاظ سے گروپوں میں تقسیم ہیں اور ہر گروپ کا ایک جامع عمود ہوتا ہے۔

سب سے پہلے تو سورتوں کی اسی گروپ بندی میں مولانا فراہی و اصلاحی کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے اور ہر گروپ میں موجود سورتوں کی تقسیم میں بھی اختلاف ہے۔

مولانا فراہی کے نزدیک سورتوں کی گروپ بندی

① مولانا فراہی کے نزدیک سورتوں کے کل نو (9) بڑے گروپ ہیں۔

② ان نو (9) گروپوں کی تفصیلی تقسیم یہ ہے۔ ❷

پہلا گروپ:	فاتحہ تا مائدہ	(5-1)
دوسرا گروپ:	انعام واعراف، انفال وبراءت	(9-6)

❶ ملاحظہ ہو: تدبر قرآن پر ایک نظر، مولانا جلیل احسن ندوی (مطبوعہ: دار التذکیر، لاہور)۔

❷ دلائل النظام، ص ۱۰۴-۱۰۵۔

Marfat.com

تیسرا گروپ:	یونس تا انبیا مع حج	(22-10)
چوتھا گروپ:	مومنون ونور	(24-23)
پانچواں گروپ:	الفرقان تا الم السجدۃ مع سورۂ احزاب	(33-25)
چھٹا گروپ:	سبا تا الاحقاف مع سورہ محمد تا الحجرات	(49-34)
ساتواں گروپ:	سورۂ ق تا الواقعۃ مع الحدید تا الطلاق وتحریم ☆	(66-50)
آٹھواں گروپ:	سورۂ ملک تا اخلاص	(112-67)
نواں گروپ:	معوذتین	(114-113)

مولانا اصلاحی کے نزدیک سورتوں کی گروپ بندی ❶

پہلا گروپ:	فاتحہ تا المائدہ	(5-1)
دوسرا گروپ:	انعام واعراف، مع انفال وبراءۃ	(9-6)
تیسرا گروپ:	یونس تا مومنون مع سورۂ نور	(24-10)
چوتھا گروپ:	فرقان تا احزاب	(33-25)
پانچواں گروپ:	سبا تا الاحقاف مع سورہ محمد تا الحجرات	(49-34)
چھٹا گروپ:	سورۂ ق تا تحریم	(66-50)
ساتواں گروپ:	سورۂ ملک تا الناس	(114-67)

تجزیہ وترجیح

استاذ وشاگرد جو کہ دونوں مکتب فراہی کے حقیقی مؤسسین ومنفذ ہیں، کے درمیان درج ذیل اختلافات پائے جاتے ہیں۔

① فراہی کے نزدیک سورتوں کے کل گروپ نو(9) ہیں، جب کہ اصلاحی کے نزدیک سات(7)۔

گروپوں کی تعداد میں اختلاف کی شاید ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر گروپ نو(9) مانے جائیں تو ((سبعا من المثانی)) کی قرآنی تائید حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے پیش نظر مولانا اصلاحی نے گروپوں کی تعداد نو سے گھٹا کر سات کر دی، تاکہ اس کے بعد اپنے مزعومہ گروپوں کی تائید کے لیے آیت مبارکہ ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ٥﴾ کو بطور استشہاد پیش کیا جا سکے، اگرچہ اس کی تاویل

☆ اصل نسخے میں سورۂ تحریم کا تذکرہ شاید طباعت کی غلطی سے رہ گیا ہے، کیونکہ سورۂ نمبر ٦٦ سورۂ تحریم ہے۔

❶ تدبر قرآن، مقدمہ، ۲۵۱۔

Marfat.com

میں تکلفات بعیدہ سے ہی کام کیوں نہ لیا جائے۔

② فراہی کے نزدیک تیسرے گروپ میں یونس تا الحج (سورۃ نمبر 10 تا 22) شامل ہیں۔ جب کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک تیسرا گروپ سورۂ یونس سے شروع ہو کر النور پر ختم ہوتا ہے۔ (سورۃ نمبر 10 تا 24)

③ مولانا فراہی کے نزدیک چوتھا گروپ ایک مستقل گروپ ہے، جب کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک وہ مستقل گروپ نہیں بلکہ تیسرے ہی کا حصہ ہے۔

④ مولانا فراہی کے نزدیک سورۂ ملک تا اخلاص ایک مستقل گروپ ہے، اور معوذتین بجائے خود ایک مستقل گروپ تشکیل دیتی ہیں اور یہ خاتمۂ قرآن ہے، جس طرح سورۂ فاتحہ دیباچۂ قرآن ہے، جب کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک یہ مستقل گروپ نہیں بلکہ پہلے گروپ ہی کا حصہ ہے۔

یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کی درج بالا مجموعہ بندی قرآن، حدیث، اقوال صحابہ یا اجماع امت میں سے آخر کس دلیل پر مبنی ہے؟ جب اس کی بنیاد پر تفسیر کا ایک اہم اصول طے کیا جانا ہے، تو آخر اس تقسیم کے پیچھے بھی کوئی ٹھوس اور پختہ بنیاد ہونی چاہیے؟ ظاہر ہے یہ تقسیم صرف اور صرف ذاتی غور وفکر اور وجدان پر مشتمل ہے اور پھر اس غور وفکر میں بھی دونوں استاذ شاگرد ابتدا ہی سے اختلاف کا شکار ہو گئے ہیں۔ جب اس فلسفہ کی ایک انتہائی اہم بنیاد کا یہ حال ہے تو اسے آخر پوری امت کے فہم کے بالمقابل کیسے لایا جا سکتا ہے؟ اور اس کی بنیاد پر احادیث واقوال صحابہ کو ظن ہونے کی بنیاد پر آخر کیونکر ترک کیا جا سکتا ہے؟!

دوسرا نمونہ: مکی اور مدنی سورتوں کی تعیین میں اختلاف

فراہی مکتب فکر کے نزدیک سورتوں کے گروپ لازمی طور پر مکی اور مدنوں سورتوں کے مخصوص مجموعوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

مولانا فراہی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

((اعلم أرشدك الله تعالىٰ أن أصل القرآن ما نزل بمكة ، و أما ما نزل بالمدينة فأ درج فيه ، وضم معه ، فصار كالجمان المفصل ، قال تعالىٰ: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝﴾[1] فهذه اشارة الى أصل راسخ فى ترتيب الآيات والسور))[2]

"جان لو! اللہ تمہاری رہنمائی کرے! کہ قرآن کی بنیاد وہی ہے، جو مکہ میں نازل ہوا، رہا وہ جو مدینہ میں نازل ہوا، تو وہ اسی مکی حصے کے اندر داخل کر دیا گیا اور دونوں کو باہم ایسے ملا دیا گیا جیسے وقفہ وقفہ سے خوبصورت موتی پروئے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یہ ایسی کتاب ہے، جس کی آیات محکم

---

[1] سورۃ هود، ۱۱:۱۔ [2] دلائل النظام، ص۱۰۳۔

Marfat.com

ہیں، پھر با حکمت و باخبر ذات کی جانب سے ان کی تفصیل بیان کی گئی۔“ ”یہ آیات و سور کی ترتیب کی طرف ایک بنیادی اشارہ ہے۔“

علامہ فراہی اور ان کے تلمیذ مولانا اصلاحی کے نزدیک سورتوں کے مجموعی گروپ بھی اسی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں۔ کبھی مجموعے کے آغاز میں مکی سورتیں ہوتی ہیں اور خاتمہ پر مدنی، یا کبھی مکی سورتوں کے ایک مجموعہ کے اندر ایک سے زیادہ مدنی سورتیں داخل کر دی گئی ہیں۔ ❶

گویا فراہی مکتب فکر میں مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان ایک خاص اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ یہ گروپ بندی کی تشکیل میں بھی مدد فراہم کرتی ہے اور اس گروپ کے عمود تک رسائی میں بھی۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

”ہر گروپ میں جو مدنی سورتیں شامل ہیں، وہ اپنے گروپ کے مجموعی مزاج سے بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہیں۔ انہیں اپنے گروپ کی مکی سورتوں سے وہی مناسبت ہے، جو مناسبت کسی درخت کی جڑ اور اس کی شاخوں میں ہوتی ہے۔“ ❷

مکی و مدنی سورتوں کی اس پہلو سے اہمیت کے باوجود استاذ و شاگرد کے درمیان ان کی تعیین میں اختلاف کا درج ذیل ایک واضح نمونہ ہے۔ علامہ فراہی کے نزدیک سورۂ حج مدنی ہے۔ جیسا کہ وہ واضح طور پر لکھتے ہیں:

((وهی عندی مدنية لما تتضمن الجهاد والقتال والهجرة۔)) ❸

”سورۂ حج میرے نزدیک مدنی سورت ہے، کیونکہ اس میں جہاد و قتال اور ہجرت جیسے موضوعات ہیں۔“

اتنی ہی صراحت سے مولانا امین احسن اصلاحی سورۂ حج کو مکی کہتے ہیں۔ تیسرے گروپ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس گروپ کی دو سورتوں ”أنبیاء“ اور ”حج“ کو بعض لوگوں نے مدنیات میں شمار کیا ہے، لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اس مسئلے پر ہم مذکورہ سورتوں کی تفسیر میں بحث کریں گے۔ ❹

تیسرا نمونہ: عمود کی تعیین میں اختلاف

فراہی مکتب فکر کے ہاں عمود کی تعیین اور اس کی نشاندہی بنیادی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ عمود ہی کسی بھی سورت کا مرکزی مضمون اور محور ہوتا ہے۔ سورہ کا مجموعی نظم اس کے گرد گھومتا ہے۔

---

❶ دیکھیے: دلائل النظام، ص ۱۰۳، تفسیر قرآن کے اصول، فراہی، ص ۱۴۶، مقدمہ ”تدبر قرآن“ ۱/۲۵-۲۷۔

❷ تدبر قرآن، مقدمه، ۲۶۱۔ ❸ دلائل النظام، ص ۱۰٤۔

❹ تدبر قرآن، مقدمه، ۲۵۱۔

Marfat.com

مولانا فراہی اور اصلاحی کے درمیان عمود کی تعیین میں اختلاف کی واضح مثال سورۂ عبس ہے۔ مولانا فراہی کے نزدیک سورۂ عبس کا عمود یہ ہے:

''یہ سورہ منذرات میں سے ہے، یعنی ان سورتوں میں سے ہے، جو مخاطب کو جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں، ابتدائے بعثت کی اکثر سورتوں کا یہی حال ہے البتہ ان کے اسلوب بیان مختلف ہیں۔

مثلاً: اس سورہ میں انذار کا ایک نیا پہلو یہ اختیار کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے روکا گیا ہے، جو انکار اور نافرمانی پر اڑے ہوئے ہیں اور کسی طرح اپنی جگہ چھوڑنا نہیں چاہتے۔ پھر اس مضمون سے متعلق آگے چل کر کچھ اور باتیں آ گئی ہیں۔''[1]

جب کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک سورۂ ''عبس'' سورۂ ''نازعات'' کا مثنیٰ ہے اور ان کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔[2]

اور سورۂ نازعات کا عمود مولانا اصلاحی کے نزدیک یہ ہے:

''قریش اور ان کے متمردین کا انداز ہے، جو عذاب اور قیامت کو بالکل بعید از امکان، محض ایک دھمکی خیال کرتے تھے۔''[3]

سورۂ عبس کے عمود پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس پوری سورت میں انہی متمردین پر نہایت شدت سے عتاب ہے اگر چہ خطاب بظاہر نبی ﷺ سے ہے، لیکن عتاب کا رخ تمام تر فراعنۂ قریش کی طرف ہے۔''[4]

مولانا اصلاحی کے نزدیک سورۂ عبس کی ابتدائی آیات اصل مضمون کی تمہید ہیں۔[5] جبکہ مولانا فراہی کے نزدیک وہی سورہ کا عمود ہے۔[6]

اس بارے میں مستنصر میر لکھتے ہیں:☆

" One or twice , however, the amuds suggested by the two writers differ more sharply, as in the case of . s.80, Abasa."[7]

---

[1] مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۲۴۹۔
[2] تدبر قرآن، ۱۹۱۹۔
[3] تدبر قرآن، ۱۶۹۹، (تفسیر سورۂ نازعات)۔
[4] ایضاً، ۱۹۱۹۔
[5] ایضاً، ۱۹۱۹۔
[6] مجموعہ تفاسیر فراھی، ص ۲۴۹۔
[7] Coherence in the Quran, Mustansar Mir, P. 43.

☆ مستنصر میر، انہوں نے مشیگان یونیورسٹی (University Of michigan) سے ۱۹۸۳ء میں مولانا اصلاحی کے تصور نظم پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا، وہی مقالہ بعد میں نظر ثانی اور ترمیم کے ساتھ شائع ہوا۔ مقالہ نگار کے پیش نظر اس وقت نظر ثانی شدہ ایڈیشن ہے۔

Marfat.com

''تاہم ایک یا دو دفعہ، دونوں مصنفین کا تجویز کردہ عمود، نسبتاً زیادہ واضح طور پر مختلف فیہ ہے، جیسا کہ سورہ عبس (80) میں ہے۔''

چوتھا نمونہ: تفسیر قرآن میں بسم اللہ کی حیثیت کے تعین میں اختلاف [1]

کیا بسم اللہ ہر سورت کی ایک آیت ہے یا محض تبرک کے لیے ایک اضافہ؟ اس میں مفسرین کے ہاں پہلے بھی اختلاف رائے موجود تھا اور فراہی و اصلاحی کے ہاں بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے۔ مولانا فراہی کے بقول:

''ہمارے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی اور ہر سورت کی آیت ہے۔'' [2]

جب کہ مولانا اصلاحی کی رائے اپنے استاد سے بالکل مختلف ہے۔ اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''(مدینہ) بصرہ اور شام کے قراء اور فقہا کی رائے یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن کی سورتوں میں سے کسی سورت کی بھی (بشمول سورۂ فاتحہ) آیت نہیں ہے۔ بلکہ ہر سورت کے شروع میں اسے محض تبرک اور ایک علامت فصل کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ اس سے ایک سورت دوسری سورت سے ممتاز بھی ہوتی ہے اور قاری جب اس سے کسی سورت کا افتتاح کرتا ہے، تو اس سے برکت بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے۔ اس کے برعکس مکہ اور کوفہ کے فقہا کا مذہب یہ ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے اور دوسری سورتوں کی بھی ایک آیت ہے۔ یہ مذہب امام شافعی اور ان کے اصحاب کا ہے۔'' [3]

پھر آگے اپنے استاد سے اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہوئے مولانا اصلاحی رقمطراز ہیں:

''استاد امام مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ اسے سورۂ فاتحہ کی ایک آیت اور دوسری سورتوں کے لیے بمنزلۂ فاتحہ مانتے ہیں۔ مجھے قوی مذہب قراء مدینہ کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب تمام تر وحی الٰہی کی رہنمائی اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے تحت عمل میں آئی اور بسم اللہ کی کتابت بھی اسی ترتیب کا ایک حصہ ہے۔ اس ترتیب میں جہاں تک بسم اللہ کے لکھے جانے کی نوعیت کا تعلق ہے، سورۂ فاتحہ اور غیر سورۂ فاتحہ میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ہر سورت کے آغاز میں اسے ایک ہی طرح درج کیا گیا ہے۔ اس کی حیثیت سورت سے الگ مستقل آیت کی نظر آتی ہے۔'' [4]

پانچواں نمونہ: واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ میں 'صبر' کی تفسیر میں اختلاف

سورۂ بقرہ کی اس آیت ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ......﴾ میں صبر کی تفسیر میں بھی

---

1. اس پر مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر قرآن میں نظم قرآن کی استدلالی حیثیت، مبشر حسین لاہوری، ماہنامہ ''تحقیقات اسلامی''، علی گڑھ۔
2. مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۷۰۔
3. تدبر قرآن، ۹۱/۱۔
4. ایضاً۔

Marfat.com

مولانا فراہی واصلاحی کے مابین اختلاف ہے۔ تفسیر تدبر قرآن میں مولانا اصلاحی رقمطراز ہیں کہ

''استاذ امام کا خیال تو یہ ہے کہ ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ......﴾ میں اصل مقصود نماز پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جانے کی تاکید ہے۔ اس کے ساتھ صبر کا جو ذکر آیا ہے، وہ محض اس لیے ہے کہ اس کی حیثیت نماز کے لیے شرط اور ذریعہ کی ہے۔ کیونکہ نماز پر استقلال کے ساتھ جمے رہنا صبر کے بغیر ممکن نہیں۔ نماز کی مثال مولانا کے نزدیک ایک عظیم پل کی ہے جس کی تعمیر صرف ایک محکم بنیاد پر ہی ممکن ہے۔ مولانا کا استدلال ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ ''اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور جم جاؤ'' اور اس مضمون کی بعض دوسری آیات سے ہے۔ ہمارا نقطۂ نظر ذرا اس سے مختلف ہے۔ ❶

مولانا اصلاحی کا اس سلسلہ میں نقطۂ نظر کیا ہے؟ اسے انہوں نے ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مولانا فراہی کے برعکس اصلاحی صاحب صبر کو نماز ہی کی طرح ایک الگ اور مستقل چیز قرار دیتے ہیں، نماز کی شرط یا ذریعہ یا تابع تسلیم نہیں کرتے۔

چھٹا نمونہ

اسی آیت کے اگلے ٹکڑے میں بھی مولانا فراہی واصلاحی کا اختلاف ہے جیسا کہ مولانا اصلاحی رقمطراز ہیں کہ:

﴿اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾

اس ٹکڑے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہا میں ھا کا مرجع کیا ہے؟ مجاہد کے نزدیک اس کا مرجع صلوٰۃ ہے۔ اسی قول کو امام ابن جریر نے ترجیح دی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع وہ ہدایت و نصیحت ہے جو پچھلے جملہ میں مذکور ہوئی ہے۔ استاذ امام رحمہ اللہ پہلے قول کے حق میں ہیں، اس کی تائید میں انہوں نے چند دلیلیں بھی پیش کی ہیں۔ لیکن میرا اپنا رجحان دوسرے قول کی طرف ہے۔ ❷

ساتواں نمونہ: ''حکمت'' کی تفسیر میں اختلاف

قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت نمبر 129 میں ہے:

﴿وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾

''جو انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے''

اس آیت میں مذکور حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس میں بھی مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی میں اختلاف ہے۔ مولانا فراہی کی رائے یہ ہے کہ حکمت سے مراد احکام و دانش کی باتیں ہیں، حدیث نہیں اور جو لوگ اس کی تفسیر

❶ تدبر قرآن، ۱۹۰/۱۔ ❷ ایضا، ص ۱۹۰۔۱۹۱۔

Marfat.com

حدیث سے کرتے ہیں ان کی رائے کمزور (مرجوح) ہے۔ ❶

جب کہ مولانا اصلاحی سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت کے تحت اس رائے کو وزنی قرار دیتے ہیں جسے ان کے استاد مولانا فراہی نے کمزور اور مرجوح قرار دیا ہے۔ چنانچہ اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں:

''حکمت کا ذکر یہاں کتاب کے ساتھ اس بات پر دلیل ہے کہ تعلیم حکمت، کتاب سے ایک زائد شے ہے۔ اگرچہ یہ حکمت قرآن حکیم ہی سے ماخوذ و مستنبط ہو۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک جو لوگ حکمت سے حدیث مراد لیتے ہیں ان کی بات میں بڑا وزن ہے۔'' ❷

آٹھواں نمونہ: سورۂ آل عمران کی آخری آیت کی تفسیر میں اختلاف

سورۂ آل عمران کی آخری آیت میں ''و رابطوا'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس ''رابطوا'' (یعنی مرابطہ) سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر میں فراہی اور اصلاحی میں اختلاف ہے، مولانا فراہی کہتے ہیں کہ ''و رابطوا'' یعنی کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم کرو، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کر کے، ان کے درمیان پائے جانے والے جھگڑوں کو ختم کر کے اور اسی طرح آپس میں حسن وسلوک کا راستہ اپنا کر۔ ❸

اس کے برعکس مولانا اصلاحی رقمطراز ہیں:

''تیسری چیز مرابطہ ہے۔ یہ مرابطہ الخیل سے ہے، اس کا اصل ابتدائی مفہوم دشمن کے مقابلہ اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے جنگی گھوڑے تیار رکھنا ہے۔ اب گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں اور ہوائی جہازوں نے لے لی ہے، اس وجہ سے حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اس لفظ کا مفہوم بھی تبدیل ہو جائے گا۔ مصابرت کی ہدایت کے بعد یہ مرابطت کی ہدایت دشمن کے مقابلے کے لیے اخلاقی تیاری کے ساتھ مادی تیاری کی ہدایت ہے۔ ❹

فراہی ''نظام القرآن'' کو بطور اصول قبول نہ کرنے کی اہم وجوہات

گزشتہ صفحات سے یہ بات مبرہن ہو چکی ہے کہ فراہی تصور ''نظام القرآن'' صرف اور صرف ذاتی رائے اور ظن وتخمین پر مبنی ہے۔ یہ تفسیر بالرائے ہی کی قسم ہے اور یہ اس صورت میں مقبول ہے جب اس میں قبولیت تفسیر بالرائے کی شروط پائی جائیں۔ ذیل میں کچھ مزید اسباب و وجوہات کا تذکرہ ہے، جن کی بنا پر فراہی تصور نظم کو بطور لازمی اصول قبول نہیں کیا جا سکتا۔

❶ مفردات القرآن، ص۳۴-۳۶، مطبع مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ، طبع ۱۳۵۸ھ۔

❷ تدبر قرآن، ۲۹۷/۱۔ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور طبع سوم ۱۹۶۷ء۔

❸ حواشی الفراہی علی القرآن المجید، ۳۸۱۔ ❹ تدبر قرآن، ۲۰۶/۱۔

Marfat.com

① فراہی نظم محض ظن وتخمین پر مبنی ہے

سب سے پہلی بنیادی وجہ کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں تفصیلاً ہو چکا ہے، جس کی رو سے ہر علم ظن وتخمین پر مبنی ہے۔

② تیئس سال میں نزول قرآن کا تقاضا

قرآن مجید نجماً نجماً نازل ہوتا رہا۔قرآن مجید کی سب سے پہلی اور سب سے آخری آیت میں تقریباً تیئس سال کا طویل فاصلہ ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فراہی ''نظام القرآن'' کو بطور اصول مانا جائے تو کیا آخری آیت کے نزول تک سابقہ تمام آیات کا مفہوم پردۂ خفا میں تھا؟

مثلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کے پس منظر میں آیات افک نازل ہوئیں، تو کیا وہ آیات سورۂ نور کے نظم میں مرتب ہونے سے پہلے اپنے مفہوم میں بجائے خود واضح نہ تھیں؟

یقیناً قرآن مجید کا ہر قطعہ جب بھی نازل ہوتا تھا، مصحف میں موجودہ شکل کے مطابق حتمی ترتیب سے پہلے بھی اپنے مفہوم میں واضح ہوتا تھا۔

مصحف میں مرتب ہونے سے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مخصوص مقام پر مخصوص قطعہ رکھنے میں حکمت وفلسفہ کا سوال پیدا ہوا کہ آخر اس قطعہ آیات کو ''ایک مخصوص سورت میں'' مخصوص مقام پر کیوں رکھا گیا؟ اور ''نظام القرآن'' اس سوال کا ایک جواب ہے اور بس!!

③ عہد نبوی وعہد صحابہ میں نظام القرآن پر واضح شہادتوں کی عدم دستیابی

رسول اللہ ﷺ سے منقول پورے ذخیرۂ حدیث اور صحابہ سے ماثور تمام اقوال وآثار میں، کہیں بھی کوئی ایسا قرینہ نہیں ملتا، جس میں انہوں نے تعلیم قرآن کے لیے اس کے نظام کی طرف کوئی رہنمائی کی ہو۔

اگر یہ اس قدر بنیادی اصول ہے تو رسول اللہ ﷺ شارح قرآن کے منصب جلیل پر فائز ہونے کی وجہ سے ضرور اس طرف رہنمائی فرماتے اور پھر صحابہ بھی اس طرف توجہ دلاتے۔

④ امت کا مجموعی تعامل

امت اسلامیہ کا بالعموم اور مفسرین قرآن کا بالخصوص اجماعی تعامل بھی اس بات کا شاہد عدل ہے کہ ''نظام القرآن'' کا فراہی تصور فہم قرآن کے لیے بنیادی اصول نہیں ہے، بلکہ خود فراہی اصولوں کے مطابق اسے فہم قرآن کی ''سنت متواترہ'' کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

⑤ احادیث رسول سے تعارض

اس باب کی فصل اول میں واضح ہو چکا ہے کہ مولانا فراہی کے نزدیک تفسیر قرآن میں حدیث پر چل پڑنا، اصل کاذب ہے۔ مولانا فراہی کے نزدیک ان کا اپنا وضع کردہ تصور ''نظام القرآن'' اس اہمیت کا حامل ہے کہ اگر کوئی حدیث اس سے ٹکرائے تو وہ قابل رد ہے۔ ❶

ان کے نزدیک بعض روایات نصوص قرآن سے ٹکراتی ہیں۔ ❷ جب کہ حقیقت میں ایسی صحیح روایات نصوص قرآن سے نہیں بلکہ ''فراہی تصور قرآن'' سے ٹکراتی ہیں۔

تفسیر بالمأثور کے ضمن میں یہ بات واضح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ احادیث رسول ﷺ دراصل تشریح قرآن ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کی ثابت شدہ احادیث کے مقابلے میں اپنے ''تدبر''، ''قاعدہ'' اور ''نظام'' کو اہمیت دینا، بہرحال بہت بڑی جسارت ہے۔

راہ اعتدال

اس ساری صورت حال میں مقالہ نگار کے نزدیک راہ اعتدال صرف یہی ہے کہ جس طرح بعض متقدمین نے نظم قرآن کو تفسیری فوائد و نکات وغیرہ کی حیثیت دی ہے، اسی طرح آج بھی اسے فوائد و نکات اور لطائف و معارف سے بڑھا کر اصول و مبادی کی حیثیت نہ دی جائے۔

احادیث و آثار کے بارے میں فراہی مکتب فکر کے بعض کمزور پہلو

تفسیر قرآن میں احادیث و اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی ضرورت و اہمیت پر تفصیلی گفتگو مقالہ ہذا کے باب دوم میں گزر چکی ہے۔ جمہور مفسرین کے برعکس، فراہی مکتب فکر تفسیر قرآن میں حدیث رسول ﷺ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو رائے رکھتا ہے، اس کا مختصر جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

احادیث و آثار کے بارے فراہی مکتب فکر کے تضادات

مولانا امین احسن اصلاحی تفسیر قرآن میں حدیث سے استفادہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''تفسیر کے ظنی مأخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز احادیث اور آثار صحابہ ہیں...... جو لوگ احادیث کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں، وہ اس روشنی سے محروم ہو جاتے ہیں، جو قرآن مجید کے بہت سے اجمالات کے کھولنے میں سب سے زیادہ مددگار ہو سکتی ہے۔

---

❶ تفسیر قرآن کے اصول، ص ۸۷۔ ❷ ایضاً۔

Marfat.com

اعتدال کی راہ اس معاملے میں یہ ہے کہ قرآن مجید کے اجمالات جس حد تک صحیح احادیث کی روشنی میں کھلتے ہوں، اس حد تک ان صحیح احادیث کی رہنمائی سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور ان کے بالمقابل ہرگز کسی دوسری چیز کو ترجیح نہ دی جائے۔''❶

درج بالا اقتباس سے تین باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں:

① ظنی مآخذ میں احادیث اور آثار صحابہ ہی تفسیر قرآن کا سب سے پاکیزہ ماخذ ہیں۔

② احادیث بہت سے اجمالات قرآنیہ کھولنے میں سب سے زیادہ مددگار ہیں۔

③ مجملات قرآنی کو کھولنے کے لیے صحیح احادیث کے مقابلے میں کسی بھی دوسری چیز کو ترجیح نہ دی جائے۔

یہاں مولانا امین احسن اصلاحی نظریاتی حد تک تفسیر قرآن میں حدیث اور اقوال صحابہ کی اہمیت کو تسلیم کرتے دکھائی دیتے ہیں، لیکن عملی طور پر تفسیر قرآن میں احادیث اور آثار صحابہ سے سخت گریز کرتے ہیں اور اس معاملے میں تطبیقی سطح پر وہ اپنے استاذ امام کے متبع ہیں، کیونکہ علامہ فراہی کے نزدیک احادیث کے ذریعہ تفسیر ''اصول کاذبہ'' میں شامل ہے،❷ جن پر لوگ اعتماد کرتے ہیں، لیکن حقیقۃً وہ کچھ نہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی ضخیم تفسیر ''تدبر قرآن'' کے کل 5844 صفحات میں صرف اسی (80) احادیث جگہ پاسکی ہیں۔❸ اور ان ذکر کردہ احادیث میں بھی تقریباً ایک چوتھائی تعداد ایسی روایات کی ہے، جو بطور استدلال بیان نہیں ہوئیں، بلکہ ان کا ذکر محض تردید کے لیے کیا ہے۔❹

تضاد کی ایک اور صورت

سابقہ اقتباس میں فراہی مکتب فکر کے مؤسس ثانی مولانا امین احسن اصلاحی قرآن کے اجمالات کی تشریح میں حدیث کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اگرچہ عملی طور پر وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ مولانا کی بعض دیگر عبارات میں فکری طور پر بھی تفسیر قرآن میں حدیث کی اہمیت کو چیلنج کر دیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''فہم قرآن کی کلید خود قرآن ہے، وہ اپنے تمام اجمالات کی خود تشریح کرتا ہے۔ وہ اپنے مفہوم ومعنی کی تعیین، اپنے مقاصد ومطالب کی تفسیر اور اپنے نکات وحقائق کی تشریح کے لیے کسی چیز کا محتاج نہیں۔''❺

---

❶ مبادیٔ تدبر قرآن، ص ۲۱۸-۲۱۹۔ ❷ التكميل في أصول التأويل، ص ۲۷۵۔

❸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''مولانا امین احسن اصلاحی، حیات وافکار، ڈاکٹر اختر حسین عزمی، ص ۱۴۶'' نشریات، فاضل برادر جناب اختر حسین عزمی صاحب کا یہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ جو بعد میں کچھ ترمیم کے ساتھ شائع ہوا۔ فاضل مقالہ نگار نے اس میں تدبر قرآن کی ہر جلد میں موجود احادیث کی تعداد بتائی ہے۔

❹ ایضاً۔ ❺ مبادی تدبر قرآن، ص ۲۰۔

Marfat.com

تفسیر میں آثار صحابہ کے بارے علامہ فراہی کا فکری و عملی تضاد

علامہ فراہی نے اپنے رسالہ ((التكميل فى أصول التأويل)) میں ایک فصل اس عنوان سے قائم کی ہے: ((كان عقلاء الصحابة و فقهاؤهم أعلم بالقرآن))

اس فصل میں علامہ موصوف لکھتے ہیں:

((لا شك أن فقهاء الصحابة بل عامتهم كانوا أبصر و أعلم بالقرآن لوجوه كثيرة)) ❶

''بہت ساری وجوہات کی بنا پر فقہا صحابہ بلکہ عام صحابہ بھی بلاشبہ قرآن مجید کو سب سے بہتر جانتے اور سمجھتے تھے۔''

مزید لکھتے ہیں:

((لا شك أن كثيرا من الصحابة اذا فسروا القرآن ، كانوا كالبحر الزاخر ، والسحاب الهاطل ، يلقون على أصحابهم ما كان يملأ صدورهم علما وحكمة......)) ❷

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر صحابہ جب قرآن مجید کی تفسیر فرماتے، تو ٹھاٹھیں مارتے سمندر اور برستے بادل کی مانند ہوتے۔ اپنے شاگردوں کے سامنے ایسے نکات و معارف پیش فرماتے کہ ان کے سینے بھی علم سے معمور ہو جاتے۔''

نظری سطح پر علامہ فراہی تفسیر صحابہ کو زبردست خراج تحسین پیش کر رہے ہیں، لیکن عملی سطح پر اپنی تفسیرات میں اقوال صحابہ کو ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ان کی تصنیفات کو کھنگالنے سے عرب شعراء کے حوالے تو بکثرت ملتے ہیں، لیکن کسی صحابی کا قول بمشکل ہی ہاتھ لگتا ہے!!! ❸

بلکہ علامہ فراہی احادیث رسول کو بھی اپنے تصور نظام القرآن کے مقابل میں کوئی حیثیت نہیں دیتے، بلکہ نظام کے ''درہم برہم'' ہونے کی صورت میں احادیث کو صراحۃً رد کر دیتے ہیں۔ ❹

---

❶ التكميل فى أصول التأويل ، ص ۲۲۰۔

❷ ايضاً ، ص ۲۲۱۔

❸ حالانکہ صحابۂ کرام کے تفسیری اقوال نہ صرف شرعی بلکہ محض لغوی لحاظ سے بھی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ خالص عرب لوگ ہیں اور فطری طور پر عربی زبان کے نشیب و فراز سے کامل آگاہ ہیں۔ وہ خود کئی آیات قرآنی کا اولین مصداق ہیں اور اسباب النزول کے اولین محرک بھی۔ تفسیر صحابہ کی اہمیت پر مقالہ ہذا کی ایک مستقل فصل باب دوم میں گزر چکی ہے۔

❹ تفسیر قرآن کے اصول، فراہی، ترتیب: خالد مسعود، ص ۹۸۔

Marfat.com

فراہی مکتب فکر کے بارے ایک متوازن رائے

فراہی مکتب فکر کے دونوں کبار زعماء نے جو احادیث و آثار کے بارے موقف اختیار کیا ہے، اس بارے میں مولانا گوہر رحمان کا تجزیہ انتہائی صحیح اور متوازن رائے پر مبنی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''مولانا فراہی اور ان کے ترجمان مولانا اصلاحی عربیت کے ماہر تھے، اور عربی لغت پر انہیں عبور حاصل تھا، لیکن احادیث رسول، آثار صحابہ و تابعین اور امت مسلمہ کے ہزاروں محدثین، مفسرین اور فقہا کے تدبر و تفقہ کو نظر انداز کر کے، یا ان پر صرف ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر خالص اپنی عربی دانی کی بنیاد پر تفسیر کرنا، اور اسلاف کے تدبر کو پس پشت ڈال کر صرف اپنے اور اپنے شیخ کے تدبر پر اعتماد کرنا بہت بڑی خود اعتمادی اور بے احتیاطی ہے، جو کبھی کبھی خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔'' (1)

مگر ان کے اس رویے کی وجہ سے ہم انہیں منکرین حدیث کی صف میں بہر حال نہیں کھڑا کر سکتے۔ البتہ مستخففین حدیث میں ان کا شمار ہے۔☆

اس بارے میں مولانا گوہر رحمان لکھتے ہیں:

''میں مولانا فراہی اور مولانا احسن اصلاحی کو منکرین سنت میں شمار نہیں کرتا، سنت رسول کی حجیت کے دونوں قائل تھے اور اس کے اثبات میں انہوں نے دلائل بھی دیے ہیں، لیکن احادیث و آثار کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے، جتنی اپنی عربی دانی اور اپنے تعقل و تفکر کو دیتے تھے۔ جو حدیث ان کے تدبر کے مطابق نہ ہو اور ان کے نزدیک درایۃً ناقابل قبول ہو، وہ اگر سند کے اعتبار سے کندن سونا ہو، بخاری، مسلم کی متفق علیہ ہو اور امت کے تمام فقہا و محدثین نے اسے روایت اور درایت دونوں اعتبار سے صحیح قرار دیا ہو، پھر بھی یہ مفکرین اسے اپنے ناقدانہ الفاظ کے سحر سے قارئین کے سامنے ایک بے بنیاد بات کے طور پر پیش کر دیتے تھے۔'' (2)

***

---

(1) علوم القرآن، ۶۴۶/۲۔

(2) علوم القرآن، ۶۴۷/۲۔

☆ فراہی مکتب فکر کے نظریۂ حدیث پر تنقیدی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: انکار حدیث کا نیا روپ، اصلاحی اسلوب تدبر حدیث، غازی عزیر، (مکتبہ قدوسیہ لاہور)، قرآن فہمی میں حدیث و سنت کا کردار، ڈاکٹر محمد امین، مقالہ بعنوان ''قرآن فہمی کے بنیادی اصول، نامور مفسرین کے قلم سے، مرتب: حسن مدنی، (مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور)، علوم الحدیث، ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر (ص ۹۴۰ و ما بعد، نشریات، لاہور) حجیت حدیث، مولانا اسماعیل سلفی۔

Marfat.com

فصل رابع

فراہی مکتب فکر کے اثرات

تعارف

اس فصل میں یہ جائزہ لیا جائے گا کہ فراہی مکتب فکر نے جو اصول تفسیر وضع کیے، اس کے خود علم تفسیر، دیگر علوم اسلامیہ اور اسلامی معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟!

اس فصل میں درج ذیل موضوعات زیر بحث لائے جائیں گے:

① فراہی مکتب فکر کے تفسیر پر اثرات
② فراہی مکتب فکر کے علوم اسلامیہ پر اثرات
③ فراہی مکتب فکر کے تحقیقی و تعلیمی اثرات

***

Marfat.com

فراہی مکتب فکر کے تفسیری تفردات اور علم تفسیر پر اثرات

فراہی مکتب فکر تفسیر قرآن میں احادیث و آثار اور اقوال صحابہ سے قطع نظر بنیادی اہمیت قرآن مجید کی لغت، اسالیب، نظائر قرآنی اور نظام القرآن کو دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کتاب مبین اور قطعی الثبوت ہے، لیکن نظائر قرآنی اور نظام القرآن کی روشنی میں تفسیر کے حوالے سے یہ پہلو انتہائی اہم اور قابل غور ہے کہ اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ قرآن کی فلاں آیت کسی دوسری آیت کی تفسیر پیش کرتی ہے، یا کسی مخصوص قطعہ آیت کے لیے دوسرا مخصوص قطعہ قرآنی نظیر ہے؟! ظاہر ہے یہ فیصلہ مفسر خود ہی کرے گا اور مفسر یہ فیصلہ اپنی ذاتی رائے سے کرے گا۔ اس لیے جمہور مفسرین کے نزدیک ایسی تفسیر اس صورت حال میں قابل قبول ہوگی، جب وہ حدیث رسول ﷺ یا اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعارض نہ ہو۔ کیونکہ قرآن کو تو حدیث و آثار پر بلا شبہ اولیت حاصل ہے، لیکن کسی مفسر کی ''تفسیر قرآن''، ''نظام القرآن'' یا ''تدبر قرآن'' کو بہر حال یہ مقام حاصل نہیں کہ اسے بھی حدیث رسول پر مقدم سمجھا جائے۔

فراہی مکتب فکر چونکہ اپنے وضع کردہ ''نظم قرآنی'' کے بالمقابل احادیث و آثار کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دیتا، اس لیے اس مکتب فکر کے یہاں کثرت سے تفسیری تفردات ملتے ہیں، جن میں سے دو ایک کا تفصیلی تجزیہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

① ﴿اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ کی تفسیر میں بعض مقامات پر دیدار الٰہی کا تذکرہ موجود ہے۔ بالخصوص سورۃ القیامۃ میں ''الی ربها ناظرة'' (۲۳:۷۵) ''اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے'' میں صراحت موجود ہے۔ مگر مولانا حمید الدین فراہی اس آیت سے رویت باری تعالیٰ پر استدلال کو غلط قرار دیتے ہیں۔ رویت باری تعالیٰ کے عقیدے کو وہ محض اس لیے نہیں مانتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تحقیق میں پڑنا ہے، لکھتے ہیں:

''رہا اس آیت سے رویت باری تعالیٰ پر استدلال تو جب ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے غور و فکر کی رسائی سے ارفع و بالا ہے تو اس کی ذات کی تحقیق میں پڑنے سے کیا حاصل؟ کیا اس طرح کا تعمق بربادیٔ دین کے آثار سے نہیں ہے۔'' ❶

---

❶ مجموعه تفسير فراهی ص ٢١٤۔

Marfat.com

''بربادئ دین کے آثار'' سے بچنے کے لیے انہوں نے ''الی ربھا ناظرۃ'' کا ترجمہ ''اپنے پروردگار کی رحمت کے منتظر'' کیا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ○ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ○﴾ (1)

''کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے پروردگار کی رحمت کے منتظر اور کتنے چہرے اداس ہوں گے، گمان کریں گے کہ ان پر کمر توڑنے والی مصیبت ٹوٹے گی۔''

پھر ان آیات کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''یہ ماننے والوں اور جھٹلانے والوں کی تصویریں ہیں، اور دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل میں رکھا ہے تاکہ ان کا فرق پوری طرح واضح ہو جائے۔ ایک گروہ تو وہ ہوگا، جو رحمت الٰہی کی امیدوں سے ہشاش بشاش ہوگا، ان کے چہرے کھلے ہوں گے، ان کی پیشانیاں چمکتی ہوں گی اور دوسرا گروہ عذاب الٰہی کے اندیشے سے بدحواس ہوگا۔ ان کے چہرے اترے ہوئے ہوں گے، پیشانیاں سمٹی ہوئی ہوں گی۔ بالکل اسی کے مشابہ تصویر سورۂ عبس میں نظر آتی ہے۔''

﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ○ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ○ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ○﴾ (2)

''کچھ چہرے اس دن روشن اور ہشاش بشاش ہوں گے اور کچھ چہرے غبار آلود ہوں گے، ان پر سیاہی چھائی ہوگی۔'' (3)

(اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ) میں ''ناظرہ'' کو مولانا نے انتظار کے معنی میں لیا ہے، لکھتے ہیں:

''نظر'' یہاں انتظار کے معنی میں ہے، قرآن مجید میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے، مثلاً

﴿ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ ○﴾ (4)

''کہا ہم انتظار کریں گے کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو''

دوسری جگہ

﴿ وَاِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ○﴾ (5)

''میں ان کے پاس ہدیے دے کے بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں (انتظار کرتی ہوں) قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔'' (6)

---

(1) سورة القيامه، ۷۵: ۲۲-۲۵۔
(2) سورة عبس، ۸۰: ۴۱-۳۸۔
(3) ایضاً ص ۲۱۳-۲۱۴۔
(4) النمل، ۲۷: ۲۷۔
(5) النمل، ۲۷: ۳۵۔
(6) ایضاً ص ۲۱۴۔

Marfat.com

خود مولانا فراہی کے اصول ترجیح کے مطابق "اذا كان المعنى مقتضيا لعبارة غير ما في الكلام فذالك المعنى مرجوح۔" ❶

''یعنی: جب کسی خاص مفہوم مراد لینے سے عبارت میں تبدیلی لازم آ رہی ہو تو وہ معنی مرجوح ہے۔

اگر ہم اس آیت مبارکہ سے رحمت کا معنی انتظار مراد لیں تو عبارت یوں ہونی چاہیے تھی:

(الٰی رَحْمَةِ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ)

یہاں نظر اگر انتظار کے معنی میں بھی ہو تو بھی رویت باری کا ثبوت فراہم ہو جاتا ہے۔ انتظار کے معنی میں لینے سے آیت کا معنی ہوگا: ''وہ اپنے رب کے منتظر ہوں گے'' جب کہ ''رحمت'' کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ ہے، آیت کریمہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

صحیح بات یہی ہے کہ مولانا موصوف نے نظر کا معنی بیان کرنے کے لیے جن آیات سے استشہاد کیا ہے وہ غیر متعلق ہیں۔ کیونکہ زیر بحث آیت کریمہ (الٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ) میں نظر الی کے ساتھ ہے۔ نظر جب الی (Preposition) کے بغیر آئے تو اس کا معنی اکثر ''دیکھنا'' اور کبھی ''انتظار کرنا'' بھی آتا ہے۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"النظر : بمعنی انتظار بھی آجاتا ہے۔ چنانچہ نظرته و انتظر ته دونوں کے معنی انتظار کرنے کے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَ انْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ٥﴾ ❷

''اور (نتیجہ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

﴿ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ٥﴾ ❸

''سو جیسے برے دن ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں، اسی طرح کے دنوں کے یہ منتظر ہیں۔ کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔''

﴿ انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ......الخ﴾ ❹

''ہماری طرف نظر شفقت کیجیے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔'' ❺

اس معنی میں کی دیگر آیات بھی ہیں، راغب اصفہانی رقمطراز ہیں:

﴿ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰـهُ ﴾ ❻

---

❶ التكميل فی أصول التاويل ، فراهی ، ص۲۷۸۔

❷ هود، ۱۲۲:۱۱۔

❸ يونس، ۱۰۲:۱۰۔

❹ الحديد، ۱۳:۵۷۔

❺ المفردات، مترجم مولانا عبده الفلاح، ۹۲۸۲

❻ الاحزاب، ۵۳:۳۳۔

Marfat.com

''کھانے کے لیے...... اوران اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔''

﴿فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ ❶

''اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔''

﴿هَلْ يَنظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُم بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ٥﴾ ❷

''یہ صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت ان پر نا گہاں آ موجود ہو اور انہیں خبر تک نہ ہو۔''

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ❸

''کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر خدا (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آ کر نازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں)۔''

﴿وَمَا يَنظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ ❹

''اور یہ لوگ تو صرف ایک زور کی آواز کا انتظا کرتے ہیں۔'' ❺

نظائر قرآنی کی روشنی میں ''نظر الی'' کا مفہوم

جب نظر کے ساتھ حرف جار الی آتا ہے (جیسا کہ آیت زیر بحث میں ہے) تو اس کا معنی ''کسی کی طرف نظر اٹھانا'' ہوتا ہے، جیسا کہ ''نظرت الی کذا'' کے معنی کسی چیز کی طرف نظر اٹھانا کے ہیں۔ خواہ وہ نظر آئے یا نہ آئے اور ''نظرت فیه'' کا معنی کسی چیز کو دیکھ کر اس میں غور کرنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿اَفَلَا يَنظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ٥﴾ ❻

''کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے ہیں۔'' ❼

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی جب دیدار الٰہی کا مطالبہ کیا تھا تو نظر کا صلہ الی استعمال کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِيْ﴾ ❽

راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

---

❶ النمل، ۲۷: ۳۵۔
❷ زخرف، ۴۳: ۶۶۔
❸ البقرہ، ۲: ۲۱۰۔
❹ ص، ۳۸: ۱۵۔
❺ المفردات، مترجم مولانا عبدہ الفلاح، ۹۲۸۲۔
❻ الغاشیہ، ۸۸: ۱۷۔
❼ المفردات، مترجم مولانا عبدہ الفلاح، ۹۲۷۲۔
❽ الاعراف، ۷: ۱۴۳۔

Marfat.com

''اور جب موسیٰ ہمارے مغفرت کیے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو کہنے لگا، اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کروا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا، ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر اپنی جگہ قائم رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا۔''

اس آیت کریمہ میں انظر الیك کے بعدلن ترانی ، انظر الی الجبل اور ترانی کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظر جب الی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو دیکھنے کے معنی میں آتا ہے۔

صلات (Preposition) کے لحاظ سے نظر کے مفہوم میں تبدیلی

شارح عقیدہ طحاویہ الی ربها ناظرة اور لفظ نظر کے استعمالات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محولہ بالا آیت میں لفظ نظر کی نسبت چہرہ کی جانب ہے جو نظر کا محل ہوتا ہے، پھر وہ لفظ الی کے ساتھ متعدی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اہل جنت کی نگاہیں اللہ پاک پر پڑیں گی۔ یہاں کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں ہے، جو خلافِ حقیقت معنی کو ترجیح دے۔ لفظ نظر کے صلوں وغیرہ کے لحاظ سے مختلف استعمالات ہیں:

اگر یہ لفظ بنفسہ متعدی ہو تو اس کے معنی توقف اور انتظار کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:''

﴿اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾

''ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔'' ❶

اگر فی کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنی تفکر اور اعتبار کا ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾

''کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور وفکر نہیں کیا۔'' ❷

اگر الیٰ کے ساتھ متعدی ہو تو آنکھوں کے ساتھ معائنہ کا معنی ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ ﴾ ❸

''جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر نظر کرو۔''

جب لفظ نظر چہرہ کی جانب (جو نظر کا محل ہے) مضاف ہو تو پھر بالا ولیٰ اس کا معنی معائنہ کا ہوگا۔ ❹

احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ

مزید برآں بہت سی صریح، صحیح احادیث اور قرآن مجید کی دیگر کئی آیات کریمہ سے رؤیت باری تعالیٰ کا

---

❶ الحدید، ۵۷: ۱۳۔ ❷ الاعراف، ۷: ۱۸۵۔ ❸ الانعام، ۶: ۹۹۔

❹ شیخ ابن ابی العز الحنفی، اسلامی عقائد، ص: ۲۵۳۔۲۵۴، مولانا محمد صادق خلیل، (مترجم)۔

Marfat.com

ثبوت ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴾ ❶

''وہاں جو کچھ چاہیں گے ان کے لیے حاضر ہے اور ہمارے ہاں اور بھی بہت کچھ ہے۔'' ولدینا مزید کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((هو النظر الى وجه الله عزوجل))

''یہ اللہ کے چہرے کا دیدار ہے۔'' ❷

﴿ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ﴾ ❸ کی تفسیر میں زیادۃ سے مراد ''اللہ تعالیٰ کا دیدار'' صراحت کے ساتھ صحیح حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

① ((اذا دخل أهل الجنة الجنة يقول الله تبارك و تعالىٰ: تريدون شيئا ازيدكم، فيقولون ألَمْ تبيض وجوهنا، ألم تدخلنا الجنة و تنجنا من النار، قال: فيكشف الحجاب، فما اعطوا شيئا احب اليهم من النظر الى ربهم تبارك و تعالىٰ ـ عن حماد بن سلمة بهذا الاسناد وزاد ثم تلا هذه الاية لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ)) ❹

''جب جنتی جنت میں جا چکیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اور کچھ چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے منہ سفید نہیں کر دیے، ہمیں جنت نہیں دی؟ جہنم سے نہ بچایا (اب اور کیا چاہیے؟) پھر پردہ اٹھ جائے گا: اس وقت جنتیوں کو کوئی چیز اس سے بھلی معلوم نہ ہوگی یعنی اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے سے۔ حماد بن سلمہ سے اسی اسناد سے یہی حدیث مروی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی یعنی نیکوں کے واسطے نیکی ہے اور زیادۃ (زیادہ سے مراد دیدار الٰہی ہے جو سب نعمتوں سے بڑھ کر لذت دے گا)۔''

اس ضمن میں ایک روایت ہے:

② ((كنا جلوسا عند النبى ﷺ اذ نظر الى القمر ليلة البدر قال: انكم سترون

---

❶ قٓ، ۵۰: ۳۵۔ ❷ ابن العز الحنفی: شرح الطحاويه، ص:۱۵۵

❸ سورة يونس، ۱۰: ۲۶۔

❹ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب اثبات رؤية المؤمنين فى الآخرة ربهم سبحانه و تعالىٰ، حديث:۱۸۱، ۱۸۲۔

Marfat.com

ربکم کما ترون هذا القمر ، لا تضامون فی رویته فان استطعتم ان لا تغلبوا علی صلاة قبل طلوع الشمس وصلاة قبل غروبها فافعلوا))❶

''ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے چاند کی طرف دیکھا۔ چودھویں رات کا چاند تھا اور فرمایا کہ تم لوگ اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے، جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور اس کے دیکھنے میں کوئی دھکم پیل نہیں ہوگی۔ سو اگر تمہیں اس کی طاقت ہو کہ سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے کی نمازوں میں سستی نہ ہو تو ایسا کر لو۔''

ایک حدیث مبارکہ میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((انکم سترون ربکم عیانا))

''تم اپنے رب کو صاف صاف دیکھو گے۔''❷

③ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے، صحابہ کرام بیان کرتے ہیں:

((خرج علینا رسول الله ﷺ لیلة البدر فقال : انکم سترون ربکم یوم القیامة کما ترون هذا، لا تضامون فی رؤیته))

''رسول اللہ ﷺ چودھویں کے چاند والی رات کو ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم اپنے رب کو قیامت کے دن اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیدار میں کوئی مزاحمت نہیں ہوگی، بے تکلف، بے مشقت، بے زحمت کھلم کھلا دیکھو گے۔''❸

④ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((ان الناس قالوا: یا رسول الله ﷺ هل نری ربنا یوم القیامة ؟ فقال رسول الله ﷺ هل تضارون فی القمر لیلة البدر؟ قالوا: لا ، یا رسول الله ﷺ! قال: فهل تضارون فی الشمس لیس دونها سحاب ؟ قالوا : لا ، یا رسول الله ! قال : فانکم ترونه کذالك))

''لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھ سکیں گے؟ آنحضرت ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں، یا رسول اللہ ﷺ! پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا جب بادل نہ ہو تو تمہیں سورج کو دیکھنے میں کوئی تنگی ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں، یا رسول اللہ ﷺ! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پھر تم

❶ صحیح بخاری، کتاب التوحید والرد علی الجهمیة وغیرهم، باب قول الله تعالیٰ: وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة، حدیث: ۷۴۳۴

❷ ایضاً، حدیث: ۷۴۳۵۔ ❸ ایضاً، حدیث: ۷۴۳۶۔

Marfat.com

اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔'' ❶

⑤ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما منكم من احد الا سيكلمه ربه ليس بينه و بينه ترجمان ، ولا حجاب يحجبه۔)) ❷

''تم میں کوئی ایسا نہیں ہوگا جس سے اس کا رب کلام نہ کرے۔ اس کے اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا اور نہ کوئی حجاب ہوگا جو اسے چھپائے رکھے۔''

رؤیت باری تعالیٰ کے بارے احادیث کا تواتر اور اجماع امت

شارح عقیدہ طحاویہ لکھتے ہیں:

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کی مرویات جو رؤیت باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں، کا تعلق ہے تو یہ متواتر ہیں۔ انہیں صحاح، مسانید اور سنن کے مؤلفین نے روایت کیا ہے۔ کئی ایک احادیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ رؤیت کی احادیث تقریباً تیس صحابہ سے مروی ہیں۔ ❸

حافظ ابن کثیر نے بھی بکثرت احادیث نقل کرنے کے بعد یوں تبصرہ کیا:

''ہمیں ڈر ہے کہ اگر اس قسم کی تمام احادیث و روایات، ان کی اسناد اور ان کے مختلف الفاظ یہاں جمع کریں گے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا، بہت سی صحیح اور حسن احادیث بہت سی مسند اور سنن کی کتابوں میں مروی ہیں، جن میں اکثر ہماری اس تفسیر میں متفرق مقامات پر آ بھی گئی ہیں، ہاں توفیق خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس مسئلہ میں یعنی خدا تعالیٰ کا دیدار مومنوں کو قیامت کے دن ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ، اور سلف امت رحمہم اللہ کا اتفاق اور اجماع ہے۔ ائمہ اسلام اور ھداۃ انام سب اس پر متفق ہیں۔'' ❹

تاویل کرنے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جو لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنا ہے، جیسے مجاہد اور ابو صالح سے تفسیر ابن جریر میں مروی ہے کہ، تو ان کا قول حق سے دور اور سراسر تکلف سے معمور

---

❶ صحيح البخاری ، كتاب التوحيد والرد علی الجهمية ، باب اثبات رؤية المؤمنين فی الآخرة و مجلم سبحانه و تعالى ، حديث: ٤٧٣٧ ، نیز دیکھیے، حدیث:٧٤٣٩۔

❷ ایضاً، حدیث: ٧٤٤٣۔

❸ شرح الطحاويه ، ص: ١٥٨-١٥٩۔

❹ تفسير ابن كثير ، ٥٤٧٥۔

Marfat.com

ہے، ان کے پاس اس آیت کا کیا جواب ہے جس میں بدکاروں کی نسبت فرمایا گیا ہے:

﴿ كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ○﴾ ❶

یعنی فاجر قیامت کے دن اپنے پروردگار سے پردے میں کر دیے جائیں گے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدار الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ابرار یعنی نیکوکار لوگ دیدار الٰہی سے سیراب کیے جائیں گے اور متواتر احادیث سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر آیت کی روانی الفاظ صاف دلالت کرتی ہے کہ اہل ایمان دیدار باری تعالیٰ سے محظوظ ہوں گے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ چہرے حسن وخوبی والے ہوں گے کیونکہ دیدار رب پر ان کی نگاہیں پڑتی ہوں گی، پھر بھلا یہ منور وحسین کیوں نہ ہوں۔'' ❷

رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں جمہور اہل اسلام کا عقیدہ امام طحاوی رحمہ اللہ (م 321ھ) یوں بیان کرتے ہیں:

((والرؤية لأهل الجنة بغير احاطة ولا كيفية ، كما نطق به كتاب ربنا: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○﴾ (۷۵ : ۲۲-۲۳) وتفسيره على ما اراد الله تعالىٰ و علمه ، وكل ما جآء فى ذالك من الحديث الصحيح عن رسول الله فهو كما قال ، ومعناه على ما أراد ، لا ندخل فى ذالك متأولين بآرائنا ولا متوهمين بأهوائنا ، فانه ما سلم فى دينه الا من سلم الله وعزوجل ولرسوله ﷺ فردٗ علم ما اشتبه عليه الى عالمه)) ❸

''جنت والوں کو اللہ کا دیدار حاصل ہوگا لیکن اس کا احاطہ یا اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○﴾ ❹

''اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے۔ (اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔''

اللہ کا دیدار اس کے ارادہ اور علم کے ساتھ اس بارے میں جس قدر صحیح احادیث رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں، ہم انہیں درست مانتے ہیں، ان کا وہی معنی صحیح ہے، جس کا آپ نے ارادہ کیا ہے اور ہم اپنی جانب سے دخل اندازی کو جائز نہیں سمجھتے، نہ تو اپنی آرا کے ساتھ کسی کا ارتکاب کرتے اور نہ ہی اپنی خواہشات کے مطابق کسی وہم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ دین میں وہی شخص سلامتی کے ساتھ ہم کنار ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تشریحات کو مانتا ہے، مشتبہ چیزوں کے علم کو ان کے جاننے

❶ المطففين، ۸۳: ۱۵۔
❷ تفسير ابن كثير، ۵۴۷۵-۵۴۸۔
❸ شرح الطحاويه، ص۱۵۳۔
❹ القيامة، ۷۵: ۲۲-۲۴

Marfat.com

والوں کی جانب لوٹا تا ہے۔''
مذکورہ بالا تمام آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوالِ صحابہ، اقوالِ تابعین، وائمہ دین، مفسرین، علمائے امت اور اہل لغت کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فراہی نے الی ربھا ناظرۃ کی جو تاویل وتفسیر کی ہے، وہ خلاف لغت ہے، نیز قرآن وحدیث کی واضح نصوص کے بھی خلاف ہے۔

۲ ''الکوثر'' کی تفسیر میں فراہی مکتب فکر کا شذوذ

عربی لغت سے تفسیر کرتے وقت ایک اصول مدنظر رکھا جاتا ہے کہ سب سے پہلے لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جائے، اگر حقیقی معنی متعذر ہو تو پھر مجازی معنی مراد لیا جاتا ہے۔ مگر مولانا فراہی نے بعض مقامات پر اس اصول کو نظر انداز کر دیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں کسی لفظ کی مراد کو اگرچہ بالصراحت بھی بیان کیا گیا ہو، تو مولانا موصوف بعض جگہ اسے قابل لحاظ نہیں سمجھتے، اس کی مثال سورۃ الکوثر ہے۔ اس کا لفظی معنی خیر کثیر ہے، جب کہ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔ اسی نہر سے میدان حشر کے حوض میں دو پرنالے گریں گے، اسی وجہ سے اسے حوض کوثر کہتے ہیں۔

الکوثر کی وضاحت خود نبی اکرم ﷺ نے کر دی ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((أُغفی النبی ﷺ اغفاءۃ فرفع رأسه متبسما اما قال لهم واما قالوا له لم ضحکت؟ فقال رسول الله ﷺ انه انزلت علی آنفا سورۃ، فقرأ رسول الله ﷺ بسم الله الرحمن الرحیم ﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْکَوْثَرَ﴾ حتی ختمها قال: هل تدرون ما الکوثر؟ قالوا: الله ورسوله أعلم قال: هو نهر أعطانیه ربی عزوجل فی الجنة، علیه خیر کثیر، یرد علیه امتی یوم القبامة، آنیتة عدد الکواکب، یُختلج العبد منهم، فاقول: یا رب انه من امتی، فیقال: لی انك لا تدری ما أحدثوا بعدك)) ❶

''نبی ﷺ پر غنودگی سی طاری ہوگئی اور دفعۃً سر اٹھا کر مسکرائے پھر یا تو خود آپ ﷺ نے فرمایا: یا لوگوں نے استفسار کیا کہ حضور ﷺ کیسے مسکرائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر اس وقت ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پوری سورت کوثر کی تلاوت کی اور فرمایا: جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: وہ ایک جنتی نہر ہے جس پر بہت بھلائی ہے، جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے، جس پر میری امت قیامت والے دن آئے گی، اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں، بعض لوگ اس سے ہٹا دیے جائیں

❶ مسند احمد، ۱۰۲۳، اس معنی کی حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔:۴۰۰

Marfat.com

گے تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ بھی میرے امتی ہیں، تو کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کر لیں؟''

جب کہ مولانا فراہی الکوثر کو جنت کی نہر کی بجائے کعبہ اور اس کے ماحول کی روحانی مثال قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''معراج میں جو نہر کوثر آنحضرت ﷺ کو مشاہدہ کرائی گئی تھی، اس کی صفات پر جو شخص بھی غور کرے گا، اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ نہر کوثر درحقیقت کعبہ اور اس کے ماحول کی روحانی مثال ہے۔ اس کے متعلق مختلف طریقوں سے جو روایات مروی ہیں، ان کی مشترک حقیقت یہ ہے کہ کوثر ایک نہر ہے، اس کے کناروں پر مجوف موتیوں کے محل ہیں، اس کی زمین یاقوت و مرجان اور زبرجد کی ہے۔ اس میں ظروف ہیں جو آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں، برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔ اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر چڑیاں اترتی ہیں، جن کی گردنیں قربانی کے جانوروں کی طرح ہیں۔ ایک شخص نے کہا: تب تو وہ بہت ہی خوش قسمت ہوں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ خوش قسمت ہیں۔ اس کے پانی کی آواز ایسی محسوس ہوگی جیسے تم اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے ہو۔ یہ تفصیلات ہم نے تمام روایات جمع کر کے یکجا کی ہیں۔ بخاری میں یہ الفاظ ہیں:

((بینا انا اسیر فی الجنة اذ انا بنهر حافتاه قباب الدر المجوف، فقلت: ما هذا یا جبریل؟ قال هذا الكوثر الذی اعطاك ربك، قال فضرب الملك بیده فاذا فیه مسك اذفر۔))

''میں جنت میں گشت کر رہا تھا کہ ناگہاں ایک نہر پر گزر ہوا، اس کے دونوں کناروں پر مجوف موتیوں کے محل تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ وہ کوثر ہے جو آپ کو آپ کے رب نے بخشا ہے۔ فرمایا: پھر فرشتے نے زمین پر ہاتھ مارا تو اس کی مٹی نہایت خوشبودار مشک تھی۔''[1]

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد مولانا موصوف دور دراز کی تاویلات کرتے ہیں اور ایسی تصویر کشی کرتے ہیں، جو کم از کم سورۃ الکوثر کے نزول کے زمانے سے متعلق نہیں ہو سکتی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''اب ایک لمحہ توقف کر کے کعبہ اور اس کے ماحول کے مشاہدات پر غور کرو، جب تمام اکناف عالم سے جان نثارانِ توحید کے قافلے عشق و محبت الٰہی کی پیاس بجھانے کے لیے اس چشمہ خیر و برکت کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں۔ کیا ان کے احساس روحانی میں اس مقدس وادی سے سنگریزے یاقوت و زمرد سے زیادہ پر جمال، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار اور اس کے اردگرد حجاج کے خیمے جوف موتیوں کے قبوں سے زیادہ حسین و خوبصورت نہیں ہیں؟ پھر حجاج اور ان کے ساتھ قربانی کے اونٹوں کی قطاروں پر

---

[1] مجموعه تفاسیر، فراهی ص:٤٢١۔ ٤٢٢۔

Marfat.com

ایک نظر ڈالو۔ کیا یہ ایک چشمہ کے کنارے لمبی گردن والی چڑیوں کا جھنڈ نہیں ہے؟ پھر ان کی خوش بختی اور فیروز مندی پر غور کرو۔ یہ اشرف المخلوقات انسان کے قائم مقام بن کر خدا کے سامنے قربان ہوں گے۔ گویا وہ بمنزلہ انسان ہیں۔ ان سے بڑھ کر خوش بخت اور فیروز مند کون ہو سکتا ہے؟ پھر ان کے خوش قسمت کھانے والوں کو دیکھو، یہ کون ہیں؟ اللہ کے مہمان؟ کیا اللہ کے مہمانوں سے بھی بڑھ کر کسی کا نصیبہ اچھا ہے؟"❶

پھر اس تشبیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایک نگاہ تعمق اس تشبیہ کے محاسن پر بھی ڈالو، حوض پر اترنے والی چڑیوں کو، قربانی کے اونٹوں سے تشبیہ دے کر اور ان کے کھانے والوں کا ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ چڑیوں سے مقصود یہی قربانی کے اونٹ ہیں۔ پھر اشارہ کتنا لطیف ہے! چڑیوں کی گردنوں کو قربانی کے اونٹوں کی گردن سے تشبیہ دی ہے کہ اس جز سے پورے کل پر روشنی پڑ جائے۔ نیز دیکھو! "بدن" کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ "جزور" کا لفظ استعمال کیا جس کی عمومیت میں ابہام ہے۔"❷

یہاں پہنچ کر محسوس ہوتا ہے کہ موصوف کو احساس ہوا کہ انہوں نے تاویل بعید کی ہے، جس پر انہوں نے "عقل سلیم" کے استنباط کا سہارا لیا۔ لکھتے ہیں:

"تم پوچھ سکتے ہو کہ اتنی رازداری اور اس قدر اشارات وکنایات کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تا کہ عقل سلیم اس سے حقائق کا استنباط کرے۔"❸

حالانکہ قرآن مجید صریح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس کا نزول بقول سید مودودی رحمہ اللہ "پہیلیوں کی زبان" میں نہیں ہوا۔❹

صحیح بات یہی ہے کہ الکوثر اسم ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت ہے اور یہی اس لفظ کا شرعی معنی ومفہوم ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ شرعی معنی لغوی معنی پر عموماً مقدم ہوتا ہے۔ البتہ اگر لغوی معنی مراد لینے کے قوی شواہد ہوں تو پھر شرعی معنی کی بجائے لغوی معنی مراد لیا جاتا ہے۔ کوثر کے بارے میں ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر☆ لکھتے ہیں:

"بہت سی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کوثر بہشت کی ایک نہر کا نام ہے، جو حضرت ﷺ کو عطا ہوئی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آنحضرت ﷺ کو اونگھ آگئی پھر سر اٹھا کر تبسم کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے اور پھر یہ سورت پڑھی اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور رسول ﷺ ہی جانیں۔ فرمایا وہ ایک نہر ہے جو خدا نے مجھ کو بخش دی ہے، اس میں خیر کثیر ہے۔"

---

❶ مجموعہ تفاسیر، فراہی ص ۴۲۲۔ ❷ ایضاً۔ ❸ ایضاً، ص ۴۲۲۔
❹ تفہیم القرآن ۱۲۰۳ ☆ مبعوث سعودی مکتب الدعوۃ، اسلام آباد

Marfat.com

پھر اپنے ترجمے ''ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمائی ہے'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لغت میں کوثر خیر کثیر کو کہتے ہیں۔ چونکہ شرعی معنی، لغوی پر مقدم ہوتے ہیں اس لیے ہم نے کوثر کے لغوی معنی ترجمے میں اختیار نہیں کیے۔'' ❶

مولانا فراہی الکوثر کو صفت قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

جو لوگ اس سے ''خیر کثیر'' مراد لیتے ہیں وہ یا تو اس کا موصوف یعنی ''خیر'' محذوف مانتے ہیں کہ موقع ذکر نعمت کا ہے، یا خود صفت ہی کو خیر کثیر کے مفہوم میں لے لیتے ہیں اور دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی ہے۔ اس گروہ کا اعتماد مندرجہ ذیل دلائل پر ہے:

اگر لفظ کوثر صفت سے اسمیت کی طرف منتقل ہوا ہوتا تو اس کو نکرہ آنا چاہیے تھا، مثلاً '' سلسبیل ، تسنیم ، علیین ، سجین ، غسلین '' وغیرہ اور قرآن چونکہ عربی مبین میں ہے اس کی تشریح کرتا؛ کیونکہ نام ہونے میں اس کا مفہوم قرآن کی تشریح کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے۔ کوثر کو لام تعریف کے ساتھ استعمال کرنا، درآنحالیکہ وہ ایک ایسی چیز کا نام ہے جس سے لوگ واقف نہیں ہیں۔ قرآن کے عربی مبین ہونے کے منافی ہے۔ اس وجہ سے بطریق نص وہ کسی خاص چیز کا نام نہیں ہوسکتا۔ البتہ بطریق تاویل کوئی ایسی چیز مراد لے سکتے ہیں جس میں خیر کثیر ہو۔ ❷

مولانا فراہی الکوثر کی اسمیت کو قرآن کے عربی ہونے کے منافی قرار دیتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ اس کو اسم قرار دیا جائے تو اس کی وضاحت قرآن سے ہونا ضروری تھی۔ مولانا کا موقف درج ذیل وجوہ کی بنا پر کمزور ہے:

① ''الکوثر'' سے نہر کوثر مراد لینے کے لیے کس قاعدہ کے تحت ضروری ہے کہ اسے صفت سے ''علمیت'' کی طرف منتقل کیا جائے؟ بلکہ قرآنی نظیر کی روشنی میں جس طرح ''البلد'' سے مخصوص شہر مراد لیا جاسکتا ہے، اس طرح ''الکوثر'' سے نصوص شرعیہ کی بنا پر مخصوص نہر کوثر مراد لی جاسکتی ہے۔ خالصتاً لغوی لحاظ سے اس میں قطعاً کوئی مانع موجود نہیں۔

② مولانا فراہی کے نزدیک اس سے نہر کوثر مراد لینے کی صورت میں قرآن سے وضاحت ضروری تھی، کیونکہ وہ عربی مبین میں ہے۔ جبکہ خود مولانا کا بیان کردہ پراسرار اور اشاراتی مفہوم از اول تا آخر ایک ''پہیلی نما'' تشریح ہے، جو قرآن کے عربی مبین ہونے کے بالاَولیٰ منافی ہے۔

③ اس لفظ کی وضاحت خود صاحب قرآن نے کردی ہے۔ ہر لفظ کی وضاحت قرآن میں ہونا ضروری نہیں۔ مزید برآں حدیث سے ثابت ہے (جیسا کہ اس بحث کے شروع میں صراحت کی گئی) کہ

---

❶ القرآن الکریم (مترجم و حواشی) ص ٥٤٣۔

❷ مجموعه تفاسير فراهي ص: ٤١٦

Marfat.com

آپ ﷺ نے اس سورت کی تلاوت کے ساتھ ہی اسی وقت الکوثر کی وضاحت فرمائی جس وجہ سے بطریق نص اس سے خاص چیز مراد پائی۔

الکوثر کو اسم قرار نہ دینے بلکہ دنیوی نعمت قرار دینے کے بارے میں ایک اشکال مولانا موصوف یوں بیان کرتے ہیں:

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ آخرت کی نعمتوں کو یا تو بصیغہ مستقبل ذکر کرتا ہے یا ان کو ایسے قرائن کے ساتھ بیان کرتا ہے جن سے مستقبل سمجھا جا سکے۔ مثلاً

﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ ﴾[1]

''اور جلد تیرا خدا، اپنی بخشش سے تجھے خوش کر دے گا۔''

﴿ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ ﴾[2]

''کہ تیرا رب تجھے مقام محمود میں کھڑا کرے۔''

''اس وجہ سے اگر اس سے کوئی ایسی چیز مراد ہوتی جو صرف آخرت ہی سے تعلق رکھنے والی ہوتی تو قرآن اس کو مستقبل ہی کے صیغہ سے بیان کرتا یا اس کے ساتھ کوئی ایسا واضح قرینہ ہوتا جو مستقبل پر دلیل ہوتا۔''[3]

﴿ إِنَّا أَعْطَيْنَٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ ﴾ میں جو ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس کا مستقبل کے لیے ہونے کا واضح قرینہ احادیث نبویہ میں موجود ہے کہ یہ الکوثر آپ ﷺ کو آخرت میں ملے گی علاوہ ازیں کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو بصیغہ مستقبل بیان نہیں کیا گیا مگر اس کے باوجود وہ آخرت میں ملیں گی۔ بلکہ مستقبل میں یا آخرت میں ملنے والی چیز کو ماضی کے صیغوں سے بیان کرنا اس کے ملنے کی قطعیت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اعطيت خمسا لم يعطهن احد قبلي: نُصرت بالرعب مسيرة شهر، وجُعلت لي الارض مسجدا، فايما رجل من امتي ادركته الصلاة فليصلّ، واحلت لي الغنائم ولم تحل لاحد قبلي واعطيت الشفاعة، وكان النبي ﷺ يُبعث الى قومه خاصة وبعثت الى الناس عامة))[4]

''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھیں، ایک مہینہ کی مسافت سے رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے اور تمام زمین میرے لیے سجدہ اور پاکی کے لائق بنائی گئی۔ پس میری امت کا انسان نماز کے وقت کو (جہاں بھی) پالے اسے وہاں ہی نماز ادا کر لینی چاہیے اور میرے لیے غنیمت کا مال حلال کیا گیا ہے۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی حلال نہ تھا اور مجھے شفاعت عطا کی گئی اور تمام انبیا

---

1. سورة الضحى، ۵:۹۳۔ 2. سورة بني اسرائيل، ۷۹:۱۷۔
3. مجموعه تفاسير فراهي ص ۴۱۶۔
4. صحيح بخاري، كتاب التيمم ۷، باب ۱، حديث: ۳۳۵، ص ۵۸، نیز دیکھیے: حدیث ۴۳۸، ۳۱۲۲۔

Marfat.com

اپنی اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے لیکن میں تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

اس حدیث مبارکہ میں اعطیت الشفاعة کو صیغہ ماضی سے بیان کیا گیا ہے حالانکہ یہ سعادت آپ ﷺ کو آخرت میں ملے گی۔

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

((اعطیت سبعین الفا یدخلون الجنة)) [1]

"مجھے ستر ہزار لوگ عطا کیے گئے ہیں جو (بغیر حساب کے) جنت میں داخل ہوں گے۔"

صیغہ ماضی سے ایک اور حدیث یوں ہے:

((من بنی لله مسجدا بنی الله له بیتا فی الجنة)) [2]

"جس نے اللہ کے لیے ایک مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔"

دیگر تفردات

دو مثالوں کے تفصیلی تجزیے کے بعد فراہی مکتب فکر کے دیگر نمایاں تفردات اور شذوذات کی ایک طائرانہ فہرست یہ ہے۔

① تفسیر سورۂ ذاریات اور قوموں پر عذابات کے بارے تفردات

مولانا فراہی کے نزدیک اقوام کی تباہی میں ہواؤں کا کردار خاص اہمیت کا حامل ہے، موصوف کے نزدیک اس سورہ کے ابتدا میں ہواؤں کا کردار بیان کیا گیا ہے۔ [3] ان کے نزدیک قوم لوط، قوم نوح اور فرعونیوں پر عذاب ہوا کے ذریعے آیا تھا۔

وہ قوم لوط پر برسنے والی پتھروں کی بارش کو بھی ہوا کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ [4] نیز ان کا موقف ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام دریائے قلزم پر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے ہی اس کا سارا پانی خشک کر دیا۔ [5] طوفان نوح کے بارے ان کا خیال ہے کہ ہوا نے سمندری پانی اٹھا کر خشکی پر پھینک دیا تھا، جس سے سیلاب آ گیا۔ [6] جمہور مفسرین کے نزدیک ان عذابات کی تفصیلات مختلف ہیں۔

---

❶ مسند احمد، ٦١۔

❷ مختصر صحیح مسلم، المنذری، ص۷۱۔

❸ مجموعہ تفاسیر، فراہی، ص۷۹۔

❹ ایضاً، ص۱۲۹۔ ❺ ایضاً، ص۱۳۱۔ ❻ ایضاً، ص۱۳٤۔

Marfat.com

② تفسیر سورۂ عبس

جمہور مفسرین کے برعکس مولانا فراہی کے نزدیک اس سورت میں کفار پر عتاب فرمایا گیا ہے۔ وہ ایسی روایات کو یکسر مسترد کرتے ہیں، جن میں اس سورت کا شان نزول حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کا واقعہ بتلایا گیا ہے۔ ❶

③ سورۂ فیل کی تفسیر

مولانا فراہی نے سورۂ فیل کی تفسیر میں جمہور مفسرین سے ہٹ کر ایک منفرد رائے قائم کی ہے، ان کی رائے میں لشکر ابرہہ پر اہل مکہ نے پتھر پھینکے تھے اور ان کا مقابلہ کیا تھا۔ پرندوں نے ان پر سنگباری نہیں کی تھی، نہ ہی وہ سنگباری کرنے آئے تھے، ان کے نزدیک نظم سورت اور ادب جاہلی اس مفہوم کی تائید نہیں کرتے، بلکہ پرندے لاشوں کو کھانے کے لیے آئے تھے۔ جب کہ جمہور مفسرین کے نزدیک پرندے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب بن کر آئے تھے، ان کی چونچوں اور پنجوں میں پتھر تھے، وہ جس ہاتھی اور سوار پر پتھر پھینکتے تھے وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا۔ ❷

④ سورۂ لہب کی تفسیر

مولانا فراہی سورۂ لہب کو ابولہب کے خلاف بددعا نہیں، بلکہ فتح مکہ کی بشارت قرار دیتے ہیں، جب کہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ابولہب کے قول: ((تبا لك يا محمد)) کے جواب میں بطور عتاب وعقاب نازل ہوئی۔ ❸

---

❶ مولانا فراہی کی تفسیر سورۂ عبس بھی مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ کی جانب سے مطبعہ معارف اعظم گڑھ سے شائع ہوئی، اس کا اردو ترجمہ مجموعہ تفاسیر فراہی میں شامل ہے، ملاحظہ ہو: مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۲۴۷۔۲۴۹، جمہور مفسرین کی تشریحات کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر طبری، ٤٤٣٢٢، الكشاف، للزمخشري، ٧٠١٤، المحرر الوجيز، ابن عطية، ٣١٦١٥، تفسير ابن كثير، ٤/ ٦٢٩-٦٣٠۔

❷ مولانا فراہی کی تفسیر سورۃ الفیل درمیانے سائز کے ۴۱ صفحات میں مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر کی طرف سے، مطبعہ معارف اعظم گڑھ سے طبع ہوئی (۱۹۳۵ء۔۱۳۵۴ھ)، نیز دیکھیے، مجموعه تفاسير فراهي، ص ۳۶۳۔ ٤١١ جمہور مفسرین کی آراء جاننے کے لیے ملاحظہ ہو: تفسير الطبري، ١٢ ٦٩٦، الكشاف، للزمخشري، ٨٠٣٤-٨٠٤ المحرر الوجيز، ابن عطيه، ٥٧١١٥، تفسير ابن كثير، ٤/ ٧٥٦-٧٧٢۔

❸ مولانا فراہی کی تفسیر سورۃ اللہب، کے لیے دیکھیے: تفسير سورة اللهب من نظام القرآن و تأويل الفرقان بالفرقان، مطبعہ معارف اعظم گڑھ۔ درمیانے سائز کے انتیس صفحات پر الگ سے مطبوع۔ نیز دیکھیے: مجموعه تفاسير فراهي، ترجمه و ترتيب: امين احسن اصلاحي، ص ٤٨٣-٥١٦۔ جمہور مفسرین کی تفسیرات کے لیے ملاحظہ ہو: تفسير الطبري، ١٢ ٧٣٣، الكشاف، للزمخشري، ٤ ٨١٩، المحرر الوجيز، ابن عطيه، ٥٩٤١٥-٥٩٥، تفسير ابن كثير، ٤/ ٧٨١-٧٨٣۔

Marfat.com

۲ فراہی مکتب فکر کے اسلامی علوم وفنون پر اثرات

مناہج تفسیر میں بلاشبہ منہج تفسیر بالمأثور کے خلاف فراہی منہج ہی وہ واحد منہج ہے، جس نے قرآن مجید کو اپنے تمام افکار کا مرکز ومحور قرار دیا۔

اس مکتب فکر کے بانی ایک عبقری اور نابغہ روزگار شخصیات تھے۔ ''مولانا فراہی قرآن حکیم کو مرکز بنا کر تمام اسلامی علوم کو از سر نو مرتب کرنا چاہتے تھے، تاکہ آدمی پر جو بھی دروازہ کھلے، وہ قرآن کی راہ سے کھلے، اور وہ جس راہ میں بھی چلے قرآن کی روشنی اس کی رہنمائی کرے۔''[1]

۱ اصول تفسیر

فراہی مکتب فکر کا اصول تفسیر پر براہ راست غیر معمولی اثر ہوا ہے، فکر ونظر کے کئی نئے زاویے کھلے، بالخصوص درج ذیل اثرات مرتب ہوئے:

* نظام القرآن کی اہمیت اجاگر ہوئی۔
* قرآن مجید پر براہ راست غور وفکر کی اہمیت نمایاں ہوئی۔
* ادب جاہلی سے براہ راست استفادہ کی ضرورت محسوس کی گئی۔
* تفسیر قرآن میں لغات ومعاجم سے استفادہ کی اہمیت میں کمی آئی۔
* اصول تفسیر پر فراہی مکتب فکر کی کئی اہم تصنیفات منظر عام پر آئیں۔

۲ غریب القرآن، مفردات القرآن

قرآن مجید کے الفاظ وکلمات کی تشریح میں کئی نئے اسالیب متعارف ہوئے، اگرچہ وہ اسالیب پہلے سے موجود تھے، لیکن ان کی تطبیق وتنفیذ نئے انداز سے ہوئی۔ فراہی مکتب فکر نے الفاظ قرآن کی تحقیق پر جو منہج اپنایا، اس میں بانی مکتب مولانا فراہی کی تصنیف ''مفردات القرآن'' نے سنگ میل اور نشان راہ کا کام دیا۔

۳ علم عقائد پر اثرات

مولانا فراہی کی تصنیف ''القائد الی عیون العقائد'' نے علم الکلام کے انداز میں عقائد پر کاری ضرب لگائی، مولانا نے اس کتاب میں عقائد کی اصولی مباحث، توحید، رسالت، اور معاد وغیرہ پر خالص قرآنی نقطۂ نظر سے گفتگو کی اور جدید علم الکلام کو جن خطوط پر استوار کرنا چاہتے تھے، ان کی طرف رہنمائی کی۔

---

[1] مقدمہ، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص۲٤۔

Marfat.com

④ علم حدیث پر اثرات

''حدیث وسنت'' میں تفریق کے جدید مفاہیم نے علمی حلقوں میں ایک نئی بحث چھیڑی، اور اس حوالے سے کئی مقالات ورسائل اور کتب منظر عام پر آئیں۔

⑤ سیرت نویسی پر اثرات

سید سلیمان ندوی کی ''سیرت النبی'' اپنے موضوع پر ایک خاص شان کی حامل کتاب ہے۔ سید سلیمان ندوی ندوہ میں قیام کے دوران مولانا فراہی سے مستفید ہوتے رہے۔[1] سیرت النبی ﷺ کے عظیم الشان کام میں اپنے استاذ کی صحبت سے کس معنی میں متاثر ہوئے؟ اس بارے خود سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''سب سے آخری جلوہ قرآن پاک کا نظر آیا، مولانا شبلی مرحوم نے'' اس کا آغاز کیا اور مولانا حمید الدین مرحوم کی دلچسپ ومفید صحبتوں میں یہ چسکا اور آگے بڑھتا گیا اور اس کا یہ اثر ہوا کہ سیرت نبوی ﷺ کی ہر بحث میں قرآن پاک میری عمارت کی بنیاد ہے اور حدیث نبوی ﷺ اس کے نقش ونگار ہیں۔''[2]

⑥ علوم لغت وادب پر اثرات

فراہی مکتب فکر لغت وادب، شعر ونثر اور نحو وصرف میں خاص دلچسپی رکھتا ہے اور یہ دلچسپی اس مکتب فکر کو اپنے بانی سے منتقل ہوئی ہے۔ بالخصوص ان علوم کی ایسی تشکیل نو کہ یہ قرآن فہمی کے لیے براہ راست مددگار ثابت ہوں، بانی مکتب کا خصوصی مشغلہ رہا ہے، اس لیے مولانا فراہی ان سب علوم کو مخصوص تنقیدی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مثلاً: لغات ومعاجم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لغت کی کتابیں ان چیزوں (یعنی قرآن مجید کے الفاظ ومفردات میں حقیقت ومجاز کا تعین اور اسالیب کی تشریح) کی تحقیق میں کچھ زیادہ رہنمائی نہیں کرتیں۔ ان سے بالعموم نہ تو الفاظ کی پوری حقیقت معلوم ہوتی ہے، نہ عربی خالص اور عربی مولّد کے درمیان کوئی امتیاز ہوتا ہے اور نہ لفظ کی جڑ ہی کا پتہ لگتا ہے کہ معلوم ہو سکے کہ کیا اصل ہے اور کیا فرع؟ کیا حقیقت ہے، کیا مجاز ہے؟''[3]

کتب نحو، صرف اور بلاغت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اپنے فوائد کی کثرت کے باوجود فہم قرآن کے نقطۂ نظر سے لغت کی کتابوں سے بھی زیادہ کوتاہ ہیں۔ موجودہ فن نحو بہت اضافہ کا محتاج ہے، یہ صرف متوسط درجہ کے کلام کے لیے اصول فراہم کرتا ہے۔[4]

---

[1] یادرفتگان، سید سلیمان ندوی، ص۴۔
[2] ماهنامه "الندوة"، نومبر ۱۹۴۰ء ص۶
[3] تفسیر قرآن کے اصول، ص۹۲۔
[4] تفسیر قرآن کے اصول، ص۹۳۔

Marfat.com

فن بلاغت کے بارے مزید لکھتے ہیں:

''فن بلاغت کو لوگوں نے صرف اشعار سے مستنبط کیا ہے، اور اشعار کا دائرہ معلوم ہے کہ وہ صرف درو بست کی خوبیوں، الفاظ کی نزاکتوں اور بدیع کی صنعت کاریوں تک محدود ہے، باقی رہے حسن استدلال کے گوناگوں پہلو، ربط معانی کے مختلف انداز، ضرب الامثال کے مختلف طریقے، قصص سے عبرت پذیری کے مختلف ڈھنگ، کلام کا بڑھ کر اپنے مرکز کی طرف لوٹنا، زجر اور عتاب، متکلم کی شدت یقین کا اظہار، مترفعانہ اعراض، ناصحانہ اظہار، حسرت وغیرہ جن کی مثالیں صرف خطبا کے کلام اور انبیا علیہم السلام کی وحی میں مل سکتی ہیں۔ ہمارے فن بلاغت نے ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔'' ❶

اس کمی کو دور کرنے کے لیے مولانا فراہی نے خود قلم اٹھایا اور فہم قرآنی کو سامنے رکھتے ہوئے اسالیب بلاغت کو تدوین کیا، اس موضوع پر ان کی کتاب "أسـاليب القرآن" ☆ ہے جس میں انہوں نے خالصۃً قرآن مجید کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسالیب کلام اور ان کے مختلف مواقع استعمال کو واضح کیا۔

اس موضوع پر دوسری کتاب "جمهرة البلاغة" ☆ تصنیف کی، اس کتاب کے بارے مولانا اصلاحی رقمطراز ہیں:

''اس کتاب میں مولانا نے مروجہ علم بلاغت کو، جس کی نمائندگی جرجانی کی کتابوں میں ہے، یونانیوں سے ماخوذ ثابت کیا ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ عربی ادب خصوصاً قرآن حکیم کی خوبیوں کو جانچنے کے لیے یہ فن بلاغت کسی طرح کسوٹی کا کام نہیں دے سکتا۔ ساتھ ہی فصحائے عرب کے کلام سے بلاغت کے وہ اصول متعین کیے ہیں، جو قرآن کی بلاغت کو پرکھنے کے لیے معیار کا کام دے سکتے ہیں۔'' ❷

❊❊❊

❶ تفسیر قرآن کے اصول، فراهی، ص۹۵۔

☆ "الدائرة الحميدية" کی طرف سے مطبوع ہے۔

☆ مطبوع ہے۔

❷ مجموعہ تفاسیر فراهی، ص۲۲۔

Marfat.com

فراہی مکتب فکر کے تحقیقی و تعلیمی اثرات

① شخصیات کی تیاری

مولانا فراہی نے انفرادی توجہ صرف کرتے ہوئے بعض ایسے افراد تیار کرنے کی کامیاب کوشش کی جو ان کے علم و فکر کے وارث بن سکیں۔ ذیل میں مولانا کے فکری سطح پر امین اور فراہی مکتب فکر کی دو اہم شخصیات کا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مولانا اختر اصلاحی (1901ء۔1958ء)

مولانا اختر احسن اصلاحی اعظم گڑھ کے ایک گاؤں کے زمیندار گھرانے میں 1901ء میں پیدا ہوئے۔ 1910ء میں موصوف نے مدرسۃ الاصلاح میں داخلہ لیا۔ پھر جب 1919ء میں علامہ فراہی نے مدرسہ الاصلاح میں مستقلاً قدم رکھا تو مولانا اختر اصلاحی نے ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت سے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ ❶

مولانا امین احسن اصلاحی اپنے رفیق مکتب اختر احسن اصلاحی کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا فراہی کے درس میں اگرچہ مدرسہ کے دوسرے اساتذہ بھی شریک ہوتے، لیکن میرے واحد ساتھی مولانا اختر اصلاحی ہی تھے۔
مولانا کی خاص توجہ بھی ہم ہی دونوں پر رہی۔ مولانا اختر احسن اصلاحی اگرچہ بہت کم سخن آدمی تھے، لیکن ذہین اور نہایت نیک مزاج تھے، اس وجہ سے ان کو برابر مولانا کا خاص قرب اور اعتماد حاصل رہا، انہوں نے حضرت استاذ کے علم کی طرح ان کے عمل کو بھی اپنانے کی کوشش کی، جس کی جھلک ان کی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی اور مجھے ان کی اس خصوصیت پر برابر رشک رہا...... مولانا اختر احسن اصلاحی کو

---

❶ ذکر فراہی، ص ۵۵۱۔

Marfat.com

استاذ امام کی خدمت کا بھی شرف حاصل ہوا، یہ شرف ان کو ان کی طبیعت کی انہی خوبیوں کی وجہ سے حاصل ہوا، جن کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا۔''❶

مولانا اختر احسن، مولانا اصلاحی سے کوئی ڈیڑھ، دو سال بڑے تھے، مولانا امین احسن کو اگر کسی جگہ پر کوئی چیز سمجھ نہ آتی، تو وہ مولانا اختر احسن اصلاحی سے اس مشکل کا حل نکلواتے۔ اس لحاظ سے انہوں نے مولانا اختر احسن اصلاحی کے لیے استاذ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، لکھتے ہیں:

''طالب علمی کے دور میں تو ہم دونوں میں ایک قسم کی معاصرانہ چشمک ورقابت رہی، تعلیم کے میدان میں بھی اور کچھ تکمیل کے میدان میں بھی، لیکن مولانا فراہی کے درس میں شریک ہونے کے بعد ہم میں ایسی محبت پیدا ہوگئی کہ اگر میں یہ کہوں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ ہماری یہ محبت دو حقیقی بھائیوں کی محبت تھی...... وہ عمر میں مجھ سے غالباً ڈیڑھ سال بڑے ہوں گے۔ انہوں نے اس بڑائی کا حق یوں ادا کیا کہ جن علمی خامیوں کو دور کرنے میں مجھے ان کی مدد کی ضرورت ہوئی، اس میں انہوں نے نہایت فیاضی سے میری مدد کی۔ بعض فنی چیزوں میں ان کی مدد سے میں نے فائدہ اٹھایا، اس پہلو سے اگر میں ان کو اپنا ساتھی ہی نہیں استاذ بھی کہوں تو شاید بے جا نہ ہوگا۔''❷

مولانا فراہی کی وفات کے بعد ان کے غیر مطبوعہ مسودات کی طباعت اور افکار کی جمع وتدوین کے لیے ''دائرہ حمیدیہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا تو سب سے اہم کام اختر احسن اصلاحی کے سپرد ہوا کہ مولانا کے مسودات کی ترتیب وتصحیح کی خدمت مولانا اختر احسن اصلاحی انجام دیں گے۔ یہ کام وہ مدت العمر انجام دیتے رہے، اس طرح کہ اس کی خبر صرف محرم اسرار لوگوں کو تھی۔ ❸

دائرہ حمیدیہ ہی کے زیر اہتمام جب امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے مولانا فراہی رحمہ اللہ کی عربی مطبوعات کا اردو ترجمہ کیا تو اگر وہ خود اس کا ذکر نہ کرتے تو شاید کسی کو علم نہ ہوتا کہ اس میں مولانا اختر احسن اصلاحی رحمہ اللہ کا بھی کچھ حصہ ہے، مولانا امین احسن رحمہ اللہ کے اپنے الفاظ ہیں:

''مولانا اختر احسن مرحوم اگرچہ تحریر وتقریر کے میدان کے آدمی نہیں تھے، لیکن مولانا کی تصنیفات کے ترجمے کے کام میں انہوں نے میری بڑی مدد فرمائی اور رسالہ میں ان کے مضامین وقتاً فوقتاً نکلتے رہے۔''❹

مولانا اختر احسن اصلاحی (1958ء) کی عاجزی وانکساری کی کیفیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد بدر الدین اصلاحی کی ماتحتی میں رہ کر مدرسۃ الاصلاح اور دائرہ حمیدیہ کی خدمت کی اور دوسرے شاگرد ابو اللیث اصلاحی کی ماتحتی میں رہ کر جماعت اسلامی ہند کی خدمت کی۔ وہ کام کے لیے تو ہمیشہ پیش پیش رہتے لیکن نام

❶ شیدائے قرآن، عنایت اللہ سبحانی، ص ۷ (بحوالہ: ذکر فراہی، ص ۵۵۲)۔
❷ ایضاً ❸ دیباچہ شیدائے قرآن: ص ۷۔ ❹ دیکھیے ماہنامہ، الاصلاح، جنوری ۱۹۳۶، تا دسمبر ۱۹۳۹ء۔

Marfat.com

کے وقت پیچھے چھپ جاتے، اس طرح کہ دایاں ہاتھ کچھ کر رہا ہے تو بائیں ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہو۔ ❶

تفہیم القرآن لکھنے کے دوران سید ابوالاعلیٰ مودودی جانشین فراہی رحمہ اللہ مولانا اختر احسن اصلاحی رحمہ اللہ کو خطوط لکھ کر تفسیر کے مشکل مسائل میں مشورے لیا کرتے تھے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کے ہاں مولانا کا کیا مقام تھا؟ مولانا یوسف اصلاحی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ مولانا اختر احسن اصلاحی صاحب مرحوم ومغفور کے شاگرد ہیں، فی الواقع وہ اس زمانے کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔'' ❷

مولانا فراہی رحمہ اللہ نے آخری زندگی میں جس شخص کی تعلیم وتربیت پر سب سے زیادہ توجہ دی وہ شخصیت مولانا اختر احسن اصلاحی ہی کی ہے، اختر احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے بھی مولانا فراہی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے علمی ورثہ کی بھرپور طریقے سے حفاظت کی ہے، مدرسۃ الاصلاح پر جس طرح انہوں نے اپنی پوری زندگی قربان کی، اس کی مثال مشکل ہی ملے گی۔ مرض الموت میں جب حالت ذرا نازک ہونے لگی تو گھر کے لوگ ان کے مکان پر لے جانے کے لیے مصر ہوئے، لیکن انہوں نے گھر جانے سے انکار کر دیا، اور بالآخر وہیں 9 اکتوبر 1958ء میں وفات پائی۔ ❸

مولوی ضیاء الدین اصلاحی (ایڈیٹر ماہنامہ معارف وڈائریکٹر دار المصنفین اعظم گڑھ) لکھتے ہیں:

''کہنا چاہیے کہ فراہی اسکول کے سب سے بڑے اسکالر وہی تھے اور مولانا فراہی کے طرز پر تفسیر کو سب سے زیادہ وہی سمجھتے تھے، لیکن آہ 9 اکتوبر 1958ء بروز پنج شنبہ ٹھیک پانچ بجے صبح اس مردِ حق آگاہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔'' ❹

امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ (1904-1997ء)

امین احسن اصلاحی 1904ء میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بمہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت گاؤں کے دو مکتبوں میں ہوئی۔ سرکاری مکتب میں مولوی بشیر احمد، جب کہ دینی مکتب میں مولوی فصیح احمد ان کے استاد تھے۔ یہاں سے انہوں نے قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

جب دس سال کے ہوئے تو ان کے رشتہ میں چچا مولانا شبلی ندوی (مہتمم مدرسۃ الاصلاح) کے ایماء پر امین احسن کے والد نے 9 جنوری 1915ء کو انہیں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں داخل کرا دیا۔ انہیں مکتب کے آخری (تیسرے) درجے میں بٹھایا گیا۔ ❺

مدرسہ میں مولانا امین احسن اصلاحی نے آٹھ سال میں پورے نصاب کی تعلیم مکمل کی۔ اس عرصے میں

---

❶ ذکر فراہی، ص ۵۶۳۔ ❷ شیدائے قرآن: ص ۳۔ ❸ ذکر فراہی: ص ۵۶۴

❹ حوالہ بالا۔ ❺ شیدائے قرآن: ص ۳۔

Marfat.com

انہوں نے عربی زبان، قرآن، حدیث، فقہ اور کلامی علوم کی تحصیل کی۔ اردو، فارسی، انگریزی اور بالخصوص عربی میں اتنی دسترس حاصل کی کہ آئندہ تحقیق وتدبر کی راہیں خود طے کر سکیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی دورانِ تعلیم ایک ذہین اور قابل طالب علم کی حیثیت سے نمایاں رہے۔ ❶ اس دوران انہیں مولانا عبدالرحمٰن نگرامی رحمہ اللہ جیسے محقق استاد سے کسبِ فیض کا موقع ملا۔ مولانا اصلاحی کے مطابق مولانا نگرامی نے ان کے اندر عربی سیکھنے کا صحیح شوق اور ولولہ پیدا کیا، ورنہ وہ ان علوم سے بددل ہوتے جا رہے تھے۔ ❷

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے بقول مولانا نگرامی رحمہ اللہ نے چار برس تک مدرسہ سرائے میر میں رہ کر زیر تربیت چند اچھے لڑکے پیدا کیے، جن میں سے ایک آج مولانا امین احسن کے نام سے مشہور ہیں۔ ❸

مدرسہ سے فارغ ہوتے ہی مولانا اصلاحی رحمہ اللہ 1922ء میں اٹھارہ سال کی عمر میں سہ روزہ ''مدینہ'' بجنور کے نائب مدیر مقرر ہوگئے۔ یہ اخبار ان دنوں تحریک خلافت کا علمبردار اور سیاست میں جمعیت علمائے ہند اور کانگریس کا ہمنوا تھا۔ اخبار کے مالک مجید حسن نے بچوں کے ایک ہفت روزہ ''غنچہ'' کی ادارت بھی مولانا کے سپرد کر دی۔ مولانا اصلاحی نے مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالرحمٰن نگرامی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی شائع ہونے والے ہفت روزہ ''سچ'' میں بھی کام کیا۔ ❹

1925ء میں مولانا اصلاحی رحمہ اللہ صحافت کو خیر باد کہہ کر مولانا فراہی رحمہ اللہ کی خواہش پر علوم قرآن میں تخصص کی غرض سے ہمہ وقت مدرسۃ الاصلاح سے وابستہ ہوگئے، مدرسہ میں تدریسی فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ دیگر اساتذہ کے ساتھ مولانا فراہی سے درس قرآن لینے لگے۔ انہوں نے مولانا فراہی رحمہ اللہ سے صرف علوم تفسیر ہی نہیں پڑھے بلکہ استاد کے طریقہ تفسیر میں مہارت بھی حاصل کی، علاوہ ازیں عربی شاعری کی مشکلات میں ان سے مدد لینے کے ساتھ ساتھ سیاسیات اور فلسفہ کی بعض کتب بھی ان سے پڑھیں۔ ❺ مولانا فراہی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد 1930ء کے اواخر میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (1353ء) سے "نخبة الفكر" اور "جامع ترمذی" کا درس لیا۔ ❻

1935ء میں مولانا فراہی رحمہ اللہ کی غیر مطبوعہ تصنیفات کی تصحیح، مطبوعات کے اردو تراجم اور ان کے قرآنی افکار کی اشاعت کے لیے مدرسۃ الاصلاح میں ''دائرہ حمیدیہ'' کا قیام عمل میں آیا۔

---

❶ ذکر فراہی: ص ۵۶۴۔

❷ ''مولانا اصلاحی کی کہانی ان کی اپنی زبانی''، شہزاد سلیم، ماہنامہ اشراق، لاہور: جنوری، فروری ۱۹۹۸ء، (ص ۱۰۹)۔

❸ یادِ رفتگاں: ص ۶۱۔

❹ ''مولانا اصلاحی سے یادگار انٹرویو'' منظور الحسن۔ ماہنامہ اشراق: جنوری فروری ۱۹۹۸ء، (ص ۱۱۵)۔

❺ مجموعہ تفسیر فراہی: ص ۱۶، ذکر فراہی: ص ۵۷۱

❻ مبادی تدبر حدیث، امین احسن اصلاحی: ص ۱۴۔

Marfat.com

مطبوعات کے اردو ترجمہ اور دائرہ کے امور کی عمومی نگرانی مولانا اصلاحی رحمہ اللہ کی ذمہ داری قرار پائی۔ اس ادارے کے ترجمان کے طور پر جنوری 1936ء میں ماہنامہ الاصلاح کا اجراء ہوا تو اس کی ادارت بھی مولانا کے سپرد ہوئی۔ ❶

مولانا فراہی رحمہ اللہ کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے ایک ایسی تفسیر لکھی جو تحقیق معنوں میں فکر فراہی کی غماز تھی۔ تفسیر میں صرف ہونے والی اپنی اور استاد کی محنتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''تفسیر تدبر قرآن پر میں نے اپنی زندگی کے پورے 55 سال صرف کیے ہیں، جن میں 23 سال صرف کتاب کی تحریر وتسوید کی نذر ہوئے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ وہ مدت بھی ملا دی جائے جو استاد امام نے قرآن کے غور وتدبر پر صرف کی ہے اور جس کو میں نے اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے تو یہ کم وبیش ایک صدی کا قرآنی فکر ہے جو آپ کے سامنے تفسیر تدبر قرآن کی صورت میں آیا ہے، اگرچہ میں اپنے فکر کو حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کے فکر کے ساتھ ملانا بے ادبی خیال کرتا ہوں، لیکن چونکہ واقعہ یہی ہے کہ میں نے عمر بھر استاد کے سر میں اپنا سر ملانے کی کوشش کی ہے اور میرا فکر ان کے فکر کے قدرتی نتیجہ ہی کے طور پر ظہور میں آیا ہے، اس وجہ سے یہ جوڑ ملانے کی جسارت بھی کر رہا ہوں، اگر یہ بے ادبی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے۔'' ❷

مزید لکھتے ہیں:

''میری چالیس سال کی محنتوں کے نتائج کے ساتھ ساتھ اس میں میرے استاذ حمید الدین فراہی کی 30، 35 سال کی کوششوں کے ثمرات بھی ہیں۔ مجھے بڑا فخر ہوتا اگر میں یہ دعویٰ کر سکتا کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے، سب استاذ مرحوم ہی کا افادہ ہے، اس لیے کہ اصل حقیقت یہی ہے، لیکن میں یہ دعویٰ کرنے میں صرف اس لیے احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا میری کوئی غلطی ان کی طرف منسوب ہو جائے، مولانا سے میرے استفادے کی شکل یہ نہیں رہی ہے کہ ہر آیت سے متعلق یقین کے ساتھ ان کی رائے میرے علم میں آ گئی ہو، بلکہ میں نے ان سے قرآن حکیم پر غور کرنے کے اصول سیکھے ہیں اور خود ان کی رہنمائی میں پورے پانچ سال ان اصولوں کا تجربہ کرنے میں بسر کیے ہیں۔'' ❸

تفسیر تدبر قرآن اگست 1980ء میں مکمل ہوئی۔ تکمیل تفسیر کے بعد مولانا اصلاحی رحمہ اللہ نے خدمت حدیث کا ارادہ کیا، چنانچہ یکم محرم 1401ھ کو ادارہ ''قرآن وحدیث'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے صدر مولانا اصلاحی رحمہ اللہ اور ازاں بعد خالد مسعود رحمہ اللہ مقرر ہوئے۔ ادارہ کی تحقیقات اور مولانا کے دروس کی اشاعت کے لیے 1981ء میں مجلّہ تدبر کا اجراء ہوا، اسی طرح ادارہ میں درس قرآن وحدیث کا ہفتہ وار سلسلہ جاری کیا گیا۔

---

❶ مولانا امین احسن اصلاحی، حیات وافکار، ڈاکٹر اختر حسین عزمی، ص ۵۸، ۵۹۔ نشریات، لاہور

❷ تفسیر تدبر قرآن: ۱/ ۷۔ ❸ ایضاً: ۱/ ۱۱۔

Marfat.com

1993ء میں پیرانہ سالی اور نقاہت کے باعث سلسلۂ درس منقطع ہو گیا۔ ❶

1993ء میں مولانا عارضۂ قلب میں مبتلا ہوئے۔ 1995ء میں فالج ہوا، بیماری پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی چلی گئی اور بالآخر 15 دسمبر 1997ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ❷

② اداروں کا قیام

فراہی مکتب فکر کی آبیاری کے لیے مختلف تحقیقی و تعلیمی ادارے معرض وجود میں آئے، جن میں سرفہرست یہ ہیں:

① الدائرۃ الحمیدیہ

علامہ فراہی کی غیر مطبوعہ کتب اور دیگر تحقیقات کو منظر عام پر لانے کے لیے، اس ادارے نے اہم خدمات پیش کیں۔

تفسیری فکر پر علامہ فراہی کے آثار زیادہ تر اس ادارے کی طرف سے شائع کیے گئے۔

1- ادارہ تدبر قرآن وحدیث

فراہی فکر کے امین مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے تفسیر ''تدبر قرآن'' کی تکمیل کے بعد ادارہ ''تدبر قرآن وحدیث'' کے نام سے یکم محرم 1401ھ کو باقاعدہ طور پر ایک ادارے کی بنیاد رکھی۔ ❸

2- ادارہ علوم القرآن

اسلامیان ہند کے علمی مرکز علی گڑھ میں یہ ادارہ مولانا فراہی کے تلامذہ ومتوسلین نے قائم کیا ہے۔ اس ادارے کے زیر اہتمام ایک تحقیقی ششماہی مجلّہ ''علوم القرآن'' شائع ہوتا ہے۔ یہ ادارہ طویل عرصہ سے علامہ فراہی کے قرآنی تصور کو علمی بنیادوں پر فروغ دے رہا ہے۔

③ رسائل وجرائد

علامہ فراہی کے بعض تلامذہ ومستفیدین نے فکر فراہی کی اشاعت کے لیے رسائل وجرائد بھی جاری کیے۔ جن میں سے دو بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

---

❶ مولانا امین احسن اصلاحیؒ..... حیات وافکار، ڈاکٹر اختر حسین عزمی ، ص ۶۔

❷ ماہنامہ ''اشراق'': جنوری فروری ۱۹۹۸ء ص ۳۔

❸ ''علم وعرفان کے ماہ کامل کا غروب''، خالد مسعود، تدبر لاہور، شمارہ ۵۹، جنوری ۱۹۹۸ء ص ۱۲۔۱۳۔

Marfat.com

1- سہ ماہی ''تدبر'' لاہور

یہ علامہ فراہی کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے جاری کیا۔ اس میں مولانا اصلاحی کے قرآن وحدیث اور فقہ پر دروس باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے، جو درحقیقت قرآن وحدیث کے فراہی تصور کے غماز اور آئینہ دار تھے۔

2- ششماہی علوم القرآن

یہ ششماہی مجلہ ادارہ علوم القرآن علی گڑھ کے زیر اہتمام نہایت مؤثر طریق پر، علمی انداز میں فراہی مکتب فکر کی ترجمانی کرتا ہے۔

(۴) تحقیقی مقالات

فراہی تصور نظام القرآن نے اہل علم ودانش، بالخصوص شائقین علوم قرآنی کو جس طرح متاثر کیا ہے، اس کا کچھ اندازہ اندرون وبیرون ملک جامعات میں لکھے جانے والے مقالات سے بھی ہوتا ہے۔ ایم۔ اے، ایم فل اور پی۔ ایچ ڈی کی سطح پر فراہی مکتب فکر کے تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ کے لیے معقول تعداد میں مقالات لکھے گئے۔

امریکہ کی یونیورسٹی آف مشی گن سے پروفیسر مستنصر میر نے 1983ء میں فراہی فکر کی ترجمان تفسیر ''تدبر قرآن'' میں نظم قرآن کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ پیش کیا۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، جامعہ کراچی اور ہماری مادر علمی پنجاب یونیورسٹی سے بھی فراہی مکتب فکر پر بالواسطہ یا بلاواسطہ متعدد مقالات پیش کیے جا چکے ہیں۔

سابق الذکر ڈاکٹر مستنصر میر کے مقالہ کے ذریعے انگریزی خوان طبقہ فراہی تصور نظم قرآنی سے متعارف اور اثر پذیر ہوا۔ [1] بعض اہل علم نے سعودی عرب اور ترکی میں بھی اس فکر کو متعارف کروایا۔ [2]

***

[1] مزید شواہد کے لیے ملاحظہ ہو: مولانا امین احسن اصلاحی، حیات وافکار، ڈاکٹر اختر حسین عزمی، ص ۶۳۸۔۶۳۹۔

[2] ایضاً۔

Marfat.com

نتائج تحقیق باب پنجم
(فراہی مکتب فکر کے اصول تفسیر)

① تقریباً ابتدائی صدیوں میں آیات وسور کے باہمی ربط ومناسبت کو تلاش کرنے کے کوئی آثار وشواہد دستیاب نہیں ہو سکے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے، کہ متاخرین کی طرز پر تصورِ نظم اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں موجود نہیں تھا، یا کم ازکم اس کے شواہد ہم تک نہیں پہنچ سکے۔

② تیسری صدی ہجری کے اواخر میں تصور نظم کے بعض شواہد ملتے ہیں، لیکن ان پر بالعموم ادب و بلاغت کے رائج الوقت افکار ونظریات کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔

③ چوتھی صدی ہجری میں بعض علما کے ہاں تصور نظم کافی واضح انداز میں سامنے آ چکا تھا۔

④ اس کے بعد مختلف ادوار میں نظم قرآنی علما کی تحقیقات کا موضوع بنا رہا ہے، لیکن اکثر قائلین نظم کا تصور ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

⑤ چھٹی صدی ہجری میں نظریاتی حد تک قاضی ابوبکر ابن العربی کا تصور نظم فراہی مکتب فکر سے ملتا جلتا ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی تمام آیات وسوَر کو کلمہ واحدہ کی طرح مربوط سمجھتے تھے۔

⑥ برصغیر کے کبار مفسرین میں سے بعض نظم قرآن کو اسرار ورموز کے طور پر لیتے ہیں اور اپنی رائے کے مطابق نظم تلاش کرتے ہیں، جب کہ دیگر مفسرین اسے اسرار ورموز کے طور پر بھی نہیں لیتے۔
جمہور مفسرین اپنی تفاسیر میں تلاشِ نظم کو اہمیت نہیں دیتے، مثلاً: نواب صدیق حسن خاں، رحمہ اللہ سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ، سید احمد حسن محدث دہلوی رحمہ اللہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، مولانا مودودی رحمہ اللہ، پیر کرم شاہ الأزہری رحمہ اللہ اور مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ جیسے کبار مفسرین نے اپنی تفسیروں میں نظم قرآنی کو مستقل حیثیت سے ذکر نہیں کیا۔

⑦ فراہی مکتب فکر کے مؤسس علامہ فراہی کے نزدیک بنیادی اصول تفسیر چار ہیں:
① نظم کلام اور سیاق وسباق کا لحاظ

Marfat.com

② شاذ معانی کا ترک
③ نظائرِ قرآن کی روشنی میں مفہوم کا تعین
④ احسن الوجوہ کو ترجیح دینا
⑤ لغوی لحاظ سے اثبت الوجوہ کو ترجیح دینا۔

⑨ علامہ فراہی کے نزدیک اصول کاذبہ یہ ہیں:
① حدیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے قرآن کو حدیث کی روشنی میں سمجھنا
② سلف سے منقول اقوال پر کُلّی اعتماد کرنا، اگرچہ وہ ضعیف ہی ہوں۔

⑩ فراہی مکتب فکر میں بنیادی اہمیت نظام القرآن کو حاصل ہے اور یہی فہم کلام کا واحد راستہ ہے۔ پوری کائنات کا حسن بھی نظم ہی میں مضمر ہے۔
وحدت امت کا راز بھی اسی میں ہے، اعجاز قرآن بھی اسی میں پوشیدہ ہے اور حکمت قرآن مجید کی شاہ کلید بھی یہی ہے۔

⑪ قرآن مجید کی ہر سورت کے اجزاء ترکیبی درج ذیل ہوتے ہیں:
① عمود
② تمہید
③ نفس مضمون
④ خاتمہ

⑫ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کا دیباچہ ہے اور معوذتین اس کا خاتمہ، درمیان کی تمام سورتیں سات گروپوں (ابواب) میں منقسم ہیں، اور ہر گروپ کا ایک عمود (مرکزی مضمون) ہے۔ اس گروپ کی تمام سورتیں اس جامع عمود کے کسی خاص پہلو کی حامل ہوتی ہیں۔

⑬ مقالہ نگار کے نزدیک تصور نظم محض ظن اور ذاتی اجتہاد ورائے پر مشتمل ہوتا ہے۔

⑭ فراہی مکتب فکر کا تصور نظم تفسیر بالرأی الجائز کی ایک قسم ہے، اس کی صحت کے لیے وہی شروط ضروری ہیں، جو تفسیر بالرأی کے جواز کے لیے علما نے بیان کی ہیں۔

⑮ قائلین نظم کی اپنی تصریحات اور خود ان کے باہمی اختلافات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ نظم ہر مفسر کی ذاتی رائے اور کاوش پر مبنی ہوتا ہے۔

⑯ علامہ فراہی اور مولانا اصلاحی کے درمیان، تصور نظم پر مکمل فکری ہم آہنگی کے باوجود، تلاش نظم میں بعض اہم اختلافات پائے جاتے ہیں:
① علامہ فراہی کے نزدیک سورتوں کے کل گروپ نو ہیں، جب کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک

Marfat.com

گروپ سات ہیں۔

② استاذ وشاگرد کے درمیان مکی ومدنی سورتوں کی تعیین میں بھی اختلافات ہیں، حالانکہ مکی ومدنی سورتوں کی تعیین گروپ بندی میں بھی خاص اہمیت کی حامل ہے۔

③ بعض مقامات پر علامہ فراہی اور اصلاحی کے مابین سورت کے عمود میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

④ علامہ فراہی واصلاحی کے درمیان بعض آیات کی تفسیر میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔

⑤ یہ تمام اختلافات اس بات کی توثیق پیش کرتے ہیں کہ نظم بہرصورت محض ذاتی رائے پر مبنی ہوتا ہے۔

⑰ فراہی مکتب فکر کی تحریریں تفسیر قرآن میں مقام حدیث کو متعین کرنے میں فکری وعملی تضاد کا شکار ہیں۔

⑱ فراہی مکتب فکر کی تحریروں سے بہرحال نظم قرآن کی اہمیت اجاگر ہوئی ہے، فکر ونظر کے بعض نئے زاویے کھلے ہیں اور اصول تفسیر پر بعض اہم تصانیف وجود میں آئی ہیں۔

***

Marfat.com

باب ششم

عقل پرست انحرافی مکتب فکر کے اصول تفسیر

فصل اول: عقل پرست انحرافی مکتب فکر کا تاریخی پس منظر

فصل ثانی: سرسید کے اصول تفسیر اوران کا تجزیہ

فصل ثالث: غلام احمد پرویز کے اصول تفسیر اوران کا تجزیہ

فصل رابع: انحرافی مکتب فکر کے اثرات

***

Marfat.com

تعارف بابِ ششم

فہمِ قرآن مجید امتِ اسلامیہ کا بنیادی اور دلچسپ موضوع رہا ہے۔ تفسیر قرآن مجید کی ایک تاریخی حقیقت ہے اور گزشتہ صدیوں میں ایک تسلسل سے عبارت ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں امتِ مسلمہ کے بنیادی عقائد طے شدہ ہیں اور ایسے مسلّمات کی حیثیت رکھتے ہیں جنہیں چھیڑنا تک روا نہیں، مثلاً: ایمان باللہ، ایمان بالملائکۃ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل، جنت، جہنم اور آخرت پر ایمان جیسے مفاہیم سے امتِ اسلامیہ کا بچہ بچہ واقف ہے۔

اب اگر کوئی شخص اپنے تئیں یہ دعویٰ کرے کہ وہی ''پہلی مرتبہ'' قرآن مجید کو سمجھنے چلا ہے اور ساری امت اس کے بنیادی مفاہیم تک سے غافل رہی ہے، تو یقیناً وہ اپنے آپ کو جمہور امت سے الگ کر رہا ہے، اسی کو ہمارے اسلاف نے ''اعتزال'' کا نام دیا ہے اور یہی ''انحراف'' ہے۔ اسے ''الحاد'' بھی کہا جاتا ہے۔

''انحرافی مکتب فکر سے مراد وہ تفسیری مکتبِ فکر ہے، جو امت اسلامیہ کے بنیادی عقائد سے بھی متفق نہیں ہے اور تفسیر قرآن میں جمہور امت کے منہج سے بھی متفق نہیں ہے۔''

اس باب میں انحرافی مکتبِ فکر کا تاریخی پس منظر، اس مکتبِ فکر کے تفسیری اصول اور ان کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

***

Marfat.com

فصل اول

تعارف

خیر القرون میں بھی شاذ تفسیری اقوال اور جزوی تفردات موجود تھے، لیکن ایک مستقل مکتب فکر اور منہج کے طور پر "تفسیر بالرأی المذموم" کا آغاز فرقہ معتزلہ کے ظہور سے ہوا۔

اس فصل میں یہ جائزہ پیش کیا جائے گا کہ جدید انحرافی مکتب فکر اور قدیم فرقہ، معتزلہ کے افکار ونظریات میں کس حد تک ہم آہنگی پائی جاتی ہے؟ نیز یہ واضح کیا جائے گا کہ اس قسم کے فرقے انحرافی مکاتب فکر کے پیچھے بنیادی طور پر کون سے تاریخی ومعاشرتی عوامل کارفرما رہے ہیں؟

***

Marfat.com

انحرافی مکتب فکر کا معنی ومفہوم

انحراف، اعتزال اور الحاد اصطلاحی لحاظ سے ملتے جلتے الفاظ ہیں، ان میں بنیادی طور پر امت اسلامیہ کے منہج وسطیت واعتدال سے ہٹنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

انحراف کی تعریف

''مخصوص نظریات کو محض اپنی پسند یا عقل کے مطابق اپنا لینا، پھر تفسیر قرآن سے انہیں ثابت کرنا اور معارض آیات کی معنوی تحریف کرنا۔''[1]

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے اسے ''اللون الالحادی'' کا نام دیا ہے۔[2] جب کہ جامعہ ازہر کے استاذ تفسیر ڈاکٹر ابو عمر نادی بن محمود حسن الأزہری نے اس مکتب فکر کو ''منهج المبتدعة و الملحدين'' سے تعبیر کیا ہے۔[3] کلیۃ المعلمین، ریاض کے پروفیسر ڈاکٹر فہد الرومی نے اسے ''الاتجاه العقلی'' اور ''المدرسة العقلية'' کہا ہے۔[4]

انحرافی مکتبِ فکر کا تاریخی پس منظر

عہد رسالت مآب ﷺ سے لے کر عصرِ حاضر تک مسلمان کتابِ الٰہی میں غور وفکر کرتے آئے ہیں۔ سلف صالحین کے عہد مبارک میں یہ تدبر قرآن نصوصِ شرعیہ کے ماتحت تھا۔ اس لیے عہدِ صحابہ وتابعین بلکہ تبع تابعین کے دورِ مسعود میں بھی تفسیرِ قرآن کا دائرہ قرآن وسنت اقوالِ صحابہ وتابعین اور پھر رائے محمود تک آ کر رک جاتا تھا۔ اگرچہ ان ادوار میں بھی شاذ تفسیری اقوال اور جزوی تفردات موجود ہیں، لیکن ایک مستقل منہج اور مکتب فکر

---

1. یہ تعریف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے افادات سے مستنبط ہے۔ ملاحظہ ہو: (مقدمة فی اصول التفسير، ص ۳۵-۳۶)
2. التفسير و المفسرون، ۲/ ۳۵۲۔
3. مناهج التفسير عند المبتدعة والملحدين، دكتور ابو عمر نادی، ص ۱۶-۱۷۔
4. منهج المدرسة العقليه الحديثة فی التفسير، د۔ فهد الرومی، اتجاهات التفسير فی القرن الرابع عشر، ۳/ ۷۰۳۔

Marfat.com

کے طور پر ''رائے مذموم'' منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد امت میں مختلف فرقے ظاہر ہوئے اور ہر فرقے نے اپنے خاص نظریے کی تائید میں آیت قرآنی کا سہارا لیا، اور اس غرض کے پیش نظر بعض قرآنی آیات کے مفاہیم میں شرع سے دور تاویلات اور لغت سے ہٹی ہوئی رکیک توجیہات پیش کیں۔ یہاں تک کہ قرآن مجید ''متبوع'' کی بجائے ''تابع'' نظر آنے لگا۔ ❶

یوں تو اس کی تحریف معنوی میں خوارج، مرجئہ، قدریہ، جہمیہ اور دیگر تمام مبتدعہ فرقوں نے حصہ لیا، لیکن معتزلہ ان سب سے آگے اور بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ❷ ان کی فصاحت بیانی، طلاقتِ لسانی، تصنیفی مہارت اور تفسیرات نے اسے ایک منظّم مکتبِ تفسیر بنا دیا۔

فرقۂ معتزلہ کا ظہور

فرقۂ معتزلہ کا بانی واصل بن عطا ہے (80-132ھ)، یہ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کے معروف و مقرب تلامذہ میں سے تھا، ایک روز حضرت حسن بصری کے حلقۂ درس میں مرتکبِ کبیرہ پر گفتگو ہو رہی تھی، اس نے امام صاحب سے اختلاف رائے کیا اور کہا: مرتکب کبیرہ نہ مؤمن ہے اور نہ کافر، پھر ان سے الگ ہو گیا اور اپنی الگ مجلس میں اس رائے کے دلائل دیتے ہوئے کہنے لگا:

"ان مرتكب الكبيرة ليس بمؤمن ولا كافر، بل هو فى منزلة بين المنزلتين۔"

''مرتکب کبیرہ مؤمن بھی نہیں ہے اور کافر بھی نہیں، بلکہ وہ ان دونوں مرتبوں کے درمیان ایک الگ مرتبہ کا حامل ہے۔''

اس پر امام حسن بصری نے فرمایا:

"اعتزل عنا واصل"

''واصل نے ہم سے راہِ اعتزال اختیار کی ہے۔''

کہا جاتا ہے کہ اس بنیاد پر ان کا نام ''معتزلہ'' پڑا۔ ❸

معتزلہ چونکہ تقدیر کے منکر ہیں، اس لیے انہیں "قدرية" فرقہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے "القدرية" بھی کہا جاتا ہے۔ فرقہ جہمیہ خلقِ قرآن کا قائل ہے اور معتزلہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں، اس لیے انہیں "جهمية"

---

❶ دیکھیے: مجموع الفتاویٰ، ابن تیمیه، ۱۳/ ۷۳، الفرق بين الفرق، البغدادی، ص ۲۷۔

❷ قال ابن تيمية عن المعتزلة: "انهم من أعظم الناس كلاما وجدالا، وقد صنفوا تفاسير على أصول مذهبهم"، مقدمة فى أصول التفسير، ص ۳۷۔

❸ ميزان الاعتدال، ذهبى، ٤ ۳۲۹، لسان الميزان، ابن حجر، ۳۳۲، ۲۱٤٦، وفيات الأعيان، ابن خلكان، ۲۲٤۲، الملل والنحل، الشهرستانى، ۲۲۱۔

Marfat.com

بھی کہا جاتا ہے۔ معتزلہ صفاتِ الٰہیہ کے منکر ہیں، اس بنا پر انہیں "معطلة" بھی کہا جاتا ہے۔ ❶ لیکن معتزلہ اپنے لئے یہ نام پسند نہیں کرتے، بلکہ وہ اپنے آپ کو "اهل العدل والتوحید" کہتے ہیں۔ ❷

قدیم فرقۂ معتزلہ

معتزلہ کے تفسیری اصول ان کے خودساختہ عقائد ونظریات کے تابع تھے، اس لیے مختصراً ان کے عقائد کو جاننا ضروری ہے، معتزلہ کے بنیادی عقائد پانچ ہیں: ❸

① توحید
② عدل
③ وعده و وعید
④ منزلة بین المنزلتین
⑤ أمر بالمعروف و نهی عن المنکر

① توحید

معتزلہ کے نزدیک توحید سے مراد صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار، ذات کا اثبات، اور عقیدۂ خلق قرآن کا اظہار ہے، معتزلہ کے نزدیک ان میں سے کسی بھی عقیدہ کا منکر کافر ہے۔ ❹

② عدل

معتزلہ کے نزدیک عدل کی تعریف یہ ہے:

((العدل ما یقتضیه العقل من الحکمة فهو اصدار الفعل علی وجه الصواب والمصلحة)) ❺

---

❶ منهج المدرسة العقلية الحديثة فی التفسير ، د۔ فهد الرومی أستاذ الدراسات القرآنية ، كلية المعلمين ، الرياض ، ٤٣١ ، مناهج التفسير عند المبتدعة والملحدين ، د۔ ابو عمر نادی ، (أستاذ التفسير بجامعة الأزهر) ، ص٦٣۔

❷ ايضاً۔

❸ شرح الأصول الخمسة ، قاضی عبدالجبار الهمدانی (متوفي٤١٥ ه) ، ص١٢٤ ، (بحواله: منهج المدرسة العقلية الحديثه ، د ۔ فهد الرومی ، ٤٤١)۔

❹ ايضاً۔ ❺ الملل والنحل ، الشهر ستانی ، ٤٢١۔

Marfat.com

''عقل جس حکمت ودانائی کا تقاضا کرے وہی عدل ہے، لہٰذا کسی کام کو عین مصلحت اور صحت کے مطابق بجالانا عدل ہے۔''

معتزلہ کے عقیدۂ عدل کے تحت درج ذیل مسائل بالخصوص قابلِ ذکر ہیں:

① عدل کی بنیاد عقل پر ہے، لہٰذا حسن وقبح کا فیصلہ عقل ہی کرے گی۔ شریعت حسن وقبح کا فیصلہ نہیں کرتی، بلکہ کسی بھی چیز میں موجود حسن وقبح کی خبر دیتی ہے۔ نیز عقل کسی فعل میں حسن وقبح بذاتِ خود تخلیق نہیں کرتی، بلکہ اس کا ادراک کرتی ہے۔ اس وجہ سے اگر کسی کو شریعت نہ بھی پہنچے تو وہ بہر حال اپنی عقل کی بنیاد پر مکلّف ہے۔ ❶

② اللہ تعالیٰ نے انسان کے افعال تخلیق نہیں کیے، بلکہ انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ ❷

③ اللہ تعالیٰ ارادہ شر سے بری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی کافر سے کفر کا ارادہ نہیں فرماتے اور فاسق سے فسق کا ارادہ نہیں فرماتے۔ ❸

③ وعدہ وعید

اہل السنہ کے نزدیک وعدہ سے مراد فعل اوامر پر اللہ تعالیٰ کے وعدہ ہائے ثواب مراد ہیں، جو اس نے ازلی طور پر اپنے بندوں سے کر رکھے ہیں اور وعید سے مراد وہ عذابات ہیں، جو منہیات کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائے گئے ہیں۔

جبکہ معتزلہ کے نزدیک وعدہ وعید کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی سے نہیں بلکہ بندے کے فعل سے ہے، خود بندہ اپنے فعل کی بنا پر ثواب وعذاب کا مستحق ہوتا ہے، جب بندہ نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ پر لازم ہو جاتا ہے کہ اسے ثواب دے اور جب بندہ برائی کا ارتکاب کرے تو اللہ تعالیٰ پر لازم ہو جاتا ہے کہ اسے عذاب دے۔ ❹

④ منزلة بين المنزلتين

معتزلہ کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ ایمان وکفر کے دونوں مراتب (منزلتین) کے درمیان ایک علیحدہ مقام (منزلہ) کا حامل ہوتا ہے۔ اور وہ مخلد فی النار ہے، اگر چہ اس کا عذاب کافروں کے عذاب سے کم تر ہوگا۔ ❺

---

❶ الكشاف، للزمخشری، ۱۴۱۲۔

❷ شرح الأصول الخمسة، قاضی عبدالجبار، ص۳۴۴، بحواله: منهج المدرسة العقلية، فهد الرومی، ۴۹۱۔

❸ ایضاً۔

❹ ملاحظہ ہو: الملل و النحل، شهرستانی ۴۵، اشرح الأصول الخمسة، قاضی عبدالجبار، ص۱۲۵۔

❺ الملل والنحل، شهرستانی، ۴۵۱۔

Marfat.com

⑤ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

معتزلہ کے نزدیک امر بالمعروف میں نیکی کی تلقین کر دینا کافی ہے، جب کہ نہی عن المنکر میں صرف زبانی روک ٹوک کافی نہیں، بلکہ عملاً روکنا ضروری ہے، چاہے اس کے لیے معاملہ قتال تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔ ❶

معتزلہ کے نزدیک بنیادی اصول تفسیر

مذکورہ بالا عقائد اور ان کی معروف تفسیرات کی روشنی میں معتزلہ کے بنیادی اصولِ تفسیر درج ذیل ہیں:

پہلا اصول: علم وحکمت کا سرچشمہ عقل ہے نہ کہ نقل

معتزلہ عقل انسانی پر مستحکم ایمان رکھتے ہیں، ان کے نزدیک عقل کے ذریعے ہر چیز کا ادراک ممکن ہے۔

معتزلہ کے معروف امام زمخشری عقل کو ''سلطان'' کا لقب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

((امش فی دینك تحت راية السلطان ، ولا تقنع بالرواية عن فلان و فلان)) ❷

''اپنے دین میں عقل کے جھنڈے کے نیچے گامزن رہو، فلاں اور فلاں سے روایت پر قناعت نہ کرو۔''

دوسرا اصول: مزعومہ عقائد اور عقل کے خلاف ہر چیز کی تاویل یا انکار

معتزلہ اپنے مزعومہ عقائد اور عقل کے خلاف پڑنے والی ہر نص کی تاویل کرتے ہیں چاہے وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث رسول ﷺ!!!

اس کی چند ایک واضح مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال: آیاتِ رؤیت کی تاویل

رؤیتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرنے والی تمام آیات کی تاویل کرتے ہیں۔

﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ ❸ کی تفسیر میں قاضی عبدالجبار☆ لکھتے ہیں:

---

❶ شرح الأصول الخمسة ، قاضی عبدالجبار ، ص٧٤٤-٧٤٥۔

❷ اطواق الذهب فی المواعظ والخطب ، للزمخشری ، ص٢٨ ، (مقالہ ٣٧)۔

❸ القيامة ، ٧٥: ٢٢-٢٣۔

☆ قاضی عبدالجبار: ابو الحسن عبدالجبار بن أحمد الهمدانی ، (المعتزلی) ۔ معتزلہ کے معروف عالم ہیں۔ عہد بنی بویہ میں منصب قضا پر فائز رہے۔ ''متشابہ القرآن'' اور ''تنزیہ المطاعن عن القرآن'' ان کی معروف تصانیف ہیں اور مطبوع ومتداول ہیں۔ ۴۱۵ھ میں فوت ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ تحقیق کتاب "متشابه القرآن" للقاضی عبدالجبار ، تحقیق: عدنان زد زور ، ٨١)

Marfat.com

اس سے مراد رؤیت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا اس بات کو مستلزم ہے کہ آنکھیں کسی چیز پر مرتکز ہوں، اور ارتکاز کسی جسم پر ہی ممکن ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے، لہٰذا اس کی تاویل یہ ہے کہ اپنے رب کے ثواب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ❶

بعض معتزلہ نے تو اپنے مزعومہ عقیدہ کے پیش نظر "الی" کو حرف کی بجائے اسم بتلایا ہے اور اس کا معنی نعمت کیا ہے، کیونکہ "آلاء" بمعنی نعمت قرآن مجید میں مستعمل ہے اور اس پر شعری شواہد پیش کیے ہیں۔ ❷

دوسری مثال: ﴿كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ ❸

معتزلہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کو تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا ان کے نزدیک قرآن مجید کی قراءت متواترہ سے صرفِ نظر "اللہ" مرفوع نہیں، بلکہ منصوب ہے اور مفعول بہ ہے، جب کہ "موسیٰ" فاعل ہے، اور آیت کا معنی یہ ہے: "کہ موسیٰ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔"

بعض دیگر معتزلہ کے نزدیک "کَلَّمَ" کلام سے ماخوذ نہیں، بلکہ "کَلِمَ" یعنی خوب آزمایا اور مختلف ابتلاءات و مِحَن میں مبتلا رکھا۔

البتہ معتزلہ کے امام زمخشری اس دوسری تاویل کو ناپسند کرتے ہیں اور پہلی کو تسلیم کرتے ہیں۔

تیسری مثال: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ❹

معتزلہ کے نزدیک اس آیت مبارکہ میں "جَعَلْنَا" کا معنی "بَيَّنَّا" ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے دشمن واضح طور پر بتادیے تھے، تاکہ وہ محتاط رہ سکیں۔ ❺

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک تفسیر کا بنیادی اصول "عقل پرستی" ہے، اور ان عقائد کا اثبات ہر صورت ضروری ہے، جو عقل کی بنیاد پر ثابت ہو چکے ہیں۔

اس بارے ڈاکٹر فہد الرومی لکھتے ہیں:

((كان من أصول منهجهم في التفسير تحكيم العقل في الأمور الغيبة تحكيما مطلقا ، فأنكروا حقائق كثيرة أثبتها اهل السنة استنادا الى النصوص ، فأنكرها المعتزله استناد الى العقل المجرد)) ❻

---

❶ تنزيه القرآن عن المطاعن ، القاضي عبدالجبار ، ص٤٤٢۔

❷ أمالي الشريف المرتضىٰ ، ص٣٦۔٣٧۔ ❸ سورة النساء ، ٤:١٦٤۔

❹ سورة الفرقان ، ٢٥:٣١۔ ❺ التفسير الكبير ، للرازي ، ٢٤:٧٧۔

❻ منهج المدرسة العقلية ، فهد الرومي ، ٦٢١۔

Marfat.com

''غیبیات میں عقل کو مطلقاً حاکم قرار دینا معتزلہ کے تفسیری منہج کا ایک اصول رہا ہے، اس بنیاد پر معتزلہ نے بہت سے ایسے حقائق کا انکار کیا ہے، جو اہل السنۃ کے نزدیک نصوص شرعیہ کی بنیاد پر ثابت شدہ تھے، لیکن انہوں نے محض عقل کی بنیاد پر ان کا انکار کیا ہے۔''

تیسرا اصول: احادیث وآثارِ صحابہ عقل کی بنیاد پر قبول ورد

احادیث وآثارِ صحابہ کے بارے معتزلہ عجیب موقف اپناتے ہیں۔ اگر وہ ان کی اپنی 'عقل ودانش' کے مطابق ہو تو قبول کر لیتے ہیں، چاہے وہ حدیث انتہائی ضعیف بلکہ موضوع ہی کیوں نہ ہو، اور اگر ''معتزلی سوچ'' کے مخالف ہو تو رد کر دیتے ہیں، چاہے وہ بالاتفاق صحیح ہی ہو۔ ❶

بلکہ بعض غالی معتزلہ احادیث وآثار کو صرف رد کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ رواۃ صحابہ کو تجریح و تکذیب اور استہزاء وتحقیر کا نشانہ بنانے سے بھی باز نہیں آتے، بالخصوص جب صحابہ کی مرویات معتزلی عقل یا معتزلی عقائد کے خلاف ہوں۔

مثال نمبر①: معجزہ ''شق قمر'' کی احادیث

عہد نبوت میں چاند کا دو ٹکڑے ہونا متواتر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((و هذا أمر متفق عليه بين العلماء أن انشقاق القمر قد وقع في زمان النبي ﷺ ، وأنه كان احدى المعجزات الباهرات۔)) ❷

''تمام علما کے مابین یہ متفق علیہ حقیقت ہے کہ چاند عہدِ نبوی میں شق ہوا، اور یہ عظیم الشان معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔''

امام موصوف کے نزدیک معجزہ شق قمر کے بارے احادیث متواتر ہیں۔ ❸ انس بن مالک، جبیر بن مطعم، ابن عباس، ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے صحیح بخاری و مسلم و جامع ترمذی میں روایات منقول ہیں۔ ❹

((انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ شقين حتى نظروا اليه ، فقال رسول الله ﷺ اشهدوا)) ❺

---

❶ منهج المدرسة العقلية، ۶۱۱۔ ❷ تفسیر ابن کثیر، ۳۳۹۴۔
❸ تفسیر ابن کثیر، ۳۳۹۴۔ ❹ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر، ۳۴۰۱۔۳۴۳۔
❺ صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب سؤال المشركين أن يريهم النبي ﷺ آية، فأراهم انشقاق القمر، حديث (۳۶۳۶)، ص ۶۱۰، نیز دیکھیے احادیث: ۳۶۳۷، ۳۶۳۸، ۳۶۳۹، ۳۸۶۹، ۳۸۷۰، ۴۸۶۴، ۴۸۶۵، صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين و أحكامهم، باب انشقاق القمر، حديث (۲۸۰۰)، ص ۱۲۲۰۔

Marfat.com

''رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا، یہاں تک کہ سب نے دیکھا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب مشاہدہ کر لو!!!''

معتزلہ نہ صرف اپنی ''عقل'' کی بنیاد پر ان متواتر صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں، بلکہ غالی معتزلی نظام نے راویٔ حدیث، صحابی جلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جرح کرتے ہوئے، یہاں تک کہہ دیا:

((زعم أن القمر انشق و أنه رآه ، وهذا من الكذب الذى لا خفاء به)) ❶

''ابن مسعود کا خیال ہے کہ چاند پھٹا اور انہوں نے اسے دیکھا، یہ بلاشبہ واضح جھوٹ ہے۔''

مثال نمبر ②: جنات کے بارے میں وارد احادیث

جنات کا وجود، ان کا قرآن سننا اور ایمان لانا قرآنی آیات مبارکہ ❷ اور صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث سے ثابت ہے۔ ❸

معتزلہ کے نامور امام زمخشری نہ صرف ان احادیث کا انکار کرتے ہیں، بلکہ ان کے مرکزی راوی صحابی جلیل، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے یہ ناروا تبصرہ کرتے ہیں:

((و ان زعم من يدعى رؤيتهم زور و مخرقة)) ❹

''جنات کی رویت کا دعوی یقیناً جھوٹ اور من گھڑت خیال ہے!!''

ایک اور حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے زمخشری صاحب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے یہ نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں:

((ما كان لابن عمرو فى سيفيه و مقاتلته بهما على بن ابى طالب رضى الله عنه ما يشغله عن تسيير هذا الحديث)) ❺

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برسر پیکار، اپنی تلواروں میں مصروفیت کے باوجود عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو کو یہ حدیث مشہور کرنے کا موقع کہاں سے مل گیا۔!!''

اس کے بالکل برعکس اگر کسی ضعیف، موضوع اور من گھڑت حدیث سے ان کے کسی عقیدہ و نظریے کی

---

❶ تاريخ بغداد، الخطيب البغدادى، ١٢/٧٦١۔

❷ الأحقاف، ٤٦:٣٢، الجن، ٧٢:١۔١٤۔

❸ ملاحظہ ہو: صحيح بخارى، كتاب الأذان، باب الجهر بقراءة صلاة الصبح، حديث ٧٧٣، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الجهر بالقراءة فى الصبح والقراءة على الجن، حديث (٤٩٩)، ص ١٨٩۔١٩٠، تفسير ابن كثير، ٤/٢٠٨٤۔٢١٩۔

❹ تفسير الكشاف، ٧٥٢۔ ❺ تفسير الكشاف، ٢٩٤٢۔

Marfat.com

تائید ہو رہی ہو، تو اس سے استدلال کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔

معتزلہ کے مخصوص تناظر میں عقیدہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بارے درج ذیل روایت مروی ہے:

((افضل الجهاد الأمر بالمعروف و النهى عن المنكر ، ومن شنئى الفاسقين ، وغضب لله غضب الله له))

چوتھا اصول: تفسیر اسلاف کی تحقیر

قدیم مفسرین، اگرچہ وہ صحابہ یا تابعین اور تبع تابعین ہی کیوں نہ ہوں، معتزلہ کے نزدیک ان کے تفسیری اقوال کی کوئی اہمیت نہیں۔ معروف معتزلی نظام کہتا ہے:

((لا تسترسلوا الى كثير من المفسرين و ان نصبوا أنفسهم للعامة و أجابوا فى كل مسألة ، فان كثيرا منهم يقول بغير رواية على غير أساس ، وكلما كان المفسر أغرب عندهم كان أحب اليهم ، وليكن عندكم عكرمة و الكلبى والسدى والضحاك و مقاتل بن سليمان وابوبكر الأصم فى سبيل واحدة ، فكيف أثق بتفسير هم و أسكن الى صوابهم)) ❶

''اکثر مفسرین کی طرف توجہ نہ دو، اگرچہ انہوں نے اپنے آپ کو عوام کا رہنما بنا رکھا ہے اور ہر سوال کا جواب دیے جاتے ہیں، کیونکہ زیادہ تر مفسرین بے روایت اور بے بنیاد بات کرتے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک مفسر جتنا زیادہ نادر اور عجیب وغریب خیال پیش کرے، انہیں اسی قدر زیادہ محبوب ہوتا ہے، تمہارے نزدیک عکرمہ، کلبی، سدی، ضحاک، مقاتل بن سلیمان اور ابوبکر الاصم یہ سب یک قلم برابر ہونے چاہئیں!! میں ان کی تفسیر پر کیوں کر اعتماد کر سکتا ہوں اور ان کی رائے پر آخر کس طرح مطمئن ہو سکتا ہوں؟!!!''

تفاسیر معتزلہ پر بہترین رائے اور تبصرہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تفسیری استدلات میں غلطی کے اسباب واضح کرتے ہوئے ایک بنیادی سبب یہ ذکر کرتے ہیں:

((قوم اعتقدوا معانى ثم أرادوا حمل ألفاظ القرآن عليها)) ❷

''کچھ لوگ مخصوص نظریات کے حامل ہوتے ہیں، پھر ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ نظریات الفاظِ قرآنی سے ثابت کیے جائیں۔''

---

❶ الحيوان ، للجاحظ ، ٣٤٣١ـ ❷ مقدمه فى اصول التفسير ، ص ٣٥ـ

Marfat.com

اس طرح کے مقصد کے پیش نظر دو اسلوب اختیار کرتے ہیں، امام ابن تیمیہ کے الفاظ ہیں:

" تارة يسلبون لفظ القرآن مادل عليه و أريد به و تارة يحملونه على مالم يدل عليه ولم يرد به"❶

① کبھی تو لفظِ قرآنی سے حقیقی مدلول اور اصل مراد کی نفی کر دیتے ہیں۔

② اور کبھی الفاظِ قرآنی سے وہ ثابت کرتے ہیں، جو درحقیقت اس کا مفہوم و مراد نہیں ہوتا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک الفاظِ قرآنی کے ساتھ یہ کھیل بجا طور پر غلط ہے، چاہے کسی صحیح مفہوم کو ثابت کرنے کے لیے ایسا کیا جائے تو بھی یہ نادرست رویہ ہے۔ اگر صحیح مفہوم ثابت کرنے کے لیے ایسا کیا جائے تو مدلول صحیح ہوگا جب کہ دلیل غلط ٹھہرے گی اور اگر باطل مفہوم کو ثابت کرنے کے لیے ایسا کیا جائے تو دلیل و مدلول دونوں ہی غلط قرار پائیں گے۔❷

امام موصوف مزید لکھتے ہیں کہ اہل حدیث بدعتی فرقوں، مثلاً: خوارج، روافض، جہمیہ، معتزلہ، قدریہ اور مرجئہ وغیرہ کا یہی طرز تفسیر ہے، یعنی ایک طرف آیاتِ قرآنیہ سے اپنے نظریات ثابت کرتے ہیں، جب کہ ان آیات میں ایسی کوئی دلالت سرے سے پائی ہی نہیں جا رہی ہوتی، دوسری طرف باطل نظریات کی تردید کرنے والی واضح آیات کی ایسی تاویل کرتے ہیں، جو بلاشبہ معنوی تحریف ہوتی ہے۔❸

بالخصوص معتزلہ کے بارے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((افهم من أعظم الناس كلاما وجدالا ، وقد صنفوا تفاسير على أصول مذهبهم۔))❹

"چرب زبانی اور جدال و مناظرہ میں معتزلہ سب سے آگے ہیں، اپنے مخصوص مذہب کے اصولوں پر انہوں نے تفاسیر بھی تصنیف کی ہیں۔"

معتزلہ کے ظہور کا بنیادی سبب

معتزلہ کوئی ایسا مکتب فکر نہیں تھا، جو کسی خاص فہم دین یا امتِ اسلامیہ کے کسی اندرونی محرک کے تحت وجود میں آیا ہو، بلکہ یہ فرقہ خالصۃً بیرونی اثرات کے تحت ظہور پذیر ہوا۔

درحقیقت جب خلیفہ ہارون الرشید (147۔170ھ) کے عہد میں یونانی فلسفہ کے تراجم عربی زبان میں شائع ہوئے اور یہ خیالات عام مسلمانوں تک پہنچے، تو مسلمانوں میں تین قسم کے ردعمل سامنے آئے اور نتیجتاً تین گروہ پیدا ہوئے:

---

❶ مقدمه فی اصول التفسیر، ص۳۶۔
❷ ایضاً۔
❸ مقدمه فی اصول التفسیر، ص۳۶۔
❹ ایضاً، ص۳۷۔

Marfat.com

① ایک گروہ وہ تھا جس نے قرآن وسنت کے مقابلے میں ارسطو کے نظریاتِ الٰہیہ کو کلیتاً رد کر دیا۔

② دوسرا گروہ ان ذہین وفطین علما وائمہ پر مشتمل تھا، جنہوں نے صرف رد کرنا کافی نہ سمجھا، بلکہ عامۃ المسلمین کو یونانی فلسفہ کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے ابطال میں مضبوط عقلی دلائل پیش کیے اور شرعی علم کلام کی طرح ڈالی، ایسے لوگوں میں امام احمد بن حنبل (240ھ) امام بخاری (250ھ)، امام غزالی، ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہ اللہ وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ متاخرین میں سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی ایسی ہی خدمات سرانجام دیں۔

③ تیسرا گروہ ایسا پیدا ہوا، جس نے یونانی افکار ونظریات سے مرعوب ہو کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور فلسفۂ یونان کو من وعن قبول کر لیا۔

اس گروہ کی تخم ریزی تو پہلے واصل بن عطا (80۔131ھ) کر ہی چکے تھے، اس لیے یہ یونانی افکار و نظریات سے تقویت پا کر ایک منظم فرقہ کی حیثیت سے سامنے آیا۔

معتزلہ کے عقائد ہر چند گمراہ کن تھے، محدود لوگوں میں انہیں ضرور مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن امت کے اجتماعی ضمیر نے انہیں مردود قرار دیا۔ تاہم ایک وجہ ایسی پیدا ہوگئی جو معتزلہ کی شہرت دوام کا باعث بن گئی۔

عباسی خلیفہ منصور (134۔158ھ) بانی فرقہ واصل بن عطا سے متاثر تھا، اس لئے واصل بن عطا کو بڑا بلند مقام حاصل تھا، تاہم خلیفہ منصور نے یہ خیالات اپنی ذات تک محدود رکھے اور انہیں رعایا پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کی۔ ❶

یہ عقائد عباسی خلفا میں پرورش پاتے رہے، ہوتے ہوتے جب مامون الرشید (198۔218ھ) کا دور آیا تو ان عقائد نے سنگین صورت اختیار کی، کیونکہ مامون خود پکا معتزلی تھا اور اس نے یہ عقائد جبراً مسلمانوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔ ❷

مشہور مسئلہ خلق قرآن اور امام احمد رحمہ اللہ پر آزمائش کا دور اس عہد کی پیداوار ہے۔

مامون الرشید کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ 218ھ میں تخت نشین ہوا، اور 227ھ تک خلیفہ کے منصب پر فائز رہا۔ ❸ یہ شخص گو علم وادب سے بیگانہ تھا، مگر معتزلی عقائد میں اپنے پیشرو سے بھی زیادہ سخت تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ پر آزمائشوں کا سلسلہ سخت سے سخت تر ہوتا گیا۔

معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ (227 تا 232ھ) تخت وتاج کا وارث بنا، یہ عقائدِ معتزلہ کی اشاعت میں اپنے باپ سے بھی بڑھ گیا۔

لیکن بعض واقعات ایسے ہوئے کہ اس کے نظریات میں وہ شدت نہ رہی اور ذہنی رخ کچھ تبدیل ہو گیا۔

واثق باللہ کے بعد اس کا بھائی متوکل باللہ 232 تا 246ھ تخت نشین ہوا، اس نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آئینہ پرویزیت، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، ص ۵۱۔ ❷ ایضاً، ص ۵۷۔

❸ ایضاً، اثر النظور الفکری فی العصر العباسی، دکتور مساعد مسلم، ص ۳۱۶۔

Marfat.com

کو باعزت بری کر دیا۔

یہ معتزلہ عقائد سے بیزار اور متبع سنت خلیفہ تھا، اس نے معتزلہ کی خوب خبر لی اور علما اہل سنت کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ خلیفہ کی ان کاوشوں پر مسلم عوام بھی خوش اور دعا گو ہوئے، اس طرح فتنۂ اعتزال سے جب حکومتی پشت پناہی ختم ہوئی تو یہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا۔ ❶

اس کے بعد کبھی بھی معتزلہ کو امت اسلامیہ میں باعزت مقام حاصل نہ ہو سکا، اگرچہ انفرادی طور کچھ فلسفی ذاتی حیثیت میں فکر اعتزال کے حامل رہے، لیکن جس طرح عباسی عہد میں اس نے زور پکڑا تھا، دوبارہ کبھی ایسے نہ پھیل سکا۔ ❷

جدید معتزلہ (انحرافی مکتب فکر) کا ظہور اور اس کا تاریخی پس منظر

سابقہ صفحات میں واضح ہو چکا ہے کہ قدیم فرقۂ معتزلہ درحقیقت یونانی فلسفہ وفکر اور منطق سے مرعوبیت کے زیر اثر ظاہر ہوئے تھے اور سیاسی پشت پناہی سے ان کو نفوذ حاصل ہوا، وگرنہ امت کے اجتماعی ضمیر اور سواد اعظم نے کبھی بھی ان کی فکر کو قبول نہ کیا تھا۔

بالکل یہی صورت حال برصغیر میں جدید معتزلہ، انحرافی مکتب فکر کی ہے۔ یہ مکتب فکر بھی کسی اندرونی داعیہ یا امت کے کسی داخلی محرک کی بنیاد پر سامنے نہیں آیا۔ بلکہ جدید مغربی افکار و نظریات کے ردعمل کے طور پر سامنے آیا، جیسا کہ قدیم معتزلہ قدیم یونانی فلسفہ کے ردعمل میں منظر پر آئے۔

تہذیب مغرب اور اس کے مختلف ردعمل

بیرونی فلسفوں یا غیر اسلامی طرزِ فکر کا یہ جدید دور تیرھویں صدی ہجری یا انیسویں صدی عیسوی میں اسلام اور مغرب کی باہمی کشمکش کے نتیجہ میں ظاہر ہوا۔

اس دور میں امت مسلمہ تین گروہوں میں منقسم ہے:

ایک گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو مغربی افکار و نظریات اور اس کے اخلاقی اقدار و معاشرتی معیار سے نہ صرف متاثر ہے، بلکہ مسحوریت کی حد تک شدید مرعوب ہے۔ یہ گروہ چاہتا ہے کہ اسلام کو بھی چھیل چھال کر معیارِ مغرب کے مطابق بنا دیا جائے، اس راہ میں چونکہ سب سے پہلی رکاوٹ قرآن مجید ہے، لہٰذا وہ اسے تحریف و تاویل کے خراد پر چڑھا دیتے ہیں، اور دوسری بنیادی اور بڑی رکاوٹ احادیثِ مبارکہ ہیں، ان پر ظنی الثبوت کا تیشہ چلا کر قرآن کی من مانی تاویلات کے لیے راستہ صاف کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ تقلیدِ قدیم پر تو خوب گرجتے

❶ تاریخ الخلفاء، سیوطی، ص ۲۳۰، آئینہ پرویزیت، کیلانی، ص ۵۹۔

❷ منهج المدرسة العقلية فی التفسير، فهد الرومی، ص ۶۷۔

Marfat.com

برستے ہیں، لیکن تقلیدِ مغرب میں مقلدینِ قدیم سے بھی دو قدم آگے نکل جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے، جو جدت سے مکمل طور پر آنکھیں بند کر کے قدامت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا چکا ہے۔ اس گروہ کا موقف یہ ہے کہ تم قدامت پرستی کی مضبوط چٹان بن جاؤ، جدت کی لہریں اس سے ٹکرا کر خود ہی دم توڑ دیں گی۔ سیلابِ مغرب کا مقابلہ اس کے آگے بند باندھنے سے ممکن نہیں، بلکہ مضبوط اور مستحکم چٹان بن کر ہی کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا گروہ ان اہل علم پر مشتمل ہے، جو تہذیبِ مغرب اور تمدنِ فرنگ پر تنقیدی نگاہ ڈالتا ہے اور ((خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كَدَر)) کا اصول اپناتا ہے۔ یہ لوگ اسلام ہی کو اصل قرار دے کر مغربی افکار ونظریات کو اس کی میزان پر تولتے ہیں اور اخذ ورد کا فیصلہ کرتے ہیں۔ [1] انحرافی مکتبِ فکر کا تعلق پہلے گروہ سے ہے۔

برصغیر کے اس انحرافی مکتبِ فکر کو ہم تاریخی لحاظ سے دو ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلا دور: اس دور کے سرخیل سرسید احمد خان (1817-1898ء) ہیں۔

دوسرا دور: اس کے سرخیل غلام احمد پرویز (متوفی 1985ء) ہیں۔

ذیل میں دونوں ادوار کی مختصر تاریخ پیش کی جا رہی ہے۔

انحرافی مکتبِ فکر کا پہلا دور: سرسید احمد خان کا دور

اس دور کے سرخیل سرسید احمد خان ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ صرف اس بات کو ماننے پر تیار تھا، جو عقل وکسوٹی اور تجربہ کی بنیاد پر ثابت کی جا سکے۔

دوسری طرف سر چارلس ڈارون (1809-1882ء) کا نظریہ ارتقا بھی منظر عام پر آ چکا تھا۔

تیسری طرف یہ دور خالص مادیت پرستی کا دور تھا، ہر کام کے زیبا و نازیبا ہونے کا معیار دنیوی نفع و نقصان بن گیا تھا۔

علاوہ ازیں مسلمان سیاسی طور پر مفتوح ومغلوب تھے، ان کا نظامِ تعلیم درہم برہم ہو چکا تھا اور فاتح قوم ان پر اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی وسیاسی افکار ونظریات بری طرح مسلط کر چکی تھی۔

ایسے حالات میں فاتحین کے فلسفے اور سائنس نے انہیں قدیم معتزلہ کی بہ نسبت ہزار درجہ زیادہ مرعوب کر دیا تھا، انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو افکار ونظریات درآمد ہو رہے ہیں، وہ سراسر معقول ہیں، ان پر اسلام کے نقطۂ نظر سے تنقید کرنا محض تاریک خیالی ہے۔ زمانے کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہی ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال لیا جائے۔ [2]

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تنقیدات، ابوالاعلیٰ مودودیؒ؛ تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ، ڈاکٹر محمد دین قاسمی، ۲۰۲۱۔۲۰۳۔

[2] ملاحظہ ہو: آئینہ پرویزیت، کیلانی، ص۶۹۔

Marfat.com

سرسید احمد خان کے بقول

''اس زمانہ میں ایک جدید علم کلام کی ضرورت ہے، جس سے یا تو ہم علومِ جدیدہ کو باطل ثابت کردیں یا پھر انہیں اسلام کے مطابق کر دکھائیں۔ میرے نزدیک جو لوگ ایسا کرنے کے لائق ہیں اور وہ پوری کوشش، حال کے علم طبیعی و فلسفہ کے مسائل کو اسلامی مسائل سے تطبیق دینے یا ان کا بطلان ثابت کرنے میں کوشش نہ کریں گے، وہ سب گنہگار اور یقیناً گنہگار رہوں گے۔'' ❶

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ سرسید کے خیال میں:

① موجودہ علوم طبیعیہ اور فلسفہ کا ابطال یا انہیں مطابق اسلام ثابت کرنا ایک دینی فریضہ ہے۔

② اور جو لوگ اہلیت کے باوجود اس فریضہ کی ادائیگی نہیں کریں گے، وہ گنہگار رہوں گے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کے بقول:

''سید صاحب نے اس گناہ سے بچنے اور فریضہ کو انجام دینے کے لئے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ وہ علم طبیعی یا فلسفہ کو باطل تو ثابت نہ کر سکے، البتہ بزعم خود انہیں اسلام کے مطابق کر دکھایا۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ علم طبیعی اور فلسفہ کو اسلام کے مطابق ثابت کرنے کی بجائے اپنی تمام تر کوششیں اور اہلیتیں الٹ اسلام کو علم طبیعی و فلسفہ کے مطابق کرنے میں صرف کردیں۔'' ❷

سرسید کی تفسیر القرآن بھی بنیادی طور پر اسی اصول کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تحریر کی گئی۔ ❸

انحرافی مکتبِ فکر کا دوسرا دور: غلام احمد پرویز

سرسید احمد خان کے بعد ایسے افراد منظر عام پر آئے، جنہوں نے درج بالا مؤثرات کے تحت سرسید ہی کے افکار و نظریات کی آبیاری کی۔ ان میں عبداللہ چکڑالوی☆ نیاز فتح پوری☆☆ علامہ عنایت اللہ مشرقی (1888-1964ء)، اسلم جیراج پوری☆☆☆ کا نام سرفہرست ہے۔

---

❶ پاکستان کا معمار اول سرسید، ادارہ طلوع اسلام، ص ۵۵۔ ❷ آئینہ پرویزیت، ص ۷۱۔

❸ پاکستان کا معمار اول سرسید، ادارہ طلوع اسلام، ص ۵۷۔

☆ عبداللہ چکڑالوی، مشہور منکرِ حدیث، ضلع گورداسپور کے موضع چکڑالہ میں پیدا ہوئے، اس نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں۔ ایک الگ فرقہ مسمی ''اہل القرآن'' کے بانی ہیں۔ (آئینہ پرویزیت، ص ۱۱۹)۔

☆☆ نیاز فتح پوری، (۱۸۷۷ـ۱۹۸۶ء)، فتح پور (بھارت) میں پیدا ہوئے، ''من ویزداں'' ان کی مشہور تصنیف ہے، جس میں موصوف نے صرف حدیث ہی پر ہاتھ صاف نہیں کیا، بلکہ قدیم معتزلہ سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھتے ہوئے قرآن مجید کو انسانی کلام قرار دیتے ہیں۔ (آئینہ پرویزیت، ص ۱۲۱)۔

☆☆☆ ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ میں لیکچرار متعین ہوئے، بعد میں جامعہ ملیہ میں تاریخ کے استاد مقرر ہوئے، ''تاریخ القرآن'' اور ''تاریخ امت'' ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ (آئینہ پرویزیت ص ۱۲۶)۔

Marfat.com

اور مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ قرآنی زاویۂ نگاہ رکھتے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب وضرب، شورش وانقلاب، تغیر وتبدل ہو رہا ہے، وہ سب تکمیلِ دین اور اتمامِ نور کے لیے ہو رہا ہے اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جا رہی ہے، کیونکہ انسانیت کو ایک نہ ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازمی ہے۔'' ❶

نیز لکھتے ہیں:

''جملہ مذاہب (نہ کہ دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی تاریخ میں سوائے تفرقہ اندازی، سفکِ دم اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں، اس کا مٹانا اسلام کا فریضہ ہے اور یہی روسیوں نے کیا ہے، یہی نفی ''لا'' ہے۔'' ❷

جدید انحرافی مکتب فکر اور قدیم معتزلہ کو خراجِ تحسین

جدید انحرافی مکتب فکر اصولی طور پر قدیم معتزلین کے افکار ونظریات سے متفق ہے، اس لیے وہ اپنے پیشروؤں کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ جناب غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

''اگر مسلکِ اعتزال باقی رہتا، تو یہ جمود وتعطل جو آج مسلمانوں میں نظر آرہا ہے، وجود میں نہ آتا اور علم و فکر کی دنیا میں مسلمان آج ایسے مقام پر کھڑے ہوتے، جہاں ان کا کوئی مقابل نہ ہوتا۔'' ❸

① انحرافی مکتب فکر کے مخصوص نظریات

جدید انحرافی مکتب فکر کے اپنے مخصوص نظریات ہیں، جن میں وہ قدیم معتزلہ سے بھرپور متاثر نظر آتے ہیں۔

فصل کی ابتدا میں گزر چکا ہے کہ معتزلہ:

① عقل کے تفوق اور برتری پہ کامل یقین واعتقاد رکھتے تھے، اس بنا پر وہ احادیث اور اجماع کا انکار کرتے تھے اور اسی عقلی تفوق کی بنا پر وہ قرآنی آیات کی بھی دور از کار تاویلات کرتے تھے۔

② معتزلہ امت مسلمہ کے متفقہ عقائد سے بھی اختلاف رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں مطلقاً تجریدی تصور کے قائل تھے، حتی کہ صفتِ کلام کے بھی منکر تھے اور اس بنا پر قرآن مجید کو مخلوق سمجھتے تھے۔ یہی حال جدید معتزلہ کی اکثریت کا ہے، بلکہ جدید معتزلہ کی نامور شخصیت نیاز فتح پوری کو یہ ''امتیازی شان'' حاصل ہے کہ وہ قرآنِ مجید کو انسانی تصنیف قرار دیتے تھے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''بہر حال قرآن کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اس کا ایک ایک لفظ خدا کا بتایا ہوا ہے اور خود

---

❶ نوادرات، ص ۱۱۴، بحوالہ آئینہ پرویزیت، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، ص ۱۲۶۔

❷ ایضاً، ص ۱۱۵۔

❸ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۵۵، ص ۳۰۔ل

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے عقل ودماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا، خدا کو اس کے منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے اور رسول کو سطح انسانیت سے بھی نیچے گرا دینا ہے۔"❶

ذیل میں انحرافی مکتبِ فکر کے مخصوص نظریات کو مختصراً پیش کیا جا رہا ہے، دراصل ان کے یہی نظریات تفسیر القرآن کے پیچھے کارفرما ہیں۔ ان لوگوں کے واضح تصور سے انحرافی مکتب فکر کے اصول تفسیر زیادہ نکھر کر سامنے آئیں گے اور واضح طور پر پتہ چلے گا کہ کس طرح یہ مکتب فکر اپنے عقلی نظریات کا تحفظ کرتا ہے، چاہے اس کے لیے قرآن مجید کی بعید از کار تاویلات کا سہارا لینا پڑے۔

پہلا نظریہ: عقل کا تفوق

انحرافی مکتب فکر تفسیرِ قرآن میں اور مجموعی طور پر فہمِ دین میں بنیادی اور مرکزی حیثیت عقل کو تفویض کرتا ہے۔ سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

"اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ جس بات پر متعلق دلیل دلالت کرتی ہے، اس پر کوئی عقلی معارضہ تو نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی عقلی معارضہ پایا جائے گا، تو ضرور نقلی دلیل پر اس کو ترجیح ہوگی اور اس نقلی دلیل کو ضرور دوسرے معنوں میں تاویل کرنا پڑے گا۔"❷

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

"یہ جو خدا کا قول ہے: ﴿الرحمن علی العرش استوی ❸﴾ یہ صاف دلالت کرتا ہے کہ خدا تخت پر بیٹھا ہوا ہے، مگر دلیل عقلی اس کی معارض ہے۔ اس نقلی دلیل کی غلبہ یا بادشاہت سے تاویل کی گئی اور اگر یوں نہ کیا جائے تو اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین لازم آتا ہے، اور اگر دلیل نقلی کو عقلی پر ترجیح دیں، تو فرع سے اصل کا ابطال لازم آتا ہے، کیونکہ جو چیزیں نقلی ہیں، ان کا اثبات بھی بجز عقلی کے اور کسی طرح ممکن نہیں۔ پس نقل کے لیے عقل ہی اصل ہے۔"

درج بالا اقتباس کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ انحرافی مکتب فکر کے نزدیک:

① دلیلِ نقلی کو صرف اور صرف عقل کی روشنی میں سمجھا جائے گا۔
② اگر دلیلِ نقلی، دلیلِ عقلی سے معارض ہو تو دلیلِ عقلی کو ترجیح دی جائے گی۔
③ دلیلِ عقلی ہی اصل اور حقیقی دلیل ہے۔
④ دلیلِ عقلی اصل ہے اور دلیل نقلی اس کی فرع، لہٰذا فرع اور اصل میں تعارض ہو تو اصل کو ہی مقدم رکھا جائے گا۔

---

❶ من و یزداں، نیاز فتح پوری، (۱۸۷۷ـ۱۹۶۶ء) ۵۵۲۱، بحوالہ آئینہ پرویزیت، ص ۱۲۱۔
❷ تفسیر القرآن، ص ۱۱۹۔ ❸ ایضاً۔

Marfat.com

دوسرا نظریہ: فطرت پر ایمان اور خوارق ومعجزات سے کلی انکار

سرسید اور ان کا پورا مکتب فکر اس بات کا شدت سے قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فطرت کے قوانین مقرر کیے ہیں، ان قوانین میں تخلف ممکن نہیں، چونکہ معجزات کو ماننے سے قوانین فطرت پر زد پڑتی ہے، لہٰذا وہ معجزات ہی کا انکار کر دیتے ہیں، یا پھر ان کی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ وہ فطرت کے مطابق ہو جائیں۔

سرسید احمد خان اس حوالے سے اپنا نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کے معانی بیان کرنے میں سب سے زیادہ دھوکا انسان کو ان مقامات پر پڑتا ہے، جہاں قرآن میں قصصِ انبیائے سابقین بیان ہوئے ہیں۔ انبیائے سابقین کے قصے عہدِ عتیق کی کتابوں میں بھی آئے ہیں، اور علمائے یہود نے قصص انبیا مستقل کتابوں میں لکھے ہیں، جن میں بہت کچھ باتیں دور از عقل، خلاف قانونِ قدرت درج ہیں۔ وہ قصے مشہور تھے اور ہمارے علما بھی ان سے مانوس تھے اور ان کے عجائبات کو جو قانون قدرت کے خلاف تھے معجزات قرار دیتے تھے۔ وہ قصے قرآن میں بھی بیان ہوئے ہیں اور بہت کچھ اس کے مشابہ اور مماثل ہے جو ان معنوں کی نسبت بیان ہوا ہے۔

مگر قرآن مجید کے الفاظ ان قصوں میں اس طرح آئے ہیں کہ ان سے وہ باتیں جو دور از عقل اور خلافِ قانونِ قدرت ان میں مشہور تھیں، ان کا ثبوت نہیں ہوتا۔

ہمارے علماءِ متقدمین نے اس بات پر خیال نہیں کیا، بلکہ ان سے جہاں تک ہو سکا قرآن مجید کے الفاظ کو ان پر بعینہ عمل کرنے کی کوشش کی اور اس کے کئی سبب تھے:

اول: یہ کہ ان قصوں کی نسبت کیفیتِ مشہورہ ان کے دلوں میں بسی ہوئی تھی، اس لیے قرآن مجید کے الفاظ پر انھوں نے توجہ نہیں کی۔

دوسرے: یہ کہ ان کے پاس ہر ایک چیز گو کہ وہ کیسی ہی قانون فطرت کے خلاف کیوں نہ ہو، خدا کی قدرتِ عام کے تحت میں داخل کر دینے کا نہایت سہل طریقہ تھا، اور اس سبب سے ان الفاظ کی حیثیت پر غور کرنے کو توجہ مائل نہ ہوتی تھی۔

تیسرے: یہ کہ ان کے زمانہ میں نیچرل سائنسز نے ترقی نہیں کی تھی اور کوئی چیز انھیں قانونِ فطرت کی طرف رجوع کرنے والی اور ان کی غلطیوں سے متنبہ کرنے والی نہ تھی۔

پس یہ اسباب اور ان کے مثل اور بہت سے اسباب ایسے تھے کہ ان کی کافی توجہ قرآن مجید کے الفاظ کی طرف نہیں ہوئی۔ ❶

اس اقتباس سے درج ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

---

❶ تفسیر القرآن، ص ۱۷۔

Marfat.com

① انبیاء کرام کے واقعات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔
② یہی واقعات ومعجزات تورات میں بھی مذکور ہیں۔
③ علمائے یہود انہیں معجزات ہی سمجھتے ہیں اور اس معنی میں تسلیم کرتے ہیں۔
④ علمائے یہود میں ان معجزات کی مشہوری کی وجہ سے علمائے مسلمین نے بھی ان خوارق کو معجزات تسلیم کر لیا۔
⑤ قرآن مجید کا بیان بھی تورات کے مشابہ ومماثل ہے، لیکن الفاظِ قرآن کچھ ایسی نوعیت کے ہیں کہ ان سے دیگر معانی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔
⑥ سید صاحب کو متقدمین پر افسوس ہے (اور متقدمین میں ظاہر ہے تمام صحابہ اور تابعین بھی شامل ہیں) کہ انہوں نے ظاہری معانی مراد لیے۔
⑦ اس پر بھی افسوس ہے کہ متقدمین نے قانونِ فطرت کو پس انداز کیا اور ہر خلافِ فطرت واقعہ کو قدرت عامہ کے تحت ثابت کر دیا۔
⑧ متقدمین کو چاہیے تھا کہ ظاہری معانی مراد نہ لیتے، بلکہ ظاہری الفاظ کی ایسی تاویل کرتے کہ وہ واقعات موافقِ فطرت ثابت ہو جاتے۔
⑨ سید صاحب کے نزدیک اس کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ اس دور میں نیچرل سائنسز نے ترقی نہیں کی تھی اور علما نیچرل سائنسز سے متعارف نہیں تھے۔

تیسرا نظریہ: اپنے دور کی علمی سطح سے ہم آہنگی

انحرافی مکتب فکر اپنے عہد کے سائنسی نظریات سے شدید مرعوب رہتا ہے، چاہے وہ سائنسی نظریات قرآن مجید کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں اور چاہے اس مقصد کے لیے قرآن مجید کے معانی مسلسل بدلتے رہیں اور ایک دور کا قرآن نئے دور کے لیے قابل قبول نہ رہے۔

سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

''پس اگر ہمارے علوم کو آئندہ زمانہ میں ایسی ترقی ہو جائے کہ اس وقت کے امور محققہ کی غلطی ثابت ہو، تو ہم پھر قرآن مجید پر رجوع کریں گے۔ اور اس کو ضرور حقیقت کے مطابق پائیں گے اور ہم کو معلوم ہوگا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیے تھے تو وہ ہمارے علم کا نقصان تھا۔ قرآن مجید ہر نقصان سے بری تھا۔'' [1]

اس بنیاد پر سرسید اور ان کے ہم نوا نظریۂ ارتقا پر کامل ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ نظریۂ ارتقا ان کے عہد کا ایک معروف ثابت شدہ سائنسی نظریہ تھا۔

---

[1] تفسیر القرآن، ص ۲۰۔

Marfat.com

قرآن مجید کی رو سے آدم کو ایک فردِ واحد، ابوالبشر اور نبی تسلیم کرنا پڑتا ہے، اس طرح فرشتوں اور ابلیس کے الگ اور مستقل وجود کو بھی ماننا پڑتا ہے، لیکن نظریۂ ارتقا میں یہ مخلوقات فٹ نہیں آتیں۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ارتقا کے کس موڑ پر کیسے اچانک ابوالبشر، آدم علیہ السلام جیسا نبی پیدا ہو گیا اور کس ارتقائی اصول کے تحت؟ دوران ارتقا ''یہ فرشتے'' کہاں سے ٹپک پڑے؟ اور ''ابلیس'' کہاں سے وارد ہو گیا تھا، چنانچہ نظریۂ ارتقا پر ایمان کا بدیہی تقاضا تھا کہ آدم وابلیس اور فرشتوں کے حقیقی وجود کا سرے سے انکار ہی کر دیا جائے اور ان الفاظ کی ایسی تاویل کی جائے جس سے ''نظریۂ ارتقا'' پر کوئی آنچ نہ آنے پائے!!

***

Marfat.com

فصل ثانی

تعارف

سرسید نے ((التحریر فی أصول التفسیر)) کے نام سے ایک مختصر رسالہ تحریر کیا ہے، جس میں انہوں نے اپنی تفسیر کے اصول واضح کئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر اصطلاحی معنی میں اصول تفسیر ہیں ہی نہیں، بلکہ وہ نظریات ہیں جن کی بنیاد پر سرسید نے تفسیر قرآن لکھی ہے۔ اس میں سید صاحب نے پندرہ اصول بیان کئے ہیں، اس فصل میں ''التحریر'' کی ترتیب کے مطابق پہلے سرسید کے اصول بیان کیے جائیں گے اور ساتھ ہی ان کا جائزہ بھی پیش کیا جائے گا۔

***

Marfat.com

سرسید کا مقصدِ تفسیر

سرسید اپنی تفسیر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''امابعد! جب کہ غدر کا زمانہ گزر گیا اور مسلمانوں پر بھی جو کچھ گزرنا تھا گزر گیا تو مجھ کو اپنی قوم کی اصلاح کی فکر ہوئی۔ میں نے اس میں بہت غور کیا اور ایک زمانہ دراز کے غور کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ان کی دینی اصلاح بغیر اس کے کہ ان کو علوم وفنون جدیدہ میں جو اور قوموں کے سرمایۂ افتخار ہیں اور اس زبان میں جو ہم پر مشیۃ اللہ حکومت کرتی ہے، تعلیم نہ دی جاوے اور کسی طرح ممکن نہیں............'' ❶

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

''پھر میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن مجید پر غور کیا اور چاہا کہ قرآن ہی سے سمجھنا چاہیے کہ اس کا نظم کن اصولوں پر واقع ہوا ہے۔ جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور میں نے پایا کہ جو اصول قرآن مجید سے نکلتے ہیں، ان کے مطابق کوئی مخالفت علومِ جدیدہ میں نہ اسلام سے ہے اور نہ قرآن سے۔ اگر راست پرسی من شاکر قرآن عظیم ام ((وھذا قولی کما قال شاہ ولی اللہ))"
پھر میں نے انہی اصول پر ایک تفسیر قرآن مجید کی لکھنی شروع کی......'' ❷

تجزیہ

درج بالا اقتباس کی روشنی میں سرسید کے پیش نظر بنیادی محرک اور مقصدِ تفسیر یہ ہے:

① سرسید مسلمانوں کی دنیاوی ترقی کے بارے دردمند ہیں اور مسلسل سوچتے ہیں، آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مسلمانوں کی دنیاوی ترقی علوم وفنونِ جدیدہ کے بغیر ممکن نہیں، کیونکہ ترقی یافتہ قوموں کے پاس یہی علوم سرمایۂ افتخار ہیں۔

نیز انگریزی زبان کی تعلیم بھی دنیاوی ترقی کے لیے ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مشیت کے مطابق وہ مسلمانوں کے حکمرانوں کی زبان ہے۔

---

❶ تفسیر القرآن، (دیباچہ) ص۱۔ ❷ تفسیر القرآن، (دیباچہ) ص۲۔

Marfat.com

② اس طریقۂ اصلاح پر خطرہ تھا کہ مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ دین اسلام اور جدید علوم میں کوئی تعارض ہے۔
③ سرسید نے تعارض کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔
④ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ علوم جدیدہ اور قرآن مجید میں کوئی تعارض نہیں۔
⑤ اس اصول ''عدم تعارض قرآن وعلوم جدیدہ'' کے پیش نظر انہوں نے تفسیر لکھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید کی تڑپ اپنی جگہ بجا ہے، لیکن تفسیر قرآن پر حرف زنی محض اس لیے کرنا کہ علوم جدیدہ اور قرآن میں مطابقت ثابت کی جائے، بہر حال ایک انتہائی سطحی اور معذرت خواہانہ انداز فکر ہے۔

خالصۃً علمی بنیادوں پر بھی غور کیا جائے تو سرسید کا یہ مقصدِ تفسیر ہی سرے سے غلط قرار پاتا ہے، کیونکہ:

① نزولِ قرآن کا مقصد مسلمانوں کو دنیاوی علوم اور عصری تحقیقات فراہم کرنا نہیں، بلکہ اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع مقصد کے تحت قرآن نازل ہوا ہے، جس سے دیگر مقاصد ذیلی طور پر خود بخود حاصل ہوتے ہیں۔

② علوم جدیدہ ہر دور میں متغیر ہوتے رہے ہیں، آج کا ثابت شدہ نظریہ کل کو سو فیصد غلط ٹھہرتا ہے، جب کہ قرآن مجید کے حقائق اٹل، ناقابل تغیر اور فائنل ہیں۔ ایک فانی چیز اور لافانی میں بزور بازو مطابقت پیدا کرنا، بہر حال کوئی علمی رویہ نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرسید کا مقصدِ تفسیر ہی بنیادی طور پر غلط ہے، کیونکہ وہ نزولِ قرآن کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

نزول قرآن کے مقاصد

جس مقصد کے لیے سرسید ''تفسیر قرآن'' کو مشق ستم بنا رہے ہیں، قرآن مجید اس مقصد کے لیے نازل ہی نہیں ہوا۔

خود قرآن مجید کی روشنی میں نزول قرآن کے بنیادی مقاصد تو یہ ہیں:

① انسانوں کو فکر وعقیدہ کی اندھیر نگریوں سے نکال کر، صفائے فکری کی منور اور روشن وادیوں میں لے کر آنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ وَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝﴾ [1]

---

[1] سورة ابراهيم، ١٤: ١-٣۔

Marfat.com

اس لیے ائمہ اسلاف کے نزدیک فہمِ قرآن کے لیے مقاصدِ نزول کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ان معرفة مقاصد نزول الوحی ، و أغراض التشریع ، و غایات الأحکام تعین المفسر فی تفسیر النصوص ، ووضع الأدلة فی مواضعها واستنباط المسائل منها استنباط صحیحا ، و استخراج الفوائد والحکم منها استخراجا سلیماً)) ❶

''نزولِ وحی کے مقاصد، شریعت کے اغراض اور احکام ومسائل کے اہداف وغایات کو سمجھنے سے نصوص کی تفسیر میں مدد ملتی ہے۔ دلائل کو برمحل استعمال کرنے، مسائل کا صحیح استنباط اور فوائد وحکم کے مثبت استخراج میں یہ چیز مدد ومعاون ہے۔''

سید رشید رضا کے نزدیک تفسیر قرآن کا حقیقی مقصد:

((الا هتداء بالقرآن)) یعنی: ''قرآن سے ہدایت حاصل کرنا ہے۔''

((والتفسیر الذی نطلبه هو فهم الکتاب من حیث هو دین یرشد الناس الی مافیه سعادتهم فی حیاتهم الدنیا ، وحیاتهم الآخرة ، فانّ هذا هو المقصد الأعلی منه ، وما وراء هذا من المباحث تابع له ، أو وسیلة لتحصیله......)) ❷

''کتاب اللہ کو اس حیثیت سے سمجھنا کہ یہ دین کی بنیاد ہے، وہ دین جو انسانوں کی دنیاوی اور اخروی سعادت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ایسی ہی تفسیر ہمارے پیش نظر ہے، اور یہی کتاب اللہ کا اعلیٰ ترین مقصد ہے، اس کے علاوہ دیگر مباحث وسیلہ اور تابع کی حیثیت رکھتی ہیں۔''

ابنِ عاشور کے نزدیک مقصدِ تفسیر

معروف مفسر ابنِ عاشور نے اپنی مایۂ ناز تفسیر "التحریر والتنویر" کے مقدمہ میں ایک مبحث اس عنوان کے تحت مختص کی ہے: "المقدمة الرابعة فیما یحق أن یکون غرض المفسر" ''مفسر کے پیش نظر کیا مقصد ہونا چاہیے؟'' جس میں وہ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کا اصل مقصد فرد اور معاشرہ کی اصلاح وتطہیر، عقیدہ ونظریہ، آداب واطوار اخلاق وعادات اور عبادات کی اصلاح ہے۔ ❸

وہ لکھتے ہیں:

❶ الموافقات، ۲۷۔

❷ مقدمه تفسیر المنار، ۱۷۱۔۱۹۔

❸ التحریر والتنویر، (مقدمه) ۳۲۱۔۳۳۔

Marfat.com

سید قطب اور مقصد تفسیر

سید قطب مقاصدِ نزول قرآن پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

((ولا بد أن نرجع اليه حين نرجع بشعور التلقی للتنفيذ والعمل، لا لبشعور الدراسة والمتاع، نرجع اليه لنعرف ماذا يطلب منا أن تكون، لنكون......)) ❶

''ضروری ہے کہ ہم جب بھی قرآن مجید کی طرف رجوع کریں تو اس احساس وشعور کے ساتھ رجوع کریں کہ ہم نے اس سے عمل وتنفیذ کے لیے کچھ سیکھنا ہے، محض تحقیق اور لطف اندوزی کے لیے نہیں، ہم اس کی طرف آئیں تو بس اس لیے کہ جان سکیں کہ یہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ یہ ہمیں کیا دیکھنا چاہتے ہیں، تا کہ ہم ویسے ہی ہو جائیں۔''

سرسید کے اصول تفسیر اور ان کا جائزہ

① الأصل الأول

سرسید کے نزدیک پہلا اصول یہ ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے۔ ❷

② الأصل الثانی

دوسرا اصول یہ ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیا مبعوث کیے ہیں اور محمد ﷺ رسول برحق وخاتم المرسلین ہیں۔ ❸

③ الأصل الثالث

یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔

((نزول علی قلب محمد ﷺ او یوحی الیه و أنه علیه الصلاة والسلام ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحیٰ)) ❹

---

❶ معالم فی الطريق، ص۱۸۔

❷ التحریر فی اصول التفسیر، (مقدمه تفسیر القرآن)، ص۱۹۔

❸ ایضاً۔ ❹ ایضاً۔

Marfat.com

''یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا یا آپ ﷺ پر وحی کیا گیا ہے، اور یہ کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام محض اپنے جی سے کچھ نہیں بولتے تھے، وہ تو محض وحی ہوتی جو آپ پر اتاری جاتی''

تجزیہ

① درج بالا تینوں اصول متفقہ اسلامی عقائد ہیں، ان میں کوئی دوسری بات نہیں ہوسکتی۔

② ان کو اصول تفسیر کا نام دینا اصطلاحی لحاظ سے محل نظر ہے، کیونکہ اصولِ تفسیر ایک مخصوص علم کی مخصوص اصطلاح ہے، اس میں بہر حال یہ عقائد زیر بحث نہیں لائے جاتے۔ جس طرح علم فقہ میں عقائد پر گفتگو نہیں ہوتی۔

③ درحقیقت سید صاحب کے اکثر اصولِ تفسیر، صحیح معنی میں اصول تفسیر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ عقائد ونظریات ہیں جن کی بنیاد پر انہوں نے تفسیر لکھی اور ان عقائد ونظریات میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ منحرف۔

④ الأصل الرابع

سید صاحب کے چوتھے اصول کا خلاصہ یہ ہے کہ عام علما اسلام کے نزدیک قرآن مجید جبریل امین کے ذریعے آں حضرت ﷺ تک پہنچا۔ مگر سید صاحب کا خاص مذہب یہ ہے کہ ملکہ نبوت نے جسے روح الامین کہا گیا ہے، آنحضرت ﷺ کے قلب پر القاء کیا۔ ❶

اس جگہ تو جبریل کے ذریعے نزول کو عام علما اسلام کا مذہب کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے، مگر اپنی تفسیر کے ایک دوسرے مقام پر سرسید اس نقطۂ نظر پر اپنا تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

''وحی تو وہی ہوتی ہے جو خدا سے پیغمبر کو دی جاتی ہے۔ مگر اگلے مفسرین نے اس کا بیان کہ وہ کیوں کر دی جاتی ہے؟ ٹھیک طور پر نہیں کیا، انہوں نے خدا اور رسول کو دنیا کے بادشاہ اور وزیر کی مانند اور وحی کو بادشاہ کے کلام، حکم یا پیغام کی مانند سمجھا ہے، اور جبریل کو ایک مجسم فرشتہ، بادشاہ اور وزیر میں ایلچی، پیغام لے جانے والا قرار دیا ہے......'' ❷

اس کے بعد انہوں نے رازی اور کچھ دیگر مفسرین کی تقریرات نقل کیں اور ان پر یہ تبصرہ کیا ہے:

((ولا شك أن هذه هفوات ليس لها في الاسلام نصيب)) ❸

''بلاشبہ یہ سب فضول باتیں ہیں، جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔''

---

❶ تفسیر القرآن، ص۱۹، (الأصل الرابع)۔

❷ ایضاً، ص۲۹۔

❸ ایضاً، ص۳۰۔

Marfat.com

جائزہ

① سرسید واضح طور پر جبریل کے ذریعے نزولِ وحی کے منکر ہیں۔
② بلکہ وہ جبریل کے مجسم وجود ہی کے منکر ہیں۔
③ وہ اسے علما کا خیال قرار دیتے ہیں۔
④ سرسید کے نزدیک جبریل وحی نہیں لاتے، بلکہ ملکۂ نبوت کے ذریعے وحی نازل ہوتی ہے۔

ذیل میں مختصراً سرسید کے ایک ایک خیال کو قرآن وسنت کے میزان پر تول کر دیکھتے ہیں۔

جبریل کا مجسم وجود

جبریل کا وجودِ مجسم، اس کے ذریعے قرآن مجید کا نزول اور اس کا ایک پیغام رساں فرشتہ ہونا علما کا خیال نہیں اور نہ ہی قدما مفسرین کی ذاتی تحقیق ہے، بلکہ یہ قرآن مجید کی نصِ صریح سے ثابت ہے۔

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾[1]

”اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ جو جبریل کا دشمن ہو، جس نے آپ کے دل پر پیغام باری تعالیٰ اتارا ہے، جو پیغام ان کے پاس کتاب کی تصدیق کرنے والا، اور مومنوں کو ہدایت، اور خوشخبری دینے والا ہے۔ (تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے)۔“

جب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن میرے حکم سے جبریل نے قلبِ محمدؐ پر اتارا ہے تو اس بات کو قدماء مفسرین کی توجیہ قرار دینا اور کہیں ”هفوه“ کہنا کہاں کا انصاف ہے؟

② جبریل امین ہی کو بعض دیگر آیات میں ”الروح الامین“ کہا گیا ہے:

﴿ وَإِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾[2]

کس خوبصورتی سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا تعارف کروایا ہے، یہ حقائق واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں:

* قرآن مجید رب العالمین کا پیغام ہے۔
* اسے جبریل امین کے ذریعے اتارا گیا ہے۔
* اس کا مہبط محمد عربی ﷺ کا قلب اطہر ہے۔

---

[1] سورة البقرة، ٢:٩٧۔ [2] سورة الشعراء، ٢٦:١٩٢-١٩٥۔

Marfat.com

* اس کا مقصدِ انذار نبوی ہے۔
* اس کی زبان عربی مبین ہے۔

③ جبریل امین ہی کو بعض دیگر مقامات پر ''روح القدس'' کہا گیا ہے۔
﴿ قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ......الخ﴾ ❶

ان دونوں آیات میں ''الروح الامین'' اور ''الروح القدس'' سے مراد بلاشک وشبہ جبریل ہیں۔ جیسا کہ دیگر آیات، احادیث، آثار صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

جبریل کے مجسم وجود کا انکار اور اس کی بنیادی وجہ

سید صاحب آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ اور اجماع امت کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے جبریل علیہ السلام بلکہ فرشتوں کے وجود ہی سے انکاری ہیں۔ اس کی واحد اور بنیادی وجہ ''علومِ جدیدہ'' اور ''قرآن'' کے درمیان ''مطابقت'' پیدا کرنا ہے، کیونکہ سرسید کا بنیادی مقصد تفسیر ہی یہی ہے۔

''علوم جدیدہ'' سے چونکہ ''نظریہ ارتقا'' ثابت ہوتا ہے اور نظریہ ارتقا کی ارتقائی فہرست میں فرشتے نامی مخلوق کا اچانک کہیں سے ٹپک پڑنا ناقابل فہم ہے، لہٰذا سرسید ان کے وجود کے منکر ہیں!!

جبریل کی حقیقت، ملکۂ نبوت اور نزولِ قرآن کے بارے میں سید صاحب کے خیالات

فرشتوں کے وجود سے انکار کے بعد سرسید صاحب نے نزولِ قرآن کا انوکھا حل ''ایجاد'' کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

''نبوت درحقیقت ایک فطری چیز ہے، جو انبیا میں بمقتضائے اپنی فطرت کے مثل دیگر قوائے انسانی کے ہوتی ہے۔

جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے، اور جو نبی ہوتا ہے اس میں وہ قوت ہوتی ہے۔ جس طرح کہ تمام ملکاتِ انسانی، اس کی ترکیب اعضاء دل دماغ وخلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں، اس طرح ملکۂ نبوت بھی اس سے علاقہ رکھتا ہے، یہ بات صرف ملکۂ نبوت پر ہی موقوف نہیں ہے۔ ہزاروں قسم کے جو ملکاتِ انسانی ہیں، بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روئے خلقت وفطرت کے وہ ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اسی کا پیغمبر یا امام کہلاتا ہے، لوہار بھی اپنے فن کا امام ہوتا ہے یا پیغمبر ہوسکتا ہے، شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے، ایک طبیب بھی فنِ طب کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔''

مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جس میں اخلاقِ انسانی کی تعلیم وتربیت کا ملکہ بمقتضائے

❶ سورة النحل، ١٦: ١٠٢۔

Marfat.com

اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے، وہ پیغمبر کہلاتا ہے، اور جس طرح کہ اور قوائے انسانی بمناسبت اس کے اعضا کے ہوتے جاتے ہیں، اس طرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے، اور جب اپنی پوری قوت پر پہنچ جاتا ہے، تو اس سے وہ ظہور میں آتا ہے جو اس کا مقتضیٰ ہوتا ہے، جسے عرف عام میں ''بعثت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ❶

سرسید کے تصور ''نبوت و بعثت کا جائزہ''

درج بالا اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرسید کے نزدیک:

① نبوت و بعثت کوئی ایسا عہدہ نہیں، جو خدا کی طرف سے دیا جاتا ہو۔

② یہ ایک فطری ملکہ ہے۔

③ یہ اس طرح کا فطری ملکہ ہے جس طرح شاعر میں شاعری اور خطیب میں خطابت کا ملکہ ہوتا ہے، پھر جب وہ اس میں درجہ کمال کو پہنچ جائے تو اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو جاتا ہے۔ اس طرح تعلیم و تربیت کا ایک خاص ملکہ جب اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس سے ''نبوت و بعثت'' کا ظہور ہوتا ہے۔

④ اس ملکہ کا دیگر قوائے انسانی کی طرح دل و دماغ سے تعلق ہوتا ہے۔ سید صاحب کے ان نو دارات پر صریحاً یہ اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

① اولاً یہ تصور ہی سرے سے قرآن مجید کے تصور نبوت اور مقامِ نبوت کے منافی ہے۔ قرآن مجید کی وضاحت کے مطابق منصبِ نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خالصۃً ایک وہبی منصب ہوتا ہے:

1- ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌo﴾ ❷

2- ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ......﴾ ❸

② یہ احادیثِ صریحہ اور اجماعِ امت کے بھی خلاف ہے۔

③ عقلی طور پر بھی سید صاحب کا یہ انوکھا انکشاف کئی لحاظ سے غلط ہے۔

1- فطری ملکہ کا اظہار ابتدا ہی سے شروع ہو جاتا ہے، اس کا ظہور اچانک نہیں ہوتا، جب کہ انبیا و رسل اچانک نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس سے پہلے ایک طویل عرصہ تک وہ عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں، خود ان کو بھی اپنے اس ''ملکہ'' کا کوئی احساس تک نہیں ہوتا۔

2- فطری ملکہ میں ارتقا کا عمل جاری رہتا ہے، اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں پختگی آتی رہتی ہے، نبوت و بعثت میں کوئی ارتقائی عمل نہیں ہوتا، نہ ہی یہ منصب جلیل ناپختگی سے پختگی کا سفر طے کرتا ہے۔

3- فطری ملکہ میں تغیر اور انقلاب بھی رونما ہوتا رہتا ہے، خیالات و عقائد اور نظریات میں تبدیلی ہوتی رہتی

❶ تفسیر القرآن، ص ۹۳۔ ❷ سورة الحج، ٢٢:٧٥۔

❸ سورة الانعام، ٦:١٢٤۔

Marfat.com

ہے۔ جب کہ انبیا کرام کے نظریات میں تبدیلی نہیں ہوتی، وہ ابتدا سے انتہا تک ایک پیغام اور ایک ہی نظریہ کے داعی ہوتے ہیں۔

ایک مثال:

جیسا کہ علامہ اقبال میں شعر گوئی کا فطری ملکہ تھا، لیکن ان کے بالکل ابتدائی اشعار اور آخری اشعار میں زبان و بیان کے لحاظ سے ایک واضح ارتقا محسوس ہوتا ہے، ان کے خیالات میں بھی ارتقا کا سفر جاری رہا۔

4- فطری ملکہ جس طرح عروج کا سفر طے کرتا ہے، آخر اس پر زوال بھی طاری ہوتا ہے، اور تو اور دیکھنے اور سننے تک کی صلاحیت ماند پڑ جاتی ہے۔ اور "کی لا یعلم من بعد علم شیئا" کا مصداق بن جاتا ہے۔

سید صاحب کا ایمان کیا اس بات کی اجازت دے گا کہ انبیا کی بعثت و نبوت کا فطری ملکہ بھی زوال پذیر ہوتا ہے؟!! کیونکہ سید صاحب کے نزدیک "جس طرح تمام ملکات انسانی، اس کی ترکیب اعضاء دل و دماغ و خلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں، اسی طرح ملکہ نبوت بھی اس سے علاقہ رکھتا ہے۔"

5- فطری ملکہ کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے انتہائے عالم تک جاری رہے گا۔ جس طرح ملکۂ خطابت، ملکۂ شاعری، ملکۂ صناعی و کاریگری قیامت تک بدستور باقی رہیں گے۔ اس صورت حال میں عقیدہ کے ختم نبوت کا تحفظ آخر کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ سید صاحب بھی خود نبی کریم ﷺ کو "خاتم المرسلین" تسلیم کرتے ہیں۔ [1] اس تضاد کا کیا حل ہے؟

سید صاحب کے نزدیک نزولِ قرآن کی کیفیت

سید صاحب چونکہ "منصبِ بعثت" کے بھی انکاری ہیں، اور اسے محض فطری ملکہ قرار دیتے ہیں، اور فرشتوں کے وجود سے بھی انکاری ہیں۔ اب اس "معمہ" کے حل دیکھیے کیا پیش کرتے ہیں کہ نزول قرآن کیسے ہوتا رہا؟ جناب فرماتے ہیں:

"خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکۂ نبوت کے جسے "ناموس اکبر" اور زبان شرع میں جبرائیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔"

اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے۔

وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے، جو خدا کے بے حرف و بے صوت کلام کو سنتا ہے، خود اسی کے دل سے فوارہ کی

---

[1] تفسیر القرآن، ص۴۳۔

Marfat.com

مانند وحی اٹھتی ہے، اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے۔

اسی کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے، جس کو وہ خود ہی الہام کرتا ہے، اس کو کوئی نہیں بلواتا، وہ خود بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے۔

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ [1]

اس کیفیت کو سمجھانے کے لیے سید صاحب کو ایک انتہائی ''سطحی'' تمثیل کا سہارا لینا پڑا، لکھتے ہیں:

''ہم بطور تمثیل کے گو وہ کیسی ہی کم رتبہ ہو، اس کا ثبوت دیتے ہیں، ہزاروں شخص ہیں جنہوں نے مجنون کی حالت دیکھی ہوگی، وہ بغیر بولنے والے کی اپنے کانوں سے آوازیں سنتے ہیں۔ تنہا ہوتے ہیں مگر اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا باتیں کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔

وہ سب انہی کے خیالات ہیں، جو سب طرف سے بے خبر ہو کر ایک طرف مصروف اور اس میں مستغرق ہیں، اور باتیں سنتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ پس ایسے دل کو جو فطرت کی رو سے تمام چیزوں سے بے تعلق اور روحانی تربیت پر مصروف اور اس میں مستغرق ہو، ایسی واردات کا پیش آنا کچھ بھی خلافِ فطرتِ انسانی نہیں ہے، ہاں ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ پہلا مجنون ہے اور پچھلا پیغمبر، گو کہ کافر پچھلے کو بھی مجنون بتاتے تھے۔'' [2]

نزولِ وحی کے متعلق یہ انوکھا تصور

نزولِ قرآن اور وحی کے متعلق یہ انوکھا تصور کہ وہ نبی کے دل سے اٹھتی ہے اور اسی میں واپس آ گرتی ہے، اور اس طرح کی دیگر ہفوات پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ:

① یہ کیفیت کسی بھی ذی شعور انسان کی نہیں ہوتی، اگر وحی کی بعینہ یہی کیفیت ہوتی ہے، تو یہ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ نزول وحی کے وقت ''نبی'' کے ہوش وحواس قائم نہیں رہتے، یہ سوقیانہ تخیل شیطانی وسوسہ ہی ہوسکتا ہے۔

② اس کیفیت کو سمجھانے کے لیے ذی شعور انسانوں میں سے کوئی مثال سید صاحب کو میسر نہیں ہوسکی، مجبوراً آں جناب نے ''مجنون'' کی مثال کا سہارا لیا، یہ مثال بھی منصبِ نبوت کو سمجھانے کے لیے انتہائی سطحی اور گھٹیا مثال ہے۔

③ مزید برآں مجنون تو اسے کہتے ہیں، جسے جن لگے ہوں یا جو آسیب زدہ ہو، جب کہ سید صاحب کے نزدیک جن کا وجود ہی ثابت نہیں ہے، اب یہ عقیدہ سید صاحب ہی حل فرمائیں گے کہ مجنون کے سامنے جو چیز آن کھڑی ہوتی ہے اور مجنون اس سے ہم کلام ہوتا ہے، وہ چیز کیا ہوتی ہے؟

---

[1] تفسیر القرآن، ص۹۳۔ [2] تفسیر القرآن، ص۹۳۔۹۴۔

Marfat.com

④ پیغام بر کی یہ شرح بھی عجیب ہے کہ وہ پیغام لے کے بھی جاتا ہے اور واپس بھی لاتا ہے، جب پیغمبر کے اندر ملکۂ نبوت پیدا ہو چکا اور کلام اس کے اندر سے فوارے کی طرح پھوٹ رہا ہے تو آخر اسے ''خدا'' کی وحی کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر خدا کے پاس چکر لگانے کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیا نبی اپنا پیغام خدا کے پاس منظوری کرانے لے جاتا ہے؟

⑤ پیغمبر خود ہی کہتا ہے، خود ہی سنتا ہے، اس کے اندر سے آواز نکلتی، اس کے اندر جا گرتی ہے، لیکن وہ ''خدا کا کلام'' آخر کیوں ہوتا ہے؟ اسے پیغمبر کا کلام کہنے میں کیا حرج ہے؟

⑥ ''بے صوت و بے حرف کلام'' اور اس طرح کی اصطلاحات بھی خالصتہً اپنے پیشرووں معتزلہ سے لی گئی ہیں۔ سلفِ امت قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہیں اور بس!

⑦ سید صاحب کے ناقابلِ فہم اس گورکھ دھندے کی بجائے ہم رب کریم کی ان آیات مبارکہ پر کیوں نہ ایمان لائیں:

1- ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى o عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى o ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى o وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى o ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى o فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى o فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى o ﴾[1]

2- ﴿ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا o لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا o ﴾[2]

امانت دار ''الروح الامین'' طاقت ور ''شدید القوٰی'' فرشتے جبریل کا وحی لے کر آنا، اور پھر حفاظتوں کے حصار میں وحی کا اترنا، پھر نبی اکرم ﷺ کے قلب اطہر پر اس کی تنزیل، پھر آپ کا دوہرانا، یاد کرنا اور اسے آگے پہنچانے، ان کو واضح، سادہ، شفاف اور قرآنی آیات پر مبنی تصورِ وحی سے سید صاحب کے نادر، ناقابل فہم اور پیچیدہ خیالات سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

⑤ الأصل الخامس

قرآن مجید بالکل سچ ہے، کوئی بات اس میں غلط یا خلاف واقع مندرج نہیں ہے۔[3]

---

1. سورة النجم، ۵۳:۳-۱۰۔
2. سورة الجن، ۷۲:۲۶-۲۸۔
3. تفسیر القرآن، ص۴۴۔

Marfat.com

تجزیہ

یہ عقیدہ ایک مسلمہ عقیدہ ہے، جس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہوسکتی لیکن اس عقیدہ کے تقاضے سید صاحب کے منہج تفسیر سے پورے ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔

سید صاحب کا بنیادی مقصد تفسیر ہی یہ ہے کہ عصری علوم کی قرآن مجید سے موافقت ثابت کی جائے۔ عصری علوم اور جدید سائنسی تحقیقات حتمی سچ اور فائنل حقیقت پر مبنی نہیں ہوتیں، ان میں تغیر وتبدیل کا امکان بدستور باقی رہتا ہے۔

اگر ہم سچے، حقائق پر مبنی نا قابل تغیر قرآن مجید کو جدید علوم کی نذر کرتے ہیں تو کیا یہ قرآن مجید کو تجربات و مشاہدات اور تغیرات کی بھینٹ چڑھانے کے مترادف نہیں ہوگا!!!

⑥ الأصل السادس

اللہ تعالیٰ کی صفات سلبی اور ثبوتی سب سچ ہیں مگر ان کی صفات کی ماہیت کا جاننا مافوق عقل انسان ہے۔ [1]

⑦ الأصل السابع

صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں اور وہ مثل ذات کے ازلی وابدی ہیں۔

تجزیہ

قرآن مجید کی تفسیر میں اس اصول کو ذکر کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے؟

یہ تو ایک خالصۃً کلامی مسئلہ ہے، جو معتزلین کی موشگافیوں اور فلاسفۂ یونان کی فلسفہ طرازیوں کا مرہون منت ہے۔ عین وذات کی یہ بحثیں عہد نبوی وعہد صحابہ کے دورِ مسعود میں سوچی بھی نہیں جاسکتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ باری تعالیٰ کی معرفت کسے حاصل ہوسکتی ہے؟!

قرآن مجید کا واضح عقیدہ، خود قرآن ہی کے الفاظ میں ہم کیوں نہیں اپناتے:

﴿فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾ [2]

⑧ الأصل الثامن

سرسید کے اس اصول کا سادہ الفاظ میں مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات لامحدود اور مطلق ہیں، اس کے اختیارات بھی مطلق ہیں، لیکن اس نے اپنے اختیار سے قانونِ فطرت قائم کیا ہے، جس طرح یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] تفسیر القرآن، ص ۴۵۔ [2] سورة الشورى، ۴۲: ۱۱۔

Marfat.com

کوئی وعدہ کرے اور اسے پورا نہ کرے، اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ قانونِ فطرت کے خلاف کوئی کام کرے، کیونکہ قانونِ فطرت اللہ تعالیٰ کا عملی وعدہ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ ❶

﴿ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴾ ❷

اس طرح کی کئی آیات سے سید صاحب نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ میں تخلف نہیں ہو سکتا، حالانکہ وہ قادر مطلق اور "فعال لما یرید" ہے، یہ بھی اس نے اپنی ذات کی شان بیان کی ہے، قادر مطلق ہونا اور عدم تخلف وعدہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

یہی حال قانون فطرت کا ہے، جس پر یہ کائنات بنائی گئی ہے، پہلا قولی وعدہ ہے اور قانون فطرت عملی وعدہ۔ اس قانون فطرت میں سے بہت کچھ خدا نے ہمیں بتایا اور بہت کچھ انسان نے دریافت کیا، گو کہ انسان کو ابھی بہت کچھ دریافت نہ ہوا ہو۔ کیا عجب کہ بہت کچھ دریافت نہ ہو، مگر جس قدر دریافت ہوا ہے، وہ بلاشبہ خدا کا عملی وعدہ ہے جس سے تخلف قولی وعدہ کے تخلف کے مساوی ہے، جو کبھی نہیں ہو سکتا۔

پھر سید صاحب نے اس اصول پر قرآنی آیات سے استدلال فرمایا ہے، مثلاً:

﴿ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ ❸

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ ...... ﴾ ❹

﴿ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ ❺

⑨ الأصل التاسع

درج بالا اصول سے الأصل التاسع متفرع ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو قانون فطرت کے برخلاف ہو۔

"فقد ثبت من القرآن أنه عليه الصلاة والسلام ما ادعى بأحد من المعجزات۔ وقال عليه السلام۔ انما أنا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم اله واحد، وقال عليه السلام فى موضع آخر: "انما انا بشير و نذير"۔ ولهٰذا قال المحقق الأجل الشاه ولى الله فى التفهيمات الالهٰية : ولم يذكر الله سبحانه شيئا من المعجزات فى كتابه ولم يشر اليها قط۔" ❻

اللہ تعالیٰ کے عملی وعدہ میں تخلف کو مستلزم ہے جو کہ محال ہے۔

❶ سورۃ آل عمران، ۳:۷۔ ❷ سورۃ مزمل، ۷۳:۱۸۔ ❸ سورۃ القمر، ۵۳:۴۹۔
❹ سورۃ الروم، ۳۰:۲۹۔ ❺ سورۃ الأحزاب، ۳۳:۶۲۔ ❻ تفسیر القرآن، ص۵۰۔

Marfat.com

قولی وعدہ اور قانون فطرت میں فرق

① قولی وعدہ قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے اور اس میں کبھی بھی تخلف نہیں ہوسکتا۔

② قانون فطرت اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز ایک خاص طبیعت اور فطرت پر بنائی ہے، پانی میں طراوت، آگ میں حرارت، پانی کا ڈبونا، آگ کا جلانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فطرت و خاصیات کے تحت ہو رہا ہے۔ لیکن:

ا) یہ ان اشیا کی ذاتی خاصیت نہیں ہے۔

ب) بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خاصیات ہیں۔

ج) کسی بھی آیت یا حدیث میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ میں ان شیا کی فطرت کو نہیں بدلوں گا یا نہیں بدل سکتا۔

د) بلکہ بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ میں جب چاہوں ان اشیاء میں تصرف کرسکتا ہوں۔ بلکہ قیامت کا قائم ہونا ہی اس بات کی نشانی ہے کہ تمام اشیا فنا ہو جائیں گی اور ان کی فطرت اللہ تعالیٰ سلب کرلیں گے۔

پہاڑ قانون فطرت سے ہٹ کر ریزہ ریزہ اور روئی کے دھنکے ہوئی گالوں کی طرح ہو جائیں گے، زمین اپنی فطرت سے ہٹ کر ہلنے لگے گی، سورج بے نور ہوگا اور چاند ٹکڑے ٹکڑے۔

یہ سب تغیرات واضح کرتے ہیں کہ قانونِ فطرت قولی وعدہ کی طرح کوئی چیز نہیں، وہ جب چاہے اس میں تبدیلی بھی کرسکتا ہے۔ اس صورتِ حال میں قانونِ فطرت کو قولی وعدہ قرار دینا محض زبردستی ہے اور قیاس مع الفارق۔

③ مزید برآں روزمرہ کی زندگی میں بعض دفعہ معلوم قانون فطرت سے استثنائی صورتیں ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں۔ زہر کے بارے قانون فطرت ہے کہ وہ ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن بعض افراد کے لیے چاہے کسی بھی وجہ سے ہو، بہر حال تریاق ثابت ہو جاتا ہے۔

اس طرح اگر آگ جلانے کی بجائے کسی خاص فرد کے لیے ”برداً و سلاماً“ ہوجائے، تو آخر سرسید صاحب کو اس پر کیوں اعتراض ہے؟

انکارِ معجزات کی اصل وجہ

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

”ہمارے خیال میں ان معجزات کی وجہ یہ نہیں کہ قوانین فطرت میں استثنا ناممکن ہے، کیونکہ ایسے

Marfat.com

مستثنیات تو مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں کہ کسی انسان کے ہاں دوسر والا بچہ بھی پیدا ہوسکتا ہے، ماں باپ دونوں اندھے ہوں تو اولاد بینا بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس انکار کی تہہ میں ارسطو کا خدا کے متعلق تجریدی تصور کارفرما ہے۔، جس کے تحت خدا نے ایک دفعہ کائنات کو حرکت تو دے دی ہے اور اب وہ خاموش تماشائی بن گیا ہے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس نے قوانین فطرت بنا دیے ہیں اور اب خود بھی ان کا پابند بن گیا ہے۔

لیکن قرآن ایسے خدا کا تصور پیش کرتا ہے جو حی و قیوم، قائد مطلق اور حکیم وخبیر ہے اور جیسے چاہتا ہے، جب چاہتا ہے، کرسکتا ہے، وہ قوانینِ فطرت کا پابند نہیں، قوانین فطرت اس کے حکم کے پابند ہیں۔ وہ ان قوانین میں ہر وقت اپنی حکمت و مصلحت کے پیش نظر تغیر وتبدل کرسکتا ہے اور کرتا رہتا ہے۔'' [1]

''سنة الله'' میں عدم تبدیلی کا صحیح مفہوم

سرسید احمد خان صاحب نے قوانینِ فطرت میں عدم تبدیلی پر ﴿ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴾ سے بھی استدلال کیا ہے۔ [2]

اب سوال یہ ہے کہ قوانینِ قدرت تو لاتعداد ہیں۔ کچھ قوانین اجرام فلکی کی حرکت، ان کی کشش ثقل سے تعلق رکھتے ہیں، کچھ دوسرے اشیا کے خواص سے تعلق رکھتے ہیں، کچھ قوانین ایسے ہیں جو اخلاقیات اور قوموں کے عروج وزوال سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں تحقیق سے دیکھنا ہوگا کہ قرآن کریم جس ''سنت اللہ'' کو ناقابل تبدل قرار دیتا ہے، وہ کس قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ [3]

قرآن میں اس مفہوم کو متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ بالضبط ''سنت اللہ میں عدم تبدیلی'' کے الفاظ یا مترادفات چار مقامات پر استعمال کیے گئے ہیں۔ [4] ان سب مقامات کے سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل صاف اور واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قانون کو غیر متبدل قرار دیا ہے، وہ اخلاقیات اور قوموں کے عروج وزوال سے متعلق ہے۔ بالخصوص جب کوئی قوم خود اخلاقی پستی اور گراوٹ کا شکار ہوجاتی ہے تو وہ ''سنت اللہ'' کے تحت لازماً عذاب میں ماخوذ اور زوال پذیر ہوجاتی ہے۔ [5]

درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے:

---

1. آئینہ پرویزیت، ص ۷۷۔
2. تفسیر القرآن، ص ۵۰۔
3. دیکھیے: آئینہ پرویزیت، کیلانی ص ۷۵۔
4. دیکھیے: المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم، فواد عبدالباقی، علوم القرآن، گوہر رحمان، ۲۰۱۲ھ۔ ۲۰۳۔
5. آئینہ پرویزیت، کیلانی ص ۷۵۔ علوم القرآن، گوہر رحمان، ۲۰۱۲ھ۔ ۲۰۳۔

Marfat.com

① ﴿ وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝ ﴾[1]

''اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے، سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے، سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے، اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں۔

جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے، اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرا دے، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں مشرکینِ عرب سے خطاب ہے اور سیاق و سباق سے واضح پتہ چلتا ہے کہ سنت اللہ سے مراد مستکبرین کے ساتھ تباہی و بربادی اور عذابات و آفات والا معاملہ ہے جو سابقہ مستکبرین کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔

② ﴿ وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴾[2]

''یہ تو آپ کے قدم اس سرزمین سے اکھاڑنے ہی لگے تھے کہ آپ کو اس سے نکال دیں پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت ہی کم ٹھہر پاتے۔ ایسا ہی دستور ان کا تھا جو آپ سے پہلے رسول ہم نے بھیجے، اور آپ ہمارے دستور میں کبھی ردوبدل نہ پائیں گے۔''

یہ سیاق و سباق بھی انبیا کے ساتھ ظلم و عدوان کی سازشیں کرنے والوں پر عذاب الٰہی کے نزول والی سنت کے بارے میں ہے۔

مشرکین مکہ مکرمہ سے نکالنے کی سازشیں کر رہے ہیں، انہیں بتایا جا رہا ہے کہ آپ کے نکالے جانے کے بعد یہ خود بھی تھوڑی مدت ہی ٹھہر سکیں گے اور ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو پہلے ظالمین کا ہوتا چلا آ رہا ہے، کیونکہ سنت الٰہیہ میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس سیاق میں ''سنت اللہ'' سے اشیا کائنات کی فطرت مراد لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

③ ﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ ۝

[1] سورۃ فاطر، ۳۵: ۴۳-۴۴۔ [2] سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۶-۷۷۔

Marfat.com

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ❶

(اب بھی) یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں غلط افواہیں اڑانے والے ہیں، باز نہ آئے، تو ہم آپ کو ان پر تباہی مسلط کر دیں گے، پھر تو وہ چند ہی دن آپ کے ساتھ اس (شہر) میں رہ سکیں گے۔ ان پر پھٹکار برسائی گئی۔ جہاں بھی مل جائیں، پکڑے جائیں، اور خوب ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں، ان سے اگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا، اور تو اللہ کے دستور میں ہرگز ردوبدل نہ پائے گا۔

سیاق وسباق سے واضح ہے کہ منافقینِ مدینہ کو تباہی کی وعید سنائی جا رہی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں بھی ''سنت اللہ'' سے فطرت اشیا مراد لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

④ ﴿ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

''اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگتے، پھر نہ تو کوئی کارساز پاتے، نہ مددگار، اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے، تو کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلتا ہوا نہ پائے گا۔''

اس مقام پر بھی نیچر مراد لینے کا کوئی خفی یا جلی قرینہ نہیں ہے، بلکہ انبیاورسل کے مقابلے میں نکلنے والے کفار کی ذلت ورسوائی ہی ''سنت اللہ'' سے مراد ہے۔ ❷

اگر سنت اللہ سے مراد قانونِ فطرت ہو تو؟

مولانا گوہر رحمان لکھتے ہیں:

''ان آیات میں سنت سے قانونِ فطرت مراد لینا صرف تکلف اور سینہ زوری ہے، لیکن اگر نیچر کے پجاری سینہ زوری کر کے قانونِ فطرت مراد لینے پر تلے ہوئے ہیں، تو پھر بھی ان کی نیچریت ثابت نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ تبدیل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کوئی بھی زور آور اور غالب موجود نہیں ہے جو اللہ کی سنت کو تبدیل کر دے۔''

قانونِ فطرت میں تبدیلی کے قرآنی شواہد

سید صاحب کا یہ دعویٰ کہ قانونِ فطرت کے خلاف قرآن مجید میں کوئی چیز نہیں ہے، تو یہ بات حقائق اور واقعات کے خلاف صرف ایک دعویٰ ہی ہے، کیونکہ قرآن مجید کی واضح نصوص سے ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے باسلامت نکل آنا مذکور ہے، موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا سانپ بن جانا اور سانپ کا پھر لاٹھی کی شکل اختیار کر لینا بصراحت

❶ سورة الأحزاب، ۳۳: ٦٠-٦٢۔ ❷ سورة الفتح، ٤٨: ٢٢-٢٣۔

Marfat.com

ثابت ہے۔ ضرب کلیمی سے دریا کا ٹھہراؤ اور پتھر سے پانی کے بارہ چشموں کا پھوٹنا، یہ سب کچھ قرآن مجید میں موجود ہے اور قانون فطرت کے خلاف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے تحت ظہور پذیر ہوا ہے۔ ❶

⑩ الأصل العاشر

قرآن مجید جس قدر نازل ہوا ہے، بتمامہ موجود ہے، نہ اس میں سے ایک حرف کم ہوا اور نہ زیادہ ہوا ہے۔

﴿وتواترت عليه جيل بعد جيل ، قرن بعد قرن ، الى زماننا هذا ، وقال الله تعالىٰ : انا نحن نزلنا الذكر و انا له لحافظون﴾

(الحجر ، 9:15)❷

یعنی قرآن مجید نسل بہ نسل، عہد بہ عہد، عصر حاضر تک متواتر طریقے سے منقول ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ٥﴾

جائزہ

الحمدللہ! سید صاحب اس بات میں عقیدہ اہل سنت والجماعت سے متفق ہیں کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف بلاکم وکاست محفوظ ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ محفوظ ہونے کا مقصود و مدعا کیا ہے؟ یہ نسل بہ نسل، عہد بہ عہد حفاظت کے ساتھ آج تک بہ تواتر منقول ہے تو اس کا آخر فائدہ ہی کیا؟ اگر آج تک اسے کسی نے سمجھا ہی نہ ہو تو!!

ایمان باللہ، ایمان بالرسل اور ایمان بالملائکۃ، جیسے بنیادی مفاہیم جس طرح قرآن مجید سے سرسید نے سمجھے ہیں، معتزلہ کے مٹھی بھر گروہ کے علاوہ امت اسلامیہ کی پوری تاریخ میں اور کسی نے ویسے نہیں سمجھے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ ہی صرف محفوظ نہیں، اس کی تفسیر اور بنیادی مفاہیم بھی محفوظ ہیں۔ عہد بہ عہد، نسل بہ نسل اس کے صرف الفاظ ہی منتقل نہیں ہوئے بلکہ اس تواتر کے ساتھ اس کے بیان کردہ بنیادی ایمانیات اور عبادات و اخلاقیات بھی منتقل ہوئے ہیں۔

⑪ الأصل الحادی عشر

''ہر ایک سورہ کی آیات کی ترتیب میرے نزدیک منصوص ہے۔'' ❸

---

❶ علوم القرآن، ۲، ۴۰۳-۴۰۴۔ ❷ تفسیر القرآن، ص ۵۲۔

❸ تفسیر القرآن، ص ۵۲۔

Marfat.com

⑫ الأصل الثانی عشر

قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔ ❶

جائزہ

سرسید کا یہ تصور ہی جمہور سے معارض ہے۔❷ امام سیوطی کے بقول اس موضوع پر بے شمار ائمہ نے تصنیفات رقم کی ہیں۔((أفردوہ بالتصنیف خلائق لا یحصون)) ❸

⑬ الأصل الثالث عشر

''قرآن مجید دفعتہً'' نازل نہیں ہوا ہے، بلکہ نجماً نجماً نازل ہوا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

﴿ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا۝﴾

(بنی اسرائیل، 106:17) ❹

یہ بات متفق علیہ ہے، لیکن نجماً نجماً نازل ہونے کی توجیہ سرسید کے نزدیک بالکل ہی شاذ اور منفرد ہے، لکھتے ہیں:

''وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنی ملائکہ نبوت کو انبعاث ہوا، اور اس کے سبب سے وحی نازل ہوئی، پس وہ مختلف اوقات کے کلام کا مجموعہ ہے، جو خدا نے وقتاً فوقتاً بمقتضائے اس وقت کے نازل کیا ہے۔'' ❺

اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کا نجماً نجماً نازل ہونا اور وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے پر ملکہ نبوت کا انبعاث اور وحی کا نازل ہونا ایک طبعی امر ہے۔ انسان کے دماغ میں متعدد قسم کے علوم وفنون کا ملکہ موجود ہوتا ہے، مگر بغیر

---

❶ تفسیر القرآن، ص۵۲۔

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البرھان، للزرکشی، النوع الرابع، والثلاثون، معرفۃ ناسخہ من منسوخہ، ص۲۷۳۔ ۲۸۱۔

❸ الاتقان، للسیوطی، النوع السابع والأربعون فی ناسخہ و منسوخہ، ص۵۱۷۔۵۳۳، سر سید کی رائے پر تبصرہ کے لیے ملاحظہ ہو: علوم القرآن، گوہر رحمان، ۳۸۴۔۳۸۶۔

❹ تفسیر القرآن، ص۵۳۔

❺ ایضاً۔

Marfat.com

محرک کے وہ ملکہ تحریک میں نہیں آتا۔ پس قرآن مجید کا اس منوال پر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں ہے، جس کے مضامین کو مصنف پہلے سے سوچ کر اور اپنی مرضی کے موافق کتاب مرتب کرتا ہے۔'' ❶

جائزہ

① ملکہ نبوت کا انوکھا تصور اور اس پر تبصرہ اس مقالہ میں الأصل الرابع کے تحت گزر چکا ہے۔

② اگر سید صاحب کا مفروضہ ''ملکہ نبوت'' صحیح بھی تسلیم کیا جائے، تو بھی قرآن مجید ملکۂ نبوت کی تحریک کے تحت نازل نہیں ہوا۔ بلکہ قرآن مجید کے بہت سارے مقامات کسی زمینی محرک کے بغیر ابتداءً اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغرض ہدایت نازل ہوئے ہیں۔

شانِ نزول کے بارے میں سرسید کا موقف

سید صاحب لکھتے ہیں:

''زیادہ پرامن طریقہ یہ ہے کہ جہاں اس کی ضرورت ہو، حتی المقدور صرف قرآن مجید کے سیاق وسباقِ کلام سے اور اس کی طرزِ ادائے کلام سے اس کو تلاش کیا جاوے، اور جو اصول قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں، ان کو ہر ایسے مقام پر ملحوظ رکھا جاوے۔'' ❷

اسلاف کے بیان کردہ اسباب النزول پر سید صاحب مطمئن نہیں ہیں۔

اس بارے لکھتے ہیں:

''......علمائے اسلام نے آیات کی شان نزول تفتیش کرنے پر توجہ کی ہے، جس کی بنیاد صرف روایات ضعیف پر ہے۔'' ❸

⑭ الأصل الرابع عشر، ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ

سرسید لکھتے ہیں:

''موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے، وہ سب ہو بہو یا بحیثیۃ من الحیثیات مطابق واقع ہے، نہیں ہو سکتا کہ اس کا قول اس کی مصنوعات کے مخالف ہو یا مصنوعات اس کے قول کے مخالف ہوں۔

بعض جگہ ہم نے قول کو ورڈ آف گاڈ (Word of God) اور اس کی مصنوعات کو ورک آف گاڈ

---

❶ تفسیر القرآن، ص ۵۳ ❷ تفسیر القرآن، ص ۵۴۔ ❸ تفسیر القرآن، ص ۵۴۔

Marfat.com

(work of God) سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ دونوں کا متحد ہونا لازم ہے۔ اگر ورڈ، ورک کے کسی حیثیت کے مطابق نہیں ہے، تو ایسا ورڈ، ورڈ آف گاڈ نہیں ہو سکتا۔" ❶

جائزہ

① یہ ایک مسلمہ اور متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید تمام تر مطابق واقع اور حقیقت ہے، کیونکہ یہ منزل من اللہ اور کتاب حق ہے۔

② لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں مذکور خوارق عادت اور معجزات بھی برحق ہیں اور مطابق قدرت باری تعالیٰ۔

③ قانون فطرت کی بنیاد پر معجزات کا انکار اللہ تعالیٰ کی قدرت، ارادہ، مشیت اور اختیار سے انکار کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق فطرت ہے، لیکن پابند فطرت نہیں۔

نواب محسن الملک کا اس اصول پر تبصرہ

نواب محسن الملک نے سرسید کے نام اپنے مکتوب میں اس اصول کا انتہائی خوبصورت اور جامع تجزیہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"(اس اصول کے مطابق) خدا کو نیچر کا اور نہ نیچر کا بلکہ خیالی اور فرضی نیچر کا پابند ہونا ماننا پڑتا ہے۔ اور میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا ایک وجود معطل ہے اور اس کی طرف قدرت واختیار ومشیت و ارادہ کی نسبت بے معنی ہے۔ اور سوائے اس کے جن آیتوں سے آپ نے اس اصل میں نیچر کا ثبوت کیا ہے اسی سے میرے خیال کے موافق آپ کے دعویٰ کا بطلان ہوتا ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں کہ" وہ ایک جگہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:

﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ ❷

"پھر اس (ابراہیم علیہ السلام) کی قوم کا بجز اس کے اور کچھ جواب نہ تھا کہ انہوں نے کہا اسے قتل کر دو یا جلا دو پھر اسے خدا نے آگ سے بچایا۔"

"فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ سے ثابت ہوا کہ احراق نار کا خاصہ ہے، ایک اور جگہ تمثیل میں فرمایا ہے:

﴿ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ...... ﴾ ❸

"پس ان دونوں آیتوں سے خدا نے ہم کو قانون فطرت یہ بتایا کہ آگ جلا دینے والی ہے، پس جب

❶ تفسیر القرآن، ص۵۴۔ ❷ عنکبوت، ۲۹: ۲۴۔ ❸ سورۃ البقرۃ ۲: ۲۶۶۔

Marfat.com

تک یہ قانون فطرت قائم ہے، اس کے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔"

اور اس سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ احراق نار کا خاصہ ہے اور بے شک سچ ہے مگر اس سے آپ کا مقصود اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ اس خاصیت کو خدا کسی طرح، کسی حالت میں، کسی کے لیے اور کسی وقت میں بھی جدا نہیں کرسکتا، تاکہ اس سے آپ کا یہ خیال صحیح سمجھا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے ہی نہیں گئے، اور اگر آگ میں ڈالے جاتے تو آگ اپنے نیچر کے موافق ضرور ان کو جلا دیتی۔ مگر اسی آیت میں خدا کے الفاظ فَاَنْجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ کے کچھ معنی نہیں رہتے اور ان الفاظ کے مہمل اور پوچ ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا۔ ایک اور آیت کے ضمن میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک جگہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے کہ:

﴿ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ ❶

"اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو چیرا اور تمہیں بچالیا اور فرعون کے لوگوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔"

ایک اور جگہ فرمایا ہے:

﴿ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً...... ﴾ ❷

"اور نوح کی قوم کو جب کہ انہوں نے انہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی ٹھہرایا۔"

ان آیتوں اور اس کی مثل بہت سی آیتوں میں خدا نے یہ قانونِ فطرت بتایا کہ پانی میں بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے، پس جب تک یہ قانونِ قدرت قائم ہے پانی سے یہ فطرت معدوم نہیں ہوسکتی، اس کا معدوم ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔"

جناب عالی! آپ نے اغرقنا الی فرعون سے تو نیچر کا ثبوت نکالا، مگر واذ فرقنا بکم البحر فانجینکم کا خیال نہ رکھا، اگر اغرقنا ال فرعون میں بقول آپ کے خدا نے نیچر کا یہ قانون بتایا ہے کہ پانی میں بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے، تو اس کے ساتھ میرے نزدیک اسے واذ فرقنا بکم البحر فانجینکم میں اپنے سے بچا دیتے ہیں۔" ❸

ایک اور موقع پر انتہائی خوبصورت الفاظ میں نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں نہیں مانتا کہ جس کو قانون قدرت کہا جاتا ہے اور جس کی بناء استقراء اور تجربہ اور جزئیات کی تحقیقات پر ہے، اسے انسان نے ایسا دریافت کرلیا ہے کہ جو چیز بظاہر اس کے خلاف معلوم ہو، اسے

---

❶ سورۃ البقرۃ ۲: ۵۰۔ ❷ سورۃ فرقان ۲۵: ۳۷۔ ❸ مکاتبات الخلان، ص ۵۸-۵۹۔

Marfat.com

خلافِ قانونِ قدرت کہہ کر اس کا انکار کر دیا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کا ثبوت عمدہ شہادت سے ہوتا ہو۔ انسان کی عقل محدود ہے، اور وہ قدرت الٰہی کی تہہ نہیں جان سکتا، اور نہ اس کا جزوی تجربہ خدا کے کلام کو باطل کر سکتا ہے۔ کائنات کی حدود میں کوئی ایسا مقام نہیں ہے، جو خدا کی قدرت کی حد ہو اور جہاں پر قادرِ مطلق کی قدرت سے بڑھنے والی موج سے کوئی ملاح یہ کہہ سکے کہ یہ تیری حد ہے، تو اس سے آگے مت بڑھ ورنہ تو روکی جائے گی۔ یہ خود دریا کے اختیار میں ہے کہ جہاں تک چاہے اپنی لہریں بڑھاتا رہے۔ خدا کا قادرِ مطلق ماننا ہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ نہ اس کی قدرت محدود ہے، نہ اس کی قدرت کو کوئی جان سکتا، نہ سمجھ سکتا اور نہ محدود کر سکتا ہے۔" ❶

⑮ الأصل الخامس عشر

پندرہویں اصول میں سرسید نے شرح وبسط کے ساتھ عربی لغت سے استدلال کے اصولوں پر بحث کی ہے اور لغت کی بنیاد پر تفسیر قرآن کا اسلوب واضح کیا ہے۔ ❷

① قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس کے معنی اس طرح پر لئے جائیں گے، جیسے ایک فصیح عربی زبان میں کلام کرنے والا مراد لیتا ہے۔

② قرآن مجید میں بھی دیگر کلام عرب کی طرح استعارہ ومجاز، کنایہ وتشبیہ وتمثیل سب موجود ہیں۔ ❸

③ جو معنی بھی مراد لیے جائیں وہ عقل کے معارض نہ ہوں۔ "یہ بات دیکھنی" لازم ہے جو معنی اس لفظ کے قرار دیے گئے ہیں، اس پر کوئی عقلی معارضہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو وہ معنی صحیح نہ ہوں گے۔

④ عہدِ نبوی میں جو معانی مراد لیے جاتے تھے اگر وہ ہم تک تواتر سے پہنچے ہوں، تو اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے یہ معنی مراد لیے جاتے تھے، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لفظ دوسرے معنوں میں مستعمل نہیں ہوا یا نہیں ہو سکتا۔

⑤ قرآن مجید کے الفاظ ان معانی پر محمول کیے جا سکتے ہیں، بلکہ کرنے چاہئیں جو علوم کی ترقی کے سبب ہم کو صحیح ودرست معلوم ہوتے ہیں اگرچہ امی ان سے ناواقف تھے۔ ❹

جائزہ

سرسید کے درج بالا اصول ان کے "انحرافی منہج" میں "انتہائی اہمیت" کے حامل ہیں، اور بالخصوص یہ وہ اصول ہیں جن کی بنیاد پر وہ امت کے منہجِ اعتدال سے منحرف ہوئے۔ الأصل الخامس عشر کے تحت مندرج قواعد کا

❶ مکاتبات الخلان، ص ٦٠۔
❷ دیکھیے: تفسیر القرآن، ص ٥٤۔ ٦٠
❸ ایضاً، ص ٥٤۔
❹ ایضاً، ص ٥٨۔ ٥٩۔

Marfat.com

بالترتیب جائزہ پیش خدمت ہے۔

① قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے معانی فصیح وعرب لوگوں کے مطابق مراد لیے جائیں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''افصح العرب'' خود صاحبِ وحی ہیں، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے جو معانی متعین کیے ہیں کیوں مراد نہیں لئے جاسکتے؟

صحابۂ کرام کی فصاحت لسانی اور زبان دانی پر کیسے شک ہوسکتا ہے؟ تفسیر قرآن میں اس اصول کی بنیاد پر ان کے اقوال کو اہمیت دینی چاہیے، لیکن سرسید صاحب اس کے لئے تیار نہیں ہیں؟ [1]

② سرسید صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں تشبیہ وتمثیل، مجاز واستعارہ اور کنایہ وغیرہ کے سب اسالیب موجود ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے، لیکن کیا حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی مراد لینے کا کوئی اصول نہیں؟

سرسید صاحب جس طرز پر قرآن مجید کو خود ساختہ تشبیہات واستعارات پر محمول کرتے ہیں، اگر وہ صحیح تسلیم کرلیا جائے تو الفاظ قرآن کی حقیقت روپوش ہوجاتی ہے، اس کے الفاظ عربی مبین کی بجائے محض عربی ادب کا ایک ناقابل فہم ''معمہ'' اور ''چیستان'' بن کر رہ جاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من أن نقول ذالك)

③ عقلی معارضہ کا اصول اور عقلی معارضہ کی صورت میں آیت کی تاویل، یہ بالکل معتزلہ والا اصول ہے۔ جسے ماننے کی صورت میں خود وحی کے ''مقصد اور اس کی ضرورت'' پر بھی سوالیہ نشان لگ جاتا ہے؟ اگر عقل اس قدر اہمیت کی حامل ہے، تو اس قسم کی ''عقلِ معلیٰ'' کے لیے آخر وحی کی ضرورت ہی کیا ہے؟ [2]

④ عہد نبوی میں جو معانی مراد لیے جاتے تھے، اگر وہ ثابت بھی ہوجائیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اور معنی مراد نہیں لیے جاسکتے۔

⑤ اسی کے نتیجہ میں پھر یہ اصول کہ جدید علمی تحقیقات کی روشنی میں ہم صحیح اور درست معانی معلوم کرسکتے ہیں۔

یہ دونوں اصول خود نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام کے فہمِ قرآن پر بہت بڑا حرفِ اعتراض ہیں۔ گویا سرسید کے نزدیک اس اصول کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عرب ''امی'' اور ''سادہ لوگ'' تھے، قرآن کے جدید دریافت شدہ نئے دور کے ''صحیح معانی'' سے واقف نہ تھے۔ عرب امی یعنی صحابہ کرام قرآن کے جن ''معانی'' سے واقف تھے وہ اس پرانے عہد کے مطابق تھے۔

---

[1] تفسیر صحابہ کی ضرورت واہمیت پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

[2] عقل اور اس کے دائرہ کار پر تفصیلی بحث اسی فصل کے آئندہ صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔

Marfat.com

اس عہد میں قرآن مجید کے الفاظ کا وہی مطلب تھا۔

اب نئے دور میں، نئے علوم کے مطابق قرآن مجید کا مطلب بھی نیا ہے اور نئے مفاہیم اس کے اندر پیدا ہو چکے ہیں۔

اس فکر کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ:

① قرآن مجید کا کوئی مفہوم سرے سے متعین ہی نہیں ہے۔

② ہر دور میں اس کا معنی بدلتا رہتا ہے۔

③ ہر دور کی علمی سطح کے مطابق اس کے مفہوم میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، اور سر سید کے نزدیک یہ قرآن کا ''اعجاز'' ہے۔

سر سید کو بھی ان نتائج کا یقیناً ادراک تھا، اور انہیں احساس تھا کہ اس سے پورے دین کی بنیاد ہی جڑ سے اکھڑ جائے گی، اس لیے انہوں نے اپنے ان ''اصولوں'' کو محدود کرتے ہوئے آخر میں لکھا:

''یہ بحثیں جہاں تک ہیں، صرف ان امور سے متعلق ہیں جو علوم سے اور طبعیات سے علاقہ رکھتے ہیں۔ باقی رہے وہ امور جو روحانی تعلیم سے متعلق ہیں اور جن کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حاوی ہے، ہر وقت میں ایک حالتِ مستقل پر قائم ہیں، اس میں نہ کبھی تبدل ہوا، نہ ہوگا، نہ ہونے کی حاجت، جس کے لیے منطوق آیہ کریم۔ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ......﴾ شاہد عدل ہے۔''[1]

سر سید کا آخری پیراگراف ان کے فکری تضاد کو بالکل آشکارا کرتا ہے۔

اگر وہ اپنے اس آخری قول پر عمل کرتے تو پھر بھی اختلاف کی خلیج وسیع نہ ہوتی، لیکن وہ اس پر بھی قائم نہ رہ سکے۔ عملی طور پر انہوں نے ایمانیات تک کی بنیادیں ہلا دیں اور جنت، جہنم، ملائکہ اور دعا جیسے خالص روحانی اور ایمانی تصورات کو بھی بدل دیا۔

حالانکہ ان کے اپنے الفاظ کے مطابق ''وہ امور جو روحانی تعلیم سے متعلق ہیں...... ہر وقت میں ایک حالتِ مستقل پر قائم ہیں، اس میں نہ کبھی تبدل ہوا ہے، نہ ہوگا، نہ ہونے کی حاجت......''[2]

شاید سر سید کی عقل و دانش کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ، اس کی ذات و صفات، انبیا کی بعثت کا صحیح تصور، جنت پر ایمان، جہنم کا خوف، ملائکہ پر یقین اور دعا جیسے تصورات بھی روحانی نہیں ہیں، بلکہ کسی ''سائنسی نظریہ'' یا ''لاء آف نیچر'' کے متعلق ہیں۔ کیونکہ اگر ان کی عقل کے مطابق یہ روحانی امور ہوتے، تو خود ان کے طے کردہ اصول کے مطابق ان کے مفاہیم میں کبھی تبدل نہیں ہونا چاہیے تھا اور نہ ہونے کی حاجت تھی۔

---

[1] تفسیر القرآن، ص ۶۰۔ [2] تفسیر القرآن، ص ۶۰۔

Marfat.com

اگر یہ بنیادی تصورات بھی بدل سکتے ہیں، تو پھر پورے قرآن مجید کی تحریف میں آخر کیا رکاوٹ ہے؟
یہ محض سائنسی نظریات سے انتہا درجہ مرعوبیت اور شکستہ ذہنیت کا شاخسانہ ہے، ورنہ جمہور کے نزدیک صرف روحانی امور سے متعلق آیات ہی نہیں، بلکہ پورا قرآن مجید ہی غیر متبدل ہے۔اس کے باوجود قرآنِ حکیم کی آیاتِ مبارکہ میں ہر دور کے اندر اعجاز کی ایک شان نظر آتی ہے۔ (1)

انحرافی مکتب فکر کے بنیادی اصول

سر سید کے ذکر کردہ پندرہ اصولوں میں اگر غور کیا جائے، تو سر سید کے بنیادی اصول تفسیر دو ہی ہیں:

① قرآن اور فطرت میں لازمی مطابقت، اور خلاف قانون فطرت آیات کی تاویل، کیونکہ قرآن کلامِ خداوندی ہے اور کائنات کامِ خداوندی اور ان دونوں میں تعارض نہیں ہونا چاہیے، نہ ہی ہو سکتا ہے۔
قرآن مجید میں مذکور تمام معجزات وخوارق امور کا انکار سر سید نے اس اصول پر کیا ہے۔

② عقل کی برتری اور اگر کوئی آیت عقل سے ٹکرا رہی ہو تو اس کی ایسی تاویل کہ وہ مطابق عقل ہو جائے۔
خود سر سید صاحب نے بھی نواب محسن الملک کے نام مکتوب میں ان اصولوں کو تفسیرِ قرآن کے سب سے مقدم اصول تسلیم کیا ہے۔ (2)
لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں موضوعات پر اصولی اور بنیادی مباحث پیش کر دی جائیں۔

① سائنس اور تفسیر قرآن

سائنس اور قرآن مجید ایک انتہائی نازک موضوع ہے، اس پر دو قسم کی آراء علما کے درمیان پائی گئی ہیں۔

1- مؤیدین

کچھ علما کرام اس کے حق میں دلائل دیتے ہیں، جن میں سرفہرست امام غزالی رحمہ اللہ کا نام ہے۔
بعض محققین کی رائے کے مطابق پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں اس موضوع (یعنی تفسیر قرآن اور جدید علوم پر مستقلاً علما نے غور وخوض شروع کیا۔ (3)

---

(1) قرآن اور سائنس کے بارے میں چند سطور کے بعد تفصیلی بحث پیش کی جا رہی ہے۔

(2) مقدمہ تفسیر القرآن، ص۶۔

(3) ملاحظہ ہو: التفسیر، معالم حیاته، أمین الخولی، ص۲۰، التفسیر والمفسرون، محمد حسین الذهبی، ۱۴۰۳، لمحات فی علوم القرآن، محمد الصباغ، ص ۲۰۳، اتجاهات التفسیر فی العصر الراهن، عبدالمجید المحتسب، ص۲۴۷، اتجاهات التفسیر فی القرآن الرابع عشر، فهد الرومی، ۵۵۰۲۔

Marfat.com

مؤیدین میں امام غزالی متوفی 505ھ [1] رازی، متوفی 606ھ، [2] زرکشی، متوفی 794ھ، سیوطی، متوفی 911ھ کے نام سرفہرست ہیں۔ [3]

معارضین

امام شاطبی، متوفی 790ھ [4]، امام ابوحیان اندلسی متوفی 745ھ [5]، کا نام مخالفین میں سرفہرست ہے۔ جمہور مفسرین کرام اور امام طبری، قرطبی، ابن کثیر و دیگر کبار مفسرین کی تفاسیر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسے عملی طور پر کم از کم کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

معتدل رائے

اس بارے میں متوازن رائے یہ ہے کہ:

① قرآن مجید کی سائنسی تفسیر اور سائنسی اعجاز میں فرق کرنا ضروری ہے۔

② قرآن مجید کا سائنسی اعجاز (الاعجاز العلمی للقرآن) یہ ہے کہ قرآن مجید نے آفاق والنفس، نجوم وکواکب، ارض وسماء، نباتات وشجاء وغیرہ کے بارے میں کئی حقائق تربیتی وروحانی نقطۂ نظر سے پیش کیے ہیں۔ پوری سائنسی تاریخ میں کوئی ثابت شدہ حقیقت قرآنی بیانات کو غلط ثابت نہیں کر سکی اور نہ ہی کر سکتی ہے۔ بلکہ سائنسی ترقی قرآن مجید کے ثابت شدہ حقائق کے کسی پہلو کو مزید نکھارتی اور مبرہن کرتی ہے۔ قرآن مجید کی اس معجزانہ حیثیت پر تمام قدیم وجدید علما متفق نظر آتے ہیں اور اس بارے میں کوئی مخالف رائے منقول نہیں ہے۔ [6] یہ سائنسی اعجاز ہے۔

③ سائنسی تفسیر یہ ہے کہ کسی ایجاد، دریافت، سائنسی نظریہ یا تجربہ وغیرہ کے بارے میں رائے دینا کہ یہ

---

[1] امام غزالی نے اپنی تصنیف، جواہر القرآن میں اس پر مستقل لکھا ہے کہ تمام علوم قرآن مجید سے منشعب ہوتے ہیں۔ (جواهر القرآن، غزالی، مکتبة الجندی، مصر)۔ اس پر تبصرہ کے لیے ملاحظہ ہو: التفسير والمفسرون، للذهبی، ۲ ۳۳۲، ۳۳۳، اتجاهات التفسير فی القرن الرابع عشر، فهد الرومی، ۲/ ۵۵۶

[2] رازی کی تفسیر کبیر ان کے موقف کے لیے شاہد عدل ہے، کیونکہ انہوں نے اس نظریہ کو اپنی تفسیر میں عملاً اختیار کیا ہے۔

[3] زرکشی اور سیوطی کے تائیدی بیانات کے لیے ملاحظہ ہو: اتجاهات التفسير فی القرن الرابع عشر، فهد الرومی، ۲ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔

[4] ملاحظہ ہو: الاعتصام، للشاطبی، [5] البحر المحيط، ۱ ۴۱۱۔۳

[6] معجزة القرآن، محمد متولی الشعراوی، ۲ ۲۱۷، اتجاهات التفسير فی القرن الرابع عشر، ۲ ۶۰۰۔۶۰۱۔

Marfat.com

نصِ قرآنی کا مدلول ہے۔ ❶

④ سائنسی تفسیر کرتے ہوئے اگر درج ذیل شروط پیش نظر رکھی جائیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

سائنسی تفسیر کی شروط

① سب سے اہم شرط یہ ہے کہ سائنس یا سائنسی تفسیر کو قرآن مجید کا ہدف ومقصد قرار نہ دیا جائے اور یہ ہمیشہ پیش نظر رہے کہ قرآن مجید اصلاً نہ سائنس کی کتاب ہے اور نہ ہی سائنس براہ راست اس کا موضوع ہے۔

② قرآن مجید خالق کائنات کا کلام ہے، اس کی تعلیمات و بیانات اپنی جگہ اٹل اور ناقابل تغیر وتبدل ہیں۔ اس کے برعکس سائنس جو مطالعۂ قدرت سے عبارت ہے، جو نظریہ پیش کرتی ہے اس میں استقلال و جماؤ نہیں ہوتا، تجربات سے نظریے میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ تجربہ کرنے سے سائنس دان اپنا ایک نظریہ پیش کرتا ہے، دوسرا سائنسدان آتا ہے اور اپنے جدید تجربات سے اس نظریہ کی تردید کر دیتا ہے۔ سائنسی نظریات غیر اٹل اور تغیر پذیر ہوتے ہیں، ایسی صورت میں قرآن اور سائنسی نظریے کے درمیان تطابق صحیح نہیں ہوگا اور نہ سائنسی نظریے سے قرآن کے کسی بیان کی تردید کر سکتے ہیں۔

③ قرآن کریم کی حقانیت وصداقت کے لیے کسی بیان وتائید کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو اس ذاتِ باری کا کلام ہے جو تمام سچائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اسے نہ کسی تصدیق کرنے والے کی تصدیق کی ضرورت ہے، اور نہ کسی مؤید کی تائید کی حاجت، اگر کسی سائنسی مشاہدہ اور قرآنی بیان کے درمیان مطابقت پائی جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس سے قرآن کی تائید ہوتی ہے، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس کی طرف قرآن سے اشارہ ملتا ہے، یا قرآنی استنباط سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

④ قرآنی بیان اور سائنسی نظریہ یا مشاہدہ کے درمیان تطابق نہ پایا جائے تو قرآن کے بیان کی غلط یا دور دراز کی تاویل کرنے کی بجائے انسانی علم وعقل اور مشاہدہ کو ناقص سمجھا جائے گا اور یقین کر لیا جائے گا کہ ابھی قرآنی حقیقت تک پہنچنے کے لیے مزید علم وتحقیق کی ضرورت ہے اور موجودہ علم اسے سمجھنے میں ناکام ہوا ہے۔ ❷

⑤ کسی بھی جدید سائنسی نظریہ یا جدید سائنسی مشاہدہ کو قرآن مجید کا عین مدلول نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ اس سے خود صاحبِ قرآن، صحابہ کرام اور اسلافِ امت کے فہم قرآن پر حرف آتا ہے اور یہ تمام عرب امیین کے فہم کے بھی منافی ہے۔ نیز قرآن مجید کے بنیادی مقصد نزول کے بھی خلاف ہے۔

---

❶ مناهج البحث فی العقیده الاسلامیه فی العصر الحاضر، عبدالرحمان، ص۱۵۸۔۱۵۹۔

❷ یہ تمام شرائط مولانا عزیز اللہ اعظمی کی بیان کردہ ہیں۔ ملاحظہ ہو: ''سائنس اور مطالعہ قرآن''، عزیز اللہ اعظمی، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، دسمبر، ۱۹۸۵ء ص ۳۱۔۳۲۔

Marfat.com

مولانا مالک کاندھلوی لکھتے ہیں:

''قرآن نہ ہوائی جہاز اور راکٹوں کی صنعت سکھانے کے لیے نازل ہوا ہے، اور نہ اس کی تعلیم مقصدِ رسالت ہے، بلکہ مقصدِ وحی اور غرض رسالت تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفوس ہے۔''❶

سائنسی نظریہ کو مدلول قرآن ثابت کرنے کی تردید کرتے ہوئے مولانا مالک کاندھلوی مزید لکھتے ہیں:

''اگر اور کوئی نقصان سمجھ میں نہیں آتا تو سب سے بڑھ کر یہ نقصان تو سرسری نظر سے ہی معلوم ہو جائے گا اور یہ قباحت لازم آئے گی کہ اس معیار پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کی زندگیاں ہی قرآنی مضامین سے بالکل بے تعلق نظر آئیں گی، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تو کسی مجلس میں ان صنعتی ترقیات کو نہ بیان فرمایا اور نہ ہی صحابہ نے ان کو کبھی بیان کیا۔ نہ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ سے یہ مضامین نقل کیے گئے۔''

تو سوچیے کہ اگر ان مضامین کا نام ''علوم القرآن'' قرار دیا جائے، تو کیا یہ لازم نہ آئے گا کہ علوم القرآن سب سے زیادہ واقف یہی حضرات تھے؟''❷

مزید لکھتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ خداوند عالم نے بلاوجہ قرآن محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا، اور صحابہ کو اس کا اولین مخاطب بنایا۔ اچھا ہوتا لندن کی کسی یونیورسٹی کے فلاسفر پر اترتا۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) بظاہر ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان یہ سوچنے کی بھی جرأت کر سکے۔''

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

''جدید تحقیقات اور سائنسی ترقیات کو مقصد کائنات کا دل فریب عنوان دے کر، مضامین قرآن میں داخل کرنے والوں کے طرز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کا موضوع ہی معلوم نہیں۔ قرآن نہ تو فلسفہ ہے اور نہ سائنس کی کوئی کتاب ہے، نہ تاریخ وجغرافیہ ہے، وہ تو طبِ روحانی کی آخری اور بے مثال کتاب ہے، جس میں روحانی امراض کے معالجات کو بیان کیا گیا ہے۔''❸

⑥ اگر قرآن مجید نے کسی حقیقت کو بیان کیا ہو اور سلف سے ایک تفسیر ثابت شدہ ہو اور جدید سائنس سے اسی تفسیر کے مطابق اس کی مزید تفصیلات یا دقائق وحقائق معلوم ہو جائیں۔ تو ایسی جدید معلومات کو تفسیرِ قرآن میں پیش کرنا، نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔❹

---

❶ التحریر فی أصول التفسیر، ص۹۷۔ ❷ التحریر فی اصول تفسیر، ص۹۸۔

❸ التحریر فی أصول التفسیر، ص۹۹۔

❹ مناھج البحث فی العقیدۃ الاسلامیہ فی العصر الحاضر، د۔ عبدالرحمان، ص۱۸۵۔ ۱۵۹ ۔ اتجاهات التفسیر، فهد الرومی، ۵۹۷۲۔

Marfat.com

اس صورت میں بھی اسے قرآنی آیت کا مدلول نہیں کہا جائے گا، مدلول تو وہی ہے جو آثار واقوال اور لغت سے ثابت شدہ ہے اور پہلے سے معلوم ہے، جدید سائنسی معلومات اس مدلول میں توسیع سمجھی جائیں گی۔ ❶

علی سبیل المثال

① فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ﴾ ❷

اس آیت کے مفہوم میں جدید دقیق حقائق کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے جدید سائنسی معلومات بیان کرنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ مطلوب ومحمود ہے۔ ❸

② فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ...... ﴾ ❹

اس آیت کی تشریح میں "اذی" کی مزید تفصیل کرتے ہوئے جدید میڈیکل سائنس کی روشنی میں دورانِ حیض مباشرت کے نقصانات وغیرہ بیان کرنا بالکل جائز، بلکہ مطلوب ہے۔ ❺

سرسید کی سائنسی تفسیرات پر مولانا تقی عثمانی کا جامع تبصرہ

سائنس اور تفسیر قرآن کے حوالے سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں مولانا تقی عثمانی کا جامع، پرمغز اور دردمندانہ تبصرہ انہی کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے۔ مولانا تقی عثمانی تفسیر قرآن میں گمراہی کے اسباب میں تیسرا سبب زمانے کے افکار سے مرعوبیت کو قرار دیتے ہیں۔ اس حوالہ سے جو کچھ انہوں نے اپنے زوردار قلم سے لکھا ہے، سرسید کے مکتب تفسیر پر اور ان کے اصول ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کی عملی تطبیق پر ایک بہترین تبصرہ ہے۔

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں تیسری گمراہی یہ ہے کہ انسان اپنے وقت کے فلسفیانہ اور عقلی نظریات سے ذہنی طور پر مرعوب ہو کر قرآن کریم کی طرف رجوع کرے، اور تفسیر قرآن کے معاملے میں ان نظریات کو حق و باطل کا معیار قرار دے، یہ گمراہی دراصل دوسری گمراہی کے ذیل میں خود بخود آ جاتی ہے، لیکن چونکہ ہمارے زمانے میں مغربی افکار سے مرعوبیت نے خاص طور سے بڑی قیامت ڈھائی ہے، اس لیے یہاں اس گمراہی کو مستقل طور

---

❶ اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر، فهد الرومي، ٢/٦٠٤۔

❷ سورة الفرقان، ٢٥: ٢۔ ❸ اتجاهات التفسير، فهد الرومي، ٥٩٧/٢۔

❹ سورة البقرة، ٢: ٢٢٢۔ ❺ اتجاهات التفسير، فهد الرومي، ٦١٨/٢۔

Marfat.com

سے ذکر کیا جا رہا ہے۔

تاریخِ اسلام کے ہر دور میں ایسے افراد کی ایک جماعت موجود رہی ہے، جو قرآن وسنت کے علوم میں پختگی پیدا کیے بغیر اپنے زمانے کے فلسفے کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ فلسفہ ان کے ذہنوں پر اس بری طرح مسلط ہو گیا کہ وہ اس کے بتائے ہوئے فکر ونظر کے دائروں سے باہر نکلنے کی صلاحیت سے ہی محروم ہو گئے، اس کے بعد جب انہوں نے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا اور اس کی بہت سی باتیں انہیں اپنے آئیڈیل فلسفے کے خلاف محسوس ہوئیں، تو انہوں نے اس فلسفے کو جھٹلانے کے بجائے قرآن کریم میں تحریف وترمیم شروع کر دی، اور اس کے الفاظ کو کھینچ تان کر اپنے فلسفیانہ افکار کے مطابق بنانا شروع کر دیا۔

جب مسلمانوں میں یونانی فلسفے کا چرچا ہوا، اور لوگوں نے قرآن وسنت کے علوم میں پختگی پیدا کیے بغیر اس فلسفے کو حاصل کرنا شروع کیا، تو یہی فتنہ پیش آیا، اور بعض لوگ جو یونانی فلسفے سے بری طرح مرعوب ہو گئے تھے، قرآن کریم کو توڑ موڑ کر اس فلسفے کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔ ان میں بہت سے لوگ مخلص بھی تھے اور سچے دل سے یہ سمجھتے تھے کہ یونانی فلسفہ نا قابل تردید ہے اور قرآن وسنت کی متوارث تفسیر اس کے لائے ہوئے فکری سیلاب کا مقابلہ نہیں کر سکے گی، اس لیے اس تفسیر کو بدل کر قرآن وسنت کی ایسی تشریح کرنی چاہیے جو یونانی فلسفے کے مطابق ہو، لیکن درحقیقت یہ ان کی قرآن وسنت اور اسلام کے ساتھ ایک نادان دوستی تھی، جس نے اسلام کی کوئی خدمت کرنے کے بجائے مسلمانوں میں نظریاتی انتشار برپا کیا اور معتزلہ اور جہمیہ جیسے بہت سے نئے فرقے پیدا کر دیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پختہ کار علمائے دین جنہیں قرآن وسنت کے علوم میں رسوخ تھا اور جو قرآن وسنت کے مقابلے میں وقت کے کسی چلتے ہوئے نظامِ فکر سے مرعوب نہیں تھے، ان کی ایک بڑی جماعت کو دوسرے کام چھوڑ کر ایسے لوگوں کی تردید میں مصروف ہو جانا پڑا اور انہوں نے یونانی فلسفے کی فکری غلطیوں کی نشان دہی کر کے ایسے لوگوں کی مدلل اور مفصل تردید کی جو اس فلسفے کے اثر سے قرآن وسنت میں معنوی تحریف کے مرتکب ہوئے تھے، غرض ایک عرصے تک فکری مباحث اور تصنیف ومناظرہ کا بازار گرم رہا، اور فریقین کی طرف سے اپنے اپنے موقف کی تائید میں پورے کتب خانے تیار ہو گئے۔

پختہ کار علما دین کا موقف یہ تھا کہ قرآن کریم کسی انسان کی نہیں اس خالقِ کائنات کی کتاب ہے، جو اس دنیا اور اس میں ہونے والے واقعات کی رتی رتی سے باخبر ہے، اور اس دنیا کے بدلتے ہوئے حالات سے اس سے زیادہ کوئی باخبر نہیں ہو سکتا، لہٰذا قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کے بیان کردہ حقائق سدا بہار، اور نا قابلِ ترمیم ہیں، جن احکام وقوانین اور نظریات پر زمانے کی تبدیلی اثر انداز ہو سکتی تھی ان کے بارے میں قرآن کریم نے خود کوئی معین بات کہنے کے بجائے ایسے جامع اصول بیان فرما دیے ہیں، جو ہر تبدیلی کے موقع پر کام آسکیں، اور ان کی روشنی میں ہر بدلے ہوئے ماحول میں رہنمائی حاصل کی جا سکے، لیکن جو باتیں قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان فرما دی ہیں، یا جن کی واضح تفسیر رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے، وہ زمانے کی تبدیلی سے بدلنے والی

Marfat.com

باتیں نہیں ہیں۔

فلسفہ اور سائنس کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اس کے وہ بیشتر نظریات جو قطعی مشاہدہ پر مبنی نہیں ہیں، مختلف زمانوں میں بدلتے رہے ہیں، اور جس زمانے میں جو نظریہ رائج رہا وہ لوگوں کے ذہن وفکر پر اس بری طرح چھا گیا کہ لوگ اس کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے، لیکن جب زمانے کے کسی انقلاب نے اس نظریے کی کایا پلٹی تو وہی نظریہ اتنا بدنام ہوا کہ اس کو منہ سے نکالنا بھی دقیانوسیت کی علامت بن گیا، اب اس کی جگہ کسی نئے نظریے نے ذہنوں پر اپنا سکہ بٹھایا، اور اس کی گھن گرج نے ہر مخالف رائے کا گلا گھونٹ دیا، پھر ایک عرصہ گزرنے پر یہ نیا نظریہ بھی اپنی آن بان کھو بیٹھا اور کسی تیسرے نظریے نے اس کی جگہ لے لی، فکرِ انسان کی تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے اور جب تک حقیقت کی پیاس انسان کو قطعی مشاہدے تک نہیں پہنچا دیتی اس وقت تک یہی ہوتا رہے گا، اس کے برخلاف قرآن کریم نے جن حقائق کی طرف واضح رہنمائی فرمائی ہے، وہ چونکہ ایک ایسی ذات کے بیان کیے ہوئے ہیں جس کے سامنے یہ پوری کائنات اور اس میں ہونے والے حوادث ہاتھ کی ہتھیلی سے زیادہ واضح اور بے غبار ہیں، اس لئے فکر اور فلسفے کی اس آنکھ مچولی کو اس کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا، آپ زمانے کے جس نظریہ سے مرعوب ہو کر قرآن کریم کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے، ہوسکتا ہے کہ وہی نظریہ عہدِ جہالت کی یادگار ثابت ہو اور آپ اسے زبان پر لاتے ہوئے بھی شرمانے لگیں۔

راسخ العقیدہ اہل علم کا یہ طرزِ فکر تجربے سے بالکل سچا ثابت ہوا، آج فلسفہ اور سائنس کی ترقیات نے یونانی فلسفے کی دھجیاں بکھیر دی ہیں، اور اس کے نہ صرف بہت سے طبعی، عنصری اور فلکیاتی نظریات غلط قرار پا گئے، بلکہ ان کی بنیاد پر مابعد الطبیعی (Metaphysical) نظریات کی جو عمارت اٹھائی گئی تھی، وہ بھی زمین بوس ہو چکی ہے، جن لوگوں نے یونانی فلسفے کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر قرآن وسنت کو موم کی ناک بنایا تھا، آج اگر وہ زندہ ہوتے تو یقیناً ان کی ندامت وشرمندگی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔

لیکن حیرت ہے کہ سطح پرستوں کا ایک گروہ تاریخ سے کوئی سبق لینے کے بجائے مغربی افکار سے متاثر و مرعوب ہو کر قرآن وسنت کی ایسی تفسیر گھڑنے کی فکر میں ہے، جو مغرب کے چلے ہوئے نظریات پر فٹ ہو سکے۔ یہ گروہ تفسیر کے تمام معقول اور معروف اصولوں کو توڑ کر صرف ایک اصول کی بنیاد پر قرآن کریم کے ساتھ مشقِ ستم میں مصروف ہے، اور وہ اصول یہ ہے کہ اللہ کے اس کلام کو کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر مغربی افکار کے مطابق بنا دیا جائے۔ یہ لوگ کبھی یہ سوچنے کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ جس کلام پر وہ تاویل وتحریف کی مشق کر رہے ہیں وہ کس کا کلام ہے؟ جن نظریات کی خاطر وہ خدا کے کلام میں کھینچ تان کر رہے ہیں، وہ کتنے پائیدار ہیں؟ اور جب فکرِ انسانی کا قافلہ ان نظریات کو روند کر آگے بڑھے گا، تو اس قسم کی تفسیروں اور تشریحات کا کیا حشر ہوگا؟ [1]

---

[1] علوم القرآن، تقی عثمانی، ص ۳۷۲-۳۷۶۔

Marfat.com

عقل اور اس کا دائرہ کار

انسان پر اللہ تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی نعمتیں کی ہیں، ان بے شمار نعمتوں میں سے ایک بڑی اور اہم نعمت عقل ہے۔ یعنی سوچنے سمجھنے غور و فکر کرنے کی قوت، یہی عقل ہے جس سے انسان دوسرے حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

عقل کی دو قسمیں ہیں:

① ایک فطری عقل جو ہر انسان کو پیدائشی طور پر ملتی ہے اور اگر انسان اس سے پیدائشی طور پر محروم ہو یا بعد میں کسی وجہ سے محروم ہو جائے، تو انسان مجنون کہلاتا ہے اور اگر اس میں کمی ہو تو احمق و بے وقوف کہلاتا ہے۔

② عقل کی دوسری قسم وہ ہے، جو انسان بعد میں علم و تجربہ سے سیکھتا ہے اور جیسے جیسے اس کا علم و تجربہ بڑھتا جاتا ہے، یہ عقل بھی بڑھتی جاتی ہے۔ [1] پہلی قسم کو عقلِ طبعی اور دوسری کو کسبی کہا جا سکتا ہے۔

الدکتور فہد الرومی کے مطابق پہلی قسم کی عقل کو عقلِ غریزی (عقل طبعی) اور دوسری قسم کو عقلِ مکتسب کہتے ہیں۔ عقلِ مکتسب سے مراد علم و فہم ہے، بلکہ یہ عمل اور عقلِ غریزی کے نتیجہ کا نام ہے۔ یہ اسی سے جنم لیتی ہے اور اسی کا ثمرہ ہے۔ عقلِ غریزی کا کوئی فائدہ نہیں، اگر وہ متحرک اور نتیجہ پیدا کرنے والی نہ ہو۔ اسی قسم کی عقل سے قرآن مخاطب ہوتا ہے۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فقدانِ عقل کی وجہ سے کفار کی مذمت فرمائی ہے، وہاں دوسرے معنی مراد ہیں، جیسے فرمایا:

﴿ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝﴾ (البقرة، 171:2)

''جو کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتے۔''

''علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں کفار سے عقل کی نفی کی گئی ہے اور جس مقام پر عقل نہ ہونے پر انسان کو غیر مکلف قرار دیا گیا ہے وہاں عقل کے معنی اول کی طرف اشارہ ہے۔'' [2]

جو شخص عقل و فکر سے کلامِ الٰہی کو سمجھنے اور سبیل الخیر کو پہچاننے کا فائدہ حاصل نہ کرے، اسے چوپائیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

---

[1] مفردات القرآن، ۶۳۳۲۔ [2] اتجاهات التفسير، ۷۰۷۲

Marfat.com

بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○﴾ (الاعراف، 179:7)

''تحقیق ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں ہیں، اوران کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں اوران کے کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔''

عقل کا صحیح دائرہ کار

عقل وحی الٰہی کے بغیر خیر کے راستے کا تعین نہیں کرسکتی۔ عقل کا کام وحی الٰہی کی جگہ پر براجمان ہونا نہیں ہے اور نہ ہی اس سے آگے بڑھنا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○﴾ (الحجرات، 1:49)

''اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

غیبی امور (جیسے فرشتے، آخرت) دینی معاملات (جیسے حلال وحرام)، مسائلِ عقیدہ (جیسے توحید، اسماء و صفات) عبادت کے طور طریقے اور شرعی قوانین وضع کرنا عقلِ انسانی کا کام نہیں ہے۔

اگر محض عقل سے ہی سب کچھ معلوم ہو جاتا تو پھر مخلوق کے لیے وحی کے نزول اور انبیا و رسل علیہم السلام کے مبعوث کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ الصراط، المیزان، عذاب قبر میں فرشتوں کے سوالات، اعمال ناموں کا اڑایا جانا اور اس شخص کا بھی اپنا عمل نامہ پڑھ لینا، جس نے کبھی کچھ پڑھا نہیں تھا، اعضاء انسانی کے بارے میں شہادت، رؤیت اور اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا وغیرہ جیسے مسائل پر امام شاطبی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

((فالحاصل من هذه القضية انه لا ينبغي للعقل ان يتقدم بين يدى الشرع فانه من التقدم بين يدى الله ورسوله بل يكون ملبيا من ورآء))[1]

''اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل کا شریعت سے آگے بڑھنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا ہے، بلکہ عقل کو شرع کے پیچھے لبیک کہنا چاہیے۔''

یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا، انہوں نے اسی کو اپنایا ہے اور اسی کو انہوں نے جنت میں پہنچنے کا راستہ قرار دیا...... شریعت کا جو بھی حکم انہیں ملا ان میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اس کا اقرار کیا

[1] الاعتصام، للشاطبی، ٤٧٢/٢۔

Marfat.com

اورانہوں نے کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ انہوں نے اس کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ کسی اشکال کی وجہ سے انہوں نے اس (حکم شرع) سے اعراض ہی کیا۔ ❶

وجدان، حواس، عقل اور وحی ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی رائے

وحی کی روشنی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وہ تمام باتیں جو انسان کے عقل وادراک کی سرحد سے ماوراء ہیں۔ اللہ کی صفات، مرنے کے بعد زندگی، عالم معاد کے احوال وادراکات، جزائے عمل کا قانون، عالم غیب کے حقائق، یعنی وہ ساری باتیں جن کے اعتقاد وعمل کی درستگی سے روحانی سعادت کی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہو کر قدم اٹھاتا ہے، اختلاف کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے، لیکن جونہی اس روشنی کی نمود میں آجاتا ہے، حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور ہر طرح کے اختلاف وشکوک معدوم ہو جاتے ہیں۔'' ❷

عقل کا دائرہ کار بیان کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''جس طرح وجدان کے بعد حواس کی ہدایت نمودار ہوئی کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی اور جس طرح حواس کے بعد عقل کی ہدایت کا کوئی مزید مرتبہ ہونا چاہیے کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اس کے دائرہ عمل کے بعد بھی ایک باقی رہ جاتا ہے۔ عقل کی کارفرمائی جیسی کچھ اور جتنی بھی ہے، محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے یعنی وہ صرف اسی حد تک کام دے سکتی ہے جس حد تک ہمارے حواس خمسہ معلومات بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن محسوسات کی سرحد سے آگے کیا ہے؟ اس پردے کے پیچھے کیا ہے جس سے آگے ہماری چشم حواس نہیں بڑھ سکتی؟ یہاں پہنچ کر عقل یک قلم درماندہ ہو جاتی ہے۔ اس کی ہدایت ہمیں کوئی روشنی نہیں دے سکتی۔'' ❸

مولانا تقی عثمانی کی تحقیق

عقل کا دائرہ کار کیا ہے؟ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس سوال کے جواب پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے علم کے تین بڑے ذرائع بیان کیے ہیں: ایک ذریعہ حواس خمسہ ہیں، جہاں ان پانچ حواس (آنکھ، کان، ناک، زبان اور ہاتھ) ☆ کی پرواز ختم ہو جاتی ہے، وہاں عقل رہنمائی کرتی ہے۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

---

❶ الاعتصام ۴۷۲۲۔ ❷ ترجمان القرآن ۳۲۴۲۔

❸ ایمان اور عقل، مولانا عبدالکلام آزاد، ص ۱۰۸۔ محمد رفیع چوہدری (مرتب)

☆ ان کو قوت سامعہ قوت باصرہ، قوت لامسہ، قوت ذائقہ اور قوت شامہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

''جہاں پر حواسِ خمسہ کام کرنا چھوڑ دیتے وہاں پر ''عقل'' کام آتی ہے، مثلاً میرے سامنے یہ میز رکھی ہے، میں آنکھ سے دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ ہاتھ سے چھو کر معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ سخت لکڑی کی ہے، اور اس پر فرمیکا لگا ہوا ہے۔ لیکن اس بات کا علم کہ یہ میز وجود میں کیسے آئی؟ یہ بات میں نہ تو آنکھ سے دیکھ کر بتا سکتا ہوں، نہ کان سے سن کر، نہ ہاتھ سے چھو کر بتا سکتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے بننے کا عمل میرے سامنے نہیں ہوا۔ اس موقع پر میری عقل میری رہنمائی کرتی ہے کہ یہ چیز جو اتنی صاف ستھری بنی ہوئی ہے، خود بخود وجود میں نہیں آسکتی۔ اس کو کسی بنانے والے نے بنایا ہے اور وہ بنانے والا اچھا تجربہ کار ماہر بڑھئی (Carpenter) ہے، جس نے اس کو خوبصورت شکل میں بنایا ہے۔ لہٰذا یہ بات کہ اس کو کسی کارپینٹر نے بنایا ہے مجھے میری عقل نے بتائی۔ تو جس جگہ پر میرے حواس خمسہ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا، وہاں میری عقل آئی اور اس نے میری رہنمائی کر کے ایک دوسرا علم عطا کیا۔ لیکن جس طرح ان پانچوں حواس کا دائرہ کار لامحدود (Unlimited) نہیں تھا، بلکہ ایک حد پر جا کر ان کا دائرہ کار ختم ہو گیا تھا۔ اسی طرح عقل کا دائرہ کار (Jurisdiction) بھی لامحدود (Unlimited) نہیں ہے، عقل بھی ایک حد تک انسان کو کام دیتی ہے۔''❶

عقل اور اتباعِ ہویٰ میں فرق

''جو احکام قرآن وسنت میں منصوص ہیں، ان کے بارے میں زمانے کے کسی مروجہ نظریہ یا اہل زمانہ کے عام چلن سے مرعوب و متاثر ہو کر عقلی گھوڑے دوڑانا اور قرآن وسنت کو توڑ موڑ کر ان میں دور از کار تاویلات تلاش کرنا یا زمانے کی تبدیلی کا عذر پیش کرنا کسی طرح درست نہیں، کیونکہ قرآن وسنت میں جو احکام منصوص ہیں وہ ویسے ہی ہیں، جن پر زمانے کی تبدیلی سے کوئی حقیقی اثر نہیں پڑتا، خواہ زمانے کو شور و شغب اور خواہشات کی رو نے انہیں کتنا ہی اجنبی اور اچنبھا بنا دیا ہو، لہٰذا ایسے مواقع پر ''عقلی تاویلات'' کو احکامِ شرعیہ میں دخل دینا، درحقیقت عقلِ سلیم کا نہیں بلکہ اس ''عقل'' کا اتباع ہے جو خواہشاتِ نفس کی غلام ہوتی ہے۔''❷

عقلِ غیر سلیم وہ ہے، جو وحی کی برتری تسلیم کیے بغیر یا وحی سے رجوع کیے بغیر کوتاہ بین نفسِ حیوانی کے تقاضوں سے مغلوب ہو جسے ''ھوی'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔❸

کیا کوئی شرعی حکم عقل کے منافی ہو سکتا ہے؟

مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

❶ ایضاً، ۱۵۔۲۶ ❷ علوم القرآن، ص: ۴۴۷۔

❸ اسلام میں عقل کا کردار، ڈاکٹر سید محمد یوسف، بیداری (ماہنامہ) ص: ۶۸، جلد ۴، شمارہ نمبر ۵۲، جولائی، ۲۰۰۷ء

Marfat.com

''رسولوں نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی جس کو عقلیں محال جانیں اور وہ اس کے محال ہونے پر قطعی حکم دے سکیں، بلکہ رسولوں کی خبر دینا دو قسم کی ہوتی ہے: ایک تو وہ جس پر عقل اور فطرت گواہی دے، دوسرے وہ جن کو محض عقلیں دریافت نہ کرسکیں۔ مثلاً غیب کی باتیں جو رسولوں نے عالم برزخ اور قیامت اور عذاب کے متعلق مفصل بیان فرمائی ہیں، باقی ہر حال میں رسولوں کی خبریں از روئے عقولِ سلیمہ محال نہیں ہوتی ہیں، اور اگر وہ ظاہراً عقلاً محال ہو اور سند صحیح سے نسبت بھی ثابت ہو تو اس موقع پر دوسرے قواعدِ شرعیہ کے موافق تاویل واجب ہوگی، پس قبر کے واقعات دوسری قسم کی خبر ہے، جو عقلاً تو محال نہیں مگر وہاں تک عقل کی خود رسائی نہیں، بلکہ وہ وحی کی محتاج ہے۔ باقی جو شخص اس کو محال سمجھتا ہے، وہ محض اس شخص کا ایک خیال اور وہم ہے۔ جس کو صاحبِ خیال اپنے فہم میں معقول صریح جانتا ہے۔'' ❶

اسی کتاب (احکام اسلام عقل کی نظر میں) کی تقدیم میں مولانا محمد رضی عثمانی لکھتے ہیں:

ایک بہت اہم اور مفید تصنیف المصالح العقلیه للاحکام النقلیه ہے۔ جس میں تمام شرعی احکام کی عقلی حکمتیں و مصلحتیں اور احکام الٰہیہ کے اسرار و رموز اور فلاسفی ظاہر کی گئی ہے اور عام فہم انداز میں ثابت کیا ہے کہ تمام احکام شریعت عین عقل کے مطابق ہیں۔ ❷

اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے: ((ان نصوص الکتاب والسنة الصحیحة الصریحة لا یعارضها شئی من المعقولات الصریحة)) ❸ قرآن کریم اور صحیح و صریح سنت کے صریح معقولات میں سے کوئی چیز بھی معارض نہیں ہے۔''

شریعت کے بہت سے مسائل و اعتقادات پر عقل ورطۂ حیرت میں پڑ جاتی ہے مگر انہیں محال نہیں جانتی۔ عقلِ صحیح اور نقلِ صحیح میں تعارض و تضاد نہیں ہوسکتا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ النصوص الثابتة لم یعارضها قط معقولِ صریح کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

((النصوص الثابتة فی الکتاب والسنة لا یعارضها معقول (بین) قط ولا یعارضها الا ما فیه اشتباه واضطراب)) ❹

''وہ نصوص جو کتاب و سنت سے ثابت ہوں، ان کے خلاف کوئی عقلی چیز (جو صریح ہو) نہیں ہوسکتی، مگر ہاں جب وہ خود مشتبہ اور مضطرب (گڈمڈ) ہوں۔''

مولانا ظفر اقبال خان ☆ اس قاعدے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

❶ احکام اسلام عقل کی نظر میں، تھانوی، ص ۱۳۔ ❷ ایضاً ص ۳۔

❸ منهج الاستدلال علی مسائل الاعتقاد عند اهل السنة والجماعة، عثمان بن علی حسن، ۱۱ ۳۵۔

❹ موافقة صحیح المنقول بصریح المعقول امام ابن تیمیه، ۱۲۶۱۔

☆ ایڈیٹر سہ ماہی اسلامائزیشن جھنگ

Marfat.com

''موصوف نے یہ بات اس دور میں فرمائی تھی، جب منطق وفلسفہ کا غلبہ تھا اور ''معقول'' یا ''عقل'' سے مراد یہی منطق وفلسفہ ہے، مگر آج چونکہ علم وسائنس کا دور ہے لہٰذا اب اس زریں اصول میں وسعت دے کر اس کا دائرہ تحقیقاتِ جدیدہ تک بھی لے جایا جا سکتا ہے اور اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ ''کتاب وسنت کے نصوص کے خلاف کوئی علمی حقیقت، جو واقعی حقیقت ہو، ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی، الا یہ کہ وہ خود ہی مشتبہ اور غیر واقعی ہو۔'' ❶

عقل اور تفسیر مأثور میں تعارض کی اصل حقیقت

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کی جو تفسیر قطعی طور پر آنحضرت ﷺ یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع واتفاق سے ثابت ہو، وہ آج تک کبھی عقل یا قطعی مشاہدے کے خلاف ثابت نہیں ہوئی، چودہ سو سال کے عرصے میں علمی تحقیقات وانکشافات میں سینکڑوں انقلاب آئے، لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قرآن کریم کی کوئی قطعی الثبوت تفسیر مشاہدے کے خلاف پڑی ہو، اور چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور آنحضرت ﷺ کو اس کی قولی اور عملی تفسیر ہی کے لیے مبعوث کیا گیا تھا، لہٰذا آپ ﷺ کی بیان کردہ ہر تفسیر بھی اللہ تعالیٰ کی ہی ہدایت کے مطابق ہے، اور آپ ﷺ کی کوئی تفسیر آئندہ بھی عقل یا مشاہدے کے خلاف نہیں ہو سکتی، البتہ اس معاملے میں غلطی دو طرح لگتی ہے، پہلی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

''جو لوگ زمانے کے مروجہ نظریات سے بہت جلد مرعوب ہو جانے کے عادی ہیں، وہ کسی چیز کے ''خلافِ عقل'' ہونے کا فیصلہ بہت جلد کر ڈالتے ہیں، یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ ہر حیرت انگیز چیز خلافِ عقل نہیں ہوتی، اور نہ ہر اس چیز کو ناممکن کہا جا سکتا ہے جس کے اسباب سمجھ میں نہ آئے ہوں، ایسی چیز کو مستبعد (Improbable)، غیر معمولی (Extraordinary) یا حیرت انگیز (Astonishing) تو کہہ سکتے ہیں، لیکن اس کو ناممکن (Impossible) کہنا خود خلافِ عقل ہے۔ جو شخص متعلقہ فن سے واقف نہ ہو، اس کے لیے یہ بات قطعی ناقابل فہم ہے کہ وائرلیس سیٹ میں ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے انسان کی آواز کس طرح سنائی دے رہی ہے؟ اور اگر کسی دیہاتی کے سامنے یہ بات کہی جائے تو عجب نہیں کہ وہ اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار ہی کر دے، ☆ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وائرلیس سیٹ میں دور دراز کے کسی آدمی کی آواز سنائی دینا ''خلافِ عقل'' یا

---

❶ فلسفہ اسلام اور پرویزیت کی فکری جدیدیت، ظفر اقبال خان، ص،۱۵۹۔

☆ پندرہ بیس سال پہلے تک یہی کیفیت تھی، مگر موبائل فون کے عام ہونے سے ایسی چیزیں اکثر دیہاتوں کے ہاں بھی مستبعد رہی ہیں۔

Marfat.com

"ناممکن" ہے، بعض حضرات قرآن کریم کی تفسیر کے معاملے میں اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے، بلکہ ہر اس چیز کو "خلافِ عقل" یا "ناممکن" قرار دیتے ہیں جو محض حیرت انگیز یا زیادہ سے زیادہ خلافِ عادت اور مستبعد (Improbable) معلوم ہوتی ہے۔"❶

تفسیر کو عقل کے خلاف سمجھنے کا دوسرا سبب بیان کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

"دوسری غلطی بعض اوقات یہ ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی تفسیر قطعی اور یقینی نہیں ہوتی، نہ قرآن کریم کے سیاق وسباق سے، نہ آنحضرت ﷺ کی کسی قطعی تفسیر سے اور نہ امت مسلمہ کے اجماع سے، اس کے باوجود وہ تفسیر عام لوگوں میں اتنی مشہور ہو جاتی ہے کہ لوگ اسے یقینی اور قطعی تفسیر سمجھنے لگتے ہیں، اور جب وہ عقل کی کسی قطعی دلیل یا مشاہدے کی بنا پر غلط ثابت ہوتی ہے، تو بعض ناواقف لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں، اور بعض قرآن کریم یا اس کی یقینی اور قطعی تفسیروں کے بارے میں یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ اسی طرح خلافِ عقل ہو سکتی ہیں، لہٰذا ایسے موقع پر یہ دیکھنا چاہیے کہ قرآن کریم کی جو تفسیر عقل کی کسی دلیل قطعی یا مشاہدے کے خلاف معلوم ہو رہی ہو وہ کس درجہ کی ہے؟ محض عام شہرت کی بنا پر اسے یقینی تفسیر سمجھ لینا غلط ہے۔"❷

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

((وقد تاملت ذلك فى عامة ما تنازع الناس فيه، فوجدت ما خالف النصوص الصحيحة الصريحة شبهات فاسدة يعلم بالعقل بطلانها، بل يعلم بالعقل ثبوت نقيضها الموافق للشرع۔ وهذا تأملته فى مسائل الاصول الكبار كمسائل التوحيد والصفات، ومسائل القدر والنبوات والمعاد وغير ذلك، ووجدت ما يعلم بصريح العقل لم يخالفه سمع قط، بل السمع الذى يقال انه يخالفه: اما حديث موضوع، او دلالة ضعيفة، فلا يصلح ان يكون دليلا لو تجرد عن معارضة العقل الصريح، فكيف اذا خالفه صريح المعقول؟))❸

"میں نے لوگوں کے مختلف فیہ مسائل پر بہت غور کیا تو میں نے محسوس کیا کہ جو چیزیں صریح وصحیح نصوص کے خلاف تھیں، وہ فاسد شبہات تھے اور عقل کے ذریعے ان کا بطلان معلوم ومتعین تھا، بلکہ عقل کے ذریعہ ان کا نقیض جو شرع کے مطابق تھا، متعین ہوا۔ میں نے بڑے بڑے مسائل جیسے توحید وصفات خداوندی، تقدیر، نبوت اور معاد وغیرہ کے مسائل پر تدبر کیا اور میں نے دیکھا کہ عقل صریح سے جو باتیں

❶ علوم القرآن، ص:۳۸۴۔۳۸۵۔ ❷ ایضاً ص:۳۸۶۔
❸ درء تعارض العقل والنقل ۱۴۷۱۔

Marfat.com

معلوم ہوئیں، ان کی مخالفت سمع نے کبھی نہیں کی بلکہ جس سماعی چیز کو اس کی مخالفت میں پیش کیا گیا، وہ یا تو ضعیف حدیث تھی یا کمزور دلالت تھی، اس لیے وہ چیز دلیل نہیں کہلا سکتی اگرچہ عقلِ صریح کی مخالفت سے الگ تھلگ ہو، اور اگر وہ عقل صریح کی مخالفت کی زد میں بھی ہو تو اسے دلیل سمجھنا مزید غلط ہوگا۔''

عقل اور ماورائے عقل

خلافِ عقل اور ماورائے عقل کی بحث میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''دو صورتیں ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں، ایک یہ کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو، ایک یہ کہ تمہاری عقل سے بالاتر ہو۔ بہت سی ایسی باتیں ہو سکتی ہیں جن کا تمہاری سمجھ احاطہ نہیں کر سکتی، لیکن تم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ سرے سے خلافِ عقل ہیں۔ اول تو تمام افراد کی عقلی قوت یکساں نہیں۔ ایک آدمی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا، دوسرا باریک سے باریک نکتے حل کر لیتا ہے۔ ثانیاً عقلِ انسانی برابر نشوونما کی حالت میں ہے اور ایک عہد کی عقل جن باتوں کا ادراک نہیں کر سکتی، دوسرے عہد کے لیے وہ عقلی مسلمات بن جاتی ہیں۔ ثالثاً انسانی عقل کا ادراک ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی۔ [1]

***

[1] ترجمان القرآن، ۲/۱۸۰۔ شریعت اور عقل کے دائرہ کار پر تفسیری نقطۂ نظر کے حوالے سے اپنے فاضل دوست جناب پروفیسر ڈاکٹر شہباز حسن صاحب۔حفظہ اللہ۔ (اسسٹنٹ پروفیسر انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور) کے مقالہ سے استفادہ کیا ہے، تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: عربی لغت سے استدلال، اردو تفسیری ادب کے رجحانات، تقابلی و تجزیاتی مطالعہ، شہباز حسن (غیر مطبوع مقالہ ڈاکٹریٹ)، ص ۴۸۵-۵۰۹۔

Marfat.com

فصل ثالث

غلام احمد پرویز کے اصول تفسیر

تعارف

برصغیر میں انحرافی مکتب فکر کی باقاعدہ داغ بیل سرسید احمد خان نے ڈالی اور اسے غلام احمد پرویز نے پروان چڑھایا۔ گزشتہ فصل میں سرسید احمد خان کے اصول تفسیر کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور اس فصل میں غلام احمد پرویز کے اصول تفسیر کا جائزہ لیا جائے گا۔

جس طرح سرسید کی فکر پر اپنے دور کے مروجہ نظریات غالب رہے اور وہ اس سے شدید مرعوب ہو گئے، اسی طرح پرویز کی سوچ پر بھی مروجہ نظریات حاکم رہے۔ فرق یہ ہے کہ عہدِ سرسید میں انگریزی تہذیب کا غلبہ تھا، جب کہ غلام احمد پرویز کے دور میں معاشرت میں مغربی تہذیب اور معیشت میں روسی اشتراکیت نے انسانوں کے ذہنوں کو ماؤف کر رکھا تھا۔ لہٰذا غلام احمد پرویز نے اپنی تمام تر صلاحیتیں خود ساختہ ''نظام ربوبیت'' عقیدۂ ''مرکز ملت'' اور اپنے مخصوص نظریات کو قرآن سے ثابت کرنے پر کھپا دیں۔

اس فصل میں اولاً پرویزی فکر کے مخصوص نظریات کو مختصراً بیان کیا جائے گا، ثانیاً پرویز کے اصول تفسیر کا تجزیہ کیا جائے گا۔

***

Marfat.com

پرویزی اصول تفسیر کا پس منظر

سرسید احمد خان کے بعد بعض ایسے افراد منظر عام پر آئے، جنہوں نے سرسید ہی کے افکار ونظریات کی آبیاری کی، البتہ بدلتے حالات اور نئے ''تقاضوں'' کے پیش نظر ان میں کچھ اضافہ وترمیم کرتے رہے۔ ان افراد میں سرفہرست غلام احمد پرویز ہیں۔ پرویز صاحب نے قدیم معتزلہ اور سرسید ہی کی ہمنوائی کی، تاہم انگریزی تہذیب، روسی اشتراکیت اور جدید اباحیت پسندی جیسے عوامل کے تحت کچھ نئے نظریات بھی گھڑے۔ پرویزی فکر کو مختصراً درج ذیل نکات میں پیش کیا جاتا ہے۔

① عقل کا تفوق اور برتری

یہ چیز قدیم وجدید معتزلہ کی روحِ رواں ہے۔ قدیم تجہم واعتزال سے لے کر جدید تجدد وانحراف تک اس کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ سرسید نے واضح طور پر لکھا ہے:

''خواہ یہ تسلیم کرو کہ انسان مذہب یعنی خدا کی عبادت کے لیے پیدا ہوا ہے، خواہ یہ کہو کہ مذہب انسان کے لیے بنایا گیا ہے۔ دونوں حالتوں میں ضرور ہے کہ انسان میں بہ نسبت دیگر حیوانات کے کوئی ایسی چیز ہو، کہ وہ اس بار کے اٹھانے کا مکلّف ہو اور انسان میں وہ شے کیا ہے؟ عقل ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جو مذہب اس کو دیا جائے وہ عقل انسانی کے مافوق نہ ہو۔''❶

② نظریہ ارتقا

سرسید احمد خان صاحب نے اس نظریہ سے مرعوبیت کی بنا پر تخلیق آدم اور ملائکہ جیسے بنیادی اسلامی تصورات کو تاویل کی سان پر چڑھایا تھا۔ اس مسئلہ میں غلام احمد پرویز سرسید کے ہمنوا ہی نہیں، بلکہ ''ابلیس وآدم'' نامی کتاب لکھ کر اس نظریہ کو قرآن سے ثابت کیا ہے، ملائکہ، آدم، ابلیس وغیرہ سب باتوں میں آپ سرسید کی

---

❶ مقدمہ تفسیر القرآن، ص ٦۔

Marfat.com

توجیہات کو تسلیم کرتے ہیں۔ ❶

اسی نظریہ پر پیشگی ایمان کی وجہ سے تخلیق آدم، آدم و ابلیس اور تخلیق انسان کے متعلق تمام آیات کی ایسی تاویل کرتے ہیں، جو بالکل معنوی تحریف ہے۔ مثلاً: شخصیت آدم کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہمارے ہاں بھی (محرف) تورات کے زیر اثر، عام طور پر مشہور یہی ہے کہ قرآن کریم میں بیان کردہ قصۂ آدم، ایک جوڑے (آدم اور حوا) کی داستان ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، یہ کسی ایک فرد یا ایک جوڑے کی داستان نہیں ہے، بلکہ یہ خود ''آدمی'' کی سرگزشت ہے۔ جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔ اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے، جب اس نے قدیم انفرادی زندگی کی جگہ، پہلے پہل تمدنی زندگی شروع کی، یعنی قدیم قبائل کی شکل میں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات ایسی ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ آدم سے مراد انسان یا بشر ہے، اور قصۂ آدم کسی ایک جوڑے کی داستان نہیں، بلکہ یہ خود انسان کی سرگزشت ہے، جسے قرآن نے بڑے لطیف اور دلکش کافی (ڈرامائی) انداز سے بیان کیا ہے۔'' ❷

ڈاکٹر محمد دین قاسمی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ ہمارا جدید طبقہ جس کی سربراہی کا فریضہ، حسین مباحث، جناب پرویز صاحب انجام دیتے رہے ہیں، مسلک ڈارونیت (Darwanism) کا بری طرح شکار ہے، ان لوگوں کی فکری اسیری، ذہنی غلامی اور فکری مغلوبیت کا یہ حال ہے کہ خود ڈارون نے تو اپنے موقف کو محض مفروضے (Hypothesis) یا فقط نظریے (Theory) کے طور پر پیش کیا تھا، مگر ان غلام فطرت لوگوں نے اسے ایک ثابت شدہ سائنسی حقیقت (Proven Fact or law of Science) سمجھ کر قبول کر لیا ہے اور اب قرآن کو چھیل چھال کر اسے اس ''حقیقت ثابتہ'' کے مطابق گھڑا جا رہا ہے، تاکہ خدا کی کتاب پر ''تاریک دور'' کی کتاب ہونے کا الزام نہ لگ سکے، اور فخر کے ساتھ یہ کہا جا سکے کہ یہ کتاب ''دور حاضر کی سائنسی تحقیقات'' سے بالکل ''ہم آہنگ'' ہے۔'' ❸

③ نظام ربوبیت

پرویز صاحب کے کارہائے نمایاں میں سے ایک کام ''قرآنی نظام ربوبیت'' کی ایجاد ہے۔ لکھتے ہیں:

''زمانہ من حیث الکل آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے کہ ہر دور میں نئے نئے تقاضے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

---

❶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آئینہ پرویزیت، کیلانی، ص ۱۳۲، نظریہ ارتقا کی مفصل تردید کے لیے ملاحظہ ہو: آئینہ پرویزیت، کیلانی، ص ۲۱۰۔۲۳۱، ہارون یحییٰ نے بھی اپنی اکثر کتابوں میں نظریہ ارتقا کی سائنسی بنیادوں پر مفصل تردید لکھی ہے۔

❷ تفسیر مطالب الفرقان، پرویز، ۶۱۲۔ ❸ تفسیر مطالب الفرقان کا علمی تحقیقی جائزہ، ۲۹۲۔

Marfat.com

جس دور میں جو تقاضا نمایاں طور پر سامنے آتا ہے، اس دور کے انسان لامحالہ اس پر زیادہ غور وفکر کرتے ہیں۔ رزق کے سرچشموں کی تقسیم کا تقاضا جس شدت سے ہمارے دور میں ابھر کر سامنے آیا ہے، گزشتہ تیرہ سو سال میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ ہمارے ہاں ہوتا کیا چلا آرہا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اس تقاضے کا حل قرآن کیا پیش کرتا ہے۔''[1]

یہ واضح ہے کہ اس دور میں اشتراکیت ہی زمانے کا وہ شدید ''تقاضا'' ہے، جو اس وقت روس میں نیا نیا ابھرا تھا۔ پرویز صاحب نے اسی وجہ سے اشتراکی انقلاب کے مسئلہ شکم پروری کو زمانے کا سب سے شدید تقاضا سمجھا اور ''قرآن'' سے اس کا ''حل'' تلاش کرنے نکلے اور ''حل تلاش'' کرنے کے لیے ان کا ''اسلوب تدبر'' یہ تھا:

''جو حل مجھے قرآن سے ملتا ہے، اسے قبول کرتا ہوں، خواہ وہ ساری دنیا کے علما کے خلاف کیوں نہ جائے۔''[2]

قرآنی نظامِ ربوبیت کا فلسفہ ایجاد کرتے ہوئے پھر انہوں نے ایسا حل تلاش کیا جو واقعی ساری امت مسلمہ کے مسلمات کے خلاف تھا اور روسی اشتراکیت کے بالکل مماثل، بلکہ عین مطابق تھا، پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''جو کچھ قرآن سے میں سمجھا ہوں، وہ یہی ہے کہ قرآن کسی کے پاس فاضلہ دولت نہیں رہنے دیتا، اور وسائل پیداوار پر خواہ وہ فطری ہوں یا مصنوعی، کسی کی ذاتی ملکیت کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا، خواہ ملکیت افراد کی ہو، یا سٹیٹ کی۔''[3]

اسی عقیدہ کی بنا پر پرویز صاحب نے ایسی تمام آیات کی تحریفِ معنوی کی، جن سے کسی بھی طرح ذاتی ملکیت کا ثبوت فراہم ہوتا تھا۔

④ مرکز ملت کا تصور

منکرینِ حدیث نے جب حدیث کا انکار کیا، تو احکامِ قرآن کی تعمیل اور اس کا مجوزہ طریقہ کار ان کے لیے سوہانِ روح بن گیا۔ بالآخر حافظ اسلم صاحب جیراج پوری نے اس ''امت'' کو ''مرکز ملت'' کا تصور دیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں:

''قرآن میں جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد امامِ وقت یعنی مرکزِ ملت کی اطاعت ہے۔''[4]

غلام احمد پرویز نے اپنے استاد کی اس جدید اصطلاح کو سینے سے لگایا اور تحریفِ قرآن میں اس سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔

---

❶ نظام ربوبیت، مقدمہ، ص ۲۳۔ ❷ ایضاً، ص ۲۰۔ ❸ نظام ربوبیت، تعارف، ص ۲۳۔

❹ مقام حدیث، ص ۱۳۰، بحوالہ: (آئینہ پرویزیت، کیلانی، ص ۲۴۰)۔

Marfat.com

وہ تمام آیات مبارکات جن میں اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا ذکر تھا، پرویز صاحب نے ان سے ذات باری تعالیٰ اور صاحب رسالت ﷺ مراد نہیں لیے۔ بلکہ ان کے نزدیک ''اللہ اور رسول'' جیسے واضح ترین مقدس الفاظ سے مراد ''مرکز نظامِ اسلامی'' یا ''مرکزِ ملت'' ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہوں:

① ''اللہ اور رسول سے مراد، مرکز نظامِ اسلامی ہے۔''[1]

② اللہ اور رسول سے مراد اسلامی مملکت یا قرآنی نظامِ حکومت ہے۔''[2]

③ اللہ اور رسول سے مراد، وہ مرکز نظامِ اسلامی (Central Authority) ہے، جہاں قرآنی احکام نافذ ہوں، یہ حقیقت ہے کہ اللہ ورسول سے مراد ''مرکز ملت'' ہے، قرآن کریم میں ایسے واضح الفاظ میں اور شرح وبسط سے بیان ہوئی ہے، کہ ان مقامات کو بغور دیکھ لینے کے بعد، اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔''[3]

⑤ مغربی تہذیب سے مرعوبیت ومغلوبیت

مغرب کی مادی تہذیب پوری دنیا کو بدقسمتی سے اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ غلام ذہن مغربی تمدن و طرزِ معاشرت کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں۔

ہمارے ''مفسرِ قرآن'' جناب پرویز صاحب بھی مغربی تہذیب کے سامنے مسخر ومسحور اور عملاً مفتوح ہو چکے ہیں۔

''وہ مغرب ہی کے دماغ سے سوچتے ہیں، اس کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور اس کی راہوں پر چلتے ہیں۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر، یہ مفروضہ ان کے دماغوں پر مسلط ہے کہ حق وہ ہے، جسے مغرب حق سمجھتا ہے، اور باطل وہ ہے، جو اس کی نگاہ میں باطل ہے۔ چنانچہ ان کی زبان قال اور لسان قلم میں سے جو کچھ برآمد ہوتا ہے، وہ خود اپنی تہذیب کی ناقدری اور مغربی معاشرت کی قدر افزائی پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔......... یہ ممکن ہی نہیں کہ مغرب، اسلام کی جس چیز پر اعتراض کرے ہمارے یہ دانشور اس اعتراض کی صحت پر ایمان نہ لائیں اور اس کی روشنی میں اسلام کی صالح مدنیت کو چھیل چھال کر، مغرب کی مدنیتِ فاسدہ کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کریں۔''[4]

⑥ انکار حدیث

ان تمام فاسد نظریات کے سامنے چونکہ احادیث مبارکہ سدراہ ہیں۔ اس لیے ان پر ویسے ہی ہاتھ صاف

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، ۳۴۰/۴۔

[2] ایضاً، ۷۰۶۔

[3] معراج انسانیت، ص، ۳۱۸۔

[4] تفسیر مطالب الفرقان کا علمی وتحقیقی جائزہ، ۲۳۶/۲۔

Marfat.com

کر دیے۔ پرویز صاحب کے مرشد جناب حافظ اسلم جیراج پوری کے الفاظ ہیں:

''اس تکمیل ((یعنی: الیوم اکملت لکم دینکم)) کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی تھی جو روایتوں سے پوری کی جائے؟ اس لیے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے۔'' ❶

اگر حافظ صاحب کے درج بالا الفاظ کو یوں کہا جائے تو کیا خیال ہے؟

''اس تکمیل قرآن کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی تھی، جو پرویز کی ''مفہوم'' اور ''مطالب الفرقان'' سے پوری کی جائے؟ ان تفسیر نما تحریفوں کی جگہ اب اعتزال و تجہم کی مردود تاریخ کی الماری ہے۔''

***

❶ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۵۵ء، (بحوالہ: آئینہ پرویزیت، ص، ۱۲۶)۔

Marfat.com

پرویز کے اصولِ تفسیر اور ان کا جائزہ

تفسیر قرآن مجید کا اصل مطلب مراد الٰہی کی تعیین ہے، یعنی یہ طے کرنا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی فلاں آیت سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اور باری تعالیٰ کی سنت کیا ہے؟ یہی تفسیر کی روح ہے۔

پرویز صاحب نے کسی مقام پر بھی تفسیر کے اصول صراحۃً بیان نہیں کیے۔ البتہ ان کی اولین کتاب ''معارف القرآن'' جلد اول میں جو مبسوط مقدمہ درج ہے، اس میں قرآن فہمی اور تفسیر قرآن کے اصولوں پر بحث موجود ہے۔ یہ مقدمہ پرویز صاحب کے مرشد و مربی اور استاد جناب محمد اسلم جیراج پوری کا تحریر کردہ ہے۔ ان ہی اصولوں کی روشنی میں جناب پرویز صاحب نے اپنی تفسیر مرتب کی ہے۔

ذیل میں انہی اصولوں کو بیان کیا جائے گا اور ساتھ ہی ہر اصول کا تجزیہ بھی پیش کیا جائے گا۔

① پہلا اصول: تفسیرِ قرآن بذریعہ قرآن

اس بارے میں وہ فرماتے ہیں:

''قرآن فہمی کا اصل الاصول یہ ہے کہ اس کی بیان کی ہوئی جس حقیقت کی تفصیل مطلوب ہو وہ قرآن ہی سے نکالی جائے، کیونکہ قرآن کی تفسیر اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔

﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○ ﴾ (القيامة، 19:75)

پھر اس کی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے۔''[1]

مزید لکھتے ہیں:

''قرآنی آیات جو کہ اکثر بہ تبدیل الفاظ و عبارات، جابجا الٹ پھیر کر بیان کی گئی ہیں، ان میں ان کی تشریح مضمر ہے۔

﴿ وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ○﴾ (الانعام، 105:6)

---

[1] معارف القرآن، (مقدمہ)، ۱/۷۔۳

Marfat.com

''اور اس طرح ہم آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں، تا کہ وہ کہیں کہ تو نے پڑھ کر سنا دیا اور تا کہ اہل علم کے لیے تشریح کر دیں۔''

الغرض قرآن کریم کی تفصیل خود قرآن کریم ہی میں ہے، اور وہ مفصل کتاب ہے:

﴿ وَّ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ...... ﴾ (الانعام، 114:6)

''اور وہی اللہ ہے، جس نے تمہاری طرف کتاب اتاری تفصیل شدہ۔''❶

تجزیہ

پرویز صاحب کے استاد محترم جناب جیراج پوری کے درج بالا اقتباسات سے یہ نتائج واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں:

① قرآنی حقیقت کی تفصیل خود قرآن ہی سے نکالی جائے۔

② قرآن کی تفسیر اللہ کے ذمے ہے۔

③ قرآن کی تشریح تصریفِ آیات میں مضمر ہے۔

④ قرآن تفصیل شدہ کتاب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''تفسیر القرآن بالقرآن'' جس قدر متفقہ اصول ہے، اس کی تطبیق میں اسی قدر تفاوت ہے، احادیثِ رسول ﷺ کی بجائے اپنی عقل وفہم کو مقدم رکھنے والے قدیم وجدید منحرفین بالخصوص اس اصول پر زور دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا اصل ہدف قرآن پر زور دینا نہیں ہوتا، بلکہ اصل مقصد احادیث وآثار کو راہ سے ہٹانا ہوتا ہے، تا کہ وہ ان کے مزعومہ قرآنی خیالات کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

سوال یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن کی روشنی میں بجا اور مسلمہ، لیکن ایک قرآنی مقام اور دوسرے قرآنی مقام کے درمیان ربط واتصال اور تشریحی نکات کے خلا کون پر کرے گا؟ ظاہر ہے یہ ہر مفسر اپنی ذاتی رائے اور اجتہاد سے پر کرے گا، اس اعتبار سے یہ حقیقتاً تفسیر بالرائے ہے۔ اگر یہ درمیانی خلا احادیث رسول ﷺ اور آثار صحابہ سے پہلے ہی سے واضح ہو چکے ہوں اور تفسیر القرآن بالقرآن کا مدعی ان کے مخالف راستہ اپنائے، تو نہ صرف یہ تفسیر بالرائی ہے بلکہ تفسیر بالرائی المذموم ہے۔''❷

عقل پرست اور منحرف طبقہ مفسرین کی ہمیشہ یہ روش رہی ہے کہ قرآن کو ((تفصیلا لکل شئی)) کہہ کر، پھر اس کی تشریح وتوضیح اپنی رائے سے کر ڈالتے ہیں، اور اپنی زبان پر یہ نعرہ سجاتے ہیں کہ ہمارا قرآن ((تبیانا لکل شئی)) ہے۔

---

❶ معارف القرآن، پرویز، (مقدمہ)، ۳۸۱۔

❷ تفسیر القرآن بالقرآن کی مختلف حیثیات اور احکام تفصیلی بحث اس مقالہ میں گزر چکی ہے۔

Marfat.com

اپنے دورِ ماضی میں خود پرویز صاحب نے منکرینِ حدیث کی اس خامی پر درج ذیل الفاظ میں گرفت کی تھی، جس میں وہ خود مبتلائے فریب نظر آ رہے ہیں:

''سب سے پہلے تو ان کا اپنا طرزِ عمل، ان کے اس دعویٰ کے منافی ہے، یعنی جس کتاب کو وہ مفصل، مبین اور تبیان کہتے ہیں، خود اس کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کے ایک مقام کی تفسیر دوسرے مقام سے کرتے ہیں، لیکن اگر ان کی تفاسیر کو بغور دیکھا جائے، تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک مقام اور دوسرے مقام کے درمیان جو خلیج رہ جاتی ہے، اسے پُر کرنے کے لیے وہ اپنے ذہن واجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ یعنی ربط مضامین اور استنباط نتائج میں قرآنی آیات کو اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق چلاتے ہیں۔''❶

دوسرا اصول: تفسیر بالروایت سے مکمل اجتناب

پرویزی مکتبِ فکر کا دوسرا اصول یہ ہے کہ تشریحاتِ قرآن میں صاحبِ قرآن رسالت مآب ﷺ سے منقول وماثور اعمال وافعال اور اقوال کو دخیل نہ بنایا جائے، بلکہ ان سے مکمل پرہیز کیا جائے۔

لکھتے ہیں:

''آیات کی تشریح میں، روایت سے مدد لی جا سکتی ہے، لیکن چونکہ روایات غیر یقینی اور ظنی ہیں، اس لیے ان پر تفسیر کا مدار نہیں رکھا جا سکتا۔''❷

تجزیہ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کسی بھی کلام کا مطلب سمجھنے کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہوتا کہ خود متکلم ہی سے اس کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔ جو متکلم اپنے کلام کا مفہوم پیش کر دے اس کے بالمقابل دوسری تمام تشریحات ہیچ بلکہ مخالفت کی صورت میں مردود ہوں گی۔

قرآن مجید کی تشریحات خود اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کے متفقہ عقیدہ کے مطابق اپنے رسول کو سمجھائی ہیں:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ...... ﴾❸

''گویا رسول اللہ کی تشریحات درحقیقت خود اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق ہیں۔ اس کے مقابلے میں کوئی تشریح سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں۔''

---

❶ ماہنامہ معارف، (اعظم گڑھ)، اپریل ۱۹۳۵ء، جلد نمبر ۳۵، شمارہ نمبر ۴، ص ۲۷۵۔

❷ معارف القرآن، (مقدمہ) ۳۸۱۔ ❸ سورة النحل، ١٦:٤٤۔

Marfat.com

لیکن تعجب ہے کہ پرویز صاحب کے نزدیک یہ تشریحات چونکہ ظنی روایات کے ذریعے منقول ہیں، لہٰذا ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا؟ پھر کس چیز پر اعتماد کیا جائے؟ اپنی عقل پر، عقل بھی وہ جو تہذیب مغرب سے مرعوب اور بدیہی ہے؟ الفاظ کی حد تک یہ اصول جس قدر بھی جاذبِ نظر اور دلکش ہے، لیکن اس کا عملی نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، کہ مہبطِ وحی کی تشریحات کو ''ظنی'' کہہ کر رد کر دیا جائے۔ اگر ''مفسرون'' کی قیاس آرائیوں اور سخن گستریوں کو ''قرآن کے نام پر'' سندِ قبول بخش دی جائے۔!!!

تیسرا اصول: اختلاف قراءت سے مکمل گریز

اس اصول کے متعلق جناب لکھتے ہیں:

''تفسیر بالروایت کی ایک شاخ اختلاف روایتِ قراءت بھی ہے، یعنی بعض مفسرین نے، بعض آیات کے الفاظ شاذ قراءتوں سے اضافے کر لیے ہیں۔'' ❶

نتیجۃً وہ لکھتے ہیں کہ:

''شاذ قراءتیں قرآن میں اضافے ہیں، جو کسی طرح بھی تسلیم کے قابل نہیں، کیونکہ قرآن کی حفاظت کا اللہ نے ذمہ لیا ہے اور وہ اس کے ایک ایک لفظ کا محافظ ہے۔ ہمارا ایمان اس قرآن پر ہے جو بین الدفتین محفوظ ہے۔'' ❷

جائزہ

قراءت کا انکار بھی امت مسلمہ کے متفقہ تواتر اور بدیہات سے سراسر انحراف ہے۔ ہمارے خطۂ برصغیر میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کا ثبوت جس طرح یقینی ہے، بعینہ اس طرح دیگر قراءاتِ متواترہ کا ثبوت بھی یقینی اور قطعی ہے۔

قرآن مجید کی تصدیق ایک ایسی خبر پر اتفاق ہے، جسے امت کے تمام علما نے برحق مانا ہے۔ امت نے یہ قرآن مجید قراء کرام سے سیکھا ہے اور آج بھی انہی سے سیکھتی ہے اور مستند قاری کے پاس وہ سند موجود ہے جو کہ اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید بین الدفتین موجود ہے۔

جیراج پوری اور پرویزی فکر کا یہ کہنا بجا کہ ''ہمارا ایمان اسی قرآن پر ہے جو بین الدفتین محفوظ ہے۔'' لیکن سوال تو یہ ہے کہ بین الدفتین محفوظ قرآن کیا جیراج پوری اور پرویز پر براہ راست آسمان سے نازل ہوا ہے؟ کوئی بھی ذی عقل مسلمان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بین الدفتین محفوظ قرآن میں خبر ہی کی ایک قسم ہے، یعنی روایت ہی کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ ہم مانتے ہیں کہ ہمارے پاس موجود مصاحف وہی ہیں جو کہ

---

❶ معارف القرآن (مقدمہ)، ۳۹۱۔ ❷ ایضاً۔

Marfat.com

صحابہ کے پاس تھے اور وہاں سے نقل در نقل ہم تک پہنچے ہیں اور صحابہ نے یہ مصاحف رسول اللہ ﷺ سے سن کر ترتیب دیے تھے۔ چنانچہ بین الدفتین محفوظ قرآن بھی صحابہ کی روایت پر ہی مبنی ہے۔ لہٰذا پرویزی اصول کے مطابق سرے سے قرآن مجید کا ہی انکار کر دینا چاہیے، کیونکہ خود قرآنِ مجید بھی روایت ہی کی ایک قسم ہے!!

''مزید برآں دفتین میں موجود مصحف شریف نہ خود قاری ہے اور نہ ہی آواز کے ذریعے کسی دوسرے کو تعلیم دیتا ہے، لہٰذا یہ مصاحف مبارکہ اور ان میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، اسے کیسے پڑھنا ہے؟ یہ دونوں چیزیں ہی روایت اور تلقی کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں۔

اسی لیے ہر دور میں جمیع اہل سنت، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اہل الظاہر اور اہل حدیث بلکہ پرویزی مکتب فکر کے پیشرو معتزلہ کے نزدیک بھی قرآن وہ تمام قراءات ہی ہیں جن کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کی طرف ثابت ہو جائے، علما قراء کے نزدیک انہیں قراءات عشرہ کہا جاتا ہے۔

ہر دور میں علمائے اصول نے ان روایات وقراءات پر بحث کی ہے اور انہیں قرآن قرار دیا ہے۔

امام سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جان لو! کتاب اللہ سے مراد وہ قرآن ہے، جو کہ اللہ کے رسول ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، مصاحف کے گتوں کے درمیان لکھا گیا ہے اور ہم تک معروف احرف سبعہ کے ساتھ تواتر سے منقول ہے۔'' ❶

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کتاب اللہ کی تعریف یہ ہے کہ جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان احرف سبعہ کے ساتھ ہم تک متواتر منقول ہے۔'' ❷

دنیا کے تمام بڑے اسلامی ممالک، پاکستان، سعودی عرب، مصر، مراکش، لیبیا، تیونس، شام، انڈونیشیا، ملائشیا، کویت سوڈان اور ایران وغیرہ میں ہزاروں مدارس وجامعات لاکھوں شائقینِ قرآن کو ان قراءات کی تعلیم دے رہے ہیں۔

مختلف اسلامی ممالک میں ان قراءات میں قرآن مجید چھپ رہے ہیں اور پڑھے جا رہے ہیں۔

دنیا کے تقریباً چالیس ممالک میں روایتِ ورش اور پانچ ممالک میں روایتِ قالون اور بعض ممالک میں روایت دوری میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔'' ❸

امام ابن عطیہ لکھتے ہیں:

---

❶ اصول السرخی، ص، ۲۷۹۔ ❷ المستصفیٰ، ۸۱۱۔

❸ قرآن اور قراءات کے ثابت ہونے کا ذریعہ، حافظ محمد زبیر، ماہنامہ ''رشد'' (لاہور) جون ۲۰۰۹ء، قراءات نمبر، حصہ اول، ص ۴۸۹، پاکستان کے نامور دینی ادارے جامعہ لاہور الاسلامیہ کی زیر سرپرستی ماہنامہ رشد کے زیر اہتمام قراءات پر تین ضخیم مخصوص نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ والحمد لله علی ذالك

Marfat.com

''قراءات سبعہ بلکہ عشرہ بھی ہر زمانے اور ہر شہر میں رائج رہی ہیں اور ان کی نماز میں تلاوت کی جاتی رہی ہے۔ کیونکہ یہ اجماعِ امت سے ثابت ہیں۔''❶

چوتھا اصول: الفاظِ قرآنی کی حدود سے عدمِ تجاوز

جناب فرماتے ہیں:

''قرآن کریم کے الفاظ جس حد تک لے چلیں، اس سے آگے قدم نہ بڑھایا جائے، کیونکہ قرآن کا ہر لفظ اپنی جگہ پر اپنے معنی کے لحاظ سے کامل اور مقصود کے مطابق ہو۔ ((وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا)) (116/6) ''اور تیرے رب کے الفاظ سچائی اور معنی کی برابری کے لحاظ سے پورے ہیں۔ ان کلمات سے آگے بڑھنے میں قرآنی حدود سے تجاوز لازمی ہے، جو بڑی غلطیوں کا موجب ہو سکتا ہے۔''❷

اس اصول کی علمائے امت ہمیشہ پاسداری کرتے ہیں، لیکن خود مفکرِ قرآن کی پوری تفسیر اس اصول سے جا بجا انحرافات کے ساتھ بھری پڑی ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

① حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کی باہمی کشمکش کے سلسلہ میں یہ مذکور ہے کہ قوم کے نو سرغنہ فسادی افراد نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کو رات کی تاریکی میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور یہ بھی مشورہ کر لیا کہ جب پوچھ گچھ ہو گی تو وہ کیا کہیں گے؟

ان کے بیان پر مشتمل آیت کا پرویزی ترجمہ ملاحظہ ہو:

﴿ثم لنقولن لولیه ما شهدنا مهلك اهله﴾❸

''پھر ان کے ورثا سے کہہ دیں گے کہ ہم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہوں نے ان کے خاندان کو تباہ و ہلاک کر دیا ہے۔''

"مهلك" مفعل کے وزن پر ظرفِ زمان یا مکان ہے، اس صورت میں اس کا معنی ''جائے ہلاکت'' یا ''وقت ہلاکت'' ہے۔ مفسر قرآن نے اس ظرف کو اسم فاعل بنا ڈالا ہے اور ترجمہ کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے؟!!!

② سورۂ یوسف میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہلی مرتبہ غلہ دینے کے بعد کہا کہ اپنے اس بھائی کو آئندہ ساتھ لے کر آئیں، جو اب ان کے ساتھ نہیں آسکا ہے، مزید فرمایا کہ اگر ایسا نہیں کرو گے تو:

((فلا کیل لکم عندی ولا تقربون))

''تو میرے ہاں تمہارے لیے کوئی غلہ بھی نہیں اور میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔''

اس آیت میں مذکورہ "لا تَقْرَبُوْنِ" دراصل فعل نہی "لا تقربوا" اور نون وقایہ و یائے متکلم کا

---

❶ المحرر الوجیز، لابن عطیة، ۹۱۔ ❷ معارف القرآن، ۳۹۱۔

❸ سورة النمل، ۲۷: ۴۹۔

Marfat.com

مجموعہ ہے، لا تقربُوا + نَ + یْ اور وقف کی وجہ سے یائے متکلم حذف ہوگئی ہے، البتہ اس کی علامت کے طور پر نون کے نیچے کسرہ کی حرکت باقی رکھی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اس کا واضح ترجمہ یہی بنتا ہے۔ ''تم میرے قریب نہ آنا''، تم میرے قریب نہ پھٹکو۔

لیکن ہمارے ''مفسرِ قرآن'' صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

((فان لم تأتونی به فلا کیل لکم عندی و لا تقربون))

''اگر تم میرے پاس نہ لائے، تو نہ تمہیں غلہ مل سکے گا اور نہ ہی تم میرے قریب آسکو گے۔''[1]

جو شخص ''فعل نہی'' اور ''فعل مضارع'' میں بھی تمیز نہیں کرسکتا اور عربی زبان کے ان بنیادی قواعد تک کی شناسائی نہیں رکھتا، وہ ''قرآنی حدود'' کی پاسداری کہاں تک اور کیسے کرسکتا ہے؟!

ڈاکٹر محمد دین قاسمی بجا طور پر لکھتے ہیں:

''وہ (پرویز صاحب) بہرحال قرآن اور اس کی زبان کا ادھورا اور ناقص علم ہی رکھتے تھے، ایسا ناقص علم، اسی طرح دین وایمان کے لیے خطرناک واقع ہوتا ہے، جس طرح کسی عطائی کا علمِ طب، انسانی زندگی کے لیے ہلاکت آفریں ہوا کرتا ہے۔''[2]

⑤ پانچواں اصول: الفاظِ قرآن کے معانی مطابق زبان مراد لینا

اس اصول کی وضاحت اس طرح سے رقم ہے:

''جہاں تک زبان کا تعلق ہے، قرآن کی عربی آسان اور واضح ہے، جس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔

بلسان عربی مبین (195/26) واضح عربی زبان میں

قرآنا عربیا ذی عوج (28:39) عربی قرآن جس میں کوئی کجی نہیں

فانما یسرنا ہ بلسانك (58:44) ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان کردیا۔

لہٰذا الفاظِ قرآن کے وہی معانی لیے جائیں گے، جو عربی زبان کے مطابق صحیح ہوں۔ اہل لغت نے جو معانی الفاظ کے لکھے ہیں، ان کی بنیاد سمع پر ہے اور کتب لغت کی تدوین جس وقت ہوئی ہے، اس وقت تک بہت سے الفاظ کے معانی تفسیر وحدیث اور فقہ میں رائج ہوچکے تھے، وہی لغات میں درج ہوئے۔ اس لیے لغت مسلّم ہے، مگر وہ حتمی دلیل نہیں ہے، قرآنی الفاظ کے معانی میں اگر اختلاف واقع ہو تو خود قرآن سے ان کا تعین ہوسکتا ہے۔

اصول وقواعدِ لسان کی ترتیب بھی، نزولِ قرآن کے مدتوں بعد ہوئی، بلکہ ان کا بڑا حصہ ائمہ فن نے خود قرآن ہی سے استنباط کیا ہے، لہٰذا یہ اصول قرآن پر حاکم نہیں ہوسکتے۔ اگر کوئی بات قرآن میں ان اصول کے خلاف ہو تو سمجھنا چاہیے کہ جن لوگوں نے اصول مستنبط کیے، ان سے کمی رہ گئی ہے۔''[3]

[1] مطالب الفرقان، ۷/۵۲۔ [2] تفسیر مطالب الفرقان کا علمی وتحقیقی جائزہ، ۱/۲۲۶۔ [3] معارف القرآن، ۱/۲۰۱۔

Marfat.com

جائزہ

اس اصول کے بعد علمائے سلف ہمیشہ نظریاتی و عملی طور پر پابند رہے ہیں۔لیکن پرویزی مکتب فکر ایک طرف اس اصول سے وابستہ رہنے کی تلقین بڑی بلند آہنگی کے ساتھ کرتے ہیں اور دوسری طرف دورِ نزول قرآن کے معانی مراد لینے کی بجائے اپنے عہد کے دونوں معاشی نظاموں (اشتراکیت وسرمایہ داری) میں سے ایک کی حمایت اور دوسرے کی مخالفت میں الفاظِ قرآن کے ایسے معانی دریافت کرتے ہیں، جن کا عہد نبوی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

مزید برآں اپنے بنیادی مفروضہ نظریات کی تائید میں انتہائی واضح اور شفاف الفاظ وکلمات کے بھی وہ معانی قلمبند کرتے ہیں، جو عہدِ نبوی کے خالص عرب لوگوں کے حاشیۂ خیال سے بھی نہ گزرے ہوں گے۔

معنی میں ایسی جدت پیدا کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے،اور خالص عربی انسان کے لیے وہ معنی ہی نئے ہوتے ہیں جیسے: طَیْرٌ (پرندے) کا معنی ہوائی جہاز کردیا جائے، یا کہا جائے کہ (بقرۃ) کا معنی گائے نہیں بلکہ یہ ایک حیوانی جبلت کا نام ہے۔

پرویز صاحب کی ''قرآنی لغت'' اور عربی زبان کے معانی ملاحظہ کیجئے:

① ((نفس واحدۃ)) کا معنی پہلا جرثومہ حیات ہے!!!

② ((خلق الانسان من علق)) سے مراد ارتقاء زندگی کا وہ دور ہے جب جونک کی قسم کے جانور وجود میں آئے!![1]

③ پرویز صاحب کی ''قرآنی لغت'' اور ''مفردات القرآن'' کس عربی زبان پر منحصر ہے، اور کن ''خالص عرب'' لوگوں سے سماع پر موقوف ہے۔اس پر ڈاکٹر محمد دین قاسمی کا درج ذیل جاندار تبصرہ خوب روشنی ڈالتا ہے۔

ایک عربی لفظ کے معنی میں عجمی تاثرات کی بدستور آمیزش

قرآن کریم میں ایک لفظ "مترفین" بکثرت استعمال ہوا، جس سے مراد: ''خوش حال، صاحب ثروت اور آسودہ حال لوگ ہیں۔''

خود پرویز صاحب نے، اس لفظ کو، انہی معانی میں استعمال کیا تھا، اور قرآنی آیات کے تراجم میں، اس لفظ کے یہی معانی بیان کیے تھے۔لیکن یہ اس وقت کی بات ہے، جب ان کا قلب و دماغ عجل اشتراکیت کی محبت کی آماج گاہ نہ بنا تھا۔وہ آیت درج ذیل میں واقع لفظ "مترفین" کا نہایت درست ترجمہ کیا کرتے تھے۔

---

[1] تفصیل وتردید کے لیے ملاحظہ ہو: آئینہ پرویزیت، ص ۲۱۸۔۲۱۹۔

Marfat.com

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ ❶

''اور ہم نے جس بستی میں بھی کسی ڈرانے والے (رسول) کو بھیجا، وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم توان احکام (کے ماننے سے) انکار کرتے ہیں، جو تمہیں دے کر بھیجے گئے ہیں۔'' ❷

اشتراکیت کے اثرات سے معنی میں تبدیلی

لیکن پرویز صاحب جب لیلائے اشتراکیت پر فریفتہ ہوئے، تو جس قدر اشتراکیت سے ان کی فریفتگی میں اضافہ ہوا، اسی قدر سرمایہ دارانہ نظام سے ان کا بغض وعناد فزوں تر ہوتا چلا گیا، جس نسبت سے حبِ اشتراکیت اور بغضِ سرمایہ داری میں اضافہ ہوا، اس نسبت سے درجہ بدرجہ قرآنی الفاظ کے مفہوم میں بھی تغیر واقع ہوا، چنانچہ اشتراکیت کی شدید محبت اور سرمایہ داری سے سخت نفرت کے باعث، اب مترفین کے معنی ومفہوم میں ''دوسروں کی کمائی پر خوش حال اور تن آسان'' ہونے کا رنگ بھی پیدا ہو گیا، چنانچہ وہ 'مترفین کے دو گروہ' کے زیر عنوان اس کی یہ تشریح کرتے ہیں:

''قرآن نے ان دونوں کو مترفین کہہ کر پکارا ہے، یعنی وہ لوگ جو دوسروں کی کمائی پر خوش حال اور تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔'' ❸

معنی کی تبدیلی میں تیسرا مرحلہ

''مفرِ قرآن'' کے عشق اشتراکیت اور بغض سرمایہ داری میں مزید سختی پیدا ہوئی، تو لفظ کے مفہوم میں اضافۂ شدت اور غلاظت کے باعث ''مزدور کی محنت اور دولت کے غاصب'' بننے کا معنی بھی داخل ہو گیا۔

جب کہ ''تن آسان'' ہونے کا مفہوم تو دوسری منزل ہی میں سرایت کر چکا تھا، چنانچہ اب مترفین کی یہ تعریف قرار پائی:

''مترفین'' جو لوگ خود محنت نہیں کرتے بلکہ (اپنے سرمایہ کے زور پر) دوسروں کی محنت کی کمائی غصب کر لیتے ہیں، اور اس طرح تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں، قرآن کریم انہیں مترفین کہہ کر پکارتا ہے۔'' ❹

---

❶ سورة سبأ، ٣٤: ٣٤۔
❷ معارف القرآن، پرویز، ١/١٦١۔
❸ طلوع اسلام، جنوری ١٩٦٢ء، ص ٢٧۔
❹ ایضاً، نومبر ١٩٦٦ء، ص ٢٥۔

Marfat.com

معنی میں تبدیلی کا ایک اور مرحلہ

اب اگلی منزل میں ''مترفین'' کے معنی ''سرمایہ دار طبقہ'' ہو جاتا ہے، چنانچہ ایک آیت کا ترجمہ بایں الفاظ کیا جاتا ہے:

''اگر آپ کو اب بھی کسی قولِ فیصل کا انتظار ہے، تو اسے بھی سن لیجیے، جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اس میں پڑے ہوئے لوگ چیخ چلا رہے ہیں، پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور انہوں نے کیا جرم کیا تھا، جو اس قدر شدید عذاب میں مبتلا ہیں؟

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۝﴾ (الواقعة ، 45:56)

''یہ سابقہ سرمایہ داروں کا طبقہ ہے۔''[1]

اس ایک مثال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ''مفسر قرآن'' نے اپنی لغات القرآن اور تفسیر میں وہی معانی بیان کیے ہیں جو دورِ نزولِ قرآن میں مستعمل تھے؟ یا جدید حالات سے شدید مرعوبیت کی بنا پر نئے مفاہیم کو اس میں سمو دیا ہے۔؟[2]

ڈاکٹر محمد دین قاسمی مزید لکھتے ہیں:

''پھر بھی کیا عجب ستم ظریفی ہے کہ ''مفکر قرآن'' قرآنی الفاظ میں چودہ صدیوں کے بعد ''عجمی تصورات'' کو داخل کرتے ہوئے، اپنی آنکھ کے شہتیر کو تو دیکھتے نہیں ہیں، مگر دوسروں کی آنکھ کا تنکا انہیں خوب نظر آتا ہے اور جو کچھ وہ خود کرتے ہیں، ٹھیک اسی کو وہ عیب قرار دے کر، اسے دوسروں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں، اور حقائق کو مسخ کرتے ہیں۔ علمائے حدیث وتفسیر، فاضلین تفسیر و تاریخ اور جامعین کتبِ لغات کے متعلق یہ ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتے کہ:

''ان لوگوں کے قلم سے جو کچھ نکلا، اس کے الفاظ تو عربی تھے، لیکن ان الفاظ کے پیکروں میں تصورات عجمی تھے، یوں عربی زبان تصنیف و تالیف کے پہلے دور میں ہی، غیر عربی تصورات کی حامل بن گئی۔''[3]

اس کے علاوہ ان حضرات نے ایک اور ''عجیب'' کہ بطور ایک ''عجیب ماجرا'' کے یوں بیان کیا ہے۔

''اس کے ساتھ یہ عجیب ماجرا ہے کہ جن حضرات نے یہ کتابیں مرتب کیں وہ (باستثنائے معدودے چند) سب غیر عرب (یعنی عجمی) تھے۔ یہی کتابیں عربی زبان کا اولین سرمایہ ہیں۔''[4]

اب یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ چودہ صدیوں کے بعد اس نے بٹالہ ضلع گورداسپور کے ''خالص

---

1. طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص ۶۳۔
2. دیکھیے: تفسیر مطالب الفرقان کا علمی، تحقیقی جائزہ، ڈاکٹر محمد دین قاسمی، ۲۱۵۱۔۲۱۶۔
3. لغات القرآن، پرویز، (پیش لفظ) ص، ۸۔
4. ایضاً۔

Marfat.com

عرب" علاقے میں ایک "مفکر قرآن" پیدا فرمایا، جو "پیدائشی عرب" ہے اور جس پر گویا عجمیت کی پرچھائیاں تک نہیں پڑیں۔ جب کہ تیسری، چوتھی صدی ہجری کے مؤلفین تفاسیر و مرتبین لغات باستثنائے معدودے چند غیر عرب یعنی عجمی تھے۔"❶

⑥ چھٹا اصول: تعارضِ قرآن کی بنیاد بننے والی تفسیر ناقابل قبول ہے

اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"ایک اہم اصول قرآن فہمی کا یہ ہے کہ اس کی تعلیمات میں اختلاف نہیں ہے۔

﴿ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ ﴾

(النساء، 84:4)

"اگر یہ قرآن، اللہ کے سوا کسی غیر کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

اس لیے کسی آیت کی ایسی تفسیر نہیں کی جا سکتی، جو دوسری آیت کے خلاف پڑتی ہو۔"❷

جائزہ

اس اصول کو بھی ہمارے قدیم وجدید مفسرین نے ہر وقت پیشِ نظر رکھا ہے۔ بلکہ قرآن کا باہمی تعارض ہی نہیں، ہمارے محدثین کے نزدیک ایسی تفسیر بھی مردود ہے، جس تفسیر سے قرآن اور صحیح حدیث میں باہمی تعارض پیدا ہوتا ہو۔

لیکن "مفکرِ قرآن" جناب غلام احمد پرویز صاحب کی قرآنی تفسیرات متعدد مقامات پر آیاتِ قرآنی میں تعارض کی اساس بنتی رہی ہیں۔

علی سبیل المثال: ایک واضح اور بدیہی مسئلہ اطاعت والدین ہے، جو قرآن مجید کی صریح آیات، فرموداتِ رسالت مآب ﷺ اور اجماع امت کی روشنی میں فرض ہے۔

جناب پرویز صاحب کی "قرآنی فکر" کے مطابق اطاعتِ والدین غیر ضروری اور خلافِ قرآن ہے، رقم طراز ہیں:

"دنیا کے تمام مذاہب اور اخلاق کے دبستانوں میں یہ چیز (اطاعت والدین) ایک مسلمہ کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہے کہ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے۔ ایسے مسلمہ کی حیثیت جو کسی بھی غور و فکر یا تنقید و تبصرہ کے محتاج ہی نہیں۔ ان کے ہاں کبھی کسی نے اتنا خیال کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ بھی کوئی ایسی بات ہے، جس میں دو رائیں ہو سکتی ہیں، لیکن قرآن کو دیکھیے کہ اس نے دنیا میں پہلی بار یہ

❶ تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ، ۲۱٦۔ ❷ معارف القرآن، ۱۰۴۔۱۰۱۔

Marfat.com

آواز بلند کی ہے، جو لوگ عقل کے انحطاط کے دور میں جا چکے ہوں، ان کے فیصلے واجب الاتباع نہیں ہوا کرتے۔ ماں باپ حسن سلوک اور نرم برتاؤ کے مستحق ہیں اور بس جب تک بچہ بچہ ہے، اس کے نگران اور کفیل ہیں۔ جب وہ عقل کی پختگی کو پہنچ جاتا ہے، تو اپنے لیے آپ فیصلے کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے تجربوں سے مشورہ، فائدہ تو اٹھا سکتا ہے، لیکن اسے ان کے فیصلوں کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔'' ❶

یہ عقدہ تو بہر حال پرویز صاحب ہی کھول سکتے ہیں کہ ''اطاعت کے بغیر'' حسنِ سلوک کیا ہوتا ہے؟ اور ''کچھ ماننے بغیر'' نرم برتاؤ آخر کیسے ممکن ہے؟

جناب پرویز صاحب اپنے اس مؤقف کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب تک ماں باپ زندہ ہیں، ان کا لڑکا خواہ ساٹھ ستر برس کا ہی کیوں نہ ہو جائے، اسے کوئی حق حاصل نہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے اپنی صوابدید کے مطابق کرے۔ اسے ان کے فیصلوں کی تعمیل کرنا ہوگی، جن کی عقل کے متعلق اس کے خدا کا فیصلہ ہے کہ اس عمر میں اندھی ہو جاتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ماں باپ کی اطاعت کو فرض سمجھنے والی اولاد ساری عمر عقلی طور پر اپاہج اور ذہنی طور پر بچے ہی رہ جاتے ہیں۔'' ❷

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ نے جو مثال پیش فرمائی ہے، وہ عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے درست نہیں، عقلی لحاظ سے اس طرح کہ جو اولاد ساٹھ ستر برس کی عمر کو پہنچ چکی ہو، اس کے والدین سو سال کے لگ بھگ ہی ہو سکتے ہیں۔ اس عمر میں وہ اپنی نان شبینہ حتی کہ نقل و حرکت تک کے لیے دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں، اس حالت میں وہ کیا فیصلے دے سکتے ہیں اور اولاد کو کیسے حکم دے سکتے ہیں؟ وہ تو اس عمر میں اپنی رائے بھی بتانے کے اہل نہیں رہتے۔ پھر یہ بھی غور کیجیے کہ جو اولاد ساٹھ ستر برس کی عمر کو پہنچ چکی ہے، وہ تو خود ارذل العمر کی حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ پھر اسے کیا حق ہے کہ وہ اپنے فیصلے آپ کرے۔ اب فیصلے کرنے کے لیے اس کی اولاد موجود ہے، جو کم از کم چالیس سال کی عمر تک پہنچ کر عقل کی پختگی حاصل کر چکی ہے۔ لہٰذا ساٹھ ستر سال کی اولاد کے لیے اور اس واقعاتی دنیا میں اطاعت والدین کا سوال بھی کم ہی پیدا ہوتا ہے۔

اور نقلی لحاظ سے یہ مثال اس لیے غلط ہے کہ قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ اس عمر میں لوگوں کی عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ ❸

یہ ہیں وہ بنیادی اصولِ تفسیر جن کی ''پاسداری'' کا حال بھی جائزہ میں پیش کر دیا گیا ہے۔

***

---

❶ قرآنی فیصلے، ص، ۱۲۸۔ ❷ قرآنی فیصلے، ص، ۱۲۹۔ ❸ آئینہ پرویزیت، ص، ۳۵۹۔

Marfat.com

فصل رابع

انحرافی مکتب فکر کے اثرات

تعارف

انحرافی مکتب کے طرزِ تفسیر اور نظریۂ اسلام کو اگرچہ امت کے اجتماعی ضمیر نے قبول نہ کیا، لیکن اس کے باوجود معدودے چند افراد پر اس مکتب فکر کے اثرات مرتب ہوئے اور کہیں کہیں اس مکتب فکر کے تفسیری نظریات کی بازگشت سنائی دی گئی۔ اس فصل میں انحرافی مکتب فکر کے اثرات درج ذیل عناوین کے تحت زیر بحث لائے جائیں گے:

① علم تفسیر پر اثرات
② عقائد پر اثرات
③ ارکان اسلام پر اثرات
④ معاشرتی اثرات

***

Marfat.com

علمِ تفسیر پر اثرات

تصورِ وحی

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک وحی کی دو اقسام ہیں:

① وحی متلو: جو تلاوت کی جاتی ہے اور جس کے الفاظ معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

② وحی غیر متلو: جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور جس کے معانی تو اللہ کی طرف سے ہی ہوتے ہیں، لیکن الفاظ کا قالب خود رسول ﷺ کی طرف سے ہوتا ہے۔[1]

قرآن مجید کے مطابق اہل السنۃ کے نزدیک نزول وحی کے تین بنیادی طریقے اور ذرائع ہیں، سورۂ شوریٰ میں جن کا بایں الفاظ تذکرہ موجود ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴾[2]

"ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے، مگر وحی کے ذریعہ، یا پردے کے پیچھے سے، یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے، بے شک وہ برتر ہے، حکمت والا ہے۔"

حافظ صلاح الدین یوسف اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں وحی الٰہی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی: یہ کہ دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بتلا دینا، اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

دوسری: پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کیا گیا۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاحکام، لابن حزم، ص، ۸۷۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲: ۵۴۳۔

[2] سورة الشورىٰ، ۴۲: ۵۱۔

Marfat.com

تیسری: فرشتے کے ذریعے اپنی وحی بھیجنا، جیسے جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتے اور پیغمبروں کو سناتے رہے۔''[1]

انحرافی مکتب فکر کے نزدیک وحی کی صرف ایک ہی قسم ہے

جناب پرویز صاحب کے نزدیک وحی کی صرف ایک ہی قسم ہے، لکھتے ہیں:

''وحی کی ان دو قسموں کا عقیدہ بھی غیر قرآنی ہے، وحی کی ایک ہی قسم ہے، اور وہ سب کی سب قرآن مجید کے اندر محفوظ ہے، خارج از قرآن کہیں نہیں۔''[2]

وحی اور کتاب لازم و ملزوم ہیں

جناب پرویز صاحب کے نزدیک وحی اور کتاب لازم و ملزوم ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''یہ کہنا کہ میری طرف وحی تو ہوئی ہے، لیکن کتاب نہیں ملی، وحی اور کتاب کی حقیقت سے بے خبری کا بین ثبوت ہے۔''[3]

حالانکہ اہل السنۃ کے نزدیک، خود قرآن مجید کی تصریحات کے مطابق انبیا کی کثیر تعداد ایسی ہے جن کو کتاب نہیں ملی، لیکن ان پر وحی نازل ہوتی رہی، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونے والے انبیا کی ایک کثیر تعداد۔

لیکن ''مفکر قرآن'' جناب پرویز صاحب فرماتے ہیں:

''یہ جو ہمارے ہاں، ایمان کی تفصیل یوں بتائی جاتی ہے: ﴿آمنت باللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ﴾ تو اس میں والقدر خیرہ و شرہ کا اضافہ خارج از قرآن اور مسئلہ تقدیر کو جزو ایمان قرار دینے کی عجمی سازش ہے۔''[4]

عجیب بات یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''ایمان بالقدر'' کو مزید وضاحت کرتے ہوئے ایمانیات کا حصہ قرار دیں، تو نعوذ باللہ ''مفکر قرآن'' کے نزدیک وہ تو عجمی سازش ہے، لیکن خود ''مفکر قرآن'' ایک نیا عقیدہ تراش کر اسے ایمانیات کا حصہ بنا دیں، تو وہ ''قرآنی تقاضا قرار پاتا ہے۔''

مفکر قرآن نے ''انسانی ذات پر ایمان'' کا من گھڑت عقیدہ تراش کر اسے اس قدر اہمیت دی ہے کہ ان کے نزدیک اس پر ایمان لائے بغیر خدا پر ایمان لانا بھی بے فائدہ اور بے معنی ہے، فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص اس خدا کو مانتا ہے، جس نے کارگہ حیات کو پیدا کیا، اور جس کے قوانین کے مطابق یہ

---

[1] تفسیر احسن البیان، ص۱۳۷۶۔
[2] تفسیر مطالب الفرقان، ۴۳۵۲۔
[3] تفسیر مطالب الفرقان، ۲۶۵۲۔
[4] تفسیر مطالب الفرقان، ۱۵۶۳۔

Marfat.com

عظیم الشان سلسلہ، اس حسن وخوبی سے چل رہا ہے، لیکن وہ انسانی ذات پر یقین نہیں رکھتا، تو قرآن کی رو سے اس کا خدا کو ماننا کچھ معنی نہیں رکھتا، انسان کا اپنی ذات پر ایمان، خدا پر ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ (Pre. requisite Condition) ہے۔" ❶

② تفسیری تفردات

جناب سر سید صاحب کی "تفسیر القرآن" اور غلام احمد پرویز کی "مطالب الفرقان" ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہیں، جن میں تمام امت سے ہٹ کر انہوں نے قرآن مجید کا انوکھا مفہوم تراشا ہے، ذیل میں چند ایک مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

سید احمد خان اور قرآن مجید سے معنی کی عدم تعیین

سر سید احمد خان ☆ چونکہ نیچر کا سہارا لیتے ہیں، اس لیے ان کے ہاں اصل چیز قوانینِ فطرت اور Work of God ہے۔ وہ قرآن سے لفظ کا معنی متعین کرنے کی بجائے ورک آف گاڈ سے متعین کرتے ہیں۔ نیچرل سینز جوں جوں ترقی کرتے جاتے توں توں سید احمد خان الفاظ قرآنی کا اس کے مطابق مطلب نکالتے جاتے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ الفاظ قرآنی کی پابندی کا دعویٰ کرتے تھے۔ لکھتے ہیں:

"ہم پر ضروری ہے کہ صرف الفاظ قرآن مجید کے پابند رہیں، نہ ان قصوں کے جو یہود ونصاریٰ میں مذکور ومشہور ہیں۔" ❷

الفاظ کی پابندی کا یہ بیان حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی نگل لینے کے واقعہ کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس بات کو سر سید تسلیم نہیں کرتے کہ یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تھا، کیونکہ یہ ان کے مزعومہ لاء آف نیچر (Law of Nature) کے خلاف ہے، لکھتے ہیں: اس آیت میں ہے کہ

﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ٥ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ٥﴾ ❸

---

❶ طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۹ء، صفحہ ۳۰۔

☆ سید احمد خان، ۱۷ اکتوبر، ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ مروجہ علوم حاصل کرنے کے بعد انگریزی حکومت کی ملازمت سے منسلک ہو گئے، تفسیر القرآن، خطبات احمدیہ اور آثار الصنادید وغیرہ کتب کے مصنف ہیں۔ ۱۸۷۰ میں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ آپ نے کئی رفاہی کام سرانجام دیے۔ آپ نے اسلام کی نئے زاویوں سے توجیہات کرتے ہوئے نئے مذہبی فکر کی تشکیل کی۔ آپ ۲۸ مارچ ۱۸۹۸ء کو علی گڑھ میں فوت ہوئے۔

❷ مقالات سر سید ۲/ ۲۵۳، ط: ۲:۲: ۱۹۸۴ء، مولانا محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب) مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور۔

❸ الصّٰفّٰت، ۳۷: ۱۴۳۔۱۴۴

Marfat.com

اس پر التفات نہیں کیا کہ لبث فی بطن الحوت کی نفی دوطرح متحقق ہوسکتی ہے۔اول اس طرح پر کہ مچھلی نے نگلا ہی نہیں، دوسرے اس طرح کہ نگلا ہومگر اس کے پیٹ میں نہ ٹھہرے ہوں۔مثلاً اگر کوئی کہے کہ اگر میں اس کو نہ بچاتا تو وہ قبر میں ہوتا۔اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ قتل نہیں ہوا نہ یہ کہ قبر میں جا کر نکل آیا۔“❶

سرسید احمد خان نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ قرآن نے ”لبث“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔اور ”لبث“ کو ”بطنه“ سے مربوط کیا گیا ہے۔”لبث“ پر غور کیا ہوتا تو قبر والی مثال اس کے مطابق یوں ہوسکتی تھی کہ اگر میں اس کو نہ نکالتا تو وہ قبر میں ہی ٹھہرا رہتا، اس صورت میں اس شخص کا قبر میں پہنچنا متحقق ہو جاتا ہے۔سرسید کی پیش کردہ مثال کی لبث فی بطنه سے کوئی مطابقت نہیں ہے۔

مزید برآں نظائر قرآنی سے بھی یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں پہنچ جانا ثابت ہوتا ہے۔ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ﴿فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ﴾❷ ”تو اس نے اندھیروں میں ندا دی“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔”الظلمات“ (بصورت جمع) یہ ظاہر کرتا ہے کہ اندھیرے متنوع اور کثیر تھے، ورنہ پانی میں ڈوبنا تو صرف ایک اندھیرا تھا، نہ کہ اندھیرے۔ان کے مچھلی کے پیٹ میں چلے جانے سے ایک اندھیرے کا اور جن مفسرین کی تفاسیر کے سرسید منکر ہیں حالانکہ یہ صورت قرآنی الفاظ سے مطابقت کی ہے۔

جن مفسرین کی تفاسیر سرسید کے مزاج کے مطابق نہیں ہیں، ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”قرآن مجید کے ان الفاظ پر انہوں نے توجہ نہیں کی۔“ آگے چل کر لکھتے ہیں: ”اس سبب سے ان الفاظ کی حقیقت پر غور کرنے کی طرف توجہ مائل نہیں ہوتی تھی۔“ پھر یہ بھی لکھتے ہیں: ”ان کی کافی توجہ قرآن مجید کے ان الفاظ کی طرف نہیں ہوئی۔“❸

الفاظ پر کافی توجہ نہ کرنے کی انہوں نے کئی مثالیں ذکر کی ہیں۔ان میں ایک مثال یہ ہے، لکھتے ہیں:

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں کوئی نص صریح اس بات پر نہیں ہے کہ درحقیقت ان کو آگ میں ڈال دیا گیا تھا، مگر انہوں نے اس بات پر خیال نہیں کیا۔“❹

حالانکہ سرسید نے اس بات کی طرف التفات نہیں کیا کہ قرآن میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

﴿قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ۝﴾❺

”ہم نے کہا: اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔“

---

❶ مقالات سر سید۲۵۳۲۔
❷ سورۃ الانبیا، ۲۱: ۸۷۔
❸ دیکھیے مقالات سرسید۲۵۲۲۔
❹ ایضاً۔
❺ سورۃ الانبیاء،۲۱:۶۹۔

Marfat.com

اگر ان کو آگ میں نہیں ڈالا گیا تھا تو پھر اسے ٹھنڈی اور سلامتی والی بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے سے قبل ہی وہ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی تھی، تو پھر علٰی ابراھیم کیوں فرمایا: یہ الفاظ توجہ طلب ہیں۔ جو ان الفاظ پر خیال کرے وہ ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں پھینک دیے جانے کے باوجود سلامت رہنے کا انکار نہیں کرسکتا۔

(ب) غلام احمد پرویز اور قرآن مجید سے معنی کی عدم تعین

غلام احمد پرویز نے اپنی کتب میں قرآن مجید سے معنی و مفہوم متعین کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ وہ قرآن مجید کی کل تعلیم سے مفہوم متعین کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کبھی اس کو قرآن کی مجموعی تعلیم، کبھی کلی اور کبھی تصریف آیات کا نام دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

"جب کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں اور قرآن کریم میں وہ لفظ مختلف معنی میں آیا ہو تو قرآنی طالب علم کے لیے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس آیت میں، اس لفظ کے متعدد معانی میں سے کون سا معنی زیادہ موزوں ہے، اس لیے قرآن کے دیگر مقامات کو بھی سامنے رکھنا ہوگا۔ اس طریق سے جن معانی کو ترجیح دی جائے گی وہ قرآنی مفکر کا فکری اجتہاد ہوگا اور ظاہر ہے کہ کسی بڑے سے بڑے مفکر کا فکری اجتہاد بھی نہ وحی خداوندی کی طرح حرفِ آخر ہوسکتا ہے اور نہ غیر متبدل۔ دوسرے تو ایک طرف، وہ خود بھی مزید غور وفکر سے اپنے سابقہ فکری استنباط میں تبدیلی کرسکتا ہے، بشرطیکہ اس کی تائید لغت اور قرآن کی کلی تعلیم سے ہوتی ہو۔"[1]

مگر عملاً اس "کلی تعلیم" کو نظر انداز کردیا گیا، مثلاً استغفار اور اسحار کا "قرآنی مفہوم" بیان کرتے ہوئے پرویز لکھتے ہیں: استغفار کے معنی ہوتے ہیں: حفاظت چاہنا اور سحر کے معنی ہوتا ہے: کسی پروگرام کے شروع کرنے کا وقت۔ اسی استغفار اور اسحار ﴿ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾ (آل عمران، 17:3) کی وضاحت کچھ آگے چل کر یوں کرتے ہیں:

"قرآن تو کہتا ہے کہ وہ پروگرام شروع کرنے سے پیشتر ہی حفاظت کے سامان کے متعلق سوچ لیتے ہیں کہ کس کس قسم کے خطرات و مشکلات کا امکان ہے اور اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ یہ پوچھیے ان نبرد آزماؤں سے، جنھوں نے اس کے بعد جنگ کرنا ہوتی ہے کہ وہ میدان میں جانے سے پیشتر اپنے ہاں کیا کیا سوچتے ہیں اور اس میں سب سے بڑی سوچ یہ ہوتی ہے کہ دشمن سے بچنے کی کیا کیا تدبیر اختیار کی جائیں۔ پہلی سوچ یہ ہوتی ہے: ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾ (آل عمران، 17:3) یہ ہے وہ جو جہاں قرآن الفجر ہے۔ اب اس کے بعد آیا ہے "بالاسحار" یہ وہ چیز ہے جو پروگرام کرنے

[1] غلام احمد پرویز: تفسیر مطالب الفرقان، ۶/ ۵۵، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵بی، گلبرگ لاہور۔

Marfat.com

سے پہلے سوچ لی جائے کہ خطرات و مشکلات کے کیا کیا امکانات ہیں اور خاص طور پر یہ کہ ان خطرات سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔''❶

استغفار اور سحر کا مذکورہ بالا معنی و مفہوم کئی اعتبار سے غلط ہے۔

اول: اس مفہوم کو خود پرویز صاحب نے بھی آخری جملوں میں ترک کر دیا ہے۔ اس کا مفہوم تو انہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ کسی پروگرام کے شروع کرنے کے وقت حفاظت چاہنا۔ مگر زور سارا اس پر صرف کر دیا کہ ''پروگرام شروع کرنے سے پہلے سوچ لیا جائے کہ خطرات و مشکلات کے کیا امکانات ہیں۔''

دوم: سحر کا معنی اگر ''کسی پروگرام کے شروع کرنے کا وقت'' ہو تو اس کا مطلب تو یہ نکلے گا کہ دن کے وقت کوئی پروگرام شروع کیا ہی نہیں جا سکتا، اگر کیا جائے تو اس کے لیے سوچنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے پیش آمدہ خطرات سے کوئی حفاظت یا بچاؤ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس استغفار کا ذکر رات کے حوالے سے کیا گیا ہے، جس کی دلیل تصریفِ آیات کے اصول کے مطابق مندرجہ ذیل فرمان الٰہی ہے، جس میں متقین کی صفات کا بیان ہے:

﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ o وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ o ﴾ (الذریٰت 51:17-18) ''وہ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے اور اوقاتِ سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے۔'' ﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا o﴾ (مزمل، 73:2) ﴿ نَاشِئَةَ الَّيْلِ﴾ (مزمل، 73:6) ﴿ثُلُثَى الَّيْلِ﴾ (فرقان، 25:64) ﴿وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ (بنی اسرائیل، 17:79) ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ﴾ (فرقان، 25:64) سے سحر کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ سحر کا تعلق دن کے ساتھ نہیں بلکہ رات کے ساتھ ہے۔

سوم: استغفار اور سحر کا معنی قرآن سے متعین نہیں کیا گیا۔ پرویز کا بیان کردہ معنی و مفہوم قرآن کی روشنی میں بھی غلط قرار پاتا ہے۔ پرویز نے استغفار کا جو مفہوم بیان کیا ہے، اس کی روشنی میں مندرجہ ذیل آیات کا مفہوم یوں بنتا ہے: ﴿وَ اسْتَغْفِرِىْ لِذَنْۢبِكِ ﴾ (یوسف، 12:29)

''اور تو اپنے گناہ کی حفاظت طلب کر'' ﴿ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ﴾ (آل عمران، 3:135) ''انہوں نے اپنے گناہوں کی ''حفاظت طلب کی''۔ ''طلب کرنے'' کا مفہوم تو باب استفعال کے خاصہ کی وجہ سے ہے، اگر استغفار کے دیگر مشتقات کو دیکھا جائے تو بھی پرویز کا مفہومِ استغفار قرآن کے خلاف ہے۔ مثلاً پرویزی مفہوم کے مطابق درج ذیل آیات کا مطلب کچھ یوں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ ﴾ (زمر، 39:53)

''اللہ سب گناہوں کی ''حفاظت کرتا ہے''۔''

---

❶ مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل) ص: ۳۲۲۔۳۲۳، ط: ۱، ۲۰۰۴ء ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی گلبرگ، لاہور

Marfat.com

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ (الاحزاب، 71:33, 12:61)

''وہ تمہارے گناہوں کی ''حفاظت کرے گا۔''

﴿غَافِرِ الذَّنْبِ﴾ (مؤمن، 3:40)

''گناہ کی حفاظت کرنے والا۔''

اگر ان آیات پر ادنیٰ سا غور و فکر بھی کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ پرویز کا مفہومِ استغفار قرآن کی روشنی میں غلط قرار پاتا ہے۔ یہی حال لفظ سحر کا ہے، سحر کا معنی اگر قرآن سے متعین کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی پروگرام کے شروع کرنے کا وقت نہیں بلکہ رات کا ایک حصہ ہے۔ قرآن مجید کی نصِ صریح کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب صبح کے وقت آیا تھا۔ عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس بستی سے کوچ کا حکم دے چکا تھا۔ وہ رات کے وقت ہی بستی سے نکل گئے تھے، ان کے نکل جانے کے بعد ان کی نافرمان قوم پر عذاب کا کوڑا برس پڑا۔ لوط علیہ السلام اور آل لوط کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ﴾ [1]

''ہم نے ان کو رات کے پچھلے حصے میں بچالیا۔''

جب کہ قوم کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝﴾ [2]

''اور ان پر صبح سویرے ہی اٹل عذاب آنازل ہوا۔''

صبح سویرے تو قوم پر عذاب آ گیا، حضرت لوط علیہ السلام اور اہل ایمان کے وہاں سے نکلنے کا کون سا وقت ہو سکتا تھا؟ یقیناً اس سے پہلے کا وقت ہی ہو سکتا تھا۔ اسے قرآن نے سحر کہا ہے۔ لوط علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ﴾ [3]

''پس تو رات کے کچھ حصے میں اپنے گھر والوں کو لے نکل''

اور قوم کے بارے میں فرمایا:

﴿ أَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝﴾ [4]

''ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی''

پھر ایسا ہی ہوا:

﴿فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝﴾ [5]

''ان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا''

---

[1] سورۃ القمر، ۵۴: ۳۴۔ [2] سورۃ ایضاً، ۵۴: ۳۸۔ [3] سورۃ الحجر، ۱۵: ۶۵۔

[4] سورۃ الحجر، ۱۵: ۶۶۔ [5] سورۃ الحجر، ۱۵: ۷۳۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ﴾ ❶

''فرشتوں نے کہا کہ لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے چلو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کو جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پر پڑے گی۔ ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دور ہے۔''

مذکورہ بالا تمام آیات قرآنیہ سے قرآنی طالبِ علم بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ سحر کا پرویزی معنی ومفہوم درست نہیں۔

خلاف قرآن اور قرآن سے معنی متعین نہ کرنے کی ایک مثال لفظ بغیا بھی ہے، اس کا معنی انہوں نے ''حدود شکن'' کیا ہے۔ ❷ یہ مفہوم انہوں نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا بیان کیا ہے:

﴿قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ٭ یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا﴾ ❸

''وہ کہنے لگے یہ تو تو نے برا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔''

اس آیت کی تفسیر پرویز درج ذیل بیان کرتے ہیں:

''وہ لوگ، وہ احبار ورھبان، اس سے کہتے کہ اے اخت ہارون! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں نے کبھی ہیکل کے قوانین وضوابط سے سرکشی اختیار کی تھی۔ تم تو ایک شریف، مذہب پرست، پابند شریعت گھرانے کی لڑکی تھی، تم نے کیا کیا اور اپنے بیٹے کو کس قسم کی تعلیم دلائی؟'' ❹

بغیا کا معنی ہیکل کے قوانین وضوابط سے سرکشی کرنے والی، خلاف لغت ہونے کے ساتھ ساتھ خود قرآن کے بھی خلاف ہے۔ آیت ما نحن فیھا سے چند ہی آیات قبل یہی لفظ آیا ہے، وہاں بغیا کا ''بدکار''،

---

❶ سورۃ ھود، ۱۱: ۸۱۔

❷ غلام احمد پرویز: لغات القرآن ۳۳۶۳ ط: ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی، گلبرگ، لاہور

❸ سورۃ مریم ۱۹: ۲۷۔ ۲۸۔

❹ غلام احمد پرویز: مطالب القرآن فی دروس الفرقان: (سورہ الکہف وسورۃ مریم) ص: ۲۸۴، ط: ۱، ۲۰۰۴ء، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی، گلبرگ، لاہور

Marfat.com

''زنا کار'' کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ومفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا تھا:

﴿ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ﴾ ❶

''میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا، مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔''

بغیا کا یہی مفہوم (اس آیت میں) پرویز نے بھی اختیار کیا ہے، لکھتے ہیں:

''حضرت مریم علیھا السلام نے کہا میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوسکتا ہے جب کہ صورت یہ ہے کہ میرا نکاح بھی نہیں ہوا اور میں (معاذ اللہ!) حرام کاری کی مرتکب بھی نہیں ہوئی۔'' ❷

بغیا کا اصل معنی بدچلن ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید سے متعین ہوتا ہے۔ اس بنیادی معنی ومفہوم کا اقرار خود پرویز صاحب نے بھی کیا ہے، لکھتے ہیں: ((بغت المرء ۃ بغاء ا)) عورت اپنی حدود عفت سے بڑھ گئی اور زنا کی مرتکب ہوگئی۔ بغی اور بغو زنا کار عورت کو کہتے ہیں۔ ❸

مگر ﴿ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ﴾ (مریم، 20:19) میں اس اساسی معنی کو ترک کر دیتے ہیں ☆ اور اس کا خود مقرر کردہ معنی ومفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ مریمؑ نے رسمِ خانقاہیت کو توڑ کر متاہل زندگی اختیار کر لی تھی۔ حالانکہ متاہل زندگی گزارنا ہیکل کے قوانین وضوابط کے ہرگز خلاف نہیں تھا۔ خود پرویز صاحب نے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے حوالے سے تسلیم کیا ہے کہ Nusn کا متاہل زندگی گزارنا خانقاہیت کے ضابطہ کے خلاف نہ تھا۔ لکھتے ہیں: ''عام طور پر ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا اگرچہ بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا۔'' ❹

جب ایسا کر بھی لیا جاتا تھا، تو پھر قوانینِ ہیکل کی خلاف ورزی کیونکر ہوئی کہ پرویز صاحب کے خلافِ قرآن معنی ومفہوم لینے کی ضرورت پیش آئی!

شیطان اور ابلیس کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن جسے شیطان یا ابلیس کہتا ہے، وہ تو انسان کے اپنے ہی سرکش جذبات کا نام ہے۔'' ❺

اس کا مادۂ تخلیق بھی جدا بیان کیا ہے نیز انسانی تخلیق سے اس کی تخلیق کو مقدم قرار دیا ہے۔ ابلیس کے بارے میں قرآن مجید کی نص صریح ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗ اَوْلِیَآءَ مِنْ

---

❶ سورۃ مریم، ۱۹: ۲۰۔ ❷ تفسیر مطالب الفرقان، ۹۹٤۔

❸ لغات القرآن ۳۳۵۳۔

☆ تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو تسلیم نہ کرنا پڑے اور یوسف نجار کو عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ثابت کیا جاسکے۔

❹ تفسیر مطالب الفرقان ۷۵٤۔

❺ مطالب الفرقان فی دروس الفرقان: (سورۃ الکھف و مریم) ص ٤۲۰۔

Marfat.com

دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾❶

"وہ جنات میں سے تھا، تو وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہوگیا۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔"

یہاں یہ بھی واضح ہوا کہ ابلیس کی ذریت بھی ہے، نیز وہ انسان کے علاوہ اور مخلوق ہے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا وجود انسانوں کی تخلیق سے پہلے بھی تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾❷

"اور جنوں کو اس سے بھی پہلے دھوئیں گرم آگ سے پیدا کیا تھا" اور ابلیس نے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہی اسی بنیاد پر کیا تھا۔

وہ مادہ تخلیق کے اعتبار سے انسان پر فوقیت رکھتا ہے:

﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾❸

"بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔"

اگر انسان کے علاوہ ابلیس کا علیحدہ وجود نہیں ہے، تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیونکر بحث وتکرار کی اور اپنے آپ کو افضل قرار دیا۔ اگر صرف سرکش جذبات کو ابلیس کہا جاتا ہے، تو سرکش جذبات کے تکبر کرنے اور سرکشی اختیار کرنے کے چہ معنی دارد؟

جن کو اگر سرکش جذبات کا نام دیا جائے، تو تصریفِ آیات اور تفسیر القرآن بالقرآن کے مطابق سرکش جذبات نیک اور مسلمان بھی ہوتے ہیں جب کہ بعض سرکش جذبات بد اور ظالم بھی ہوتے ہیں، کیونکہ قرآن مجید جنوں کے بارے میں کہتا ہے:

﴿وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا﴾❹

"اور یہ کہ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے، ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔"

﴿ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ﴾❺

"اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں۔"

سرکش جذبات ہونے کی حیثیت سے نیک اور فرمانبردار کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہو جائے تو سرکش جذبات کا وجود تو ختم ہوگیا!!

---

❶ سورۃ الکھف ۱۸: ۵۰۔

❷ سورۃ الحجر ۱۵: ۲۷۔ نیز دیکھیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ (۵۵: ۱۵)۔

❸ سورۃ صٓ ۳۸: ۷۶۔ ❹ سورۃ الجن، ۷۲: ۱۱۔

❺ سورۃ الجن، ۷۲: ۱۴۔

Marfat.com

ابلیس یا شیطان سے اگر سرکش جذبات مراد لیے جائیں، تو اس طرح قرآن مجید میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کے تضادات سے پاک ہے۔ یہ اسی صورت میں ہی ممکن ہے، جب صرف ایک آیت میں ایک لفظ کو دیکھ کر اس کی تفسیر وتاویل کی جرأت نہ کی جائے بلکہ قرآن مجید کی مجموعی تعلیم کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے اور کسی لفظ کا معنی ومراد متعین کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ ایک جگہ کسی لفظ کا جو معنی مراد لیا گیا ہو، وہ قرآن کے کسی دوسرے مقام کے منافی نہ ہو۔

علامہ جاوید احمد غامدی کی فکر پر اثرات

علامہ جاوید غامدی صاحب بہت سے نظریات میں غلام احمد پرویز کی خوشہ چینی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ قراءاتِ قرآنیہ، ارتداد کی سزا، انکارِ رجم، سزائے قتلِ رسول کا انکار، نصابِ زکوٰۃ کے منصوص ہونے کا انکار، وفات مسیح علیہ السلام اور دیگر بہت سے اعتقادات اور مسائل میں غامدی صاحب پرویز صاحب کے ہم نوا ہیں۔ بہت سی آیات کی منفرد تفسیر میں بھی ان سے مطابقت رکھتے ہیں۔ قرآن کے معنی کی تعیین میں بھی ان میں پرویز کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ قرآن کو میزان قرار دے کر بہت سی صحیح احادیث کا انکار یا ان کی خلافِ حقیقت تاویل کر چکے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾ (شوریٰ، 17:42) میں المیزان سے پہلے "و" کو تفسیری قرار دے کر آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اتاری یعنی میزان نازل کی، غامدی لکھتے ہیں:

> ''اس آیت میں والمیزان سے پہلے "و" تفسیر کے لیے ہے۔ اس طرح ''المیزان'' درحقیقت یہاں ''الکتاب'' ہی کا بیان ہے۔''[1]

موصوف نے اگر تمام قدیم مفسرین کی بیان کردہ اس آیت کی تفسیر کو نظر انداز کر دیا تھا، تو کم از کم اس کو تفسیر القرآن بالقرآن کے اعلیٰ وارفع اصول کی روشنی میں دیکھ لیتے۔ نظائر قرآنی سے قرآن کا میزان ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ دیکھنا بھی ضروری تھا، جب کہ وہ قرآن کے صنف کلام کو سمجھنے کے لیے اس قرآن سے ''باہر'' کی کسی چیز کو ضروری نہیں قرار دیتے اور قرآن کے لفظ لفظ پر ڈیرا ڈالنے کی بات کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

> ''اس کو سمجھنے کے لیے اس کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یعنی وہ پس منظر، وہ تقاضے اور وہ صورتِ حال معین کی جائے جس کو پیش نظر رکھ کر قرآن کی کوئی سورت نازل ہوئی ہے۔ اس کے لیے قرآن سے باہر کی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ سب چیزیں خود قرآن ہی کی روشنی میں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ آدمی جب قرآن پر تدبر کرتا ہے، اس کے لفظ لفظ پر ڈیرا ڈالتا ہے، لفظوں کے زیر و بم اور

---

[1] جاوید احمد غامدی: اصول ومبادی ص، ۲۵۔

Marfat.com

جملوں کے دروبست کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، پوری سورت کے مواقع کلام اس خوبی کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں اور اپنے وجود پر اس طرح آپ ہی دلیل بن جاتے ہیں ان کے لیے پھر کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں باقی نہیں رہتی۔'' ❶

پیغمبروں پر نازل شدہ کتب کے ساتھ جس میزان کا ذکر ہے، وہ یہ کتب نہیں ہیں، بلکہ وہ عدل وانصاف کے قائم کرنے کا تصور اور حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ...... ﴾ ❷

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا نازل کیا، اس میں اسلحہ جنگ کے لحاظ سے خطرہ بھی شدید ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں ہی میزان نہیں بلکہ میزان بینات اور کتاب کے علاوہ عدل پر قائم کرنے والی علیحدہ چیز ہے۔ اگر انزال کے لفظ سے قرآن کے میزان ہونے کا اشکال پیدا ہوا ہو تو انزلنا الحدید اور انزال کے دیگر استعمالاتِ قرآنی پر مزید تدبر کیا جاسکتا ہے تاکہ قرآن کے کسی لفظ کا ایسا معنی ومفہوم نہ لیا جائے جو قرآن کی کلی تعلیم اور اسلوب کے خلاف ہو۔

حدیث وسنت کو تعیینِ معنی میں نظر انداز کرنا

بہت سے قرآنی الفاظ کے معانی ومفاہیم اور مدلولات کو حدیث وسنت سے متعین کر دیا گیا ہے۔ تعلیم وتفہیم قرآن کی یہ ذمہ داری آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی، جیسا کہ ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (44:16)، ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ (3:62,164:3,129:2)، ﴿وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ﴾ (151:2) جیسے قرآنی الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر بعض لوگوں نے عربی لغت کی آڑ میں قرآن کی اس تبیین کو نظر انداز کر دیا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے حدیث وسنت سے ثابت ہونے والے بعض معانی کے خلاف لغتِ عرب سے استشہاد کیا ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی آیت کریمہ ﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس آیت میں جس ''بیان'' کا ذکر ہوا ہے، وہ دراصل سنتِ مطہرہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فہم قرآن کے لیے اہلِ عرب کی زبان دانی کو معیار نہیں بنایا، باوجود اس کے کہ وہ انتہائی فصیح

❶ جاوید احمد غامدی، اصول ومبادی، ص ۲۲۔

❷ سورۃ الحدید، ۵۷: ۲۵۔

Marfat.com

اللسان تھے۔ جب کہ ایسے عجمی جنہوں نے عرب میں چند دن ہی گزارے یا عربی زبان سیکھ لی، ان کے تبحر علم کو ''وضاحت قرآن'' کے لیے کیسے قابل اعتماد قرار دیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ عصر حاضر میں اس دور سے زیادہ ''بیان قرآن'' کی ضرورت ہے۔ آیت مذکورہ میں نازل سے مراد وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے دل پر القاء فرمایا اور اسے اللہ تعالیٰ نے متلو اور متعبد بنایا ہے، جس کا ماحصل قرآن کریم ہے۔ علاوہ ازیں ایک وہ وحی ہے جو قرآن کریم کی طرح پڑھی تو نہیں جاتی لیکن اس کی حفاظت ضروری ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر قرآن حکیم کے مکمل فہم کی کوئی صورت نہیں۔''❶

مگر اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن (معاذ اللہ) ناقص ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے ہم حدیث وسنت کے محتاج ہیں۔ ہماری زبان عربی نہیں ہے، جب کہ قرآن عربی مبین میں ہے۔ ہم قرآن سمجھنے کے لیے عربی زبان جاننے کے محتاج ہیں۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ قرآن عربی زبان کا محتاج ہے، لہٰذا قرآن ناقص اور ادھورا ہوا؟ بعینہ ہم اس ہستی کی تعلیمات اور تشریحات کے محتاج ہیں، جس پر یہ قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ آپ ﷺ پیغمبر بھی تھے اور افصح العرب بھی، آپ ﷺ کی تبیین سے کیونکر پہلو تہی اختیار کی جاسکتی ہے۔!

تفسیر القرآن بالحدیث سے انحراف کی وجہ سے ہی بہت سے لوگ قرآن کی من مانی تفسیریں کرنے لگ گئے ہیں جب کہ حدیث بہت سے کلمات ان کے من پسند معانی لینے میں رکاوٹ تھی۔ اس لیے بعض لوگوں نے صاحب قرآن کی توضیح وتبیین سے کنارہ کشی اختیار کی اور اسے تضحیک کا نشانہ بنایا۔

سرسید احمد خان ایسی احادیث جو ان کے عقلی معیار کے مطابق پوری نہیں اترتی تھیں، کو ہفوات کہہ کر رد کر دیا کرتے تھے، بلکہ قسمیں کھا کر فرماتے کہ یہ حدیث نہیں ہوسکتی۔ جنوں سے متعلق بعض احادیث کے بارے میں انہوں نے فرمایا:

((واقسم باللہ ان ذاتہ الشریف بریٔ عن مثل ذالک الھفوات))❷

سورۃ الجن کی تفسیر میں صحیح بخاری کی حدیث، جس میں ﴿ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ ﴾ (الجن، 9:72) ''اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقامات میں (خبریں) سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے، اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے انگارا تیار پائے) کی تفسیر بیان کی گئی ہے، کے بارے میں سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

((وانا اقسم باللہ الذی نفسی بیدہ لیس ھذا قول رسول اللہ ﷺ))❸

بعض احادیث میں تقابل کرنے کے بعد سرسید لکھتے ہیں:

''یہ سب باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ احادیث بالمعنی بیان ہوئی ہیں نہ کہ باللفظ، اور اس لیے

❶ قرآن فہمی کے بنیادی اصول ص، ۱۰۰۔۱۰۱۔

❷ مقالات سرسید ۲/ ۱۹۳۔ ❸ مقالات سرسید ۲/ ۱۸۴۔

Marfat.com

نہایت شبہ رہتا ہے کہ راوی اول نے کیا بیان کیا تھا اور رفتہ رفتہ اس میں کیا تغیر وتبدل ہوگیا، اس لیے جہاں تک ممکن ہو اس قسم کے حالات میں جو قصص سے متعلق ہیں، صرف قرآن مجید کے الفاظ پر منحصر رہنا چاہیے اور ان قصوں کی پیروی کرنے سے بچنا چاہیے، جو کتب احادیث وتفاسیر وسیر میں مندرج ہیں۔''❶

ایک جگہ حسنات کتاب اللہ کا پرچار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علاوہ اس کے حدیث کی صحت اور مستند ہونے پر بجز ان افعال صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے جواب تک متواتر اور نسلاً بعد نسل عمل میں آتے رہے ہیں، اس قدر لمبی بحثیں ہیں کہ ان سے کوئی ایسی بات جس کا ثبوت قرآن مجید سے علانیہ نہ ہوتا ہو ایسے طور پر ثابت ہو سکے جو بنیاد ایسے عقیدے کی ہو، جس کا ثبوت نہ عقلا ہو اور نہ اس کا وجود ظاہر میں ہو، اس لیے اس باب میں حدیثوں اور سیر کی روایتوں سے بحث کرنا ہمارے نزدیک محض فضول اور بے فائدہ ہے۔ حسبنا كتاب الله'' ❷

بعدازاں اسی حسبنا کتاب الله کے نعرے کو غلام احمد پرویز نے مشن کے طور پر اختیار کرلیا، اور احادیث کا انکار کرنے لگے، انہیں عجمی سازش قرار دینے لگے اور تفسیر القرآن بالحدیث کو چھوڑ کر آزاد تاویلات اور تفسیرات کرنے لگے۔

غلام احمد پرویز اور حدیث وسنت سے معنی کا عدم تعین ☆

غلام احمد پرویز کا نظریہ حدیث چونکہ جمہور علما اہل اسلام سے مختلف ہے، اسی بنا پر تفسیر القرآن بالحدیث کے نظریہ کو پرویز نہیں مانتے، بلکہ حدیث وسنت سے تفسیر کرنے والوں کی تضحیک کرتے ہیں۔ وہ وحی خفی کے منکر ہیں اور وحی خفی کے عقیدے کو خلاف عقل قرار دیتے ہیں۔ حدیث وسنت سے قرآن کے کسی لفظ کے معنی کا تعین، کسی عموم کی تخصیص اور کسی اجمال کی تفصیل کو پرویز تسلیم نہیں کرتے۔ حدیث وسنت سے ثابت ہونے والے بعض تفسیری نکات کا انہوں نے ابطال اور تغلیط کرنے کی بھی سعی کی ہے۔ بسا اوقات ان کی بعض آرا تو واضح طور پر قرآن سے بھی ٹکرا رہی ہوتی ہیں، مگر مخالفت حدیث کی وجہ سے انہیں اس کا ادراک نہیں ہوتا یا عمداً صرف نظر کر لیتے ہیں۔ جمہور علما امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حدیث قرآن کریم کے عموم کی تخصیص بھی کرتی ہے۔ قرآن کریم کے عموم سے اگر کوئی ایسی بات ثابت ہوتی ہو، جو حدیث کے خلاف معلوم ہو، تو اس کو پرویز صاحب بڑے زور وشور سے بیان کرتے ہیں۔ ﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ﴾ (نحل، 6:16)، اور ﴿وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ

---

❶ مقالات سیرت، ۲/۱۹۰۔ ❷ ایضاً ۲/ ۱۸۱۔

☆ دیکھیے: عربی لغت سے استدلال۔ اردو تفسیری ادب کے رجحانات، تقابلی وتجزیاتی مطالعہ، تحقیقی مقالہ برائے پی-ایچ ڈی، علوم اسلامیہ، (غیر مطبوع)، شہباز حسن، ص ۳۶۴-۳۸۶۔

Marfat.com

﴿لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً﴾ (النحل، 8:16) کی تفسیر میں جمالیاتی پہلو(Aesthetic Aspect) کی روشنی میں تمام خوبصورت چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔ بعض چیزیں جو احادیث میں مردوں کے لیے حرام قرار دی گئی ہیں ان کا انھوں نے خصوصیت سے نام لے کر ذکر کیا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں نے خود اپنی طرف سے ہی ان چیزوں کو حرام ٹھہرا لیا ہے۔ ریشم اور سونا پہننے کے بارے میں فرماتے ہیں: ''آپ کے ہاں تو زینت کی ساری چیزیں حرام قرار پائی ہوئی ہیں، ہر شے جو زینت کی ہے وہ حرام ہے، ریشم پہننا حرام، سونا پہننا حرام۔ سب زینت اور آرائش کی چیزیں حرام۔''❶

پرویز ان کو اس مفروضے پر حلال جانتے ہیں کہ یہ چیزیں جب جنت میں ملیں گی تو دنیا میں حرام کیوں؟ لکھتے ہیں:

''وہ جنت کے سارے لباس، وہ اتنے بڑے بڑے لٹکائے ہوئے پردے، قرآن کہتا ہے: وہ خالص ریشم کے ہوں گے۔ صوفے زرنگار، مرصع ہوں گے، وہاں دیے ہوئے حلیۃ (14:16) موتی، یہ سارے زیورات، برتن چاندی سونے کے، بلوری آبخورے، صراحیاں اور پیالے، یہ سب ہیں۔ یہ قرآن کریم میں لکھا ہوا ہے۔ یہ جنت کا مآل ہے، وہ تو وہاں مومنین کے لیے حلال، خاص طور پر ان کو خدا کی طرف سے سامانِ زینت و آرائش ملا ہے، وہ حلال ہے لیکن ان میں سے، اگر کوئی بہت چھوٹا سا حصہ بھی آپ یہاں، اس دنیا میں، پہن لیں تو حرام۔ زینت کی چیزیں حرام۔ لیکن جنت میں حلال! یا للعجب!!''❷

جس خیال یا مفروضے کی وجہ سے علما امت پر پرویز تعجب کا اظہار کر رہے ہیں، وہ مفروضہ قرآن سے متصادم ہے، محض جنت میں کسی چیز کا پایا جانا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ چیز دنیا میں بھی حلال ہے۔ مثلاً قرآن نے شراب کو ناپاک شیطانی عمل قرار دے کر اس سے اجتناب کرنے کا حکم دیا (90:5) اور اس کو لوگوں میں عداوت اور بغض پیدا کرنے کا ذریعہ قرار دیا۔ (91:5) مگر جنت میں ﴿اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ (محمد، 15:47) فرما کر اس کو متقین کے لیے اپنا انعام اور نعمت قرار دیا، تو کیا اس بنیاد پر پرویز صاحب یہ فرمائیں گے کہ جب جنت میں حلال ہے تو دنیا میں یہ ناپاک اور شیطانی عمل کیونکر ہوگا؟ ہاں اگر احادیث مبارکہ میں سونا اور ریشم پہننا مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہو، تو وہ انہیں قرآن کے خلاف نظر آتا ہے اور اس حرمت کا ذمہ دار وہ مذہبی پیشواؤں کو ٹھہراتے ہیں:

''سورۃ اعراف میں زینت کی چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد میں آیا ہے۔

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

(عراف، 32:7)

''ان سے کہو، ان سے پوچھو، کہ کون ہے وہ جو خدا کی پیدا کردہ زینت کی چیزوں کو حرام قرار

❶ مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ النحل) ص، ۱۵۔ ❷ ایضاً ص، ۱۶:۱۵۔

Marfat.com

دیتا ہے۔''!

قرآن چیلنج کر رہا ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ﴾ (عراف، 32:7)

پوچھو''کس میں یہ جرأت ہے کہ وہ جو چیزیں ہم نے زینت کے لیے پیدا کی ہیں، انہیں یہ حرام قرار دیں''!!

ہمارے ہاں کے یہ پیشوا کہتے ہیں: ہم حرام قرار دیتے ہیں۔ مگر وہ کہتا ہے: ﴿مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ﴾ (عراف، 32:7) اللہ اکبر! کیا انداز ہے۔!! ﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اس دنیا کی زندگی کے اندر تو ٹھیک ہے، سب کو میسر آئیں گی، مومن کو بھی میسر آئیں گی۔ کافر کو بھی میسر آ سکتی ہیں۔ طبعی زندگی ہے۔ جو محنت سے حاصل کرنا چاہیں یہ حاصل کر سکتے ہیں اور یہ یہاں سب کو ملیں گی۔ جنت میں نہ تو صرف۔ جو اس قسم کی چیزیں ہیں۔ خالصتاً مومنین کو ملیں گی۔ کہا: کون ہے ماں کا لعل، جوان زینت کی چیزوں کو حرام قرار دے دے؟''[1]

اگر ﴿مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ﴾ اتنا ہی عام ہے تو پھر تو کوئی بھی چیز حرام نہیں ہو سکتی۔ کیا پرویز یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں جمالیاتی پہلو کی بجائے نقص پایا جاتا ہے۔ اگر من حرم کے الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی خنزیر اور لحم الخنزیر کو حلال قرار دے دے، تو یقیناً اس تعمیم کی روشنی میں اس مکتب فکر کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اگر کہیں کہ قرآن میں اس کی حرمت بیان کی گئی ہے تو پھر ﴿مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ﴾ اس طرح عام نہ رہا جس طرح کہ وہ سمجھتے ہیں۔ ھذا ھو المقصود۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ اور حکم الٰہی سے رسول اللہ ﷺ کے حرام کردہ میں کوئی فرق نہیں۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حرم اللہ ورسولہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ۝﴾[2]

''جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت پر (یقین نہیں رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے قتال کرو، یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔''

یہاں حرم اللہ کے بعد ورسولہ کے الفاظ توجہ طلب ہیں۔

---

[1] مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ النحل) ص، ۱۶۔

[2] سورۃ التوبۃ، ۹:۲۹۔

Marfat.com

عقائد اسلام پر اثرات

اسلام اپنی معاشرت وثقافت کی بنیاد جن عقائد پر رکھتا ہے، وہ عالم غیب سے تعلق رکھنے والے حقائق ہیں، ان عقائد سے وہ افراد معاشرہ کی تطہیر فکر وعمل کا کام بھی لیتا ہے اور معاشرتی واجتماعی زندگی کے استحکام کا بھی۔

قرآن وسنت کی رو سے اسلام کے بنیادی عقائد یہ ہیں:

① اللہ پر ایمان

② فرشتوں پر ایمان

③ کتابوں پر ایمان

④ انبیا پر ایمان

⑤ آخرت پر ایمان

رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں ''تقدیر پر ایمان'' کو خصوصی اہمیت کے پیش نظر مستقل حیثیت سے ہی بیان فرمایا ہے۔ اگرچہ بنظر غائر دیکھا جائے تو ''ایمان بالقدر'' درحقیقت اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت پر ایمان ہی کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اسے آپ ﷺ نے مستقل حیثیت سے بھی ذکر فرمایا ہے، حدیث جبریل میں آپ ﷺ نے ایمان کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((أن تؤمن بالله وملائكته ، وكتبه ، ورسله ، واليوم الآخر ، وتؤمن بالقدر خيره وشره))❶

''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسل اور یوم آخرت پر یقینِ کامل رکھو۔ مزید یہ کہ تم اچھی اور بری دونوں طرح کی تقدیر پر بھی ایمان رکھو۔

جبریل نے تصدیق کرتے ہوئے کہا:

---

❶ صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب بيان الايمان والاسلام والاحسان ووجوب الايمان باثبات قدر الله سبحانه و تعالىٰ ، وبيان الدليل على التبرى ممن لا يؤمن بالقدر ، واغلاط القول فى حقه ، حديث (٩٣) ، ص٢٤ـ ٢٥ـ

Marfat.com

صَدَقْتَ ''تم نے درست اور سچ فرمایا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے منکرینِ تقدیر کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((والـذی یحلف به عبدالله بن عمر ! لو أن لأحد مثل احد ذهبا ، فانفقهٗ ، ما قبل الله منه حتى يؤمن بالقدر)) ❶

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حلفاً یہ بات کہتا ہے! کہ اگر (منکرین تقدیر میں سے) کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ تقدیر پر ایمان لائے بغیر اسے خرچ کردے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے قبول نہیں کریں گے۔''

طُرفہ تماشہ یہ ہے کہ مفکرِ قرآن ''تقدیر پر ایمان'' کو ''عجمی سازش'' قرار دینے کے باوجود، اسے ماننے پر مجبور بھی نظر آتے ہیں، لکھتے ہیں:

''رنج وراحت سب خدا کی طرف سے ہیں، یعنی مصیبت اور راحت سب قانونِ خداوندی کے مطابق ملتے ہیں۔'' ❷

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد دین قاسمی لکھتے ہیں:

''کیا ہی عجیب بات ہے کہ اگر ''مفکر قرآن'' صاحب یہ فرمائیں کہ ''رنج وراحت سب خدا کی طرف سے ملتے ہیں۔'' تو وہ قرآنی تعلیم قرار پائے جو ان کے لیے نکتہ آرائی کا ذریعہ بن جائے، لیکن اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی لسانِ مبارک سے ''اچھی بری تقدیر من جانب اللہ'' ہے، کا جملہ صادر ہو جائے، تو وہ ''عجمی سازش'' اور ''مجوس کا وضع کردہ عقیدہ'' قرار پائے۔'' ❸

صرف مسئلہ تقدیر ہی نہیں، ایمانیات کی پوری فہرست ہی اس منہج تفسیر سے کس طور پر بل جاتی ہے، اس کے لیے درج ذیل عقائد، بنیادی شرعی الفاظ اور ان کے ''جدید مفاہیم'' ملاحظہ ہوں:

لفظ اللہ کا مفہوم: غلام احمد پرویز اور ان کے حواری لفظ جلالۃ ''اللہ'' سے اکثر اللہ کا قانون مراد لیتے ہیں، قرآن فہمی کا گُر بتاتے ہوئے پرویز صاحب نے سلیم کے نام ایک خط میں لکھا:

''سلیم! اگر تم ایک اہم نکتہ کو سمجھ لو تو قرآن فہمی میں تمہاری بہت سی مشکلات کا حل خود بخود نکل آئے گا، یعنی ان مقامات میں اللہ کی جگہ اگر تم ''اللہ کا قانون'' کہہ لیا کرو، تو بات بالکل واضح ہو جائے گی۔'' ❹

﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ ﴾ (قدر، 8:98) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

❶ ایضاً، ص ۲۴۔ ❷ سلیم کے نام، ۱۳۰/۱، بحوالہ تفسیر مطالب الفرقان کا علمی وتحقیقی جائزہ۔ ڈاکٹر محمد دین قاسمی، ۱/۴۵۵۔

❸ تفسیر مطالب الفرقان کا علمی وتحقیقی جائزہ، ۱/۴۵۵۔

❹ سلیم کے نام خطوط ۱/۱۰۸، ۱۹۹۳ء، پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ، ۲۵ بی، گلبرگ لاہور۔

Marfat.com

''انہوں نے قانونِ خداوندی سے موافقت پیدا کر لی اور قانون ان کا رفیق اور یاور بن گیا۔''❶
﴿حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥﴾ (الانفال، 64:8) میں حسبك الله سے مراد ''اللہ کا قانون'' لیا گیا ہے۔❷

پرویز لفظ ''اللہ'' سے بعض دفعہ ''قرآنی معاشرہ'' بھی مراد لیتے ہیں۔ سلیم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''مذہب نے جس خدا کو کائنات سے ماوراء عرش پر بٹھا رکھا ہے، وہ واقعی کسی انسان کے رزق کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ اس کے رزاق ہونے کے دعویٰ کے باوجود اس کی خدائی میں کروڑوں بندے بھوکے سوتے اور لاکھوں انسان فاقوں سے مرتے ہیں، اس بلند آہنگ اعلان کے باوجود کہ

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود 6:11)

''زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو۔''

''آج آدھی دنیا کو پیٹ بھر کر روٹی نصیب نہیں ہو رہی ہے۔ لہٰذا انسانوں کے خود ساختہ مذہب پیدا کردہ ''خدا'' پر ایمان لانے اور اس سے دعاؤں پر توکل کرنے سے وہ یقین کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتا جو انسانوں کو احتیاج کی فکر سے بے خود کر دے، لہٰذا جب ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک کا رزق اللہ کے ذمے ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نظام جو قوانینِ خداوندی کی رو سے قائم ہو، تمام افراد کی ضروریات زندگی کا کفیل ہوتا ہے۔''❸

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ﴾ (الذاریات 58:51) سے مراد پرویز صاحب کے نزدیک ''اللہ کا رزق دینے والا نظام ہے۔''❹ ﴿وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً﴾ (البقرۃ، 268:2) سے ''نظامِ ربوبیت تمہیں پوری پوری حفاظت کا یقین دلاتا ہے۔'' مراد ہے۔❺

ان ''مفاہیم'' سے یہ بات اجاگر ہو جاتی ہے کہ پرویز صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کوئی ایسی ہستی نہیں جو قادر، خالق، رزاق، محی، ممیت اور حی وقیوم جیسی صفات کی حامل ہو، بلکہ سارے اختیارات اللہ کے قانون، اللہ کے نظام، ربوبیت اور قرآنی معاشرے کو حاصل ہیں۔

لفظ جلالۃ کے جو مفاہیم پرویز صاحب نے لیے ہیں، ان پر تنقید کرتے ہوئے ﴿وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ٥﴾ (البقرہ، 261:2) کی تشریح میں ڈاکٹر حافظ دین محمد قاسمی لکھتے ہیں:

''لاریب، خداوند قدوس، بڑی وسعتوں کا مالک اور سراپا علم وبصیرت، لیکن خدا کی ان صفات کو خدا کے نظام یا قانون کے ساتھ نتھی کر ڈالنا، اور پھر اس نظام یا قانون ہی کو 'بڑی وسعتوں سے مالک اور سراپا عالم وبصیرت' قرار دینا، قطعی مہمل بات ہے۔ بلاشبہ، اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں ایک دستور اور

❶ نظام ربوبیت ص، ۱۲۵، پرویز: طلوع اسلام، ۲۵، بی گلبرگ، لاہور۔

❷ ایضاً۔ ❸ سلیم کے نام خطوط ص، ۲۲۶۔ ❹ ایضاً۔ ❺ ایضاً۔

Marfat.com

قانونِ حیات دیا ہے، جس کے ایک قانون کا انکار بھی کفر ہے، لیکن اس کے باوجود، خدا کے قانون اور دستور کو، خود خدا قرار نہیں دیا جا سکتا (خواہ وہ بقولِ پرویز، قانونِ ربوبیت ہی کیوں نہ ہو۔) اللہ اور اس کے قانون کو شے واحد یا مترادف المفہوم قرار دینا، کھلی کھلی تلبیس و تدلیس ہے۔ یقیناً ہم سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہی میں کرتے ہیں، اور صرف اسے ہی سجدہ کرتے ہیں (نہ کہ اس کے حکم اور قانون کو) لاریب، حکم خداوندی پر چلنا ہی، اس کی عبادت و بندگی اور اطاعت و فرمانبرداری ہے، مگر معبود، اللہ رب العزت کی ذات ہی ہے، نہ کہ اس کا حکم یا قانون۔''❶

اللہ تعالیٰ کی صفت کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

''بے شک، اللہ تعالیٰ، دلوں میں چھپی ہوئی نیتوں، خیالات، محرکات و مقاصد اور اغراض و غایات سے واقف و باخبر ہے، لیکن خدا کی اس صفت ﴿ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝﴾ کو خدا کی بجائے، اس کے ''قانونِ مکافات'' سے وابستہ کر دیا جائے تو یہ نہ صرف یہ کہ خلافِ حقیقت ہوگا، بلکہ خود حقیقت نفس الامر کو بھی اس تحریف کے ذریعے، فصاحت و بلاغت کے بلند ترین معیار سے گرا کر، رکاکت کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دینے کے مترادف ہوگا۔ ذاتِ خداوندی، صاحبِ ارادہ و شعور اور صاحبِ علم و خبر ہے۔ اس کا نظام یا حکم یا قانون، ذی شعور و ارادہ صاحب علم و خبر نہیں ہے۔ بلکہ قانون کی خوبی ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اندھا ہو، تاکہ وہ امیر و غریب، شاہ و گدا، ادنیٰ و اعلیٰ اور شریف و وضیع میں فرق و امتیاز نہ کر سکے، اور سب کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنا، اس کا شیوہ ہو۔''❷

رب العالمین کا ''مفہوم'' پرویز اکثر نظامِ ربوبیت لیتے ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ تو کیا جہاں نظامِ ربوبیت قائم نہیں ہوگا، وہاں سے ''رب'' کا وجود ختم ہو جائے گا۔ رب العالمین کا معنیٰ ''نظام ربوبیت'' پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ محمد دین قاسمی رقمطراز ہیں:

''رب العالمین کا معنیٰ ''نظام ربوبیت'' بیان کرنا، گویا جدت طرازی کی ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کر لینا ہے۔ علاوہ ازیں، اس معنیٰ میں ''جدت طرازی'' اور ''نرالا پن'' دونوں ہی جمع ہو گئے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ (فرض کیجئے) کسی مقام پر ''نظام ربوبیت'' قائم ہو جاتا ہے، تو کیا اس نظام کے خاتمہ کا معنیٰ، خود ''رب العالمین'' کا خاتمہ ہوگا؟ کیا جب تک ''نظام ربوبیت'' کا وجود قائم نہ ہو اس وقت تک ''رب العالمین'' کا وجود بھی معدوم محض ہوگا؟ اور جونہی، جس مقام پر ''نظام ربوبیت'' وجود پذیر ہو جائے، تو کیا اس کے معنیٰ، خود ''رب العالمین'' کا معرضِ وجود میں آجانا ہوگا؟ اور پھر کیا ''نظام ربوبیت'' کے فنا

❶ جناب غلام احمد پرویز کے نظام ربوبیت پر ایک نظر ص، ۲۸۸۔۲۸۹، ط: ۲۰۰۷ء ۱۴۲۸ھ، ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی، بیت الحکمت، لاہور

❷ جناب غلام احمد پرویز کے نظام ربوبیت پر ایک نظر۔ ص، ۲۸۹۔

Marfat.com

کے گھاٹ اترتے ہی (معاذ اللہ) ''رب العالمین'' کا وجود بھی مٹ جائے گا؟ ان پر سرسری غور وفکر ہی ''مفکر قرآن'' کی الحاف فی الآیات کی عادتِ مالوفہ کو واضح کر دیتا ہے۔'' ❶

پرویز صاحب نے تو سلیم کو یہ نصیحت کی تھی کہ جہاں جہاں لفظ اللہ آیا ہے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا قانون لے لو، مگر بعض جدید منکرین حدیث نے نظریاتی طور پر ساتھ ساتھ یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ کبھی اللہ سے مراد اللہ اور کبھی اللہ سے مراد ''اللہ کا قانون'' ہوتا ہے۔ اللہ سے مراد آیات میں اللہ سے مراد ہوتا ہے۔ ''مفہوم'' بیان کرتے ہوئے اللہ سے مراد نہیں لیتے۔ منکر حدیث از ہر عباس لکھتے ہیں:

''78:4 کے الفاظ ھذہ من عنداللہ میں لفظ اللہ سے مراد اللہ ہے اور کل من عنداللہ میں لفظ اللہ سے مراد اللہ کا قانون ہے اور آیت مجیدہ 79:4 اسی مفہوم کی تائیدی اور تفسیری آیت ہے۔ اب ہر دو آیات کریمہ کا مسلسل قرآنی مفہوم ملاحظہ فرمائیں۔

﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ ﴾ (النساء 78:4)

''اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور انہیں برائی پہنچتی ہے تو (اے رسول اللہ علیہ السلام) آپ کو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے۔ (یعنی آپ کی غلط تدابیر کا نتیجہ ہے) آپ کہہ دیجئے گا کہ حقیقت یہ ہے کہ بھلائیاں اور برائیاں سب اللہ کے مطابق آتی ہیں۔ پھر انہیں کیا ہو گیا کہ یہ بات کو سمجھنا چاہتے ہی نہیں۔'' ❷

آیت کے ترجمہ میں ''یہ اللہ کی طرف سے ہے'' کے الفاظ استعمال کرنے کے باوجود توضیح کرتے ہوئے اس سے مراد اللہ کا قانون ہی لیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''یعنی واضح یہ کیا گیا ہے کہ مثلاً اگر راہ میں پڑے ہوئے پتھر سے بچ کر نکل جائیں، تو ٹھوکر نہیں لگتی، یہ بھلائی بھی اللہ کے قانون کے مطابق آتی ہے کہ پاؤں اس لیے محفوظ رہا ہے کہ پاؤں اور پتھر کا تصادم نہیں ہوا۔ اور اگر غفلت و بے توجہی کی بدولت پاؤں اور پتھر میں تصادم ہو جائے تو یہ تکلیف و برائی بھی اللہ کے قانون کے مطابق آتی ہے کہ پاؤں اور پتھر کے تصادم میں پتھر کا کچھ نہیں بگڑے گا، پاؤں ہی زخمی ہوگا۔ چنانچہ منافقوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جہاں برائیاں، سیئات کسی غلط تدبیر کا نتیجہ ہوتی ہیں، جو قانونِ خداوندی کی مخالفت پر مبنی ہوتی ہے۔ وہاں حسنات بھی حسن کا نتیجہ ہیں، جو قانونِ خداوندی کی موافقت کا ماحصل ہوتا ہے اور اس مستقل قانون کے مطابق اگلی آیتِ مجیدہ میں خود آنحضور ﷺ کو بھی متنبہ کر دیا گیا ہے کہ آپ بھی ہمارے اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔''

❶ جناب غلام احمد پرویز کے نظام ربوبیت پر ایک نظر۔ ص، ۲۸۹۔ ❷ قرآن فہمی کے قرآنی قوانین ص: ۸۰:۸۱۔

Marfat.com

اوپر تو منافقوں کا تذکرہ تھا، اس سے آگے آپ بھی سن لیجیے گا:

﴿ مَـآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاo﴾ (النساء، 79:4)

''(اے رسول!) خود آپ کو بھی جو بھلائی پہنچے گی، وہ بھی اللہ کے قانون کے مطابق ہی پہنچے گی (یعنی وہ آپ کے ان افعال کا نتیجہ ہوگی، جو قانونِ خداوندی کے مطابق ہوں گے) اور آپ کو جو تکلیف پہنچے گی (وہ بھی اللہ کے قانون کے مطابق پہنچے گی) وہ خود آپ کی طرف سے ہوگی (یعنی کسی تدبیری کمزوری کا نتیجہ ہوگا۔ ہمارا قانون کسی کی رعایت نہیں کرتا) ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے پیغام رساں بنا کر بھیجا ہے۔ (قانون مشیت میں دخیل نہیں بنایا) اور اس پر خود اللہ تعالیٰ ہی کافی گواہ ہے۔'' [1]

ان آیات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آیات بالا میں آپ نمبر ا، اور نمبر ۲ کی بحث دیکھ چکے ہیں کہ اگر روایاتی تراجم کے مطابق یہاں لفظ اللہ سے مراد، اللہ کا قانون نہ لیا جائے تو پہلے نمبر پر آیات نمبر 78:4 اور 79:4 میں تضاد وتخالف پایا جاتا ہے اور یہ باہم متصادم پائی جاتی ہیں اور دوسرے نمبر پر معاذ اللہ قولِ الٰہی کی تکذیب اور منافقوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ فلہٰذا ترجمہ اور تفسیر زیر نظر میں ان آیات کریمات کے فیصلے کے مطابق کہ قرآنی لغت میں لفظ اللہ سے اللہ کا قانون بھی مراد ہے۔'' [2]

یہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ هذه من عندالله کے بارے میں یہ کہا گیا کہ ''لفظ اللہ سے مراد اللہ ہے'' اور اس کا ترجمہ (مفہوم) بھی ''یہ اللہ کی طرف سے ہے'' کے الفاظ سے بیان کر دیا گیا، مگر تشریح و توضیح میں یعنی اور مثلاً کے ذریعے پھر اللہ تعالیٰ سے مراد اللہ کا قانون ہی لیا گیا۔ جیسا کہ ''یعنی واضح یہ کیا گیا ہے کہ مثلاً اگر راہ میں پڑے ہوئے پتھر سے بچ کر نکل جائیں تو ٹھوکر نہیں لگتی، یہ بھلائی بھی اللہ کے قانون کے مطابق آتی ہے۔'' کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ منکرینِ حدیث کا هذه من عندالله اور كل من عندالله کے مفہوم میں فرق کرنا عبث ہے، اس لیے قرآن کریم کے بعض مقامات کی بجائے ان کے نزدیک تمام مقامات پر لفظ اللہ سے اللہ کا قانون ہی مراد ہے، نہ کہ حی و قیوم ذوالجلال والاکرام، خالق و مالک اور رازق و رزاق اللہ تعالیٰ۔

(۲) رسول سے مراد: رسول سے اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ انسان مراد ہے، جس پر اللہ تعالیٰ وحی کا نزول فرماتے ہیں اور وہ وحی کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ مگر منکرینِ حدیث کے نزدیک اس سے مراد مرکز ملت (Centeral Authority) ہے اس لیے رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ان کی اطاعت کو منکرینِ حدیث غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

---

[1] قرآن فہمی کے قرآنی قوانین ص، ۸۱: ۸۲۔ [2] ایضاً ص، ۸۲۔

Marfat.com

غلام احمد پرویز صاحب کا کہنا ہے کہ اطاعت صرف قرآن کی فرض ہے۔ حتیٰ کہ کسی نبی کی اطاعت بھی فرض نہیں، اس کی وجہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول تو خود عبد ہیں۔ جیسا کہ عبدہ ورسولہ میں بیان ہوا ہے۔ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''قرآن کریم تو نبی کا سب سے بڑا مقام رسالت بتاتا ہے اور اس پر ایمان لانے کا بتاتا ہے۔ وہ جو آپ کے ہاں جسے کلمہ شہادت کہتے ہیں، کا ٹکڑا: عبدہ ورسولہ۔ اس ٹکڑے کی رو سے پہلے آپ کو اس رسول کے لیے عبدہ کہنا پڑتا ہے، جس کی رسالت پر ایمان لانے سے آپ مسلمان ہوتے ہیں اور اس رسول کو پہلے عبد، اس کا اطاعت گزار ماننا پڑتا ہے۔ تو اس طرح یہ جو اطاعت ہے، ☆ یہ جو عبودیت ہے۔ وہ صرف خدا کی ہے۔''❶

ایک منکرینِ حدیث ڈاکٹر عبدالودود ''طلوعِ اسلام نے کیا دیا'' کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے رسول کی حیثیت واضح کرتے ہوئے گویا ہوئے: ''عملی انتظام کی سہولت کے لیے امت اپنے میں بہتر سے بہترین افراد کو اپنا نمائندہ بنا کر فِيكُمْ رَسُوْلَ (الحجرات 7:49) کے سلسلہ کو قائم رکھتی ہے اور یہ کہ رسول کی زندگی کے بعد فیکم رسول سے مراد ملت کی مرکزی اتھارٹی ہے جو رسول کا فریضہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرتی ہے، اور یہ کہ رسول کے بعد صرف مرکز ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے۔''❷

حالانکہ رسول اور نمائندہ میں فرق یہ ہے کہ رسول کو اللہ تعالیٰ رسول بناتا ہے اور اس پر وحی نازل فرماتا ہے جب کہ مرکزِ ملت یا امامِ وقت کو لوگوں نے چنا ہوتا ہے۔ اس لیے کسی بھی غیر نبی کی بات رسول کی حیثیت سے نہیں مانی جاسکتی، کیونکہ اس پر وحی نازل نہیں آتی اور نہ وہ معصوم ہی ہے۔ اس بنیادی فرق کی وجہ سے ''زندہ جانشینوں'' کی اطاعت اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے، جب کہ اللہ و رسول کی اطاعت غیر مشروط ہے۔ Final Authority اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝﴾ (النساء، 59:4)

☆ اطاعت کو عبودیت کہنا مغالطہ دہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت ایک چیز ہے، جب کہ اطاعت دوسری مختلف چیز ہے۔ شیاطین اور اوثان وغیرہ کی عبادت ہوتی ہے۔ سورج اور چاند وغیرہ کی عبادت یعنی بعض مشرک اقوام کرتی ہیں ان کی یہ عبودیت اطاعت نہیں ہے۔ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے مگر جو شخص رسول کی اطاعت کر رہا ہو، اس کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ وہ رسول کی عبادت کر رہا ہے۔ یہیں سے اطاعت اور عبادت کا فرق نمایاں ہوجاتا ہے۔

❶ مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکہف وسورۃ مریم) ص، ۳۴۰۔

❷ طلوع اسلام نے کیا دیا؟، ڈاکٹر عبدالودود، طلوع اسلام (ماہنامہ)، جون ۱۹۵۹ء۔

Marfat.com

''مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب اختیار ہیں ان کی بھی۔ اگر کسی بات پر تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف رجوع کرو، یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے۔''

اگر اولی الامر کی اطاعت عین اللہ اور رسول کی اطاعت ہوتی تو ان کی اطاعت کو مشروط قرار نہ دیا جاتا اور نہ اولی الامر سے اختلاف ہی کیا جاسکتا جیسا کہ اللہ و رسول سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔

مگر پرویز صاحب کہتے ہیں کہ رسول کی اطاعت اس وقت کی جاسکتی ہے، جب تک وہ زندہ ہو، وصال کے بعد اطاعت رسول کی نہیں بلکہ مرکز ملت (پرویزی رسول) کی کی جائے گی، لکھتے ہیں:

''قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امامِ وقت یعنی مرکزِ ملت کی اطاعت ہے، جب تک محمد ﷺ امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری ☆ کو۔'' (1)

رسول کی اطاعت بحیثیت رسول کے تھی، نہ کہ امام وقت ہونے کی وجہ سے، اللہ و رسول کی اطاعت کو ایک قرار دینے والے اسی بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر رسول کی حیثیت امام وقت ہونے کی وجہ سے تھی، تو پھر اللہ و

☆ اطاعت کا یہ معنی لغت عرب میں موجود نہیں، اطاعت کے لفظ میں ''زندہ'' کی قید اور شرط کسی لغت کی کتاب موجود نہیں۔ زندہ کا لفظ پرویز صاحب نے ''اپنی لغت'' سے شامل کر دیا ہے، ورنہ یہ معنی عقلاً بھی غلط ہے۔ منکرینِ حدیث، رسول کی اطاعت سے مراد قرآن کی اطاعت لیتے ہیں، جب کہ پیغمبر ﷺ کا وصال ہوگیا تو کیا قرآن کی اطاعت ضروری نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نام ہی اسوۂ رسول کو اپنانے کا ہے۔ حکیم محمد صادق سیالکوٹی مرحوم ''اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دنیا میں قوموں کے لیڈر اور ریفارمر ہوتے ہیں جو قوموں کی سیاسی رہنمائی کرتے ہیں ان کی تعمیر کر کے دنیا میں ان کا وقار بلند کرتے ہیں۔ یہ لیڈر جب فوت ہو جاتے ہیں تو قومیں ان کے کردار کو اپناتی ہیں۔ ان کی برسیاں منا منا کر ان کی تعلیم سے زندگی پاتی ہیں، یہ تو دنیا کے لیڈروں کا حال ہے کہ قومیں ان کے کردار کو زندہ سمجھتی، اور اس سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ لیکن بقول پرویز حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تابعداری ان کی زندگی میں ہی تھی۔ ان کی وفات کے ساتھ ہی ان کا کردار، ان کا عمل، ان کی تعلیم بھی ناپید ہوگئی ہے اور ان کی وفات کے بعد وقت کے اماموں کی اطاعت ضروری ہوگئی ہے۔ مطلب یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی حیثیت، معاذ اللہ ایک لیڈر کی بھی نہ ہوئی کہ لیڈر کا اسوہ قوم کے لیے زندہ اور قابل عمل ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا اسوہ مسلمانوں کے لیے خاکم بدہن مردہ اور ناقابل عمل ہے۔ ضرب حدیث، مولانا صادق سیالکوٹی، ص، ۵۵:۵۶۔

(1) مقام حدیث ۱۵۵، پرویز۔

Marfat.com

رسول کی اطاعت ایک کیونکر ہوسکتی ہے؟ اللہ ورسول کی اطاعت کو ایک قرار دینا اور پھر رسول کی اطاعت کو بحیثیت امام وقت ماننا دومختلف چیزیں ہیں۔ اللہ ورسول کی اطاعت کو ایک ماننے کی صورت میں اس میں جانشینی اور نیابت نہیں چلتی، لہٰذا اللہ کی اطاعت اور امام وقت کی اطاعت برابر نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ منکرینِ حدیث کے نزدیک رسول کو مستقل اور دائمی تشریعی حیثیت حاصل نہیں ہے، بلکہ جو شخص بھی مسلمانوں کا خلیفہ ہو وہ مرکز ملت ہے اور اس کو "فیکم الرسول" کا مقام حاصل ہے۔

زندہ کی فرمانبرداری کو اطاعت کہنے والے کی اپنی حیثیت جو کہ منکرینِ حدیث کے نزدیک ہے، وہ امام وقت سے کم نہیں۔ پرویز صاحب کے آنجہانی ہو جانے کے باوجود ان کی اطاعت کی جاتی ہے، ان کے اقوال کو اصل اسلام قرار دیا جاتا ہے، جب کہ رسول کی بات آتی ہے تو منکرین حدیث کہتے ہیں: رسول چونکہ فوت ہو گئے ہیں، اس لیے اب ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری نہیں!!

(۴) ملائکہ سے مراد: ملائکہ کا معنی لغت سے متعین نہیں کیا جاتا بلکہ قرآن وحدیث میں فرشتوں کا تذکرہ ایک اصطلاح کے طور پر کیا گیا ہے اور ان کی ماہیت بھی بیان کر دی گئی ہے۔ ملائکہ کائنات کے تدبیر امور پر مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو انہیں حکم دیتے ہیں، وہ بجالاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے، انبیا ورسل علیہم السلام پر وحی لانے پر مامور ہے۔ یہ پروں والی مخلوق ہے، اپنی شکل وصورت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بدل سکتے ہیں۔

انسانوں کی شکل میں آنے کی صورت میں نبی اور غیر نبی کو دکھائی دے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس کثیر تعداد مخلوق میں سے بعض کراماً کاتبین بھی ہیں، جو انسانوں کے اعمال ثبت کرتے ہیں۔ بعض فرشتے انسانوں کی مدد کے لیے بعض معرکوں میں بھی نازل ہوئے۔ مولانا عبدالحق حقانی نے یہاں تک لکھا کہ فرشتوں کے وجود پر دلیل کی بھی حاجت نہیں، لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک قسم کا نام فرشتہ ہے، قرآن واحادیث بلکہ کتبِ سابقہ بھی فرشتوں کے ذکر سے پُر ہیں اور اہل نقل وعقل میں سے کوئی ملائکہ کا انکار بھی نہیں کرتا، لہٰذا دلیل کی حاجت نہیں۔" ❶

مگر موجودہ دور میں بعض حضرات ملائکہ کی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے ان کے خارجی وجود سے انکار لازم آتا ہے۔ غلام احمد پرویز ملائکہ سے قوائے فطرت اور کائناتی قوتیں مراد لیتے ہیں، اس لیے ملائکہ کا لفظ جہاں جہاں قرآن میں آیا ہے، وہاں ایسی تاویل کرتے ہیں کہ ملائکہ کے بارے میں شریعت کا بیان کردہ عقیدہ کالعدم ہو جاتا ہے:

"پہلی بات تو میں نے یہ کہی تھی کہ قرآن نے یہ کہہ کے کہ کائناتی قوتیں (Cosmic Forces)

---

❶ عقائد اسلام، عبدالحق حقانی، ص ۱۱۷۔

Marfat.com

آدم کے سامنے سربسجود ہیں، آدم ان کا مسجود ہے، ایک انقلاب (Revolution) برپا کیا تھا۔"[1]

"ملائکہ سے مراد وہ قوتیں ہیں، جو کائنات کی عظیم القدر مشینری کو چلانے کے لیے مامور ہیں، یعنی قوائے فطرت، اس لیے قانون خداوندی کی زنجیر کے ساتھ جکڑی ہوئی ہیں کہ ان سے انسان کام لے سکے۔ اسی لیے قصہ آدم میں کہا گیا ہے کہ ملائکہ نے آدم کو سجدہ کر دیا، مطلب یہ کہ فطرت کی قوتیں انسان کے تابع فرمان بنا دی گئی ہیں۔"[2]

"ملائکہ سے قوائے فطرت یا کائناتی قوتیں مراد لیا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوتیں انسان کے مسجود ملائکہ ہونے کے باوجود انسان کے تابع فرمان نہیں ہیں۔ طوفانِ بادو باراں، قحط سالی، آفاتِ ارضی و سماوی سے فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں، مکانات منہدم ہو جاتے ہیں، تو کیا انسان کا اس وقت ان قوائے فطرت پر کوئی زور چلتا ہے کہ وہ ان کو تابع فرمان بنا کر تباہی و بربادی سے بچ جائے!

"ابلیس و آدم" میں پرویز ملائکہ سے مراد داخلی قوتیں بھی لیتے ہیں، لکھتے ہیں:

"ملائکہ ہماری اپنی داخلی قوتیں" سے بھی مراد یہ ہے کہ "ہمارے اعمال کے اثرات جو ہماری ذات پر مرتب ہوتے رہتے ہیں۔"[3]

ملائکہ کے بارے میں جہاں یہ موقف غلط ہے، وہاں پرویز کے موقف میں تضاد بھی پیدا ہو گیا ہے، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

① ہماری داخلی قوتیں، قوت باصرہ، لامسہ، ذائقہ، سامعہ، دافعہ، حافظہ وغیرہ یا جو کچھ بھی ہیں۔ اگر یہی قوتیں ملائکہ ہیں تو پھر ان پر ایمان بالغیب لانے کا قرآنی مطالبہ ہی غلط قرار پاتا ہے۔ اس لیے کہ ان داخلی قوتوں کو تو کافر اور دہریے بھی تسلیم کرتے ہیں۔

② آپ کی پہلی تعریف کے مطابق ملائکہ سے مراد خارجی قوتیں تھا۔ اب اس تعریف کے لحاظ سے ملائکہ سے مراد انسان کی داخلی قوتیں بن گیا۔

③ اب ان داخلی قوتوں سے بھی مراد یہ ہے کہ "ہمارے اعمال کے اثرات جو ہماری ذات پر مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ گویا ملائکہ کی تیسری تعریف "ہماری ذات پر مرتب ہونے والے اثرات" ہیں۔"[4]

کبھی ملائکہ سے طبعی تغیرات مراد ہوتے ہیں، غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

"جو طبعی تغیرات انسان کے جسم میں رونما ہوتے ہیں اور جن کا آخری نتیجہ انسان کی طبعی موت ہوتی ہے، انہیں بھی ملائکہ کی قوتوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔"[5]

ملائکہ سے طبعی تغیرات مراد لینا بھی درست نہیں۔ مولانا کیلانی لکھتے ہیں:

---

❶ مطالب الفرقان، پرویز، ص ۲۷۷۔ ❷ ابلیس و آدم، ص ۱۴۴۔ ❸ ایضاً، ص ۱۶۲۔

❹ آئینہ پرویزیت، ص ۷۹۵۔ ❺ ابلیس و آدم، ص ۱۵۹۔

Marfat.com

''طبعی تغیرات بھی دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو کسی عمل کے نتیجہ کے طور پر سامنے آتے ہیں، مثلاً پانی پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے، کھانا کھانے سے بھوک مٹ جاتی ہے۔ سیر اور ورزش سے جسم مضبوط اور صحت بحال رہتی ہے۔ دوسرے طبعی تغیرات وہ جن میں انسان کے عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جیسے اس کا بچے سے بڑا ہونا، جوان ہونا، پھر بوڑھا ہونا اور پھر مر جانا۔ یہ سب امور ایسے ہیں جن کا ایمان بالغیب سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ طبعی ہیں۔ اور واقع ہو کے رہیں گے، پھر ان طبعی تغیرات کو ملائکہ سے تعبیر کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ان طبعی تغیرات کو تو دہریے بھی تسلیم کرتے ہیں، پھر ''ایسے ملائکہ'' پر ایمان بالغیب لانے کا کیا مطلب؟'' (1)

ملائکہ سے طبعی تغیرات مراد لینا عقل و نقل ہر دو اعتبار سے غلط ہے، جس کی تغلیط مندرجہ ذیل سوالات سے ہو جاتی ہے:

- کیا طبعی تغیرات (ملائکہ) وحی لے کر آتے رہے ہیں؟
- کیا طبعی تغیرات کے اجنحة (پر) بھی ہوتے ہیں؟
- کیا طبعی تغیرات انسانی شکل و صورت بھی اختیار کر لیتے ہیں؟
- کیا طبعی تغیرات حملة العرش (حاملین عرش) ہیں؟
- کیا طبعی تغیرات انسانوں کے عمل تحریر کرتے ہیں؟
- کیا طبعی تغیرات جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کرتے رہے ہیں؟ وعلی ھذا القیاس

ملائکہ کو بعض لوگ ایسی غیر مرئی قوتیں قرار دیتے ہیں کہ ان کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔

غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

''قرآن کریم میں حضور نبی اکرم کی مختلف جنگوں میں ملائکہ کے نزول اور تائید کا ذکر آیا ہے اور ہر مقام پر یہ کہا گیا ہے: لم تروھا: تم انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے (9:33, 40: 9, 26:9) یعنی قرآن کریم بالفاظ صریح کہہ رہا ہے کہ فرشتے (اور تو اور، حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تک کو بھی) نظر نہیں آ سکتے تھے۔'' (2)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''ملائکہ کے معنی قاصد یا پیغام رساں بھی ہوتے ہیں۔ جب قرآن کریم نے بنص صریح کہہ دیا کہ ملائکہ کو (عام انسان تو ایک طرف خود) کبار صحابہ اور نبی اکرم ﷺ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے (لم تروھا) تو قرآن کے کسی مقام میں بھی یہ معنی نہیں لیے جا سکتے کہ فرشتے انسانی پیکر میں سامنے آیا کرتے تھے۔'' (3)

---

(1) آئینہ پرویزیت ص، ۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷۔ (2) تفسیر مطالب الفرقان۔ ۲۰۲۲۔

(3) طلوع اسلام (ماہنامہ) ص، ۴۹، نومبر ۱۹۸۱ء۔

Marfat.com

اصطلاح قرآنی ''ملائکہ'' کو صرف پیغام رساں کے معنی میں لے کر واضح آیاتِ قرآنیہ کی تاویل بلکہ تحریف کی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ، دیگر انبیا ورسل علیہم السلام حتیٰ کہ حضرت مریم علیہا السلام حتیٰ کہ کفار کا فرشتوں کو دیکھنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ لم تروھا کا ترجمہ یا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ ''تم انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔'' اس ترجمہ یا مفہوم میں اپنا خانہ ساز عقیدہ گھسیٹر نے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ اس مفہوم میں امکانِ رویت کی نفی کی گئی ہے، جب کہ نفی جحد بلم سے اس کی نفی نہیں نکلتی، پھر اس امکانِ رویت کی نفی سے تعارض بین الآیات، جو کہ محال ہے، لازم آتا ہے۔

جبریل علیہ السلام کو نبی اکرم ﷺ کا دیکھنا تو قرآن مجید ثابت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ o﴾ (التکویر، 23:81)

''بے شک اس نے اس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی o وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی o عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی o﴾ (النجم، 53:12-14) ''کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو اور انہوں نے اس کو ایک بار بھی دیکھا ہے، پرلی حد تک کی بیری کے پاس۔'' حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبریل انسانی شکل میں آئے تھے، قرآن نے ان کے لیے ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا o﴾ (مریم، 19:17) (تو وہ اس کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل بن گیا) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

اسی طرح فرستادگانِ لوط کو نہ صرف یہ کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام نے دیکھا، بلکہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی انہیں دیکھا۔ فرستادگان کی تمام صفات کو اگر مجموعی نظر سے دیکھا جائے تو ان کو ملائکہ کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وہ لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ (ھود 11:70)، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ کو بیٹے کی خوشخبری اللہ کے حکم کے طور پر دیتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر خطرہ محسوس کیا (ھود 11:74)، اس قوم پر مردوں سے بدفعلی کے باعث پتھروں کی بارش کر دی گئی۔ (ھود، 11:82-83) یہ کام بالخصوص بستی الٹ دینا انسانوں کا نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے اگر رُسُل کے لفظ سے مراد فرشتے نہ ہوں تو رسولوں کو رسولوں کی طرف تو نہیں بھیجا جاتا اور نہ رسول عذاب نازل کرنے پر ہی مامور ہوتے ہیں۔

نظائر قرآنی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرستادگان سے مراد فرشتے ہی ہیں۔ مثلاً سورۃ الحجر میں پہلے کفار کا مطالبہ ﴿لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ﴾ (الحجر، 15:7) بیان کیا گیا ہے، ان کے اس مطالبے پر ﴿مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ o﴾ (الحجر، 15:8) کا ارشاد نازل ہوا۔ پھر اسی سورت میں آگے چل کر ﴿فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلُوْنَ o﴾ (الحجر، 15:61) میں المرسلون کے لفظ سے فرشتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر آئندہ آیات میں ان کے پروگرام کی پوری تفصیل ذکر کی گئی ہے۔☆

☆ دیکھیے۔ ۱۵:۶۳-۷۷۔

Marfat.com

④ ایمان بالآخرۃ کا مفہوم: آخرت سے مراد حیات بعد الممات ہے۔ آخرت قرآن کی ایک اصطلاح ہے، جو اسی زندگی کے لیے استعمال ہوتی ہے مگر مادیت پرست اور مغربی نقطۂ نظر کے حاملین دنیا کے ایک حصہ کو ہی آخرت قرار دیتے ہیں۔ دنیا سے مراد حال (Present) اور آخرت سے مستقبل (Future) مراد لیتے ہیں۔ حیات بعد الممات کے عقیدے کو تسلیم کرنے کے باوجود دنیا کے مستقبل کو ایک قرآنی اصطلاح قرار دیتے ہیں، اور سارا زور اس ''دنیوی آخرت'' پر صرف کر دیتے ہیں۔ غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

''چونکہ اس نظریہ (انسانی ذات کی پرورش یا نظام ربوبیت کا نظریہ) میں انسان کی نگاہ مفاد عاجلہ کی بجائے مستقبل پر رہتی ہے۔ اس لیے قرآن کی اصطلاح میں اسے حیات آخرت (مستقبل کی زندگی کے مفاد) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ آخرت (مستقبل) سے مراد صرف مرنے کے بعد کی زندگی ہی نہیں بلکہ اس سے مقصود اس دنیا میں انفرادی مفاد (مفاد عاجلہ) کے بجائے نوع کے کلی مفاد پر نظر رکھنا بھی ہے۔''❶

مگر یہ آخرت سے ''مستقبل کی زندگی کے مفاد اور نوع کے کلی مفاد پر نظر رکھنا'' کا مفہوم کسی بھی قرآنی آیت میں موجود نہیں۔ یہ آخرت کا خودساختہ مفہوم ہے، جسے قرآن کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

آخرت سے دنیوی مستقبل مراد لینے کی وجہ سے ہی پرویز نے بہت سی آیات قرآنیہ، جن میں آخرت کا لفظ استعمال ہوا ہے، کا معنی ''مستقبل'' کے لفظ سے بیان کیا ہے، مندرجہ ذیل آیات مع مفہوم ملاحظہ کریں:

﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ (یونس، 64:10)

''ان کے لیے حال کی زندگی اور مستقبل کی، دونوں میں خوشگواریاں ہیں۔''❷

﴿مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۝﴾ (البقرۃ 200:2)

''ان کا مستقبل کی خوشحالیوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔''❸

﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۝﴾ (البقرۃ 201:2)

''خدا کا نشوونما دینے والا قانون☆ ایسا کر دے کہ ان کا حال بھی مستحسن ہو جائے اور مستقبل بھی۔''❹

﴿وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ (آل عمران، 145:3)

''جو مستقبل کی تابناکی کا خواہاں ہوتا ہے، اسے وہ کچھ مل جاتا ہے۔''❺

---

❶ نظام ربوبیت ص، ۸۵۔

❷ اسباب زوال امت ص، ۳۵۔

❸ اسباب زوال امت ص، ۳۳:۳۴۔

☆ خوب معنی ہے ربنا کا!!

❹ اسباب زوال امت ص، ۳۴۔

❺ ایضاً ص، ۳۶۔

Marfat.com

﴿وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ (بنی اسرائیل، 19:17)

''لیکن جوانسان (یا قوم) مستقبل کا طالب ہو......''❶

﴿وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ﴾ (بنی اسرائیل، 21:17)

''مستقبل کے درجات اور معاشی خوشحالیاں سب سے بڑھ کر ہیں۔''❷

مجموعی ترقی کو پرویز مقصودِ زندگی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی حیاتِ آخرت ہے۔ لکھتے ہیں:

''دنیا اور آخرت'' کے ان معانی کو سامنے رکھیے اور پھر ان مقامات پر غور کیجیے، جن میں قرآن نے صرف دنیا (حال) کے پیش پا افتادہ مفاد کو خزف ریزے اور آخرت (مستقبل) کے مفاد کو متاع حقیقی قرار دیا ہے۔ ساری بات واضح ہو جائے گی۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ہر فرد یا قوم اپنے آپ ہی کو سامنے نہ رکھے۔ ایسا کرنے سے انسان، صرف اپنے ذاتی مفاد ہی کو مقصودِ زندگی سمجھ لیتا ہے۔''

قرآن کی طرف منسوب کرتے ہوئے پرویز لکھتے ہیں:

''قرآن کہتا ہے کہ مقصودِ زندگی نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود ہے کیونکہ اس سے انسانیت اپنے ارتقائی مدارج طے کرتی اپنے منتہیٰ کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔ وہ خود غرض انسانوں (یا اقوام) کو پیش پا افتادہ مفاد پر جھپٹ پڑنے والے قرار دیتا ہے اور اس مفاد کو متاع دنیوی (قریبی مفاد) سے تعبیر کرتا ہے۔ ان کے برعکس، وہ انسان ہیں، جو دنیا میں ایسا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں پوری کی پوری انسانیت پروان چڑھے۔ وہ اسے مستقبل کی خوشحالی (آخرت) سے تعبیر کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قرآن کے نزدیک محض قریبی مفاد (دنیا) کے حصول کے لیے جدوجہد کبھی مستحسن قرار نہیں پا سکتی۔ اس کے نزدیک حقیقی سعی وطلب انسانیت کی خوشگواری کے لیے ہونی چاہیے، یعنی پوری کی پوری نوعِ انسانی کی خوشحالی، اپنی اور آنے والی نسلوں کی مرفہ الحالی، پوری کی پوری ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کی ترقی۔''❸

''دنیا'' اور ''آخرت'' کا منفرد مفہوم بطور اصطلاح کے پرویز صاحب لکھتے ہیں، اس کا تجزیہ کرتے ہوئے پروفیسر عزیز احمد لکھتے ہیں:

''سید احمد خاں سے لے کر آج تک تمام جدت پسندوں میں غالباً پرویز واحد شخص ہیں، جو مغربی نقطۂ نظر سے سب سے زیادہ قریب ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک اعلیٰ معیارِ زندگی اور مقتدر سیاسی، سماجی، انفرادی اور اقتصادی آزادی دنیاوی زندگی کے آدرش ہیں۔ معیارِ زندگی کا انحصار کسی معاشرے اور اس کے افراد کی آزادی کے پیمانے پر ہے اور اس کا دارومدار کائنات کی قوتوں پر انسان کی دسترس اور تسخیر پر ہے۔ پرویز نے اس دنیا پرستی پر سارا زور دے کر، ایک صحیح نقطۂ نظر کو دور از کار اور غیر معقول توضیحی اصطلاحات کی تخلیق کر کے، پامال کر دیا۔ وہ ''دنیا'' اور ''آخرت'' کی اصطلاحات کو جو

❶ ایضاً ص، ۳۷۔ ❷ ایضاً ص، ۳۳۸۔ ❸ اسباب زوال امت، ص، ۳۲۔۳۳۔

Marfat.com

معاداً قرآن میں استعمال ہوئے ہیں، بالکل مختلف معانی پہنائے ہیں۔ دنیا محض پیشِ نظر حال ہے اور آخرت اس کرۂ ارض پر آئندہ آنے والی نسلوں کے مستقبل سے مراد ہے۔ وہ حیات بعد الممات کے منکر نہیں ہیں اور مسلک اسلامی کا اہم اصول گردانتے ہیں۔ لیکن لفظ آخرت کو دو معنی پہناتے ہیں، تا کہ ان میں سے ایک معنی کو مسئلہ معاد سے الگ کر کے اسے دنیاوی حوالہ سے استعمال کریں اور اس سے اقتصادی ترقی کی اہمیت بڑھا سکیں۔'' ❶

بلکہ پرویز صاحب کے نزدیک ''آخرت'' میں وہی کامیاب ہوگا جسے ''دنیا'' میں خوشحالی ملی ہوگی، لکھتے ہیں:

جن اعمال کا نتیجہ اس دنیا کی کامرانی نہیں وہ اعمال قیامت میں بھی کوئی وزن نہیں رکھتے۔ ❷

لہٰذا پرویز صاحب کے نزدیک جو دنیا میں خوشحال ہوں گے وہی آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہوں گے اور جو دنیا میں غربت وافلاس کا شکار رہے وہ ناکام ہوں گے، کیونکہ ان کے اعمال خوشحالیوں اور خوشگواریوں کی شکل میں سامنے نہیں آئے اور نہ ان کے اعمال کا کوئی وزن ہی ہے۔!!

ایمان بالآخرۃ کے ضمن میں الساعۃ (قیامت) کا تذکرہ بھی قرآن وحدیث میں ہوا ہے۔ اب الساعۃ کا محض لغوی معنی مراد لینے کی بجائے اس کا اصطلاحی معنی مراد لینا ہی درست ہوگا، اس الساعۃ کا وقت کسی کو بھی معلوم نہیں، وہ اچانک آجائے گی اور اس دن تمام فوت شدگان قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر اس دن میزان اعمال قائم کیا جائے گا اور حسب ضرورت شہادتیں بھی عدالت الٰہی میں لی جائیں گے۔ ان سارے ثابت شدہ حقائق کے باوجود الساعۃ سے بعض لوگ ''انقلاب'' (Revolution) مراد لیتے ہیں۔ غلام احمد پرویز ﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ (الحجر 85:15) کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

''جس انقلاب کے لیے تم جدوجہد کر رہے ہو، وہ تو آکر رہے گا۔'' ❸

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ الساعۃ ایک ہی بار آئے گی جب کہ انقلابات تو کئی بار آئے اور کئی انقلاب کے داعی تو اب بھی موجود ہیں۔ پرویز الساعۃ اور دیگر ایسی ہی اصطلاحات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اصل سوالات تو یہ ہیں کہ قرآن کے نزدیک حیات کسے کہتے ہیں؟ موت کے کیا معنی ہیں؟ قیامت کا تصور کیا ہے؟ عذاب وثواب سے کیا مفہوم ہے؟ وقس علی ھذا۔ مسلمان کو چونکہ اس زندگی سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ اس لیے اس نے ان اہم سوالات کو قیامت پر ملتوی رکھا ہے اور قیامت بھی صرف وہ جو مرنے کے بعد آئے گی۔ وہ اس قیامت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، جو اس کی ایک ایک سانس میں پوشیدہ ہے اور اس جنت و دوزخ سے کوئی رابطہ نہیں رکھتا جو قدم قدم پر اس کے سامنے ہے۔ نہ وہ اس میزان کو دیکھتا ہے، جس میں قوموں کے اعمال حیات ہر آن تلتے رہتے ہیں۔'' ❹

---

❶ برصغیر میں اسلامی جدیدیت ص، ۳۲۲۔ ❷ نظام ربوبیت ص، ۱۹۴۔ ❸ ایضاً ص، ۲۱۴۔

❹ قرآنی فیصلے ص، ۳۳۲۔

Marfat.com

اس اقتباس سے جو بات نمایاں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ پرویز صاحب تمام اُخروی چیزوں کو دنیا میں قرار دیتے ہیں، مگر کھلے لفظوں ان اخروی چیزوں کا انکار بھی نہیں کرتے تا کہ کوئی انہیں منکرِ قیامت، منکرِ وزنِ اعمال اور جنت و دوزخ کا انکاری نہ کہے۔ جب کہ حقیقت تو یہی ہے کہ وہ آخرت کے اعمال کو اس دنیوی زندگی پر منطبق (Apply) کرتے ہیں حتیٰ کہ جنت و جہنم کو بھی دنیوی اشیا قرار دیتے ہیں۔ بالخصوص جہنم کے بارے میں تو اکثر کہتے ہیں کہ غربت وافلاس اور لوگوں کی بری حالت اس دنیا کا جہنم ہے۔ ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا﴾ (الکھف 106:18) کا مفہوم پرویز صاحب نے یوں بیان کیا ہے:

''یہ تباہیوں کا وہ جہنم ہوگا، جو ان کے سامنے نمودار ہو جائے گا۔ یہ اس لیے کہ یہ لوگ ہمارے قوانین کا انکار کرتے تھے۔''❶

''یہ تباہیوں کا جہنم'' کبھی ''معاشرے کا جہنم'' بن جاتا ہے، سرغنوں کے پکڑے جانے کا تذکرہ کرنے کے بعد پرویز یہ بھی کہتے ہیں کہ صرف بڑے بڑے سرغنہ ہی نہیں پکڑے جائیں گے چھوٹے مجرم بھی پکڑے جائیں گے اور کوئی اس سے بچ نہیں سکے گا۔ سرغنوں اور متبعین کے بارے میں پرویز صاحب قرآن کی طرف بات منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وہ کہتا ہے کہ سب سے پہلے ان کو واردِ جہنم کرلو۔ اب وہ اگلی بات دیکھیے کہ یہ Followers، یہ تو خوش ہوں گے کہ صاحب! یہی تھے اور ان کو پکڑ لیا، ہمیں تو نہیں پکڑا۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ ایسا بالکل نہیں ہے۔

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّاo﴾

(مریم 71:19)

''تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا، جو اس کے عذاب سے بچ جائے گا۔ یہ سب مجرم ہیں، اس لیے ان سب کو وہاں ہانک کر لایا جائے گا۔ یہ بات تیرے نشو ونما دینے والے کے قانونِ مکافات کی رو سے طے پا چکی ہے۔''❷

جہنم کی طرح جنت کو بھی غلام احمد پرویز نے ''مقام'' کا نام ماننے کی بجائے ''قرآنی نظام حیات'' کی خصوصیات کا نام قرار دیا ہے۔ ﴿كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًاo﴾ (الکھف 107:18) پر ان کا تبصرہ ملاحظہ کیجیے۔

''یہاں جنت کے متعلق جنت کی صفت فردوس بتائی ہے، اس فردوس کا معنیٰ ''وسعت اور فراخیاں اور کشادگیاں'' ہوتا ہے، اور مختلف مقامات پر قرآن کریم نے خدا کی ربوبیت کا جو نظام ہے، اس میں بتایا ہے کہ اس

❶ مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف و مریم) ص، ۱۹۸۔
❷ مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورہ الکھف و مریم) ص، ۷۴۲۔

Marfat.com

میں کتنی خوشحالیاں ہوں گی اور کتنی کشادگی اس کے اندر ہوگی، کتنی وسعت اس کے اندر ہوگی، تو جنت کے متعلق اس نے کہا ہے کہ اس کی وسعت ارض وسماء پہ پھیلی ہوئی ہوگی۔ جنت کسی مقام کا نام نہیں ہے۔'' [1]

یہ نظریہ قرآن کے صریحاً خلاف ہے۔ دیکھیے قرآن کتنے واشگاف الفاظ میں جنت اور جہنم کو ''مقام'' قرار دیتا ہے۔ جنت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ٥ خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ٥﴾

''ان (صفات کے) لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا وسلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے۔'' (الفرقان 25:75-76)

یہاں مستقر اور مقامات کے الفاظ پرویز کے تصور کی تغلیط کرتے ہیں، یہی الفاظ جہنم کے بارے میں استعمال ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ٥ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ٥﴾

''اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! جہنم کے عذاب کو ہم سے دور رکھیو، کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے اور وہ ٹھہرے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔''

(الفرقان 25:65-66)

''قرآنی بصیرت'' کے مطابق کسریٰ کے محل کو پرویز صاحب جنت کا نقشہ قرار دیتے ہیں۔ [2] جن اور اس کی سب چیزوں کو تشبیہات اور تمثیلات قرار دیتے ہیں:

''قرآن نے کہا کہ جحیم تو روک ہے۔ یہ مضمحل کرنے والی چیز اور پھنسا دینے والی چیز ہے۔ یاد رکھیے، جنت اور جہنم کے سلسلے میں یہ سارے بیانات تمثیلی ہیں۔ وہ سچ مچ پیالے میں کچھ نہیں ڈالا ہوا ہوتا، لیکن تمثیلات کے درجے میں قرآن کریم اس پینے والی چیز کو کہتا ہے کہ ﴿خِتَامُهُ مِسْكٌ﴾ (المطففین 26:83) ''اس کے اندر کیا چیز ہوگی، اسے تو چھوڑ دیجیے۔ بادۂ رحیق کو جو ہم نے مشک سے سربمہر (Seal) کیا ہے۔ اس میں کیا چیز ہے؟ ﴿خِتَامُهُ مِسْكٌ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ٥﴾ (المطففین 26:83) ''اس میں وہ شے ہے جس سے جو جتنا آگے جانا چاہے، جاتا جائے، چلتا جائے، بڑھتا چلا جائے۔ یہ

---

1. مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورہ کھف و مریم) ص، ۱۹۹۔
2. مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورہ النحل) ص، ۱۸۱۔

Marfat.com

جنت کی تمثیلی کیفیت ہے۔"[1]

اس تمثیلی کیفیت کی قرآن کریم میں کوئی واضح دلیل موجود نہیں، مگر پرویز اپنی "بصیرت" کو قرآن کی بات کہہ کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایک اخروی جنت (حسبِ دعویٰ) ہے اور ایک دنیوی جنت۔ دوسری جنت، کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دوسری جنت وہ ہے جو نظام خداوندی کے اتباع سے اسی دنیا میں متشکل ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ جنتی معاشرہ جو قرآن کے خطوط کے مطابق قائم ہوتا ہے۔ اس جنت کی تفاصیل اسی دنیا سے متعلق ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ ہماری سمجھ میں آسکتی ہیں، بلکہ ہم خود اس جنت کو پیدا کر سکتے اور اس کی فضاؤں میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ ہے وہ جنت جس میں قرآن نے مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے اور کرنا چاہیے بھی۔ اس لیے کہ وہ کون سا معاشرہ ہے جو عورتوں کے بغیر، تنہا مردوں کے ذریعے قائم ہو سکتا ہے۔"[2]

بعد از مرگ ملنے والی جنت کو اسی دنیا میں کھینچ لانے کی کوشش نمایاں دکھائی دے رہی ہے۔ اُخروی جنت کو بظاہر تسلیم کرنے کے باوجود قرآن کی اس اصطلاح جنت کی تمام صفات کو دنیوی "جنتی معاشرے" پر منطبق کرتے چلے جاتے ہیں۔ البتہ جہاں جہاں اس جنت کا اقرار مصلحتاً کرنا پڑے تو اسے ہلکا سا چھو کر گزر جاتے ہیں۔

***

[1] مطالب الفرقان فی دروس القرآن (بنی اسرائیل) ص، ۳۵۶

[2] طاہرہ کے نام خطوط ص، ۴۳۔

Marfat.com

ارکان اسلام پر اثرات

① صلوٰۃ اور اقامت صلوٰۃ کا جدید مفہوم

انحرافی مکتب فکر کی دوسری بڑی نمائندہ شخصیت کے نزدیک صلوٰۃ اور اقامت صلوٰۃ کا مفہوم یہ ہے:

''خدا کے نظام ربوبیت کے قیام کے لیے، ایمان کے بعد، دوسری کڑی یہ ہوتی ہے کہ اس معاشرہ میں ایسی فضا پیدا کی جائے، جس سے اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے یہی تصور آنکھوں کے سامنے رہے، اس کا نام قرآن کی اصطلاح میں اقامتِ صلوٰۃ ہے۔''❶

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاح ''اقامت صلاۃ'' ہے، جس کے عام معانی نماز پڑھنا یا نماز قائم کرنا لیے جاتے ہیں، لفظ ''صلاۃ'' کا مادہ (ص۔ل۔و) ہے۔ جس کے بنیادی معنی، کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں، اس لیے صلوٰۃ میں، قوانین خداوندی کے اتباع کا مفہوم شامل ہوگا، بنابریں اقامت صلاۃ سے مفہوم ہوگا: ایسے نظام یا معاشرہ کا قیام، جس میں قوانین خداوندی کا اتباع کیا جائے، یہ اس اصطلاح کا وسیع اور جامع مفہوم ہے۔''❷

مولانا مودودی کا تبصرہ

اقامتِ صلوٰۃ کے اس پرویزی مفہوم پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر، منکرینِ حدیث کی اس جسارت پر غور کیجئے کہ وہ ''نماز پڑھنے'' کا مذاق اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نماز جو آج مسلمان پڑھ رہے ہیں، یہ سرے سے وہ چیز ہی نہیں ہے، جس کا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ قرآن تو اقامتِ صلاۃ کا حکم دیتا ہے، اور اس سے مراد نماز پڑھنا نہیں، بلکہ ''نظامِ ربوبیت'' قائم کرنا ہے۔ اب ذرا ان سے پوچھیے کہ وہ کون سا نرالا نظام

❶ نظام ربوبیت، ص ۱۴۷۔۱۴۸۔ ❷ قرآنی فیصلے، ۸۱۔

Marfat.com

ربوبیت ہے جسے یا تو طلوع آفتاب سے پہلے قائم کیا جا سکتا ہے، یا پھر زوالِ آفتاب کے بعد کچھ رات گزرنے تک؟ اور وہ کون سا نظام ربوبیت ہے، جو خاص جمعہ کے دن قائم کیا جانا مطلوب ہے؟''

﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ﴾

(الجمعة 62:9)

''اور نظام ربوبیت کی آخر وہ کون سی قسم ہے، کہ اسے قائم کرنے کے لیے آدمی کھڑا ہو تو پہلے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لے اور سر پر مسح کر لے ورنہ اسے قائم نہیں کر سکتا......''۔ ❶

اقامتِ صلاۃ کے بارے وضو، تیمّم اور دیگر احکام پر مشتمل آیات نقل کرنے کے بعد مولانا مودودی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کی یہ ساری آیات صاف بتا رہی ہیں کہ اقامتِ صلاۃ سے مراد وہی نماز قائم کرنا ہے، جو مسلمان دنیا بھر میں پڑھ رہے ہیں۔ لیکن منکرینِ حدیث میں ہیں کہ خود کو بدلنے کی بجائے، قرآن کو بدلنے پر اصرار کیے چلے جاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص، اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بالکل ہی بیباک نہ ہو جائے وہ اس کے کلام کے ساتھ یہ مذاق نہیں کر سکتا، جو یہ حضرات کر رہے ہیں، یا پھر قرآن کے ساتھ یہ کھیل وہ شخص کھیل سکتا ہے جو اپنے دل میں اسے اللہ کا کلام نہ سمجھتا ہو اور محض دھوکہ دینے کے لیے قرآن قرآن پکار کر مسلمان کو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔'' ❷

ڈاکٹر محمد دین قاسمی صاحب نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ جناب پرویز نے مختلف اوقات واحوال میں، مختلف ''مصالح'' کے پیش نظر اقامتِ صلوٰۃ کے درج ذیل مفاہیم بیان کیے ہیں:

① اقامتِ صلوٰۃ اپنے معروف معنی میں

② اقامتِ صلوٰۃ بمعنی اتباعِ صراط مستقیم

③ اقامتِ صلوٰۃ بمعنی اطعام مسکین

④ اقامتِ صلوٰۃ بمعنی تشکیل معاشرہ بر قوانین الٰہیہ۔ ❸

② زکوٰۃ کا مفہوم

زکاۃ کا مفہوم بھی غلام احمد پرویز کے نزدیک امتِ اسلامیہ کے مسلّمہ مفہوم سے مختلف ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''قرآن کے پیش کردہ معاشی نظام کی رو سے مملکت کی ساری آمدنی ''زکاۃ'' ہے۔ کیونکہ اسے نوع

❶ تفہیم القرآن، ۱۳/۴۷۔ ❷ تفہیم القرآن، ۱۳/۴۷۔

❸ ملاحظہ ہو: تفسیر مطالب الفرقان کا علمی وتحقیقی جائزہ، ۱/۵۵۴۔۵۵۸۔

Marfat.com

انسانی کی نشوونما کے لیے صرف کیا جاتا ہے۔(ایتائے زکاۃ کا معنی نشوونما پانا ہوتا ہے)، جسے آج کل زکاۃ کہا جاتا ہے، قرآن کریم میں اس کا ذکر تک نہیں۔'' ❶

③ روزے کامفہوم

روزے کے بارے میں غلام احمد پرویز اور علما امت کے افکار میں کوئی خاص فرق معلوم نہیں ہوسکا۔ ❷

④ حج کامفہوم اور اہمیت

غلام احمد پرویز صاحب حج کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حج سے مفہوم یہ ہے کہ تمام دنیا کے انسان، بلاتفریق رنگ ونسل، اور بلا امتیاز وطن وزبان، جو اس نصب العین پر ایمان رکھتے ہوں، کہ دنیا میں کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کا حق نہیں، حاکمیت صرف خدا کے قانون کی جائز ہے، اپنے اپنے ملکوں سے نمائندے چنیں، یہ نمائندے، اپنے میں سے ایک منتخب کردہ امیر کی زیر قیادت، مرکزِ وحدت انسانیت یعنی کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوں، عرفات کے میدان میں، ان تمام نمائندگان کا باہمی تعارف ہو، پھر یہ تمام امرائے ملت اپنے میں سے ایک امیر الامراء کا انتخاب کرلیں، اور مختلف ممالک کے احوال وظروف کو سامنے رکھ کر، باہمی مشاورت سے ایک ایسا پروگرام مرتب کرلیں، جو آئندہ سال کے لیے اصولی طور پر، بطور مشترکہ پالیسی اختیار کیا جائے، اور جو امن وسلامتی انسانیت کا ضامن اور فلاح وسعادتِ آدمیت کا کفیل ہو۔

ان کا منتخب کردہ امام، اپنے خطبۂ حج میں، اس پروگرام کا اعلان کردے، جو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جائے، اس کے بعد مقامِ منیٰ میں جمع ہوکر، اس اصولی پروگرام کی تفصیلات وجزئیات پر غور کریں اور یہ سوچیں کہ ایک دوسرے کے ملک پر اس کا عملی اثر اور ردعمل کیا ہوگا، وہاں باہمی مذاکرات بھی ہوں گے اور دعوتیں اور ضیافتیں بھی، جس کے لیے قربانی تجویز کی گئی ہے۔

اس کے بعد یہ نمائندگان اپنے اپنے ملکوں میں واپس جائیں اور اس طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے اپنے لوگوں کو چلائیں، یہ ہے وہ عملی طریقہ، جو قرآن کریم نے تمام نوع انسانی کو، ایک امتِ واحدہ بنانے اور ان کے تمدنی مسائل کا حل تجویز کرنے کے لیے بتایا ہے۔'' ❸

---

❶ تفسیر مطالب الفرقان، ۲۰۸۶ (حاشیہ)۔

❷ تفسیر مطالب الفرقان کا علمی وتحقیقی جائزہ، ڈاکٹر محمد دین قاسمی، ۵۹۵۱۔

❸ قرآنی فیصلے، ۶۸۱۔

Marfat.com

غیر مسلم بھی حج میں بحیثیت مبصر آئیں

ایک اور موقع پر جناب پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''آیت کی تشریح میں کہا گیا ہے ﴿وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ تو لوگوں کو حج کے اجتماع میں شرکت کی دعوت دے۔'' اس سے مترشح ہوتا ہے۔ کہ منشأ خداوندی یہ تھا کہ اس اجتماع کا انتظام وانصرام تو امت مسلمہ کی طرف سے ہو، لیکن اس میں دیگر اقوام عالم کے نمائندوں کو بھی مبصرین کی حیثیت سے دعوتِ شرکت دی جائے، تاکہ وہ اس امر کا مشاہدہ کریں کہ نظامِ خداوندی، عالمگیر انسانیت کی منفعت کے لیے کیا کچھ کر رہا ہے۔'' ❶

حج کا یہ ماڈرن نقشہ واضح طور پر دکھائی دیتا ہے کہ قرآن مجید اور سنتِ نبویہ کی بجائے اقوامِ متحدہ جیسے اداروں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔

قرآن وسنت کے مطابق مطلوب حج اور پرویز صاحب کے تصورِ حج میں درج ذیل وجوہ کی بنا پر کوئی مناسبت نہیں:

① حج کے ماڈرن نقشہ کے مطابق حج صرف امراءِ ملت کے لیے ہے۔ جب کہ قرآن مجید کی صراحت کے مطابق یہ ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر فرض ہے۔

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ ❷

② ماڈرن نقشۂ پرویز کے مطابق حج کی قربانی حکمرانوں کی ''ضیافت'' اور ''دعوت گوشت خوری'' کا اہتمام ہے، جب کہ قرآن مجید کے مطابق یہ خود کھانے اور غریبوں کو کھلانے کے لیے ہے۔

﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ﴾ ❸

③ قرآن مجید میں مذکور مناسکِ حج طوافِ بیت اللہ، سعی بین الصفا والمروہ، وقوفِ مشعرِ حرام جیسے پاکیزہ تصورات سے اس ''ماڈرن حج'' کو دور سے بھی کوئی تعلق نہیں۔

④ ''ماڈرن حج'' کے مطابق غیر مسلم لوگ، مسلمانوں کے اخراجات پر بحیثیت مبصر ''تشریف'' لائیں گے، اور وہ بھی مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ پر، قرآن مجید کے مطابق ان کی تشریف آوری تو کجا، سرے سے مسجد حرام میں ان کا داخلہ ہی ممنوع ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ ❹

❊❊❊

❶ طلوع اسلام، اگست ۱۹۷۹ء، صفحہ ۵۔
❷ سورة آل عمران ۳: ۹۷۔
❸ سورة الحج ۲۲: ۳۶۔
❹ سورة التوبة، ۹: ۲۸۔

Marfat.com

نتائج تحقیق باب ششم

(انحرافی مکتب فکر کے اصولِ تفسیر)

① جس طرح قدیم معتزلہ کاظہور درحقیقت یونانی فلسفہ ومنطق کا ردعمل تھا، اسی طرح عہد انحرافی مکتب فکر کا ظہور مغربی تہذیب اور جدید افکار کا ردعمل ہے۔

② انحرافی مکتب فکر تاریخی طور پر دو اہم ادوار سے گزرا ہے:

① پہلے دور کے سرخیل سرسید احمد خان ہیں۔

② دوسرے دور کے سرخیل غلام احمد پرویز ہیں۔

③ سرسید احمد خان وغلام احمد پرویز دونوں ہی پر تہذیبِ مغرب کا غلبہ ہے، اور اس سے بری طرح مرعوب ہیں البتہ سرسید احمد خاں جدید سائنسی نظریات کی حمایت میں زیادہ پیش پیش ہیں۔ اور غلام احمد پرویز کے ذہن پر جدید اشترا کی نظریات سوار ہیں۔

④ قدیم معتزلہ کی طرح سرسید صاحب کے نزدیک عقل کو ہر چیز پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ اگر کوئی آیت عقل سے ٹکرا رہی ہو، تو اس کی ایسی تاویل کی جائے گی کہ وہ مطابق عقل ہو جائے۔ اسی طرح قرآن قانون فطرت کے مطابق ہے، کیونکہ قرآن مجید word of God اور فطرت Work of God ہے۔ سرسید کے تمام تفسیری انحرافات انہی دو نظریات کی بنا پر ہیں۔ سرسید کے بنیادی اصول تفسیر بھی درج بالا دونوں نظریات ہیں۔

⑤ قرآن مجید کی سائنسی تفسیر کے بارے دو متضاد آرا پائی جاتی ہیں۔ معتدل رائے یہ ہے کہ قرآن مجید کی سائنسی تشریح چند شروط کے ساتھ جائز ہے۔

⑥ کسی بھی جدید سائنسی حقیقت کو قرآن مجید کا عین مدلول قرار نہیں دیا جاسکتا، قرآن مجید کا حقیقی مدلول احادیث وآثار اور لغت ہی کی روشنی میں طے کیا جائے گا۔ البتہ جدید سائنسی معلومات کو پہلے سے ثابت شدہ مدلول قرآن میں توسیع کی خاطر بیان کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

⑦ عقل کا یہ کام نہیں کہ وحی الٰہی کی جگہ براجمان ہو جائے یا اس کے آگے بڑھے، بلکہ عقل کو وحی کے تابع ہونا چاہیے۔

⑧ وحی سے ثابت شدہ کوئی بھی حقیقت عقل سلیم کے خلاف نہیں ہو سکتی، البتہ ایسی عقل جو اتباع ہوٰی پر مبنی ہو، یعنی عقل غیر مسلم یہ اکثر خلاف شریعت ہوتی ہے۔ شریعت کے نزدیک ایسی عقل، سرے سے عقل ہے ہی نہیں، بلکہ اتباع الھوٰی ہے۔

⑨ بعض حقائق خلاف عقل تو نہیں ہوتے، لیکن ماورائے عقل ہوتے ہیں، بعض دفعہ مطلقاً ماورائے عقل ہوتے ہیں، اور بعض اوقات ایک خاص عہد کے لیے ماورائے عقل ہوتے ہیں۔ انحرافی مکتب فکر ایسے حقائق کو بھی خلاف عقل کہہ کر ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔

⑩ اگر انحرافی مکتب فکر کے اصول تفسیر کو من حیث المجموع قبول کر لیا جائے، تو ایمانیات اور ارکان اسلام کی کوئی متفقہ شکل نہیں بتائی جا سکتی، بلکہ امت کے بنیادی مسلمات اور بدیہیات بھی متزلزل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے امت کے اجتماعی ضمیر نے انحرافی مکتب فکر کے منہج تفسیر کو کبھی قبول ہی نہیں کیا۔

***

Marfat.com

خلاصۂ بحث ونتائج تحقیق

مقالہ ہذا مقدمہ، پانچ ابواب اور خلاصۂ تحقیق پر مشتمل ہے۔مقدمہ میں موضوع کا تعارف ضرورت و اہمیت اور منہج تحقیق کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ابواب کا خلاصہ بالترتیب ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

(علم اصول تفسیر: معنی ومفہوم ،آغاز وارتقا)

- صحابہ کی تشریف آوری اور اسلامی فتوحات ہی برصغیر میں مطالعۂ قرآن کا نقطۂ آغاز بنی ہوں گی۔ یہاں باقاعدہ تفسیر نویسی کب شروع ہوئی؟اس پر کچھ کہنا خاصا مشکل ہے، کیونکہ برصغیر پر لکھی گئی کتب تاریخ میں اسلاف کی علمی زندگی پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔
- شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے پہلے تفسیر نویسی میں فلسفی وکلامی مباحث ،لغوی وفنی مسائل اور متصوفانہ اشارات و اذواق غالب رہے۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عہد ساز شخصیت کے بعد تفسیر قرآن کا ایک انقلابی مقصد متعارف ہوا، جس میں ساری توجہ اس بات پر مرتکز ہوئی کہ عوام الناس کو براہ راست قرآن مجید کے قریب لایا جائے۔اس ہدف کے پیش نظر اردو زبان کو ذریعۂ اظہار بنایا گیا،قرآن مجید کے تراجم منظر عام پر آئے اور تفسیر بالمأثور کی روایت زندہ ہوئی۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تفسیر نویسی میں نئے نئے رجحانات اور مناہج متعارف ہوئے۔جن میں سے کچھ تفسیر بالمأثور کی نمائندگی کرتے ہیں، کچھ دیگر رجحانات تفسیر بالرأی کے ترجمان ہیں۔ اور بعض رجحانات امت اسلامیہ کے متفقہ عقائد اور مسلمات سے منحرف ہیں۔
- برصغیر میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے پہلے اصول تفسیر پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔شاہ ولی اللہ، کی ''الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر'' کو اس موضوع پر برصغیر کی پہلی باقاعدہ کتاب کا مقام حاصل ہے۔حضرت شاہ صاحب کی تجدیدی وانقلابی مساعی کے بعد قرآن مجید ایک نئے انداز میں تحقیقات کا مرکز بنا۔تطور و ارتقا کے اس موڑ پر چار واضح، متعین اور باہم مختلف مدارسِ فکر وجود میں آئے ،جنہیں ''مناہج اصول تفسیر'' کا نام دیا جاسکتا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

  ① منہج تفسیر بالماثور
  ② منہج تفسیر بالرأی المحمود

Marfat.com

③ فراہی مکتب فکر

④ انحرافی مکتب فکر (تفسیر بالرأی المذموم)

(تفسیر بالمأثور: ضرورت واہمیت، اثرات)

- منہج تفسیر بالمأثور کے نزدیک قرآن مجید کی تشریح وتعبیر عہد نبوی وصحابہ میں علمی ونظریاتی اور عملی واطلاقی سطح پر طے ہو چکی ہے۔ بنیادی تشریح امت میں ایک تسلسل کے ساتھ چلی آ رہی ہے۔ اب گر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہی ''پہلا'' شخص ہے، جو ''پہلی دفعہ'' قرآن کو سمجھنے چلا ہے اور باقی ''ساری'' امت، اپنی پوری تاریخ میں صحیح فہم قرآن سے نا آشنا رہی ہے، تو ایسا دعویٰ، بہر صورت کوئی ادنی سی بھی علمی بنیاد نہیں رکھتا۔
- تفسیر بالمأثور کو قانونی نظائر کا درجہ حاصل ہے۔
- لغوی لحاظ سے بھی تفسیر بالمأثور کو حجت کا درجہ حاصل ہے، کیونکہ اس میں عربی لغت کے عصر احتجاج سے تعلق رکھنے والے عرب صحابہ وتابعین کے اقوال منقول ہوتے ہیں۔
- منہج تفسیر بالمأثور نزول قرآن کے بنیادی مقاصد سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے، اس منہج کو اپنانے سے سیرت النبی ﷺ وحیات صحابہ سے ایمان وعمل کے بہترین نمونے فراہم ہوتے ہیں نیز فکر آخرت اور زہد وتقویٰ کی اعلیٰ کیفیات صرف اسی منہج کی بدولت پیدا ہوسکتی ہیں۔
- منہج تفسیر بالمأثور میں حدیث کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس کے بغیر قرآن مجید پر ایمان لانا بھی ممکن نہیں۔ نیز قرآن مجید کی اپنی تصریح کے مطابق تشریح قرآن، رسالت مآب ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔
- منہج تفسیر بالمأثور سے رہنمائی لیے بغیر غزوات واقعات اور بعض مبہمات پر مشتمل آیات کی تفسیر ممکن ہی نہیں ہے۔
- احادیث رسول درحقیقت نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے فہم قرآن اور تدبر فی القرآن کا ماحصل ہیں۔
- صحابۂ کرام کے تفسیری اقوال عدم اختلاف کی صورت میں حجت ہوتے ہیں۔
- صحابۂ کرام کے تفسیری اقوال فقہی اقوال کی بنسبت زیادہ اہم ہیں۔ کیونکہ فقہی اقوال میں درایت و اجتہاد کا زیادہ دخل ہوسکتا ہے، جب کہ تفسیری اقوال میں زبان دانی، عرب اسالیب سے کامل آگاہی اور نزول قرآن کے احوال وواقعات کا عینی مشاہدہ اور حد درجہ حزم واحتیاط جیسے عناصر شامل ہوتے ہیں۔
- جس طرح صحابۂ کرام ایمان وتقویٰ میں سب سے فائق ہیں، بعینہ اس طرح وہ علم دین اور فہم قرآن میں بھی سب سے آگے ہیں۔

Marfat.com

- منہج تفسیر بالمأثور کے بارے یہ مغالطہ کہ وہ تدبر واجتہاد کے منافی ہے، درست نہیں، کیونکہ تفسیر بالمأثور تدبر واجتہاد کو روکتا نہیں بلکہ تدبر واجتہاد کو صحیح سمت اور رخ فراہم کرتا ہے۔
- اسرائیلیات، ضعیف وموضوع روایات اور منحول اقوال منہج تفسیر بالمأثور میں ضعف واضمحلال کے بنیادی اسباب ہیں۔
- عقائد اسلام، ارکان اسلام اور اسلامی معاشری اقدار منہج تفسیر بالمأثور ہی کی بدولت محفوظ ہیں اور آج تک اسلامی معاشروں میں فکری وعملی سطح پر ایک متعین شکل میں پائے جا رہے ہیں۔

(تفسیر بالمأثور کے اصول وقواعد)

- تفسیر القرآن بالقرآن بعض صورتوں میں تفسیر بالمأثور ہوتی ہے، جبکہ بعض صورتوں میں تفسیر بالرأی الجائز اور بسا اوقات غلط تطبیق کی صورت میں اس طرز تفسیر سے اخذ کردہ نتائج تفسیر بالرأی المذموم میں شامل ہوتے ہیں۔
- قرآن وحدیث باہمی تعلق کے لحاظ سے تین اقسام پر مشتمل ہیں، امام شافعی کی بعض عبارات سے مترشح ہوتا ہے کہ اس تقسیم پر اجماع ہے:

  ① نصوص قرآن پر مشتمل احادیث

  ② نصوص قرآن کی شارح احادیث

  ③ مستقل اضافی احادیث

- رسول اللہ ﷺ نے مکمل قرآن مجید کی تفسیر وتشریح فرمائی ہے، کیونکہ یہ چیز آپ کے فرائض نبوت میں شامل تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا اپنا مخصوص اسلوب تفسیر تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

  ا۔ بہت قلیل احادیث میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے کسی آیت کی صراحۃً تشریح فرمائی اور اپنی تشریح وتفسیر میں اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

  ب۔ بعض قلیل مواقع پر صحابہ کرام نے استفسار کیا اور آپ نے جواباً مطلوبہ آیت مبارکہ کی تفسیر بیان فرمائی۔

  ج۔ قرآن مجید کی بہت ساری آیات اپنے آپ میں خود واضح تھیں، ایک عربی کے لیے ان کی تفسیر وتشریح کی ضرورت ہی نہیں تھی، لہٰذا آپ ﷺ نے ایسی آیات مبارکہ کی تشریح نہیں فرمائی۔

  د۔ باقی تمام آیات مبارکہ کی تفسیر آپ نے اپنی عملی زندگی اور اقوال وارشادات کے ذریعے فرمائی۔ کتب حدیث کے مستند ذخیرے، ان کے ذیلی عناوین وابواب ایمان وطہارت سے

Marfat.com

شروع ہوکر، بدء الخلق، فتن اور علامات قیامت تک کی تمام احادیث مبارکہ درحقیقت قرآن مجید کے علوم خمسہ کی تشریحات ہیں۔

- تفسیر القرآن بالحدیث میں بھی مفسر کے ذاتی اجتہاد کا حصہ ہوتا ہے۔
- امام احمد کے قول کی بنیاد پر یہ کہنا کہ احادیث تفسیر کی کوئی اصل نہیں، "توجيه القول بما لا يرضى به القائل" کی واضح مثال ہے۔ اس قول سے ان کی مراد صرف یہ ہے کہ علم تفسیر میں بعض واقعات کی رنگ آمیز تفصیلات، اسرائیلی روایات وحکایات، ہر سورت کے فضائل میں متعدد احادیث، روافض کے ہاں اہل بیت کے فضائل میں تفسیری روایات، یہ سب مرویات اور اس طرز کی دیگر تفسیری روایات بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔
- تفسیر قرآن میں اقوال صحابہ کی مختلف اقسام ہیں، اور ہر قسم کا حکم اور حیثیت بھی اسی حساب سے مختلف ہے۔ اس لحاظ سے اقوال صحابہ کی پانچ اقسام حجت ہیں۔
- تابعین اگر کسی تفسیر پر متفق نظر آئیں تو بلاشبہ وہ تفسیر بدرجہء اجماع حجت ہے۔ تابعین کے انفرادی اقوال حجت نہیں ہیں۔ لیکن علم تفسیر میں ان کی ایک اہمیت ضرور ہے۔
- صحابہ وتابعین کے اقوال پر استنادی تحقیق بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اگر سند ہی ثابت نہ ہوسکے تو وہ محض ایک تفسیری قول ہے۔
- قرآن مجید میں تفکر وتدبر کے دروازے کشادہ ہیں، اس کے نکات ولطائف اور حقائق ومعارف کی کوئی حد نہیں۔ البتہ قرآن مجید سے ایسے "معارف" کشید کرنا، جن سے صحابہ وتابعین کی تغلیط وتردید ہورہی ہو، جائز نہیں۔
- تفسیر قرآن میں عربی لغت سے استفادہ کرنے کے لیے منہج تفسیر بالماثور میں طے شدہ اصول وقواعد ہیں، جن کی رعایت ضروری ہے۔
- تفسیر قرآن میں عقل واجتہاد کا استعمال دو قسم پر ہے۔
  - ا۔ قرآن مجید، احادیث وآثار اور فہم سلف کو پیش نظر رکھتے ہوئے، عقل ورائے استعمال کی جائے تو یہ تفسیر بالرأی الجائز ہے۔
  - ب۔ محض اپنی آراء وخواہشات کی تائید کے لیے رائے استعمال کرنا اور احادیث وآثار سے صرف نظر کرنا یا ان کی تاویلات کرنا تفسیر بالرأی المذموم ہے۔
- تفسیر قرآن میں اسباب النزول کو مطلقاً قبول کیا جاسکتا اور نہ مطلقاً رد کیا جاسکتا ہے۔ اہمیت کے لحاظ سے اسباب النزول کی پانچ بنیادی اقسام ہیں:۔

Marfat.com

(فراہی مکتب فکر کے اصول تفسیر)

- برصغیر کے کبار مفسرین میں سے بعض نظم قرآن کو اسرار و رموز کے طور پر لیتے ہیں اور اپنی رائے کے مطابق نظم تلاش کرتے ہیں، جب کہ دیگر مفسرین اسے اسرار و رموز کے طور پر بھی نہیں لیتے۔
جمہور مفسرین اپنی تفاسیر میں تلاش نظم کو اہمیت نہیں دیتے، مثلاً: نواب صدیق حسن خاں، سید امیر علی ملیح آبادی، سید احمد حسن محدث دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا مودودی، پیر کرم شاہ الأزہری اور مولانا عبدالرحمٰن کیلانی جیسے کبار مفسرین نے اپنی تفسیروں میں نظم قرآنی کو مستقل حیثیت سے ذکر نہیں کیا۔
- فراہی مکتب فکر میں بنیادی اہمیت نظام القرآن کو حاصل ہے اور یہی فہم کلام کا واحد راستہ ہے۔ پوری کائنات کا حسن بھی نظم ہی میں مضمر ہے۔ وحدت امت کا راز بھی اسی میں ہے، اعجاز قرآن بھی اسی میں پوشیدہ ہے اور حکمت قرآن مجید کی شاہ کلید بھی یہی ہے۔
- مقالہ نگار کے نزدیک تصور نظم محض ظن اور ذاتی اجتہاد و رائے پر مشتمل ہوتا ہے۔ فراہی مکتب فکر کا تصور نظم تفسیر بالرأی الجائز کی ایک قسم ہے، اس کی صحت کے لیے وہی شروط ضروری ہیں، جو تفسیر بالرأی کے جواز کے لیے علماء نے بیان کی ہیں۔
- قائلین نظم کی اپنی تصریحات اور خود ان کے باہمی اختلافات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ نظم ہر مفسر کی ذاتی رائے اور کاوش پر مبنی ہوتا ہے۔
- علامہ فراہی اور مولانا اصلاحی کے درمیان، تصور نظم پر مکمل فکری ہم آہنگی کے باوجود، تلاش نظم میں بعض اہم اختلافات پائے جاتے ہیں:
- فراہی مکتب فکر کی تحریریں تفسیر قرآن میں مقام حدیث کو متعین کرنے میں فکری و عملی تضاد کا شکار ہیں۔
- فراہی مکتب فکر کی تحریروں سے بہر حال نظم قرآن کی اہمیت اجاگر ہوئی ہے، فکر و نظر کے بعض نئے زاویے کھلے ہیں اور اصول تفسیر پر بعض اہم تصانیف وجود میں آئی ہیں۔

(انحرافی مکتب فکر کے اصولِ تفسیر)

- جس طرح قدیم معتزلہ کا ظہور درحقیقت یونانی فلسفہ و منطق کا ردعمل تھا، اسی طرح عہد جدید میں انحرافی مکتب فکر کا ظہور مغربی تہذیب اور جدید افکار کا ردعمل ہے۔
- انحرافی مکتب فکر تاریخی طور پر دو اہم دور سے گذرا ہے: پہلے دور کے سرخیل سر سید احمد خان ہیں۔ دوسرے دور کے سرخیل غلام احمد پرویز ہیں۔

Marfat.com

❁ سرسید احمد خان وغلام احمد پرویز دونوں ہی پر تہذیبِ مغرب کا غلبہ ہے، اور اس سے بُری طرح مرعوب ہیں، البتہ سرسید احمد خاں جدید سائنسی نظریات کی حمایت میں زیادہ پیش پیش ہیں۔ اور غلام احمد پرویز کے ذہن پر جدید اشترا کی نظریات سوار ہیں۔

❁ قرآن مجید کی سائنسی تفسیر کے بارے دو متضاد آرا پائی جاتی ہیں۔ معتدل رائے یہ ہے کہ قرآن مجید کی سائنسی تشریح چند شروط کے ساتھ جائز ہے۔ کسی بھی جدید سائنسی حقیقت کو قرآن مجید کا عین مدلول قرار نہیں دیا جاسکتا، قرآن مجید کا حقیقی مدلول احادیث و آثار اور لغت ہی کی روشنی میں طے کیا جائے گا۔ البتہ جدید سائنسی معلومات کو پہلے سے ثابت شدہ مدلول قرآن میں توسیع کی خاطر بیان کیا جاسکتا ہے۔

❁ بعض حقائق خلاف عقل تو نہیں ہوتے، لیکن ماورائے عقل ہوتے ہیں، بعض دفعہ مطلقاً ماورائے عقل ہوتے ہیں، اور بعض اوقات ایک خاص عہد کے لیے ماورائے عقل ہوتے ہیں۔ انحرافی مکتب فکر ایسے حقائق کو بھی خلاف عقل کہہ کر ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔

❁ اگر انحرافی مکتب فکر کے اصول تفسیر کو من حیث المجموع قبول کر لیا جائے، تو ایمانیات اور ارکان اسلام کی کوئی متفقہ شکل نہیں بتائی جاسکتی، بلکہ امت کے بنیادی مسلمات اور بدیہیات بھی متزلزل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے امت کے اجتماعی ضمیر نے انحرافی مکتب فکر کے منہج تفسیر کو کبھی قبول نہیں کیا۔

❁❁❁

Marfat.com

مصادر و مراجع ☆

- ❊ آزاد، ابوالکلام احمد، مولانا، ترجمان القرآن، مکتبہ سعید، ناظم آباد، کراچی، س ن۔
- ❊ آلوسی، السید محمود، ابوالفضل شہاب الدین، البغدادی، (م ۱۲۷۰ھ) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی، مکتبہ امدادیہ، ملتان، س۔ن۔
- ❊ آمدی، الامام الأصولی (م ۶۳۱ھ) احکام الأحکام، موسسۃ الحلبی وشرکاوہ، القاھرۃ، ۱۹۶۷ء۔
- ❊ ابن ابی العز، الحنفی، شرح العقیدۃ (الطحاویۃ) ضیاء السنۃ، فیصل آباد، ط ۱۹۸۵ء۔
- ❊ ابن الأثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، ط۔ دار الشعب، القاھرۃ، ۱۳۹۹ھ۔
- ❊ ابن تیمیہ، تقی الدین، احمد بن عبدالحلیم، شیخ الاسلام، (۷۲۸ھ)۔
- ❊ ابن تیمیہ، بُغیۃ المرتاد، ت دموسیٰ الدویش، مکتبۃ العلوم، السعودیۃ ط۔ اولیٰ، ۱۴۰۸ھ۔
- ❊ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، جمع وترتیب: عبدالرحمان بن محمد بن قاسم، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ المنورۃ، ۱۴۱۷ھ۔
- ❊ ابن تیمیہ، مقدمۃ فی أصول التفسیر، دار نشر الکتب الاسلامیۃ، لاہور پاکستان، س ن۔
- ❊ ابن الجوزی، ابوالفرج عبدالرحمان بن علی م (۵۹۷ھ)، زاد المسیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی، بیروت، ط ثالثۃ، ۱۴۰۴ھ۔
- ❊ ابن الصلاح، الشہر زوری، الامام (م ۶۴۳ھ)، معرفۃ أنواع علم الحدیث (مقدمۃ ابن الصلاح)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۔ اولیٰ، ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء۔
- ❊ ابن العثیمین محمد بن صالح، الشیخ، شرح مقدمۃ فی أصول التفسیر، لابن تیمیۃ، دار الوطن، الریاض، السعودیۃ، ۱۴۲۶ھ۔
- ❊ ابن العماد الحنبلی، شذرات الذھب فی خبر من ذھب، دار الآفاق، بیروت۔
- ❊ ابن القیم، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر، (م ۷۵۱ھ)، إعلام الموقعین عن رب العالمین، ت ابوعبیدۃ مشہور بن حسن، دار ابن الجوزی، السعودیۃ، ط اولیٰ ۱۴۲۳ھ۔
- ❊ ابن القیم، الصواعق المنزلۃ علی الطائفۃ الجھمیۃ و المعطّلۃ، مطبعۃ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ، ط ۱۴۰۷ھ۔

☆ ت= تحقیق، ط=طبعہ، س ن= سنۂ طباعت ندارد

Marfat.com

* ابن حجر، العسقلانی، الحافظ (م ۸۵۷ھ)۔
* ابن حجر، العسقلانی، الدرر الکامنة فی أعیان المائة الثامنة، ت محمد سید جاد الحق، دار الکتب الحدیثیة، س ن۔
* ابن حجر، العسقلانی، النکت علی کتاب ابن الصلاح، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط ثالثة، ۲۰۰۹ء۔
* ابن حجر، العسقلانی، تقریب التهذیب، ت محمد عوامة، دار الرشد، حلب، سوریا۔
* ابن حجر، العسقلانی، تهذیب التهذیب، دائرة المعارف، الهند، حیدر آباد، ط اولیٰ ۱۳۴۰ھ۔
* ابن حجر، العسقلانی، فتح الباری، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۳۷۹ھ۔
* ابن حجر، العسقلانی، هدی الساری مقدمة فتح الباری، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۳۷۹ھ۔
* ابن حزم، الأندلسی (م ۴۵۶ھ)، الاحکام فی أصول الأحکام، دار الافق الجدیده، بیروت، ط، اولیٰ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔
* ابن خلکان، وفیات الأعیان، ت د۔ احسان عباس، دار صادر، بیروت، ۱۳۹۷ھ۔
* ابن سعد، محمد ابن منیع (م ۲۳۰ھ)، الطبقات الکبریٰ، ت عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط ثانیة، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء
* ابن عادل، الدمشقی، الامام (۸۸۰ھ)، ت۔ عادل احمد عبد الموجود، علی محمد معوض، اللباب فی علوم الکتاب، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۔ اولیٰ ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۸ء
* ابن عاشور، محمد الطاہر، التحریر و التنویر، الدار التونسیة، تونس، س ن
* ابن عبد البر، ابو عمر یوسف، جامع بیان العلم و فضله، دار ابن الجوزی، الدمام، ط، اولیٰ ۱۴۱۴ھ۔
* ابن فارس، ابو الحسن، احمد بن فارس بن زکریا (م ۳۹۵ھ)، معجم مقاییس اللغة، ت عبد السلام هارون، دار الفکر، بیروت
* ابن قتیبة، تأویل مختلف الحدیث، ت عبد القادر احمد عطا، دار الکتب الاسلامیة، القاهرة، ط اولیٰ ۱۴۰۷ھ
* ابن کثیر، الحافظ، ابو الفداء، اسماعیل، (۷۷۴ھ)، البدایة و النهایة، ت محمد عبد العزیز النجار، مطبعة الفجالة، القاهرة
* ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الدلیل الاثریة، الجبیل، السعودیة، ط ثالثة، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء
* ابن منظور، الافریقی محمد بن مکرم، ابو الفضل، جمال الدین، (۷۱۱ھ)، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ط اولیٰ، ۱۴۱۷ھ۔
* ابو حیان، الاندلسی محمد بن یوسف، (۷۴۵ھ) البحر المحیط فی التفسیر، ت الشیخ عادل، ط الاولیٰ، دار الکتب العلمیة، بیروت

Marfat.com

* ابوشھبہ، محمد بن محمد، الدکتور، الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، مکتبۃ السنۃ، القاھرۃ، ط۔ رابعۃ، ۱۴۰۸ھ
* اثری عنایت اللہ، وزیرآبادی، حصول تیسیر البیان علی أصول تفسیر القرآن دارالحدیث، گجرات، ۱۹۵۵ء
* احمد شاکر، العلامۃ، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، لابن کثیر، ت علی الحلبی الأثری، مکتبۃ المعارف، الریاض، السعودیۃ، ط اولیٰ ۱۴۱۷ھ
* احمد، ابن حنبل، الامام (م ۲۴۱ھ)، العلل و معرفۃ الرجال، وصی اللہ عباس، المکتب الاسلامی، دمشق،
* احمد، ابن حنبل، المسند، بیت الافکار الدولیۃ، الاردن، ط۔ رابعۃ۔
* اختر عزمی، ڈاکٹر، مولانا امین احسن اصلاحی، حیات و افکار، نشریات لاہور، ۲۰۰۵ء
* ڈاکٹر محمد یوسف، ادبیات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
* اسحاق بھٹی، مولانا محمد برصغیر کے اھل حدیث خدام قرآن، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء
* اسحاق بھٹی، مولانا محمد برصغیر میں اھل حدیث کی آمد، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء
* اسدی، ابوالخیر، علام، اصول القرآن، مجلس نشر السنۃ، ملتان س ن
* اصفہانی، راغب، العلامۃ، الامام، (م ۵۰۲ھ) المفردات فی غریب القرآن، مولانا عبدہ الفلاح، (مترجم) مکتبہ قاسمیہ، لاہور، ط اول ۱۹۶۳ء/۱۳۸۳ھ
* اصلاحی، امین احسن، مولانا، اصول فھم قرآن، ترتیب: عبداللہ غلام احمد، ادارہ تدبر قرآن وحدیث، لاہور ۱۹۹۹ء
* اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ط، ہفتم ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۹ء
* اصلاحی، امین احسن، مولانا، قاموس الفاظ و اصطلاحات قرآن، مرتب اورنگ زیب اعظمی، دارالتذکیر، لاہور ۲۰۰۵ء
* اطہر مبارک پوری، قاضی، عرب و ہند عہد رسالت میں، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۴ء
* افضل حق، قرشی، مولانا ابوالکلام آزاد کی قرآنی خدمات، مکتبہ جمال، لاہور ۲۰۰۹ء
* الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، س ن
* الألبانی محمد ناصر الدین، ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل، المکتب الاسلامی، ط اولیٰ ۱۹۹۸ء
* الألبانی، محمد ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، المکتب الاسلامی، ط ثانیۃ ۱۴۰۴ھ
* الألبانی، محمد ناصر الدین، صحیح سنن ابن ماجۃ، مکتبۃ المعارف، الریاض، ط اولیٰ ۱۹۹۸ء
* الألبانی محمد ناصر الدین، صحیح و ضعیف الترغیب و الترھیب، مکتبۃ المعارف، الریاض ط اولیٰ ۲۰۰۰ء

Marfat.com

* الألبانی، محمد ناصر الدین، صحیح و ضعیف الترمذی، مکتبۃ المعارف، الریاض ط اولیٰ ۱۹۹۹ء
* الألبانی، محمد ناصر الدین، صحیح و ضعیف سنن ابی داؤد، مکتبۃ المعارف، الریاض ط اولیٰ ۱۹۹۵ء
* الألبانی، محمد ناصر الدین، صحیح و ضعیف سنن النسائی، مکتبۃ المعارف، الریاض ط اولیٰ ۱۹۹۷ء
* امرتسری، مولانا ثناء اللہ، ابوالوفاء، شیخ الاسلام (متوفی ۱۹۴۸ء) تفسیر القرآن بکلام الرحمان، المطبع البرقی، امرت سر، الہند، ۱۳۴۸ھ
* امرتسری، مولانا ثناء اللہ، ابوالوفاء، شیخ الاسلام (متوفی ۱۹۴۸ء) تفسیر ثنائی، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور، ط دوم ۱۹۷۱ء
* امرتسری، مولانا ثناء اللہ، مقدمہ ترجمۃ القرآن، تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ، ط۔ ثانیہ، س۔ ن۔
* امیر علی، ملیح آبادی، سید، فخر العلماء، (م ۱۳۳۷ھ-۱۹۱۹ء) تفسیر مواهب الرحمٰن، دینی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، ۱۳۹۷ھ-۱۹۷۷ء
* بازمول، محمد بن عمر بن عمر سالم، شرح مقدمة فی أصول التفسیر لابن تیمیۃ، دار الامام احمد، القاہرۃ، مصر، ط اولیٰ ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء
* البخاری، محمد بن اسماعیل، الامام المحدث (۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، دار السلام، الریاض، ط۔ ثانیۃ، ۱۹۹۹ء۔
* برنی، ضیاء الدین، (م ۷۸۵ھ/۱۳۸۳ء) تاریخ فیروز شاھی، کلکتہ ۱۹۲۴ء
* البزار، ابوبکر (۲۹۲ھ) المسند (البحر الزخّار) ت، محفوظ الرحمان موسسۃ علوم القرآن، ط اولیٰ ۱۹۹۸ء
* البغدادی، الخطیب، (۴۶۳ھ) الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط ۲۰۰۸ء
* البغدادی، الخطیب، (م ۴۶۳ھ) الکفایۃ فی علم الروایۃ، ت عبدالمنعم حسن شلبی، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط اولیٰ ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
* البغدادی، عبدالقاہر، الفَرق بین الفِرَق، الآفاق الجدیدۃ، بیروت، ط ثانیۃ ۱۹۷۷ء
* البغوی، (۵۱۶ھ) شرح السنۃ، ت شعیب الأرنؤوط، المکتب الاسلامی، ط ثانیۃ، ۱۹۸۲ء
* البقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد ۱۳۸۹ھ
* بلگرامی، قاضی مظہر الدین، عیون العرفان فی علوم القرآن، شجاعت پبلی کیشنز لاہور، س ن
* پرویز، غلام احمد، لغات القرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ، لاہور ط اول ۱۹۶۰ء
* پرویز، غلام احمد، ابلیس و آدم، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ لاہور، ط ثانیہ ۱۹۹۴ء
* پرویز، غلام احمد، تفسیر مطالب الفرقان، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ لاہور، ط اول

Marfat.com

* پرویز، غلام احمد، قرآنی فیصلے، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ لاہور، ط رابعہ ۱۹۸۷ء
* پرویز، غلام احمد، کتاب التقدیر، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ، لاہور ط ثانیہ ۱۹۸۷ء
* پرویز، غلام احمد، معارف القرآن، جلد اول، ادارہ طلوع اسلام، دہلی س ن
* پرویز، غلام احمد، معارف القرآن، جلد ۱، ۲، ۳ ادارہ طلوع اسلام، نئی دہلی، س ن
* پرویز، غلام احمد، معارف القرآن، جلد ۴ ادارہ طلوع اسلام، کراچی س ن
* پرویز، غلام احمد، مقام حدیث، ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ لاہور، ط اول ۲۰۰۴ء
* پرویز، غلام احمد، من ویزداں، ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ لاہور، ط اول ۲۰۰۴ء
* پرویز، غلام احمد، نظام ربوبیت، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور، ط ثانیہ ۱۹۷۸ء
* ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، الامام، (م ۲۷۹ھ)، الجامع، دارالسلام، الریاض ط اولیٰ ۱۹۹۹ء
* تقی عثمانی، حضرت مولانا، علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، س-ن
* تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت، بیان القرآن، لاہور، ط ۱۳۷۳ھ
* الجرجانی، عبدالقاهر (۴۷۱ھ)، دلائل الاعجاز
* الجرجانی، علی بن محمد بن علی (۸۱۶ھ) التعریفات، ت ابراہیم الابیاری، ط اولی ۱۴۰۵ھ، دارالکتاب العربی، بیروت
* الجوہری، اسماعیل بن حماد (۳۹۳ھ) الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، دارالعلم، ملایین، بیروت
* حاجی خلیفہ چلپی، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مطبع معارف، استنبول، ۱۹۴۱ء
* حامد، کمال الدین، آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟ مطبوعات ایقاظ، لاہور
* حسن مدنی، ڈاکٹر، حافظ (مرتب)، قرآن فہمی کے بنیادی اصول، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، س 2005ء
* الحاکم، النیسابوری، الامام، محمد بن عبداللہ، (م ۴۰۵ھ)، المستدرك على الصحيحين، دارالمعرفة، بیروت، ط ثانیہ، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
* الخضیری، الدکتور، استاذ مساعد، جامعۃ الامام محمد بن سعود، الریاض، تفسیر التابعین، (رسالۃ دکتوراہ)، دارالوطن، الریاض، ط۔ اولی، ۱۴۲۰ھ۔ ۱۹۹۹ء۔
* الخطابی، ابوسلیمان، (م ۳۸۸ھ)، معالم السنن، مطبوع فی ذیل سنن ابی داؤد، دارالحدیث، بیروت، ط اولی، ۱۳۹۴ھ
* داؤدی، طبقات المفسرین، ت۔ علی محمد عمر، مکتبۃ وھبۃ، القاھرۃ، ط۔ اولیٰ، ۱۳۹۲ھ۔
* دہلوی، سید احمد حسن، ڈپٹی (م ۱۹۲۰ء۔ ۱۳۳۸ھ)، احسن التفاسیر، مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور۔
* دہلوی، سید احمد حسن، ڈپٹی (م ۱۹۲۰ء۔ ۱۳۳۸ھ)، احسن الفوائد، قرآن مجید معہ ترجمہ مع موضح

Marfat.com

القرآن، مطبع فاروقی، دہلی، ۱۳۱۵ھ

❊ دہلوی، شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳۔۱۷۶۲ء)، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (عربی مترجم)، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن۔

❊ دہلوی، شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳۔۱۷۶۲ء)، فتح الخبیر بما لابد من حفظه فی علم التفسیر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن۔

❊ دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث، اخبار الاخیار، مطبع محمدی، دہلی، ۱۹۸۳ء۔

❊ دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث، فوائد الفواد، لاہور ۱۹۶۶ء۔

❊ دہلوی، عبدالستار، محدث، مولانا (۱۹۰۵ء۔۱۹۶۶ء)، حدیث التفاسیر (تفسیر ستاری، دو ترجمہ وحواشی قرآن مجید)، مکتبہ اشاعت الکتاب والسنہ، کراچی، س۔ن۔

❊ الدارمی، (م ۲۰۰ھ)، السنن، ت۔ عبداللہ ہاشم الیمانی، دارالمحاسن، القاہرۃ، ۱۹۷۷ء۔

❊ الذہبی، محمد حسین، الدکتور، التفسیر والمفسرون، آوند دانش، مصر، ط۔ اولیٰ، ۱۴۲۵ھ۔۲۰۰۵ء۔

❊ الذہبی، (م ۷۴۸ھ)، تذکرۃ الحفاظ، الطبعۃ الاولیٰ الھندیۃ، س۔ن۔

❊ الذہبی، (م ۷۴۸ھ)، سیر اعلام النبلاء، اشراف: شعیب الارنؤوط، ط۔ اولیٰ، موسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

❊ الذہبی، (م ۷۴۸ھ)، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ت۔ علی البجاوی، دارالمعرفۃ، بیروت۔

❊ رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۱ء۔

❊ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مکتبۃ قاسمیہ، فیصل آباد۔

❊ راغب اصفہانی، مقدمۃ التفسیر، مطبوعۃ فی آخر الفوز الکبیر، کراتشی۔

❊ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، نولکشور، لکھنؤ، ۱۳۳۲ھ۔

❊ روپڑی، حافظ عبداللہ، محدث، درایت تفسیری، مطبع روز بازار سٹیم پریس، امرتسر، ۱۳۳۳ھ۔

❊ الرافعی، اعجاز القرآن، دارالفکر العربی، ط۔ ثامنۃ۔

❊ الشافعی، الامام، الرسالۃ، ت۔ د۔ عبداللطیف، ماھر یاسین الفحل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۔ اولیٰ، ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء۔

الرومی، فھد بن سلیمان، الدکتور، جامعۃ الملک سعود، الریاض، اتجاھات التفسیر فی القرن الرابع عشر، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۔ رابعۃ، ۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء۔

❊ الرومی، فھد بن سلیمان، الدکتور، جامعۃ الملک سعود، الریاض، بحوث فی اصول التفسیر و مناھجه، مکتبۃ الرشد، مکتبۃ التوبۃ، الریاض، ط۔ سادسۃ، ۱۴۲۲ھ۔

❊ الرومی، فھد بن سلیمان، الدکتور، جامعۃ الملک سعود، الریاض، دراسات فی علوم القرآن الکریم،

Marfat.com

ط۔خامسۃ عشر،۱۴۲۸ھ۔۲۰۰۷ء۔

* الرومی، فہد بن سلیمان، الدکتور، جامعۃ الملک سعود، الریاض، منہج المدرسۃ العقلیۃ الحدیثۃ فی التفسیر، مکتبۃ الرشد، ریاض، ط۔خامسۃ ،۱۴۲۲ھ۔
* الزرقانی محمد عبدالعظیم، الشیخ، مناھل العرفان فی علوم القرآن، ت۔فواز احمد زمرلی، دارالکتاب العربی، بیروت، ط۔رابعۃ ،۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء۔
* الزرکشی، بدرالدین، (م۷۹۴ھ)، البرھان فی علوم القرآن، ت۔مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ط۔اولیٰ ۱۴۲۸ھ۔۲۰۰۷ء۔
* الزرکشی، بدرالدین، البحر المحیط في اصول الفقه، ت۔عبدالقادر عبداللہ، وزارۃ الاوقاف، الکویت۔
* الزرکلی، الاعلام، دارالعلم للملایین، بیروت، ط۔خامسہ ،۱۹۸۰ء۔
* زکریا غلام قادر، من اصول الفقه علی منهج اهل الحدیث، دارالخراز، جدۃ، السعودیۃ، ط اولی، ۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء
* الزمخشری، جاراللہ محمود بن عمر، (۴۶۸ھ۔۵۳۸ھ)، اساس البلاغة، دارالمعرفۃ، بیروت، س۔ن۔
* الزمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، وعیون الاقاویل فی وجوه التاویل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۔رابعۃ ،۱۴۲۷ھ۔۲۰۰۶ء۔
* زیدان، عبدالکریم، الدکتور، الاستاذ بجامعۃ بغداد، الوجیز فی اصول الفقه، فاران اکیڈمی، لاہور، س۔ن۔
* السبت، خالد بن عثمان، قواعد التفسیر، دار ابن عفان، الخبر ،السعودیۃ، ط۔اولیٰ، ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۷ء۔
* سرخسی، (م۴۹۰ھ) اصول الفقه، ت۔ابوالوفاء الأفغانی، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان۔
* سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ط۔ن۔س۔۲۰۰۴ء۔
* سرسید احمد خان، نواب محسن الملک، مکاتبات الخُلّان فی اصول التفسیر وعلوم القرآن، مرتب: محمد عثمان مقبول، مطبع احمدی، علی گڑھ، س۔ن۔
* سلفی، شیخ الحدیث، مولانا محمد اسماعیل (۱۸۹۵۔۱۹۶۸ء) ''مقالات حدیث'' ت۔حافظ شاہد محمود، ام القری پبلیکشنز، گوجرانوالہ، طبع اول، فروری ۲۰۰۹ء
* سیالکوٹی، محمد صادق، مولانا، ضرب حدیث، مکتبہ نعمانیہ، اردو بازار، گوجرانوالہ۔
* سید ناصر الدین، محمد ابوالمنصور، دہلوی، تنقیح البیان (تفسیر القرآن، سید احمد خان صاحب کا جواب)، نصرت المطابع دہلی، ۱۲۹۸ھ۔
* سرسید، احمد خان، التحریر فی اصول التفسیر (مشمولہ تفسیر القرآن)، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ط۔ن۔ س۔۲۰۰۴ء۔

Marfat.com

❊ السعدی، عبدالرحمٰن بن ناصر، الشیخ، القواعد الحسان لتفسیر القرآن، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۔ ثانیۃ، ۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳ء۔
❊ سلفی، اسماعیل، مولانا۔
❊ السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمان بن ابی بکر، الامام (م ۹۱۱ھ)، تاریخ الخلفاء، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، الریاض، ط۔ اولیٰ، ۱۳۵۱ھ۔
❊ الشاشی، نظام الدین، (من علماء القرن السابع)، اصول الشاشی، مکتبۃ البشری، کراتشی، ط۔ ثانیہ، ۱۴۲۹ھ۔۲۰۰۸ء۔
❊ الشاطبی، ابواسحاق، ابراہیم بن موسیٰ، الامام الاصولی، الاعتصام، ت۔ سید ابراہیم، دارالحدیث، القاھرۃ، ۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳ء۔
❊ الشاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، دارالحدیث القاھرۃ، ۱۴۲۷ھ۔۲۰۰۶ء۔
❊ الشافعی، محمد بن ادریس، الامام (م ۲۰۴ھ)، الرسالۃ، دارالکتب العربی، بیروت۔
❊ الشافعی، محمد بن ادریس، الامام، الرسالۃ، ت۔ د۔ عبداللطیف، مھر یاسین الفحل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۔ اولیٰ، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء۔
❊ شاہد علی، ڈاکٹر، سید ''اردو تفاسیر بیسویں صدی میں''، مکتبہ قاسم العلوم۔ ط۔ س۔ ن۔
❊ شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ط۔ ۲۰۰۶ء۔
❊ شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ط۔ ۲۰۰۵ء۔
❊ شیخ محمد اکرام، موجِ کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ط۔ ۲۰۰۷ء۔
❊ الشنقیطی، محمد الامین، الشیخ (م ۱۳۹۳ھ)، أضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۔ ثالثۃ، ۲۰۰۶ء۔۱۴۲۷ھ۔
❊ الشوکانی، محمد بن علی، الامام (م ۱۲۵۰ھ)، إرشاد الفحول، الی تحقیق الحق من علم الاصول، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ۔
❊ الشوکانی، محمد بن علی، الامام (م ۱۲۵۰ھ)، البدر الطالع لمحاسن من بعد القرن السابع، دارالکتاب الاسلامی، القاھرۃ، س۔ن
❊ الشوکانی، محمد بن علی، الامام (م ۱۲۵۰ھ)، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، س۔ن۔
❊ الشہرستانی، ابوالفتح محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۸۷ھ۔
❊ صالحہ، عبدالحکیم شرف الدین، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن۔

Marfat.com

* الصباغ، محمد بن لطفی، الدکتور، لمحات فی علوم القرآن واتجاهات التفسیر، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۔ ثالثۃ، ۱۴۱۰ھ۔۱۹۹۰ء۔
* طاہر محمود، الدکتور، اسباب الخطا فی التفسیر (رسالۃ دکتوراہ)، دار ابن الجوزی، السعودیۃ، ط۔ اولیٰ، ۱۴۲۵ھ۔
* الطبری، ابوجعفر، محمد بن جریر، الامام (م۳۱۰ھ)، جامع البیان فی تأویل آی القرآن، مطبعۃ مصطفیٰ البابی، مصر، ط۔ ثانیہ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء۔
* الطیار، مساعد بن سلیمان، الدکتور، شرح مقدمۃ فی اصول التفسیر، لابن تیمیۃ دار ابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ط۔ ثانیۃ، ۱۴۲۸ھ
* الطیار، مساعد بن سلیمان، الدکتور، فصول فی اصول التفسیر، دار ابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ط۔ ثالثۃ، ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء
* الطیار، مساعد بن سلیمان، الدکتور، المحرر فی علوم القرآن، مرکز الدراسات والمعلومات القرآنیۃ، جدۃ، السعودیۃ، ط۔ ثانیۃ، ۲۰۰۸ء۔۱۴۲۹ھ۔
* عبدالجبار المعتزلی، القاضی، (م۴۱۰ھ)، تنزیہ القرآن عن المطاعن، دار النهضۃ، بیروت
* عبدالحق کوٹلوی، بن مولانا مولوی حسن شاہ، السراج المنیر فی اصول التفسیر، مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، س۔ن۔
* عبدالرحمان، الدکتور، الزنیدی، مناهج البحث فی العقیدۃ الاسلامیۃ فی العصر الحاضر، مرکز الدراسات، الریاض، السعودیۃ، ط۱۴۰۵ھ
* عبدالرزاق، الصنعانی، الامام المحدث، (م۲۱۱ھ)، المصنف، ت حبیب الرحمان الاعظمی، مطابع دارالقلم، بیروت، ۱۹۷۰ء
* عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر، پروفیسر، تفسیر قرآن کا مفہوم، آداب اور تقاضے، مجلس التحقیق الاثری، جہلم، ۱۹۹۱ء
* عبدالغفار حسن، مولانا، قرآن فہمی کے بنیادی اصول، رباط العلوم الاسلامیۃ، کراچی ۱۹۹۰ء
* عبدالمجید، المحتسب، الدکتور، اتجاهات التفسیر فی العصر الراهن، مکتبۃ النهضۃ، عمان الاردن، ط ثالثۃ، ۱۴۰۷ھ
* عبدالمجید، محمود مطلوب، الدکتور، مباحث فی علوم القرآن والحدیث، موسسۃ المختار القاهرۃ مصر، ط ثانیہ، ۱۴۷۹ھ
* عبدہ الفلاح، مولانا (۱۹۹۹ء)، تاریخ قرآن، دارالحدیث راجووال، ساہیوال، س۔ن

Marfat.com

* عبدہ الفلاح، مولانا (۱۹۹۹ء) فہم قرآن کے بنیادی اصول، دارالحدیث راجووال، ساہیوال، س-ن
* عثمانی، شبیر احمد، العقل و النقل، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۳۹۶ھ
* عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، (حواشی بر ترجمہ حضرت محمود حسن)، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ المنورۃ، س-ن
* عثمانی، محمد نسیم، پروفیسر، ڈاکٹر ''اردو میں تفسیری ادب''، عثمانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، گلشن اقبال، کراچی، س۔ ۱۹۹۴ء۔
* عدنان زرزور، الدکتور، مدخل الی تفسیر القرآن وعلومہ، دارالقلم، دمشق، الدارالشامیۃ، بیروت، ط۔ ثانیہ ۱۹۹۸ء
* عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، ڈاکٹر جمیل جالبی (مترجم)، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ط سوم، ۲۰۰۰ء
* عظیم آبادی، شمس الحق (م ۱۳۲۹ھ)، عون المعبود، دارالکتب العلمیۃ، ط اولی ۱۴۰۱ھ
* عمیم الاحسان، المجد دی، السید، التنویر فی اصول التفسیر، مطبعۃ ایجوکیشنل، کراچی، س-ن
* غازی عزیز، مبارکپوری، انکار حدیث کا نیا روپ، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ط اول، ۲۰۰۹ء
* غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، الفیصل، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء
* غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی، الفیصل، لاہور، ۲۰۰۴ء
* غامدی، جاوید احمد، اصول ومبادی، المورد، لاہور، ط ۲۰۰۶ء
* الغزالی، الامام (م ۵۰۵ھ)، المستصفی امن علم الاصول، مطبعۃ امیریہ، بولاق مصر، ط اولی ۱۳۲۴ھ
* الفراھی، عبدالحمید، حمید الدین، (۱۲۸۰ھ-۱۳۴۹ھ)، اسالیب القرآن، الدائرۃ الحمدیۃ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی، الھند، ط ثالثۃ، ۲۰۰۵م
* الفراھی، التکمیل فی اصول التاویل، ایضاً
* الفراھی، تفسیر سورہ اللھب، من نظام القرآن فی تاویل الفرقان بالفرقان، مطبعہ معارف، اعظم گڑھ، الھند، س-ن
* الفراھی، تفسیر سورۃ الفیل، معان نظام القرآن فی تاویل الفرقان بالفرقان، مطبعہ معارف، اعظم گڑھ، الھند، ط ن، ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء
* الفراھی، تفسیر قرآن کے اصول، ترجمہ وترتیب: خالد مسعود، ادارہ تدبر قرآن وحدیث، لاہور ۱۹۹۹ء
* الفراھی، تفسیر نظام القرآن تاویل الفرقان بالفرقان (سورۃ البقرۃ)، الدائرہ الحمدیۃ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی، الھند، ط ثالثۃ، ۲۰۰۵م

Marfat.com

* الفراھی، حکمت قرآن، ترجمہ خالد مسعود، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان ط دوم، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء
* الفراھی، دلائل النظام، ایضاً
* الفراھی، رسائل الامام الفراھی، فی علوم القرآن، ایضاً
* الفراھی، مجموعه تفاسیر فراھی، ترجمہ امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، ط سوم، ۲۰۰۸ء
* فلاحی، عبیداللہ فہد، ڈاکٹر، قرآن کریم میں نظم و مناسبت، دارالتذکیر، لاہور ۱۹۹۹ء
* الفیروزآبادی، (۷۲۹-۸۱۷ھ)، القاموس المحیط، داراحیاء التراث العربی، موسسۃ التاریخ العربی، بیروت، ط اولی، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء
* الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنیر، مکتبۃ لبنان، بیروت، ۱۹۹۰ء
* قاسمی، پروفیسر ڈاکٹر محمد دین، تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، ط اول ۲۰۰۹ء
* قاسمی، خورشید انور، مولانا، الفوز العظیم اردو شرح الفوز الکبیر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س-ن
* قدوائی، محمد سالم، ڈاکٹر، ھندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ط اول، ۱۹۷۳ء
* القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الانصاری (م ۶۷۱ھ)، الجامع لأحکام القرآن (تفسیر القرطبی)، دارالکتب العربی، ط ثالثہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء
* کاندھلوی، محمد مالک، مولانا، شیخ الحدیث، التحریر فی اصول التفسیر، قرآن محل، کراچی، س-ن
* کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا (۱۹۹۵ء)، آئینہ پرویزیت، مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور، ط چہارم، ۲۰۰۴ء
* کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا (۱۹۹۵ء)، تیسیر القرآن، مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور
* کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا (۱۹۹۵ء)، مترادفات القرآن، مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور، ط پنجم، نومبر ۲۰۰۰ء
* گوندلوی، حافظ محمد محدث (۱۸۹۷ء-۱۹۸۵ء) مقالات محدث گوندلوی، ت۔ حافظ شاہد محمود، ام القریٰ پبلیکیشنز، گوجرانوالہ، طبع اول (۲۰۱۱ء)
* گوہر رحمان، علوم القرآن، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ط دوم، ۲۰۰۳ء
* گیلانی، سید مناظر احسن، ھندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۴۴ء
* لکھنوی، سید عبدالحی، اسلامی علوم و فنون ھندوستان میں، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء
* لکھنوی، سید عبدالحی، نزھۃ الخواطر، ادارۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۹۳۱ء

Marfat.com

* محمد ابراہیم، الدکتور، اتجاھات التجدید فی تفسیر القرآن الکریم، دارالسلام، القاھرۃ، ط اولیٰ ۱۴۲۹/ ۲۰۰۸ء
* محمد احمد عیسیٰ، موسوعۃ الاسرائیلیات و الموضوعات فی کتب التفسیر، دارالغد الجدید، القاھرۃ، ط اولی، ۲۰۰۸ء
* محمد احمد، مدرس القرآن بالمسجد النبوی الشریف، نفحات من علوم القرآن، دارالسلام، القاھرۃ مصر، ط ثالثہ، ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ
* محمد المالکی، الاستاذ، دراسۃ الطبری للمعنی من خلال تفسیرہ جامع البیان، وزارۃ الاوقاف، المملکۃ الغربیۃ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء
* مرادآبادی، نعیم الدین، سید، تفسیر نعیمی، تاج کمپنی، لاہور، ط-ن
* مساعد، مسلم عبداللہ آل جعفر، الدکتور، أثر التطور الفکری فی التفسیر، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط اولی، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء
* مسعود احمد، بی ایس سی، امیر جماعت المسلمین، تفسیر قرآن عزیز، جماعت المسلمین، کراچی، ۱۹۹۷ء
* مسلم، ابن الحجاج القشیری، الامام، الصحیح، دارالسلام، الریاض، ط ثانیۃ، ۲۰۰۰ء
* مفتی محمد شفیع، حضرت، مولانا، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ط، ن-س ۱۹۸۷ء
* مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، دارنشر الکتب الاسلامیۃ، کراتش باکستان، س-ن
* منی، محمد بھی الدین الشافعی، التیار العلمانی و موقفہ من تفسیر القرآن الکریم، دارالنشر، القاھرۃ، ط اولا ۱۴۲۹ھ
* مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ط ۳۱، س ۲۰۰۰ء
* المزّی، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ت د، بشار عواد معروف، موسسۃ الرسالۃ، بیروت
* النسائی، ابوعبدالرحمٰن، احمد بن شعیب بن علی، (م ۳۰۲ھ)، السنن الصغریٰ، دارالسلام، الریاض، ط اولی، ۱۹۹۹ء
* نادی، ابوعمر، الدکتور، أستاذ التفسیر بجامعۃ الازھر، دراسات فی مناھج المفسرین، مکتبۃ المتنبی، ط، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
* نادی، مناھج التفسیر، عند المبتدعۃ و الملحدین، مکتبۃ المتنبی، القاھرۃ، ۱۴۲۹ھ-۲۰۰۸ء
* ندوی، ابوالحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س-ن
* ندوی، سید سلیمان، مقالات سلیمان، شاہ معین الدین احمد ندوی (مرتب)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ط اول، ۱۹۹۰ء

Marfat.com

* ندوی، محمد حنیف، مطالعہ قرآن، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء
* ندوی، مولانا جلیل احسن (سابق شیخ التفسیر جامعۃ الفلاح)، تدبر قرآن پر ایک نظر، دارالتذکیر، لاہور، ۲۰۰۷ء
* نظام نیشاپوری، حسن بن محمد، (م ۷۳۰ھ)، غرائب القرآن و رغائب الفرقان، علی ہامش تفسیر الطبری، مطبعۃ میمینہ، مصر، ۱۳۷۱ھ
* نواب صدیق حسن خان، قنوجی، ابجد العلوم
* نواب صدیق حسن خان، قنوجی، اکسیر فی اصول التفسیر (فارسی)، مطبع نظامی کانپور، ۱۲۹۰ھ
* نواب صدیق حسن خان، قنوجی، البلغة فی أصول اللغة، مطبع الھند۔
* نواب صدیق حسن خان، قنوجی، ترجمان القرآن بلطائف البیان، مطبع س-ن
* نورالدین عتر، الدکتور، علوم القرآن الکریم، مطبعۃ الصباح، دمشق، ط سادستہ، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء
* النسائی، ابوعبدالرحمٰن، احمد بن شعیب بن علی، (م ۳۰۲ھ)، السنن الکبری، ت د، عبدالغفار سلیمان، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط اولی، ۱۹۹۱ء
* وحیدالدین خان، عظمت قرآن، دارالتذکیر، لاہور، ۲۰۰۳ء
* وحیدالدین، خان، تعبیر کی غلطی، دارالتذکیر، لاہور۔
* الواحدی، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، ت مجموعۃ من العلماء، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط اولی، ۱۴۱۵ھ
* الھندی، علی المتقی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مکتبۃ التوارث الاسلامی، حلب، ط اولی، ۱۳۸۱ھ/۱۹۷۱ء
* الہیثمی، (م ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ط ثالثۃ، ۱۹۸۲ء
* بحوث فی علوم التفسیر والفقہ والدعوۃ، دارالحدیث، القاھرۃ، ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء۔

رسائل وجرائد

* اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
* المعجم المفہرس، الالفاظ القرآن الکریم
* المعجم الوجیز، مجمع اللغۃ العربیۃ، القاھرۃ
* المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیۃ، القاھرۃ

Marfat.com

- تحقیقی ''مجلّہ علوم اسلامیہ''، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
- سہ ماہی ''تحقیقات اسلامی''، علی گڑھ، مدیر جلال الدین عمری، (تفسیر قرآن میں نظم کی استدلالی حیثیت مبشر حسین لاہوری)
- سہ ماہی ''فکر و نظر'' اسلام آباد، اپریل-جون ۱۹۹۹ء، خصوصی اشاعت ''برصغیر میں مطالعہ قرآن''
- سہ ماہی ''فکر و نظر'' اسلام آباد، جلد ۴۱، شمارہ نمبر ۳، (برصغیر میں تفسیر قرآن کا کلامی اسلوب: محمد ارشد)
- ششماہی ''الاضواء''، شیخ زید اسلامک سنٹر، لاہور دسمبر ۲۰۰۹ء، (اجماع اور تفسیر قرآن، ڈاکٹر حافظ عبداللہ)
- ششماہی ''علوم القرآن''، علی گڑھ، جنوری تا جون ۲۰۰۲ء (فن اصول تفسیر مبادی تدبر قرآن کے حوالے سے، اشہد رفیق ندوی
- ششماہی ''علوم القرآن''، علی گڑھ، جنوری تا جون ۱۹۸۶ء (علم قرآن عہد سلطنت کے ہندوستان میں، ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی)
- ششماہی ''علوم القرآن''، علی گڑھ، جنوری تا جون ۱۹۸۷ء (علم قرآن سترہویں صدی کے ہندوستان میں، ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی)
- ششماہی ''علوم القرآن''، علی گڑھ، جنوری تا دسمبر ۲۰۰۱، شاہ ولی اللہ اور سرسید کے تفسیری خیالات کا موازنہ
- ششماہی ''علوم القرآن''، علی گڑھ، جولائی تا دسمبر ۱۹۸۶ء (عہد اکبری کی تفسیری خدمات، ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی)
- ششماہی ''علوم القرآن''، علی گڑھ، خصوصی اشاعت، قرآنی علوم بیسویں صدی میں، سیمینار نمبر، جنوری، دسمبر ۲۰۰۴-۲۰۰۵ء
- فہرس مخطوطات، عربی، فارسی، اردو، آصفیہ لائبریری، حیدر آباد، ۱۹۰۰ء
- ماہنامہ طلوع اسلام
- ماہنامہ ''اشراق'' لاہور، جنوری-فروری ۱۹۹۹ء، (مولانا اصلاحی کی کہانی ان کی اپنی زبانی، شہزاد سلیم)
- ماہنامہ ''الاصلاح'' ترجمان مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ
- ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک، دسمبر ۱۹۷۶ء، لوازمات تفسیر، نور محمد غفاری، ریسرچ سکالر، پشاور یونیورسٹی)
- ماہنامہ ''تدبر'' لاہور، علم و عرفان کے ماہ کامل کا غروب''، خالد مسعود، شمارہ ۵۹، جنوری ۱۹۹۸ء
- ماہنامہ ''حکمت قرآن''، لاہور، ڈاکٹر اسرار احمد، اپریل-مئی ۲۰۰۷
- ماہنامہ ''حکمت قرآن''، لاہور، ڈاکٹر اسرار احمد، جنوری ۲۰۰۲ء (نظم قرآن، تاریخ و تحقیق: ادراقبال قاسمی)
- ماہنامہ ''حکمت قرآن''، لاہور، ڈاکٹر اسرار احمد، جولائی ۱۹۸۵ء، (قرآن خدا کی کتاب، مولانا وحید الدین خان)

Marfat.com

- ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، دسمبر ۱۹۸۵ء (سائنس اور مطالعہ قرآن، مولانا عزیزاللہ اعظمی)
- ماہنامہ ''رشد'' لاہور، قراءات نمبر (حصہ اول)، جون، ۲۰۰۹ء، کلیۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، لاہور
- ماہنامہ ''محدث'' لاہور
- ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۸۳ء، التفسیر بالرای اور اس کی حیثیت، عبدالرحمٰن پرواز)
- مجلۃ البحوث الاسلامیہ، الریاض، مجلۃ دوریہ تصدر عن رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء، العدد ۶۷، رجب، شعبان، رمضان، شوال ۱۴۲۳ھ
- مجلۃ کلیۃ اصول الدین، جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ، الریاض العدد الرابع، العام الجامعی، ۱۴۰۲/ ۱۴۰۳ھ
- ہفت روزہ ''الاعتصام'' شیش محل روڈ، لاہور ۹-۱۶ جنوری ۱۹۹۹ء، مولانا امین احسن اصلاحی، تصویر کا دوسرا رخ، حافظ صلاح الدین یوسف

غیر مطبوعہ مواد

عربی لغت سے استدلال، اردو تفسیری ادب کے رجحانات، تقابلی و تجزیاتی مطالعہ (تحقیقی مقالہ برائے پی-ایچ-ڈی علوم اسلامیہ) ۲۰۰۸ء مقالہ نگار: حافظ محمد شہباز، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

English Books:

- Mustansar Mir, Coherence in the Quran, A study of Islahi's Concept of Nazm in Tadabburi-Quran, American Trust Publications, 1986
- Zubaid Ahmad, Contribution of India to Arabic Literature, Ilahabad, 1946

Websites:

www.altafsir.net
www.raqamiah.net
www.shamela.ws
www.said.net
www.yasoob.com

❋❋❋

Marfat.com

برصغیر میں
اصولِ تفسیر کے
مناہج و اثرات

تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر عبید الرحمن محسن

Marfat.com